Nisar Library
PAKIDIGEST
FREE URDU DIGESTS

07 — چیخ ہی چیخ — مدیحہ علی
قارئین کی کرم فرمائیاں اور رنج و ادائیاں
نامہ و پیام، تجزیے، محبتیں اور شکایتیں

14 — وبائی دہشت — امجد رئیس
لہو میں ڈوبی خون رنگ سازش کے اسرار و رموز
ایک ناقابلِ فراموش ناول کے نشیب و فراز

67 — منزل — تنویر ریاض
گینگ وار کے مجرموں کا خطرناک ٹکراؤ
وہ ایک دوسرے کی جان کے درپے تھے.....

77 — آزاد قیدی — امتیاز سلیم وصلی
ناکردہ جرم کا خراج دینے والے
خاندان کا اعتراز و احساس

85 — وصیت — عکس ملیحہ
اصل وصیت تک کی جانے
والی تب کا شاخسانہ

98 — انگارے — طاہر جاوید مغل
سطر سطر رنگ بدلتی...
ایک لہو رنگ اور دل گداز داستان

135 — کارِزیاں — طارق اوپھاہ
[illegible]

145 — ہدف — عمران قریشی
بے حسی.... بے وفائی.... کج روی
[illegible]

151 — تماشا — منظر امام
سرِ راہ ہونے والی اتفاقی
ملاقات جو زندگی پر محیط ہو گئی

166 — آوارہ گرد — ڈاکٹر عبدالرب بھٹی
تحیر... سسنی اور ایکشن میں ابھرتا
ڈوبتا دلچسپ سلسلہ...

195 — انجام — تمکین رضا
یقین اور خود اعتمادی سے تیار کیا گیا
جال... جسے اپنے شکار کا انتظار تھا

207 — خونی رشتہ — ڈاکٹر شبا ارشد
خونی رشتوں میں آنے والی گراوٹ کے نتیجے
میں رونما ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کی بغاوت

224 — سارق مصنفہ — سلیم انور
باتوں ہی باتوں میں مجرم شناس
سراغ رساں کا کارنامہ

226 — بحری معما — روبینہ رشید
اپنے کام سے شناخت و شہرت کے
لیے اٹھائے گئے قدم کی دہشت

259 — گمنام مجرم — محمد فاروق انجم
ڈر و خوف کی فضاؤں میں مختلف
روپ اختیار کرتی سرورق کی کہانی

*** — تراش خراش — ادارہ و قارئین
اقتباسات، کرنیں [illegible]
[illegible]

مدیر اعلیٰ
عذرا رسول
0333-2256...

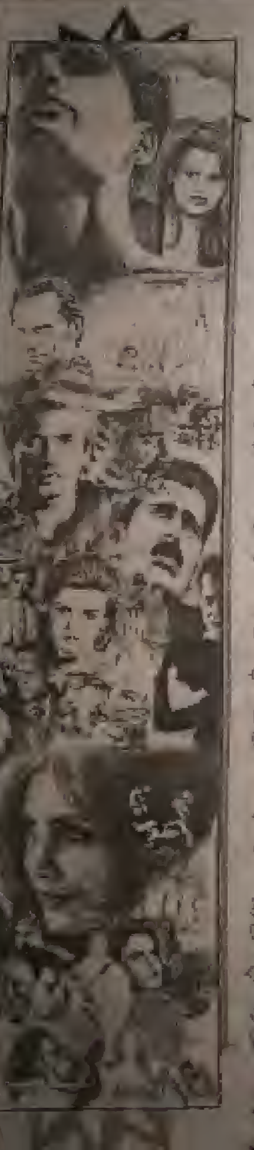

عزیزان من۔۔۔۔۔السلام علیکم!

سالِ نو کا دوسرا شمارہ پیشِ خدمت ہے اور اب پڑھیے ماہرین کے تجزیے۔۔۔۔۔ کہتے ہیں کہ کرۂ ارض پر موجود ہر قسم کی حیات کو جس میں نسلِ انسانی بھی شامل ہے، اس وقت کئی سنگین خطرات لاحق ہیں۔۔۔۔۔ جن کے رونما ہونے کی صورت میں سب کچھ نیست و نابود ہو سکتا ہے۔ ان میں پہلا نمبر۔۔۔۔۔ بڑھتے ہوئے موسمی تغیرات کا ہے۔ کرۂ ارض کا درجۂ حرارت دھیرے دھیرے بڑھ رہا ہے۔ جس کے نتیجے میں سمندروں کی سطح بلند ہو رہی ہے۔ اگلے چند عشروں میں تمام بر اعظموں کے ساحلی شہروں اور جزیروں کے غرقاب ہو جانے کے قوی امکانات ہیں۔ گرمی کی شدت سے جنگلات کے جل اٹھنے کے واقعات آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر وہ ایٹمی تباہ کاریوں کو ارضی حیات کے لیے خطرہ قرار دیتے ہیں۔ جانی بوجھی یا حادثاتی جنگ جوئی کے نتیجے میں جو تباہی اور بربادی مقدر بنے گی، اس کا تصور ہی محال ہے۔ حریف قوتیں ایک دوسرے کے عزائم کا صحیح اندازہ نہ کر پانے کی صورت میں اضطراری طور پر ایٹمی حملے میں پہل کر سکتی ہیں۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد اب امریکا اور شمالی کوریا سرِفہرست ہیں۔۔۔۔۔ کم از کم چار مرتبہ امریکا اور روس کے درمیان ایٹمی میزائلوں کے حملے کے غلط الارم ہو گئے تھے جن کا بروقت ادراک نہ ہوتا تو نہ جانے کیا ہوتا۔۔۔۔۔ ہمارے لیے بھارت کا جنگی جنون ایک سنگین مسئلہ بنا ہوا ہے۔ ماہرین یہ قیاس بھی کر رہے ہیں کہ آبادی میں یہ تیز رفتار اضافہ آخر کار غذائی قلت اور قحط کی صورت میں رونما ہوگا۔۔۔۔۔ ایک بچے کی اسکیم کئی معاشروں میں تباہ کن نتائج لائی ہے۔ مرد و زن کا فطری توازن بگڑ گیا۔ لڑکوں کی خواہش کے نتیجے میں لاکھوں نومولود اور نامولود بچیوں کا خون کر دیا گیا۔ یہ سب وہ حساب کتاب ہیں جو ماہرین کو پریشان کرتے ہیں لیکن قدرت کا اپنا انتظام ہے جو قرنوں سے چل رہا ہے اور اسی طرح چلتا رہے گا۔۔۔۔۔ سب کچھ فنا ہونے کا ایک وقت معین ہے۔ اس سے پہلے بہت کچھ ہو سکتا ہے مگر وہ نہیں ہوگا جو ماہرین کہتے ہیں۔ قیامت آئے گی تو پھر کچھ نہیں بچے گا۔۔۔۔۔ یہ ہمارا ایمان ہے اور اسے کوئی متزلزل نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔ ان سخت اور دل دہلا دینے والے حقائق سے صرفِ نظر کر کے رخ کرتے ہیں آپ کی شرارتی، کھلکھلاتی اور دل لبھاتی محفل کا جہاں ہر قاری اپنے شاہکار تبصرے کے ساتھ موجود ہے۔

داؤد خیل سے ریاست خان کی تعریف کے ساتھ مبارکباد ”2018ء اپنے اختتام کی جانب گامزن ہے۔ 2019ء کا آغاز ہونے والا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ 2019ء ملک میں امن و سلامتی لائے اور ادارے کو اور بھی زیادہ کامیابیاں نصیب ہوں۔ (آمین) جاسوسی جنوری 2019ء کا شمارہ جلد ہی مل گیا۔ سرورق بہت بہت شاندار تھا۔ خوب صورت حسینہ اور اس کے ساتھ کھڑے دولہا لطف دے رہے تھے۔ چیتی بیٹھک میں پہنچے جہاں محمد عزیز صاحب براجمان نظر آئے۔ بہت بہت مبارکباد قبول کریں۔ تبصرہ واقعی بہت عمدہ تھا۔ ایک ہی خط میں بہت کچھ بیان کر دیا۔ دانیال حسن جاسوسی میں خوش آمدید۔ جاسوسی ہے ہی اتنا اچھا کہ سب کو دیوانہ کر دیتا ہے۔ محی الدین 13 ماہ آپ کی بہت رہی اتنی بھی دوری نہ جایا کریں۔ (قربت کم رکھیں مگر دوری زیادہ نہ ہو۔۔۔) نواز علی آپ کی ہمت کو سلام کہ آپ نے ہر حال میں جاسوسی کو اپنائے رکھا ویسے بیوی بھی کچھ غلط نہیں کہتی۔ ذیشان کاظمی فی الحال گریجویشن کے بعد آگے پڑھنے کا ارادہ نہیں آپ بتاؤ کیا کر رہے ہو۔ بالکل انور یوسف آپ جیسے پیارے دوست بھولنے کی چیز نہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین۔ ساگر بھائی ہمارے داؤد خیل سے بھی میانوالی 33 کلومیٹر ہے لیکن اللہ کا شکر ہے ہمیں اپنے شہر سے ہی مل جاتا ہے جاسوسی ورنہ اتنی سردی میں سفر مشکل ہے۔ ساگر میرا مطلب تھا کہ رمشا صاحبہ شاید زیادہ ہی پریشان ہیں رسالے کی قیمت بڑھنے سے۔ پرویز احمد کا دم بہ دم تبصرہ لبوں پہ مسکان بکھیر گیا، شاندار تبصرہ تھا۔ اس مرتبہ سب دوستوں کے خط لاجواب تھے۔ کہانیوں کی بات ہو جائے تو اولین صفحات میں لہروں کا فریب زویا اعجاز کی لاجواب تحریر تھی۔ انسانی ہوس کبھی ختم نہیں ہوتی اسی خواہش میں ماجد بھی جان سے گیا اور سلیم بھی۔ قمر اور ماریہ کے کردار بہت پسند آئے۔ دونوں کی انا پرستی نے انہیں ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ انگارے کی کیا تعریف کریں، اس کی ہر قسط کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔ ایسٹر نے نہایت شاندار طریقے سے خود کو ہانڈی والے کے جادو سے بچایا۔ اپنے انگوٹھے کا ستیاناس کر دیا۔ بہت عمدہ جا رہی ہے کہانی۔ بچے بھائی نے آخر میں بے اختیار قہقہہ لگانے پر مجبور کر دیا۔ ۔۔۔۔ صاحب کی بہت عمدہ تحریر۔ آوارہ گرد کی 57 قسط بہت اچھی تھی۔ شہزی کو آخرکار آفسر خالدہ مل ہی گئی لیکن اب آگے جو مصیبت کھڑی ہے اس سے شہزی کیسے نمٹتا ہے اس کا بے صبری سے انتظار ہے۔ سرورق کی پہلی کہانی راہِ گم کردہ روبینہ رشید کی بہت بہترین کہانی تھی۔ ۔۔۔۔ کا لالچ انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ ہم بلاسٹ کرتے ہوئے وہ یہ نہیں سوچتا ہے کہ اللہ نے قرآن میں کیا فرمایا جس نے کسی انسان کو قتل کیا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا، اف ہم مسلمان کدھر جا رہے ہیں۔ حیا فروش اسما قادری کی دلچسپ تحریر تھی۔ معاشرے کے بڑے کے چہرے کو عمدگی سے بیان کیا ہے۔ ۔۔۔ بادہ و روشن عروج اور ۔۔۔ نے کمال کر دیا جس طرح سے انہوں نے زینی کو بچایا، بہت اچھا لگا۔ اس ماہ کا جاسوسی بہت اچھا رہا۔ ۔۔۔

تنہا رہا میں رات بھر

چاند بے آس سا بھر رہا

اپنے ہر تبصرے میں سرورق کی حسینہ کو آڑے ہاتھوں لیا کرتا تھا لیکن اس بار بولتی بند کر دی مصور نے ... سرورق سے جمل نظریں ہٹا کر اپنی محفل میں پہنچا۔ جہاں ... صاحب اپنے تیار کردہ بہترین سلائے کے ساتھ براجمان تھے۔ ... صاحب بھی تفصیلی بیان کر رہے تھے ... [illegible] ... محی الدین اشتیاق ... کے بعد حاضر تھے ... [illegible]

[illegible]

[illegible]

قلم کاروں کے لیے

10,000 روپے

آپ کے بھی ہو سکتے ہیں

انعامی سلسلہ

اگر آپ معاشرتی یا جرم و سزا کی مضبوط و مربوط کہانی سوچ اور لکھ سکتے/سکتی ہیں تو

سسپنس ڈائجسٹ اور جاسوسی ڈائجسٹ

کے صفحات حاضر ہیں۔ یہ مستقل قلم کاروں کی صف میں شامل ہونے کی ابتدا ہو سکتی ہے

- کہانی طبع زاد ہونی چاہیے۔
- پلاٹ اور واقعات کسی اور تحریر سے ماخوذ یا ترجمہ نہ ہوں۔
- کہانی کم از کم تیس سے چالیس صفحات پر مشتمل ہو۔ غیر ضروری یا فحش مواد شامل نہ ہو۔
- انعام یافتہ کے علاوہ اس سلسلے میں موصول ہونے والی دوسری قابل اشاعت کہانیاں ادارے کی عمومی شرح سے معاوضے کی ادائیگی پر شائع کی جائیں گی۔
- صرف اصل مسودہ یا ہارڈ کاپی قابل قبول ہوگی۔ فوٹو کاپی یا ای میل پر آنے والے مسودے انتخاب میں شامل نہیں ہوں گے۔
- جس پرچے کے لیے کہانی ارسال کریں، اس کا نام ضرور درج کریں۔ اپنا نام، پتا اور رابطے کا نمبر مسودے کی ابتدا میں درج کریں۔

مسودے موصول ہونے کی آخری تاریخ 28 فروری 2019ء ہے

اپنے مسودے اس پتے پر ارسال کریں

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

[illegible] کر کے بہت خوشی ہوئی اس لیے ان کو پڑھا۔ بہت سارے [illegible]

[illegible] (اب تو کوئی شکایت نہیں؟)

[illegible] کسی گناہ گار کے بداعمال کی طرح سیاہ رنگ زلفوں [illegible]

[illegible] جچ مچی چابی کروائی تمام طمع پرست لڑکیوں [illegible]

[illegible] گویا تنگی کر دال میں ڈالنے جیسا ہے۔

[illegible] اللہ تعالیٰ ہر باپ کو مرحوم فرمائے [illegible]

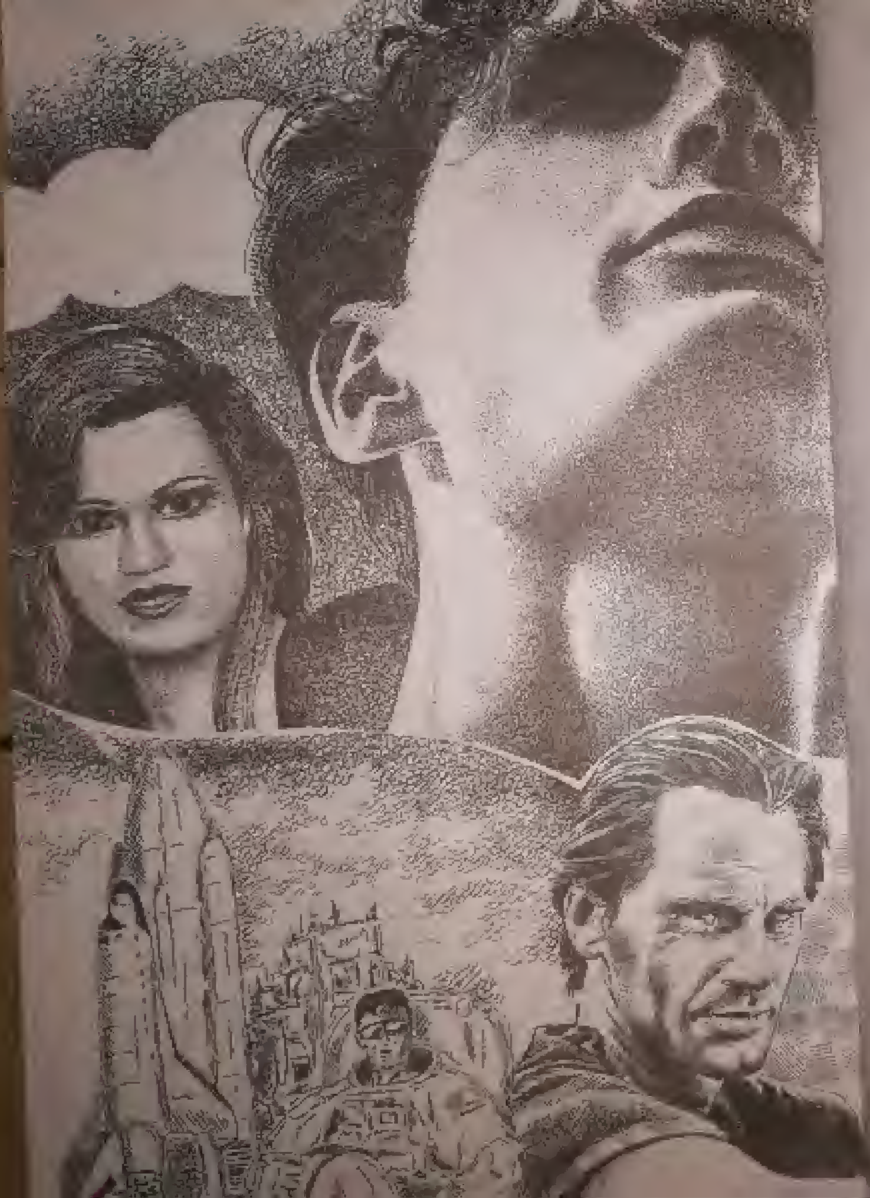

وبائی دہشت

جہاں انسان برملا ... عمل ہوتا ہے
داستان کی جان پڑتے کردار بھی
قارئین کے سامنے زندہ اور جیتے
... ایسے کردار جن کے پاس
محبت ... بہادر بنے یا
مادہ پرست بنے ...
... جو ہر بل
ایک کنارے سے دوسرے کنارے
فضا اور فضاؤں سے ... تک کا
جرم اور قانون کے محافظوں کا ٹکراؤ اور
اضطراب و اختیار کو للکار رہی
کبھی سازشوں کی راہ میں
ہمت اور شستگی کے جذبے سے دور موت سے
داستان کے ہزار رنگ ...

سازش کے اسرار و رموز ...

ہوش ناول کے نشیب و فراز ...

... قبرستان تھا۔ مگر اس نے
... کے حساب سے کم لوگ ہی ادھر آتے
...
... دو آدمی برآمد ہوئے۔ گورنمنٹ
... برس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ وہ
... اس نے موسم کی مناسبت سے واٹر پروف
... سے نکل کو فوراً ہی نہیں چل پڑا
... وہ آگے بڑھا۔
... مگر اس نے اپنے سابقہ انداز سے کی
... ملٹری جیسا تھا ... وہ ہارش سے بھی
... محسوس ہوا کہ وہ آدمی
... کے ساتھ باہر آ گیا۔

... اس کی آواز نرم تھی

[illegible]

میں یہاں کا [illegible] ہوں۔ بارش [illegible] ہم یار تھیں
سے آپ کس طرف جانا چاہتے ہیں؟ میں مدد کر سکتا ہوں۔"
[illegible]

"میں ایک مسئلہ میں پھنسا ہوا ہوں۔" انگریاں نے کہا۔
"پریشانی مت ہو۔ میں تلاش کر لوں گا۔"
"ٹھیک ہے۔ [illegible] بک میں لکھا کر دیجیے۔"
"[illegible] جان اسمتھ" اس نے چھتری کھولی
اور [illegible] میں جانتا ہوں، تمہیں کہاں جانا ہے۔" وہ
[illegible]

انگریاں کے کچھ بولنے سے پہلے ہی وہ حرکت میں
آچکا تھا۔ [illegible]
[illegible] ایک کی [illegible] دیا تھا۔ [illegible]
اس کے عقب میں [illegible] کوئی بات بھی جان اسمتھ
[illegible] ۔ یا اس کی [illegible]
[illegible] بارش نے [illegible] کے لیے
[illegible]

[illegible] اس نے [illegible] کھولا۔ صوفیہ [illegible]
[illegible] نمبر 17، پلاٹ نمبر 12۔ اس کی
[illegible]

"[illegible] اسمتھ تم بھول گئے [illegible]"
[illegible]

☆☆☆

"[illegible] ایک سال تک اذیت ناک [illegible] کی
[illegible]
[illegible]
[illegible] پر مجبور ہو گیا تھا۔
[illegible] آ رہا تھا۔
[illegible]
[illegible]
(USAMRIID) [illegible] تھا
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

لڑ کے رکھ دیا۔ وہ چیخ اسمتھ کو بعد ازاں خوابوں میں ڈرانی
رہی۔ چیخ کے ساتھ ہی صوفیہ کی کمر عقبی سمت میں کمان کی
طرح مڑنا شروع ہوئی، ناقابلِ یقین زاویے پر۔ اسمتھ کی
اپنی سانس رک گئی۔ صوفیہ کے جسم کا ہر مسام پسینا اگل رہا
تھا۔ اس کا چہرہ نیلا پیلا ہو گیا۔ ایک ساعت کے لیے اس کا
ہر عضو جیسے اکڑ گیا۔ پھر سب کچھ ختم۔ اسمتھ کی دنیا اجڑ گئی۔
صوفیہ کی ناک اور حلق سے خون کا اخراج جاری تھا۔ روح
نے جسم کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر
گئی تھی۔

جان اسمتھ نہ جانے کب تک بارش میں چھتری لیے
صوفیہ کے مدفن پر کھڑا رہا۔ بالآخر وہ بیٹھ گیا اور کتبے پر ہاتھ
پھیر کر بڑبڑایا۔

"میں جانتا ہوں کہ مجھے یہاں بار بار آنا چاہیے تھا
لیکن میں آتا تو مجھے یقین کرنا پڑتا کہ میں نے تمہیں ہمیشہ
کے لیے کھو دیا ہے لیکن میں کب تک حقیقت سے منہ
چھپاتا۔ [illegible] یہاں بھی نام تھا اس دہشت کا
جس نے تمہیں مجھ سے چھین لیا۔ تم نے ان چہروں کو نہیں
دیکھا۔ میری جان، میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے ان
کے ساتھ کیا سلوک کیا۔" اسمتھ خاموش ہو گیا۔

کچھ دیر بعد اس نے جیکٹ کی جیب سے ایک جیولری
باکس نکال کر کھولا۔ جس میں چار قیراط کا ہیرا جگمگا رہا تھا۔
مخصوص تراش کا ہیرا پلاٹینم کی انگوٹھی میں تھا۔ یہ انگوٹھی شادی
کے دن کے لیے تھی۔

وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ انگوٹھی اس نے کتبے کی جڑ
میں نرم زمین میں گاڑ دی۔

"آئی لو یو صوفی، میں ہمیشہ تم سے پیار کرتا رہوں
گا۔ تمہارا دل میری زندگی کی روشنی ہے۔۔۔ مجھے جانا ہوگا۔
نہیں معلوم کہاں؟ نہیں معلوم کیسے۔۔۔ لیکن جانا ہوگا۔ خدا
کی رحمتیں تم پر ہمیشہ سایہ فگن رہیں۔" وہ مڑتے مڑتے
چونکا۔ قدموں کی آہٹ نے اسمتھ کو چونکایا تھا۔

اس کی عمر قریباً پینتیس سال تھی۔ وہ عام عورتوں کی
نسبت دراز قد تھی۔ وہ چھتری لیے اسی طرف آ رہی تھی۔
سرخی مائل بال، جب صورتی سے پونی ٹیل کی شکل میں
بندھے تھے۔ وہ ایک پرکشش عورت تھی۔ اسمتھ کو دیکھ کر
اس کی آنکھوں میں حیرت امڈ آئی۔

"ہاں۔۔۔ جان اسمتھ؟"
"میگان۔۔۔؟"

میگان السن کی چال میں تیزی آ گئی۔ اس نے اسمتھ

کا بازو پکڑ لیا۔
"او مائی گاڈ، کیا یہ واقعی تم ہو، کتنا عرصہ ہو گیا۔۔۔" پھر
اس کی نظر صوفیہ کی قبر پر پڑی۔
"مجھے افسوس ہے۔ بہت افسوس، جان۔ مجھے نہیں پتا
تھا کہ تم یہاں ہو گے۔"
"کوئی بات نہیں۔" جان اسمتھ کے چہرے سے غم کی
پرچھائیں غائب ہو گئی۔ میگان نے پھر اظہارِ افسوس کیا۔
لڑکیوں میں شاید وہ کے تیور درست کے پیچھے آ گئے۔ وہ خود بھی
صوفیہ کے پاس آئی تھی۔ وہ اور صوفیہ بچپن میں ایک ہی
اسکول میں تھے۔ آگے چل کر کالج کے بعد ان کے راستے
جدا ہو گئے۔ صوفیہ مائیکروبائیولوجی میں Ph.d کے بعد
"یو ایس ایمرڈ" میں چلی گئی۔ میگان نے بائیو کیمسٹری میں
ماسٹرز کے بعد نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ جوائن کر لیا۔ لیکن
تین سال بعد وہ WHO کے میڈیکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
میں چلی گئی۔ اب اچانک میگان کو سامنے دیکھ کر اسمتھ نے
بھی حیرت محسوس کی تھی۔

میگان اندازہ لگا سکتی تھی کہ گزشتہ ایک سال میں اسمتھ
پر کیا گزری ہو گی۔ "اس مشکل وقت میں مجھے تمہارے
ساتھ ہونا چاہیے تھا لیکن میں رابطہ نہیں کر سکی تھی۔" میگان
نے کہا۔

"کہاں کام کر رہی ہو؟"
"نا سا، اب میں نا سا میں ہوں۔ میں نے اسپیس
شٹل کینیڈی اسکول کے لیے کوالیفائی کر لیا تھا۔ مجھے
تبدیلی کی ضرورت تھی اور اگلے خلائی مشن میں میری جگہ بننے
کا چانس ہے۔"

اسمتھ نے حیرت چھپانے کی کوشش نہیں کی اور اسے
مبارک باد دی۔

"شکریہ۔" میگان کے چہرے پر خفیف مسکراہٹ
نظر آئی۔ "کیا تم اب تک آرمی میں ہو؟ میرا مطلب یو ایس
ایمرڈ میں؟"

"کہہ سکتے ہیں۔۔۔ شاید چھوڑ دوں۔" اس نے مبہم
جواب دیا۔ "تم واشنگٹن جاؤ گی؟"
"نہیں۔ مجھے آج رات ہیوسٹن کے لیے روانہ ہونا
ہے۔" "تمہاری رہائش فیئر ہاؤٹ میں ہے؟"
"وہ جگہ میں نے چھوڑ دی ہے۔" اسمتھ نے کارڈ
نکال کر اس کی پشت پر نیا پتا اور فون نمبر درج کیا اور میگان کو
دے دیا۔

"اپنا خیال رکھنا، جان۔" میگان نے کارڈ رکھتے

ہوئے کہا۔
"تم بھی۔" اسمتھ ہاتھ ہلا کر رخصت ہو گیا۔ میگان
اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ یو ایس ایمرڈ کے بارے
میں اسمتھ نے مبہم جواب دیا تھا جبکہ وہ ایک مقصد اور واضح
سمت کے ساتھ حرکت کرنے والا آدمی تھا۔

☆☆☆

پینٹاگون کے عسکری اور سویلین ملازمین کی تعداد تیس
ہزار سے متجاوز تھی۔ پینٹاگون کی مخصوص تعمیر نے چار ملین
اسکوائر فٹ کے لگ بھگ رقبہ گھیرا ہوا تھا۔ وہاں موجود بہت
سے دیگر افراد کے مانند ناتھن کیلین بظاہر ایک عام سویلین
تھا۔ ایک ہال کے کونے پر اس کا دفتر دو دروازوں کے
درمیان تھا۔ ایک پر الیکٹریکل روم لکھا تھا اور دوسرے پر
مینٹیننس۔ یہ اور بات تھی کہ دونوں دروازوں کے پیچھے ایسا
کچھ نہیں تھا۔ ان دو دروازوں کو کھولنے کے لیے جدید ترین کی
کارڈ بھی بیکار تھے۔ یہی کیلین کا سیکرٹ سیکشن تھا۔ جہاں
کوئی نیم پلیٹ نہیں تھی۔ صرف پینٹاگون کا کوڈ 2E577
لکھا تھا۔

کیلین کو وہاں چند ہی افراد نے دیکھا تھا۔ اگر کوئی
کیلین کے بارے میں دریافت کرتا تو کیلین کا حلیہ اور عمر ہی
بتائی جا سکتی تھی۔ وہ میانہ قد، عمر 50 کے قریب، اونچی ناک اور
نازک فریم کی عینک۔ یہ کہنا مشکل ہی نہیں بلکہ دشوار تھا کہ
ناتھن کیلین کون ہے اور پینٹاگون میں اس کی موجودگی کا
مقصد کیا ہے۔

آٹھ بجنے والے تھے۔ کیلین اب تک اپنے دفتر میں
ڈائنگ کے عقب میں موجود تھا۔ بہت کم لوگ اسے جانتے
تھے اور جاننے والے بھی اسی ادارے کا حصہ سمجھتے تھے جسے
"کوورٹ ون" کا نام دیا گیا تھا۔ یہ انتہائی حساس اور
خفیہ ادارہ تھا۔ دوسری تمام ایجنسیوں سے الگ کوورٹ ون
کا آئیڈیا خود پریذیڈنٹ آف یو ایس اے نے دیا تھا
اور کیلین اس کا سربراہ تھا۔ وہ پریذیڈنٹ کے بیچ
آنکھوں اور کانوں جیسا تھا۔ وہ براہ راست صرف
پریذیڈنٹ کو جواب دہ تھا۔

کوورٹ ون کی حقیقت سے عسکری انٹیلی جنس
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

آ گئے۔ کلین نہیں جانتا تھا کہ وکٹر سکس اس وقت کس مقام پر ہے۔ اس نے وہی زبان استعمال کی تھی۔ جس کا مقصد پیغام تھا۔ ظاہر ہے، وہ دشمن کی بات بھی کوڈ ورڈز میں ہی کرتا۔ وکٹر سکس کے پاس کلین کا دیا ہوا لیپ ٹاپ تھا۔۔۔ وقفے وقفے سے کلین نے دوسرا کوڈ پیغام بھیجا۔ "مجھ سے رابطہ کرو۔" کلین نے گھڑی میں وقت دیکھا۔۔۔ اسکرین پر پیغام آیا۔ "ریڈ ویلیٹین کنفرمڈ۔" اور اسکرین تاریک ہو گئی۔ وکٹر سکس مخصوص وقت سے زیادہ آن لائن ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ مختصر وقت میں رابطہ ہوا۔ ہنگامی درخواست موصول ہوئی، قبول کی گئی اور وکٹر سکس نے تصدیق کر دی۔ اب وہ دوبارہ رابطے کے لیے یہ چینل استعمال نہیں کر سکتا تھا۔

سگی نے لنک بند کر دیا۔ کمرے میں دو ہی کرسیاں تھیں۔ کلین کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کس ناگہانی نے وکٹر سکس کو رابطے پر مجبور کیا۔ CIA اور دوسری ایجنسیوں کے برعکس کوورٹ۔ون کے ایجنٹس لنک سے باہر بہت کم تھے۔

صورت حال کلین کے طریقہ کار کے مطابق نہیں تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ وکٹر سکس حالت فرار میں ہے۔ کوئی بہت خراب بات ہے۔ مخدوش اور خطرناک۔۔۔ جس کی وجہ سے وہ بھاگنے پر مجبور ہے۔

"اسمتھ،" بالآخر کلین نے کہا۔ "ولیم سگی، اسے لائن پر لاؤ۔"

☆☆☆

اسمتھ خواب میں صوفیہ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی تربیت یافتہ حسیات نے فون کی مداخلت سے آگاہ کیا۔ عام فون کے بجائے، محفوظ لائن کا سگنل تھا۔ وہ دوسرے سگنل پر بیدار ہو گیا تھا۔ وہ میدان جنگ کا سابق سرجن تھا۔ تاہم لڑائی بھڑائی کے فن سے بھی آگاہ تھا۔ اچانک بیدار ہونے کی صورت میں بھی وہ الرٹ رہتا تھا۔ یہ تحفہ حاصل کرنے کے لیے اسمتھ نے خاصی تگ و دو کی تھی اور یہ عادت کئی نازک مواقع پر خوب اس کے کام آتی رہی تھی۔ وہ کتنی ہی بار زخمیوں کے ساتھ ایسے حالات سے گزرا تھا جب ان تھک، طویل مدت تک کام کے دوران ہی تھوڑی نیند لی جاتی تھی۔

ایک ہی ہستی تھی جو محفوظ لائن پر اسے کسی بھی وقت فون کر سکتی تھی۔ اسمتھ سمجھ گیا کہ ایک نئے دن کا آغاز ہو چکا ہے۔

"گڈ ایوننگ، مسٹر کلین۔"

"گڈ ایوننگ، جان۔۔۔ اینڈریوز ایئربیس پہنچنے کے لیے کتنا وقت لو گے؟"

اسمتھ نے گہری سانس لی۔ کلین کبھی فوراً کام کی بات نہیں کرتا تھا۔ واضح مطلب تھا کہ کوئی بحران ہے اور تیزی سے قریب تر ہو رہا ہے۔

"پینتالیس منٹ، سر۔"

"گڈ، اور جان، کچھ دن کا سامان ساتھ رکھنا۔"

"یس سر۔" لیکن فون بند ہو چکا تھا۔

حسب معمول، اسمتھ تیار حالت میں رہتا تھا۔۔۔ تین منٹ شاور کے لیے، تین منٹ میں شیو اور لباس۔ دو منٹ میں آخری چیکنگ۔ بیگ ریڈی تھا۔ چند اشیا مزید بیگ میں منتقل کر کے اس نے گھر کا سیکیورٹی سسٹم آن کیا اور نکل گیا۔ سیڈان، ڈرائیو وے سے نکالتے وقت اس نے گیراج کو ریموٹ کے ذریعے محفوظ اور مقفل کر دیا۔

وہ اپنا آئی ڈی کارڈ استعمال کرتے ہوئے اینڈریوز ایئرفورس بیس کے مخصوص اینکلیو تک پہنچ گیا۔ کلین وہاں موجود تھا۔ اس مرتبہ کلین نے اظہار معذرت کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا اور بلیک کافی کا کپ اسے پکڑا دیا۔

"تم پندرہ منٹ میں ہوا میں ہو گے، پرندہ اڑنے والا ہے۔ ٹینکوں میں ایندھن بھرا جا رہا ہے۔ "انخلا" کا معاملہ ہے اس لیے جلدی کرنی پڑی۔" کلین نے بتایا۔

اسمتھ "انخلا" کی اصطلاح کا مطلب خوب سمجھتا تھا۔ کسی کو یا کسی چیز کو کسی جگہ یا کسی پوزیشن سے خاموشی اور سرعت سے نکالنا ہے لیکن اسمتھ یہ بھی جانتا تھا کہ ایسے کام کے لیے سویلین اور ملٹری دونوں طرح کے ماہرین مہیا ہوتے ہیں پھر اسے کیوں بلایا گیا؟ اس نے اپنے خیالات کا اظہار بھی کر دیا۔

"ہاں۔" کلین نے اعتراف کیا۔ "کئی آپشن تھے لیکن فی الوقت میں کسی ایجنسی کو ملوث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دوسرے یہ کہ میں اس آدمی سے مل چکا ہوں۔۔۔ تیسرے تم بھی اسے جانتے ہو۔"

"میں جانتا ہوں؟" اسمتھ نے تعجب سے کہا۔

"ہاں، یوری ڈانکو۔۔۔"

اسمتھ نے تصور میں بھالو نما شخص کو دیکھا۔ عمر 46 سال، گول چہرہ، کوئلے کی کان میں کام کرنے والے کا بیٹا۔ جرمنی کی ایک ناکام۔۔۔ پیدائشی منتظم تھا۔ اسمتھ ڈانکو سے 2 سال چھوٹا تھا۔ غریب آرمی کا بیٹا، اب وہ آرمی کے میڈیکل اٹلی جنس اور ہیڈن میں کرنل کے عہدے تک جا پہنچا تھا۔

اسمتھ باخبر تھا کہ کوورٹ۔ون کا سیکیورٹی ایگزیکٹو بننے سے پہلے کلین نے اس کی زندگی کے ہر شعبے کو مائیکرواسکوپ کے نیچے سے گزارا تھا۔ یعنی کلین جانتا تھا کہ اسمتھ، ڈانکو سے واقف ہے لیکن کوورٹ۔ون کی کسی بھی بریفنگ میں اپنا اور ڈانکو کا حوالہ نہیں دیا تھا۔ نہ ہی رشین کے ساتھ تعلقات کا اظہار کیا تھا۔

"کیا ڈانکو کوورٹ۔۔۔؟"

"نہیں، کوورٹ۔ون کا حصہ نہیں ہے۔" کلین نے کہا۔ "اور نہ تم اسے اپنی حقیقت بتاؤ گے۔ وہ صرف یہ جانتا ہے کہ میں اسے باہر نکالنے کے لیے ایک دوست کو بھیج رہا ہوں۔"

اسمتھ کو شک تھا کہ کلین پوری بات بتا رہا ہے۔ تاہم اسے یقین تھا کہ کلین اپنے آدمیوں کو غیر ضروری خطروں سے دوچار نہیں کرتا۔ جتنی اسمتھ کے لیے ضروری ہے، اتنی بات وہ ضرور بتائے گا۔

"آخری بار جب ہم دونوں ملے تھے تو ہم نے سادہ کوڈ متعین کیا تھا۔" کلین نے بتایا۔ "سینٹ وینیس، آٹھ، یورو، تاریخ۔ ڈانکو کا پیغام ملا ہے، وہاں تاریخ آٹھ اپریل ہے، یعنی دو دن بعد۔۔۔ کوڈ میں "سی فوڈ" کا مطلب ہے کہ وہ بحری راستے سے آئے گا۔ بیلینی (BELLINI) کاکٹیل کا نام ہے جو پہلی مرتبہ وینس کے ہیری بار نے متعارف کرائی تھی۔ مطلب یہ کہ مقام ہیری کا بار ہے، وقت ہے دن میں دو سے چار تک۔۔۔"

"ایک لاکھ ڈالر کا سوال ہے کہ کس چیز نے ڈانکو کو خرگوش کی طرح بھاگنے پر مجبور کر دیا؟" اسمتھ نے کافی ختم کی۔

"صرف وہی جانتا ہے اور وہی بتا سکتا ہے۔ میرے نزدیک صورت حال نازک ہے۔ ڈانکو گھبرا جانے والا آدمی نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے جان، کوئی انتہائی صورت حال ہے۔ مجھے نہیں معلوم لیکن ڈانکو کے پاس کوئی اطلاع ہے اور مجھے وہ انفارمیشن چاہیے۔" کلین کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔

جہاز کی تیاری کا اعلان ہوا۔ دونوں نے قدم بڑھائے۔ کلین نے اسمتھ کی کہنی چھوئی۔ "وینس جاؤ، ڈانکو کو تلاش کرو، معلوم کرو اس کے پاس کیا ہے۔ ڈونٹ ویسٹ ٹائم۔"

"سر، وینس میں مجھے تمہاری ضرورت ہو سکتی ہے۔"

"ہاں، بولو۔"

اظہار کیا۔ اسحٰق حیرت سے ہی چونک گیا تھا۔ اخبار کے بجائے وہ غیر محسوس انداز میں ہر طرف، بالخصوص داخلی دروازے پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

"ہاں چھٹیاں ہیں۔ یہ لوگ ایسے مواقع پر [illegible] بڑھا دیتے ہیں۔ یہ [illegible] بھی موجود تھا۔"

"جان! مجھے مسٹر چیمبن کو کچھ بتانا ہے۔" ڈاکو دونوں ہاتھ میز پر پھیلا کر جھکا۔ "وہ لوگ جو کرنے جا رہے ہیں، وہ ناقابلِ یقین ہے... دیوانگی ہے۔"

"وہ لوگ کون ہیں؟ کیا کرنے جا رہے ہیں؟" اسحٰق نے آواز کو نارمل رکھنے کی کوشش کی۔

ڈاکو خوفزدہ دکھائی دیا۔ اس نے اطراف میں نظر ڈالی۔ "انتظامات مکمل ہیں؟ کیا تم مجھے یہاں سے لے جاؤ گے؟"

"ہاں، فوراً... اسی وقت۔" اسحٰق نے ادائیگی کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ طائرانہ نظر سے اس نے اطالین ملیشیا کی جوڑی کو دیکھا۔ وہ دونوں ہنسی مذاق کرتے ہوئے میزوں کے درمیان چکرا رہے تھے۔ اسحٰق نے اندازہ لگایا کہ بیچ میں ملیشیا کا فاصلہ ان سے کم ہو چکا ہے۔ اگرچہ ان دونوں کا رخ سینڈوچ بار کی جانب تھا۔ اسحٰق کے ذہن میں دور سے خطرے کا سگنل آیا۔ اس نے لیرا (مقامی کرنسی) نکالے۔ ایک لمحے کے لیے اس کی نظر ہٹی... فضا سماعت شکن دھماکوں سے لرز اٹھی۔

"ڈاکو..." اسحٰق سیکنڈ کے سوویں حصے میں چیخ اٹھا تھا۔ یہ انتہائی قلیل وقفہ تھا... ثانیہ تھا... کیا تھا... اس کی یہ عمل وارننگ دھماکوں کا حصہ بن گئی۔

ڈاکو کا منہ کھلا۔ اسحٰق نہیں سن سکا کہ اس نے کیا کہا۔ شاید اس کا نام لیا تھا۔ اطالین ملیشیا کے دونوں اوڈی رخ بدل کر قریب تر ہو چکے تھے۔ سب مشین گن کی دونوں نالیوں سے موت برس رہی تھی۔ پہلا ہدف ڈاکو تھا۔

اسحٰق نے چیخنے کے ساتھ ہی پیانو پلیٹ فارم کے عقب میں جست لگائی تھی۔ وہ رکا نہیں، لڑھکتا ہوا گرینڈ اسٹینڈ کے پیچھے چلا گیا۔ پتھر اور لکڑی کے چھوٹے ٹکڑے ادھر ادھر اڑ رہے تھے... پیانسٹ نے کھڑے ہونے کی جان لیوا غلطی کی۔ ملٹری گریڈ کی گولیوں کے برسٹ نے پیانسٹ کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ برسٹ کے پیچھے برسٹ آ رہا تھا۔ وہ دونوں پروفیشنل تھے۔ موت کا رقص جاری تھا۔ دھماکے... آگ... اور خون... گردشِ دوراں جیسے تھم گئی۔

اسحٰق حیران تھا کہ حملہ آور اتنی تیزی سے کیسے مصروفِ کار ہو گئے۔ اس نے پہلا دھماکا [illegible] نظرانداز کیا... اس کے جانے پہچانے تاثر اسے بچا نہیں سکتے تھے۔ تاہم قاتل جانتے تھے کہ کتنا وقت صرف کرنا ہے۔ انہوں نے شدید افراتفری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہتھیار پھینکے اور ایک میز کو الٹ کر کھڑا کر دیا۔ اس کے عقب میں دونوں نے بالائی لباس اتار دیا۔ باقی گیروں کی ٹوپیاں نکال کر سر پر رکھیں اور بھاگنے کے لیے ہجوم میں شامل ہو گئے۔ ان کے بالائی بدن پر گرے جیکٹس نظر آ رہی تھیں۔ فائرنگ رکتے ہی اسحٰق نے گردن اٹھا کر دیکھنا شروع کر دیا۔ ٹھیک پندرہ سیکنڈ بعد اس نے جگہ بدل کے احتیاط سے سر اٹھایا۔ حملہ آوروں کو غائب ہونے میں اسے چند سیکنڈ صرف ہوئے۔ اس نے زمین بوس ڈاکو کی طرف دیکھا۔ جس کا لہولہان جسم چھلنی ہو چکا تھا۔ پشت پر لگنے والا برسٹ آر پار ہو گیا تھا۔ اسحٰق کے حلق سے جانور جیسی غراہٹ خارج ہوئی۔ وہ اچھل کر پناہ گاہ سے نکلا اور قاتلوں کے پیچھے لپکا۔ دہشت زدہ ہجوم میں راستہ بنانا آسان نہیں تھا۔ پھولی ہوئی سانس کے ساتھ وہ باہر نکلا... بے چینی سے گلی میں دائیں بائیں دیکھا۔ بائیں جانب گلی کے کنارے پر اسے گرے جیکٹ کی جھلک نظر آئی۔

قاتل، علاقے کے خدوخال سے پوری طرح آشنا تھے۔ انہوں نے دو تین گلیاں بدلیں اور ایک آبی گزرگاہ پر نکل آئے۔ جہاں ایک کشتی نما بوٹ پانی میں کھمبے سے بندھی تھی۔ دونوں اس میں کود گئے۔ ایک نے رسی کھولی، دوسرے نے موٹر اسٹارٹ کیے بغیر چپو سنبھالا...

"آسانی سے کام کے تین ہزار امریکی ڈالرز۔" ایک نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"لیکن سوئس بڈھے نے دونوں کو ختم کرنے کے لیے کہا تھا... ڈاکو اور رابطہ۔" دوسرے نے کہا۔

"ہم نے کام کر دیا ہے۔ اگر بڈھے نے مزید..." اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ "وہ شیطان خود آ گیا۔ شاید وہ مکمل کر دیتے ہیں۔"

"ختم کرو۔" دوسرے نے چیختے ہوئے ہاتھ میں گن نکالی۔

اسحٰق آبی گزرگاہ کے ساتھ پختہ زمین پر بھاگ رہا تھا۔ اس نے قاتلوں میں سے ایک کے ہاتھ میں گن دیکھی۔ وہ حیران تھا کہ بغیر ہتھیار کے وہ کیا کر سکتا ہے لیکن ڈاکو کے خون آلود لاشے کا تصور راستہ روک رہا تھا۔ جو چند سیکنڈ پہلے [illegible] گزر ہو چکا تھا۔ بوٹ کی حرکت کی ابتدا [illegible]

[illegible] بوٹ فارم کے [illegible] وہ تھا۔ [illegible] رکھوالے [illegible] کاروباری [illegible] اسے شک [illegible] سلامت [illegible]

[illegible] اس وقت یہ [illegible] اسحٰق امریکی [illegible] ڈاکو رہا [illegible] بشمول [illegible] ختم [illegible] کانفرنس جاری [illegible] کی جانب سے دروازہ [illegible] تھے جب امریکی [illegible] اس وقت تک اسحٰق اور ڈاکو کے [illegible] پہنچ چکے تھے۔

[illegible] کانفرنس کے تحت [illegible] اسلحہ، بم اور [illegible] اسحٰق نے محسوس کیا تھا کہ [illegible] اگرچہ ڈاکو نے مکمل کر اظہار نہیں [illegible] تاہم [illegible] کی مداخلت پر بے چین تھا۔ [illegible] کیمیائی، حیاتیاتی ہتھیاروں [illegible] کے مطابق آگے نہیں [illegible] حیاتیاتی ہتھیاروں میں [illegible] بڑھ رہا تھا۔

[illegible] کیا ڈاکو کا [illegible] حیاتیاتی ہتھیاروں سے متعلق ہے؟ [illegible] لی ہے؟ چیمبن کے مطابق [illegible] سے نکل کر ساحلی پٹی [illegible] جہاز [illegible] آبی کٹے سے گزر کر [illegible]

[illegible] منتقل ہو گیا۔ داخلی [illegible] ایک ڈیڑھ آدمی اندر [illegible]

اُبھرا تھا۔ اس نے ناخن چھبتے ہی [illegible] ہوئی تھی۔ کبھی دو دو میں اور آنکھیں [illegible] تھا۔ اسحٰق اخبار کی آڑ سے اندر [illegible] بارگین ناتھ میں بار سات [illegible] ایک اونچی کرسی پر بیٹھی تھی۔

وہ یقیناً ڈاکو تھا۔

اسحٰق اس کے قریب تر ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

"یہ کرسی خالی ہے۔" اسحٰق اچانک بول پڑا۔

ڈاکو چونکا۔ مڑا... اس نے اسحٰق اور اس کی پہچان لی تھی۔

"جان؟"

"ہاں دوست ہوں۔ بیٹھ جاؤ۔"

اس نے کرسی سنبھال لی۔ تاہم تاثرات سے وہ شاکی تھا۔

"لیکن مسٹر چیمبن... تم کو بھیجا ہے؟ کیا تم شامل ہو؟"

"نہیں۔" اسحٰق نے جواب دیا۔ "لیکن مجھے تمہیں لے جانا ہے۔"

ڈاکو نے سگریٹ نکالی۔ تاہم سگریٹ سلگاتے ہوئے اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ "مجھے ابھی تک یقین نہیں آیا..."

"سوری..."

"ٹھیک ہے جان۔" اس نے ہاتھ اٹھایا۔ "میرے تعاقب میں کوئی نہیں ہے۔" ڈاکو نے کش لیا۔

اسحٰق آگے جھکا۔ "تم ٹھیک ہو؟"

"ہاں، لیکن یہاں تک پہنچنے میں بڑی دشواری ہوئی... یوگوسلاویہ کا حال برا ہے۔ سب اعصاب زدہ ہو چکے ہیں۔ حالانکہ میرے پاس پورا جینوین پاسپورٹ تھا، پھر بھی بہت باریک بینی سے جانچ کی گئی۔"

اسحٰق کے ذہن میں سیکڑوں سوالات چکرا رہے تھے۔ "کوئی ایسی چیز جو تم فوراً مجھے دینا چاہتے ہو یا کوئی بات؟" اسحٰق کو شک تھا کہ ڈاکو صاف نکل آیا ہے۔ اسے چوکس گھنٹے پہلے پہنچنا چاہیے تھا۔

یوں لگا جیسے ڈاکو نے اسحٰق کا سوال سنا ہی نہیں۔ سیاحوں کے درمیان متحرک اطالین ملیشیا کی جوڑی کو دیکھا تھا۔ ان دونوں کی سب مشین گنز بیلٹ کے ذریعے کاندھوں سے لٹک رہی تھیں۔ گردن میں لٹکنے کے باعث ہتھیار سینوں پر آ گئے تھے۔

"پولیس بہت ہے۔" ڈاکو نے بڑبڑاتے ہوئے [illegible]

وہ لاؤنج میں آ گیا۔ وہاں زیادہ افراد نہیں تھے۔ اسمتھ خاموشی سے ماربل پتھر کے قریب کونے والی میز پر جا بیٹھا۔

ہیٹر نے کچھ کہے بغیر جام اس کے آگے رکھا۔

"میں معذرت خواہ ہوں، جان۔" ہیٹر نے آغاز کیا۔ "میں فوراً حرکت میں آ گیا تھا لیکن دھماکے کے بعد مجھے واپس جانا پڑا۔"

"تمہارا کوئی قصور نہیں۔ تم نے اپنا کام ٹھیک کیا۔" اسمتھ نے جام اٹھایا۔ "قاتل اپنا کام کر کے نکل گئے تھے۔ انہوں نے آنے جانے کی گزرگاہ میں بہت تھوڑی دیر کی تھی لیکن جس کسی نے انہیں باہر کیا تھا، وہ کوئی نشانی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا یا چاہتے تھے۔۔۔ سب کچھ ختم ہو گیا۔ ڈاکو کے خیال میں اس کا تعاقب نہیں ہو رہا تھا لیکن وہ پریشان تھا۔ وجہ پریشانی کچھ اور تھی۔ تمہیں کچھ ملا؟"

ہیٹر نے کاغذ کا پرزہ اسمتھ کو پکڑا دیا۔ "یہ روسی زبان ہے۔ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔"

اسمتھ نے ہیٹر کے ہاتھ سے وہی بائیوپرٹ کا لفظ اٹھا لیا۔ بائیوپرٹ ایک بائیو [illegible] ریسرچ، ڈیزائن اور [illegible] سینٹر [illegible]۔ اسمتھ نے [illegible] پڑھیں۔ ہیٹر غور سے دیکھ رہا تھا۔

اسمتھ کا ذہن ماضی کی طرف جا رہا تھا۔ جب وہ وہاں موجود تھا، ڈاکو نے کئی بار بائیوپرٹ کا ذکر کیا تھا لیکن ڈاکو کا خود ریسرچ سینٹر سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ ڈاکو وقتاً فوقتاً ریسرچ سینٹر کا ذکر کیا کرتا تھا۔ تاہم اسمتھ کی معلومات کے مطابق ڈاکو کبھی وہاں نہیں گیا تھا۔ بعد ازاں ایسا کوئی اتفاق ہوا ہو تو اسمتھ بے خبر تھا۔ ممکن ہے کوئی خوفناک راز ڈاکو کے علم میں آیا ہو۔ کوئی ایسا خوفناک انکشاف کہ اسے فوری طور پر وہاں سے نکلنا پڑا۔ بہرحال اس کی تمام تگ و دو عین وقت پر ناکام ہو گئی۔ وینس جیسے شہر میں خون خرابا، معاملے کی سنگینی کا واضح اعلان تھا۔

ہیٹر خاموشی سے دوست کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے امید تھی کہ اسمتھ کچھ بتائے گا۔ تاہم وہ اس کے لیے زیادہ تجسس بھی نہیں تھا۔ وہ کام سے کام رکھنے والا آدمی تھا۔

اسمتھ نے سر اٹھا کر کم گو برطانوی جنگجو پر نظر ڈالی۔ ہیٹر نے فوج کے علاوہ خفیہ کے اداروں میں بھی خدمات سرانجام دی تھیں۔ اسپیشل ایئر سروس، M16 — وہ ایک خطرناک اور سخت جان ایجنٹ کی شہرت رکھتا تھا۔ ٹارگٹ کے حصول کے لیے وہ شکاری کتے کی طرح تھا۔ ریٹائر ہونے کے باوجود اس نے اپنی سرگرمیاں ترک نہیں کی تھیں۔ اس کی خدمات حاصل کرنے والے جانتے تھے کہ اس کے ساتھ کب اور کہاں رابطہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے کلائنٹس میں سرکار کے علاوہ دیگر افراد بھی شامل تھے۔ کام کرنے کے لیے اس کی پسند و ناپسند اور مرضی شامل ہوتی تھی۔ تاہم ہیٹر کا ایک اصول ناقابلِ شکست تھا۔ وہ کنٹریکٹ لیتے وقت ہمیشہ دوستوں کو ترجیح دیتا تھا۔

وینس میں اسمتھ نے اسے اپنی پشت پر نظر رکھنے کے لیے طلب کیا تھا۔ "ہیٹر، یہ کوئی بہت سنگین معاملہ ہے۔ میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔" اسمتھ گویا ہوا۔ "مجھے فوری طور پر امریکا واپس جانا ہوگا لیکن تم کو یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ دونوں قاتل کس کے لیے کام کر رہے تھے؟ وہ دونوں کون تھے؟"

"مجھے یہاں وینس میں کچھ ڈوریاں ہلانی پڑیں گی۔ امید ہے کہ جلد ہی کچھ سامنے آ جائے گا۔" ہیٹر نے جواب دیا۔

"اپنا خیال رکھنا۔۔۔ کوئی گہری سازش ہے۔"

"بے فکر رہو۔" ہیٹر مسکرایا۔

اسمتھ بائیوپرٹ کے بارے میں سوچتا ہوا [illegible] گیا۔

☆☆☆

ہیوسٹن کے نواح میں ناسا کی ٹریننگ سائٹ کے خدوخال میں چار دس فٹ بلند گراؤنڈ سائز کے دیوقامت ڈھانچے [illegible] تھے۔ انتہائی بیرونی دائرے پر ایئر فورس پولیس کی پٹرولنگ تھی۔ اندرونی حصے پر موشن سینسر، کیمرے اور نگرانی کے دیگر جدید آلات موجود تھے۔

جدید عمارتوں میں اسپیس شٹل کی نئی جنریشن کی تیاری جاری تھی۔۔۔ میگان اوکین، نیلے رنگ کے مخصوص خلائی لباس کے ساتھ طویل سرنگ میں تیر رہی تھی۔ سرنگ جسم کے بڑے ٹینک سے متصل تھی۔ سرنگ میں کشش ثقل برائے نام تھی۔ میگان کی کیفیت ایسی ہی تھی جیسے ایک بے حیثیت پرندہ فضا کے دوش پر یہاں وہاں جھک رہا ہو۔

اس کے ہیلمٹ میں آواز آئی۔ "کیسا لگ رہا ہے، [illegible] ہو رہی ہو؟"

میگان نے سرنگ کی دیوار میں موجود ایک ہینڈل کو پکڑا اور کیمرے کی جانب رخ کیا۔ جس کے ذریعے میگان کی کارکردگی کا جائزہ لیا جا رہا تھا۔

[illegible] راستہ بناتا ہوا نکل گیا۔ [illegible] ڈاکو نظر آ گیا۔ [illegible] جانتا تھا۔ عام حالات میں [illegible] ان کی شہرت [illegible] تک خراب تھی [illegible] خونریزی [illegible] تھا۔ اس کے بعد ایک آدمی ایسا نہیں ملتا جو [illegible] ٹھیک حلیہ بتا سکے۔

وہ تیز قدمی کے ساتھ برج آف سائی پار کر کے مختلف راستوں سے ہوتا ہوا اپنے ہوٹل کی لابی میں آ گیا۔

"گڈ آفٹرنون، ڈاکٹر ہیمبول۔" بار ٹینڈر نے کہا۔

"گڈ ڈے ٹو یو۔" اس نے جواب دیا۔ [illegible] تب اس کا نام ہیمبول تھا۔ اس کا اصل نام [illegible] تھا۔ [illegible] لیونگ روم کے پچھلے [illegible] بار کی جانب چلا گیا اور [illegible] کا آرڈر دیا۔

نصف جام [illegible] اس نے ایک ہی گھونٹ میں ختم کر لیا۔ کچھ دیر بعد اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ پرچہ نکالا جو اسے ڈاکو کی جیکٹ سے ملا تھا۔ اس نے وہ تین بار تحریر پڑھنے کی کوشش کی، تاہم ایک لفظ کے سوا وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پایا۔ وہ ایک لفظ تھا بائیوپرٹ۔

ہیٹر نے کاغذ کا پرزہ واپس جیب میں رکھ لیا۔

☆☆☆

اسمتھ بے ہوش نہیں ہوا تھا۔ اس کے حواس وقتی طور پر معطل ہو گئے تھے۔ کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھول کر پلکیں جھپکائیں۔ کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ دھماکے کے مابعد اثرات موجود تھے۔ اسمتھ نے ہاتھ پیر ہلائے۔ چہرے پر ہاتھ پھیرا تو خون موجود تھا۔ کوئی چیز اس کے رخسار پر لگی تھی۔ بہرحال وہ زندہ اور صحیح سلامت تھا۔

پولیس کے خیال نے اسے کھڑا کر دیا۔ چھٹی کی وجہ سے دکانیں بند تھیں۔ پولیس کو یہ معلوم کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی کہ مرنے والے کے ساتھ کوئی بیٹھا تھا۔ تاہم اسمتھ کی شناخت اور اس تک پہنچنے میں پولیس کو وقت درکار تھا۔ اتنی دیر میں اسے نکل جانا تھا۔ فرق یہ تھا کہ وہ ڈاکو کے بغیر [illegible] ڈاکو کے لیے اس نے دکھ محسوس کیا۔

چند منٹ بعد اس کے قدم مضبوطی سے اٹھ رہے تھے۔ برج آف سائی پار کر کے مخصوص راستوں سے ہوتا ہوا وہ ڈانیلی ہوٹل پہنچ گیا۔ ڈاکو کیا لایا تھا جو یورپ کے خوبصورت ترین شہر میں خونریزی شروع ہو گئی۔۔۔ اسمتھ کے ذہن میں سوالات کی یلغار تھی۔ پہلے اس نے واش روم کا رخ کیا اور حلیہ درست کر کے باہر نکلا۔

[illegible] اس انتظار [illegible] ہے۔

[illegible] کے لیے [illegible] وہ [illegible] تبدیل ہو رہی تھی۔ [illegible] اسمتھ کی پیشانی [illegible] لیبارٹری کی [illegible]

[illegible] اسمتھ کے حواس [illegible] گزشتہ [illegible] ہو گئی [illegible]

☆☆☆

[illegible] نے سوٹ مالک [illegible] کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی نے [illegible] کا سہارا لیا۔ اس کی پیشانی بھی [illegible] اور ستون کی وجہ سے [illegible] تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے [illegible]

[illegible] کوٹ پہنا ہوا تھا۔ وہ [illegible] کے دائیں [illegible]

[illegible] طرف۔ میں ڈاکٹر ہوں۔" [illegible] اطالوی زبان بول رہا تھا۔ [illegible] کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ایک [illegible] کی امداد سے بے نیاز [illegible] انگلیاں اس کی [illegible] اس کا ہاتھ [illegible] اپنے بدن کی آ [illegible]

[illegible] نوجوان کو اشارہ کیا۔ [illegible] ڈاکٹر کا ہاتھ [illegible] کے

[illegible] نے احتجاج کیا۔ [illegible] اس میں جان ہے۔ وہ [illegible]

"...یہ ہماری خوش قسمتی ہے۔"

وہ اس کے ساتھ عمارت کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئی۔ وہاں ڈاکٹر... لیب کے باہر کھڑا تھا۔

"لیب کے دروازے دس سیکنڈ میں کھل جائیں گے۔" اس نے بتایا۔ "تجربے کے بعد تم زمین پر ہوتے ہوئے بھی خلائی تجربہ گاہ میں ہو گی۔"

میگان خلائی تجربہ گاہ میں جاتے ہوئے... خلائی جہاز کے ساتھ جانے والی ٹیم میں شامل تھی... خلاباز کی حیثیت سے... لیکن یہ موقع اسے نہیں ملا تھا۔

میگان تجربے سے فارغ ہو کر لیب اور ... کے ذریعے خلائی اسٹیشن پر آگئی۔ وہاں سے ... اپنے باہر آنے کی اطلاع دی... اس وقت وہ خود کو ... محسوس کر رہی تھی۔ میگان نے فوراً... ایک سوال ... خلائی لباس... اتارا اور کاک پٹ کی طرف چلی گئی۔

ادریس... اس سے جان چھڑا کر اس ... باہر آگئی۔

"مبارک ہو۔" ... "ابھی تجربہ تم خلا میں کرو گی۔"

"کیا کوئی اور؟" میگان نے ... کیا۔

"ایک اور خلا میں جاؤ گی۔ اس مشن کے ساتھ..."

"کیا میں دوسرا مشن... کر سکوں گی؟"

"... تمہاری تربیت مکمل ہے۔"

... اگر کوئی ... ہو جائے تو ... واپس آجائے گی۔

"کوئی حرج نہیں..." ... نے قہقہہ لگایا۔

"مذاق کر رہی تھی۔"

"تمہارا عمل ... یہاں ... تمہارا ...۔"

[illegible]

آ سکو گے۔"

"او ہاں... جان اسمتھ۔"

وہ سوچ رہی تھی۔ ... اسمتھ پریزیڈنٹ کے ... میں ہیں؟ آپ کیسے؟

☆☆☆

مارکو پولو ائرپورٹ سے بلند ہونے کے دو گھنٹے بعد پائلٹ اسمتھ کے کیبن میں آیا۔ "کوئی نئی بات سر؟"

"نہیں۔" اسمتھ نے نفی میں سر کو جنبش دی۔

"روٹ بدل گیا ہے۔ لندن روٹ کے بجائے ہم ... جا رہے ہیں۔ اس طرح فضائی سفر میں دو گھنٹے کا اضافہ ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے شکریہ۔" اسمتھ نے جواب دیا۔ وہ کیلین کو وینس کے تمام حالات گوش گزار کر چکا تھا۔ جواباً کیلین نے روٹ تبدیل کرا دیا تھا۔ کیونکہ پریزیڈنٹ آج کسی پروگرام کو سپورٹ کرنے کے لیے ... جا رہے تھے۔ وینس کے غیر متوقع حالات کے بعد کیلین پریزیڈنٹ کے قریب رہنا چاہتا تھا۔ اس بات کا امکان تھا کہ پریزیڈنٹ کیلین اور اسمتھ سے براہِ راست بریفنگ لیں۔

منزل قریب آگئی تھی۔ ... اسمتھ کے ذہن میں ... کا تصور ابھرا۔ اس کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

پائلٹ، "ائر فورس ون" کے قریب سیکیورٹی ایریا میں ... کر رہا تھا۔ ضروری کارروائی سے فارغ ہو کر اسمتھ کیلین کے چھوٹے لیکن شاندار آفس میں پہنچا۔

"تھینک گاڈ، تم صحیح سلامت ہو جان۔"

"تھینک یو سر... کیلین کریں میں آپ کے جذبات سمجھ سکتا ہوں۔" جان اسمتھ نے ایمانداری سے کہا۔ وہ جانتا تھا کہ کیلین، ایجنٹس کو خطرات میں جھونک کر بے فکر نہیں رہتا تھا۔

"پریزیڈنٹ تمیں منٹ میں روانہ ہو جائیں گے، جان۔" کیلین نے مطلع کیا۔ "مجھے ایک ایک منٹ کی تفصیل بتاؤ۔ تاکہ میں بریفنگ کے متعلق فیصلہ کر سکوں۔"

اسمتھ نے جزئیات بتانی شروع کیں۔ وہ شوٹنگ تک پہنچا تو کیلین کی آنکھیں سکڑ گئیں... بائیو پریپ کا نام آیا تو کیلین واضح طور پر شاک میں نظر آیا۔

"ڈاکٹر کو کچھ نہیں بتا سکا؟"

"نہیں، اسے موقع ہی نہیں ملا۔ لیکن یہ کاغذ اس کی جیب سے ملا تھا۔" اسمتھ نے کاغذی نوٹ کیلین کے حوالے

کیا۔

"بائیو پریپ، انتھروان سے اسپیچ تو نہیں جا سکتا۔ بگ کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہاں اسپیچ کو کئی سہولت حاصل ہے۔ اگر یہ افواہیں گردش میں آئیں کہ اسپیچ کو خطرہ لاحق ہو جائے گا لیکن یہاں ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا کورئیر، کار گو کے ساتھ 4/9 بے کل بائیو پریپ سے نکل جائے گا۔" کیلین نے نظر اٹھائی۔

"اور کورئیر کون ہے؟ عورت یا مرد؟ اور یہ کام کون کروا رہا ہے؟ آپ پاگل پن ہے... انتھروان اور اسپیچ کو سے کیا مراد ہے؟" کیلین نے پے در پے کئی سوالات کر ڈالے۔

"سر! اسپیچ ان اور کو کا تعلق وائرس سے ہے... میں بھی جاننا چاہتا ہوں کہ کورئیر کون ہے؟ اور بائیو پریپ سے کیا نکالا جا رہا ہے؟ کورئیر کی منزل کون سی ہے؟"

کیلین کھڑکی کے قریب چلا گیا۔ "سوال یہ ہے کہ ڈاکٹر نے بھاگنے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟"

"یہی سوال میرے ذہن میں کلبلا رہا ہے۔ ڈاکٹر کو پوری معلومات حاصل کرنے کے لیے وہیں رکنا چاہیے تھا۔ اس نے خود کو مشکوک بنا ڈالا اور بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ مزید معلومات کے چکر میں اس کی موت یقینی تھی۔"

"لیکن مجھے یقین ہے کہ اس کی موت ضائع نہیں جائے گی۔" کیلین نے نرم لہجہ اختیار کیا۔

"میری رائے میں ڈاکٹر ہم تک پہنچنے کے لیے بے تاب تھا۔ کیونکہ شاید ہے جو کچھ بھی نکالا جا رہا ہے۔ اس کی منزل ہمارا ملک ہے۔" اسمتھ نے لہجہ ہموار رکھنے کی کوشش کی۔

"کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ کوئی دشمن بائیو ویپن ہمارے ملک میں لے کر آ رہا ہے؟" کیلین گھوم گیا۔

"حالات اور واقعات... جو یہ نوٹ اجاگر کر رہا ہے کہ اس بات کا مضبوط امکان موجود ہے۔"

"امکان نہیں بلکہ یقین بھی ہے تو پھر..." کیلین نے ناک کا بانسہ چٹکی میں پکڑا۔ "مجھے پریزیڈنٹ کو بتانا پڑے گا۔ فوری اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے... لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنی حفاظت کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر شاید ہوشیار کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے... تاہم وہ جان گنوا کر بھی کوئی کلیو نہ چھوڑ سکا۔"

"سر! اس کے نوٹ میں کچھ تو ہے... کیا میں..." اسمتھ نے ڈاکٹر کے کمپیوٹر کی طرف دیکھا۔

"... ہم..." کیلین نے اشارہ دیا۔

اسمتھ نے ... کے سامنے لسٹ سنبھال لی... میں سرچ انجن ... اسمتھ ... کے... لائبریری میں داخل ہوا۔ بائیو انفارمیشن ... دنیا کی سب سے بڑی اور جامع لائبریری ہے۔ اسمتھ نے ... اسپیچ ان اور اسپیچ کو... کورئیر نے اسپیچ ان اور... کے وائرس کی لسٹ طلب کی۔

کمپیوٹر نے 13 نام دیے۔ A اسمتھ نے سوال کیا... وہ ... ہیں جو بائیو پریپ میں ... اور ... کیے جا سکتے ہیں۔"

"ماربرگ، ایبولا اور دوسرے..." کیلین نے کہا۔

"اسپیچ تو ... مختلف قسم کی تبدیلیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً ... اسپلائسنگ..." اسمتھ نے کہا۔ "ماربرگ اور ایبولا اور ان جیسے وائرس لیب میں تشکیل نہیں دیے جاتے۔ صرف محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ یہ قدرتی ماحول کی پیداوار ہیں... جیسے ایبولا نے افریقہ میں جنم لیا۔"

دفعتاً اسمتھ کا ... مکمل ہو گیا۔ "لیکن ان سے ... کیا جا سکتا ہے۔ ... برسوں اس کے ساتھ کھیلتے رہے کہ اسے ... کر کے انتہائی جان لیوا ہتھیار میں تبدیل کر دیں۔ یوں لگتا تھا کہ وہ کامیاب نہیں ہوئے اور تجربہ گاہیں بند کر دی گئیں... لیکن..."

کیلین سن رہا تھا لیکن ساتھ ہی وہ ... سکرین کو بھی تک رہا تھا جہاں ... کے الفاظ ابھر رہے تھے: SMALL POX

"اسمال پاکس کا پاکس (Pox)... سے تعلق تھا۔ اس کی ریکارڈ شدہ تاریخ ... ہے۔ تب سے اس وائرس نے انسانی تاریخ کو دہلا دیا۔ اٹھارویں صدی میں مختلف آبادیوں کے ساتھ یورپ اور امریکا میں بھی ... تباہی پھیلائی۔ تیز بخار کے بعد مختلف علامات ظاہر ہوتی ہیں... بالآخر مریض دو سے تین ہفتے میں کرب و اذیت کے ساتھ راہیِ ملکِ عدم ہو جاتا ہے۔" اسمتھ نے تاریخی پس منظر سے تفصیل کا آغاز کیا۔

"1797 میں اتفاقاً برطانوی ڈاکٹر نے علاج دریافت کیا۔ آخری کیس صومالیہ میں 1977 میں دریافت ہوا۔ سن 1980 میں ڈبلیو ایچ او نے اسمال پاکس کی موت کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔ ڈبلیو ایچ او نے مرض کی ویکسی نیشن بھی بند کرا دی۔ 1980ء کے اواخر میں اسمال پاکس صرف دو جگہ محفوظ تھا۔ CDC اٹلانٹا اور ماسکو کے ... ویکٹر کی اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف وائرالوجی۔ بعد از ... اسے

[illegible] حتمی انداز میں کہا۔

"ہم [illegible] کے [illegible] کے تحت [illegible] کیا جاتا تھا۔ [illegible] کی اجازت [illegible] میں سے کوئی بھی [illegible] ہم جانتے [illegible] کے مددگاروں کی یہ بات [illegible] سرف آخری ہک کی [illegible] ابھی دنیا کی نظر سے اوجھل تھے۔ [illegible] کی بنا پر [illegible] لیب [illegible] پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں خطرہ ہے [illegible]

"[illegible] کا مطلب ہے [illegible] امریکا میں [illegible] سے گزار دیا [illegible] ممکن نہیں۔ [illegible] کی ایک بھیانک صورت حال [illegible] ویکسین [illegible] نئی ویکسین دریافت کرنے کے لیے تجربے کرنے پڑیں گے۔ اس وقت تک بہت دیر ہو جائے گی۔"

"جان، [illegible] کے لیے [illegible] ایس [illegible] ڈی سی (CDC) کا استعمال کرنا پڑے گا۔ جو ممکن نہیں۔"

"آپ کا خیال ٹھیک ہے۔" اسمتھ نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اگر ہم ٹھیک سوچ رہے ہیں تو یہ سازش طویل عرصے سے جاری ہے۔ تجربے کی جگہ خفیہ لیب میں کیا جاتا [illegible] میرے خیال میں خفیہ لیب تیار ہو چکی ہے۔"

[illegible] خاموشی چھا گئی۔ [illegible] کی پیشانی پر شکنوں کا جال تھا۔ "مجھے پریذیڈنٹ کو بتانا پڑے گا..."

"سر! اس کا مطلب ہے براہِ راست حکومتی سطح پر بات ہو گی۔ [illegible] اپنے طور پر کارروائی کریں گے۔ ہم نہیں جانتے کہ کن لوگوں سے واسطہ ہے اور کتنی اونچی سطح پر [illegible] ناکام ہوئے تو [illegible] وقت سے پہلے [illegible]" اسمتھ نے نکتہ اٹھایا۔

"تم کیا چاہتے ہو کہ حکومتی سطح پر بات کرنے سے [illegible] ہوشیار ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ ہم کیا [illegible]"

[illegible] نے اپنی حکمت عملی کی وضاحت [illegible] لیکن کے

[illegible] خطرات دیکھ رہا تھا اور [illegible] کرنے کے لیے تیار تھا۔

لیکن نے [illegible] رضامندی ظاہر کر کے اسمتھ کو حیران کر دیا۔

"جان، تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہو گا اور مجھے پریذیڈنٹ تک اطلاع پہنچانی ہو گی۔ [illegible] حکومت [illegible] گے۔" لیکن نے تنبیہ کی۔

اسمتھ نے گہری سانس لی۔ "مجھے صرف دو دن کی ضرورت ہے۔ میں ہر بارہ گھنٹے بعد اشارہ کروں گا۔ اگر میرا سگنل [illegible] میں [illegible] سے اوپر تاخیر ہو جائے۔ سمجھے گا کہ اب میرا سگنل کبھی نہیں آئے گا۔"

لیکن نے نفی میں سر ہلایا۔ "[illegible] ہے۔ میں اپنے آدمیوں کو خطرات میں جھونک کر دنیا کو [illegible] کا قائل نہیں ہوں۔"

"صورت حال ایسی بن رہی ہے... ویکسین کا مسئلہ نہیں ہے۔ اصل منصوبہ ہے اسم [illegible] منصوبہ [illegible] اندھیرے میں [illegible] ہم بے خبری میں مارے جائیں گے۔ پوری دنیا [illegible] فوری طور پر نئی ویکسین دریافت کر کے پھیلاؤ نہیں روکے سکتی۔"

لیکن کو دوست [illegible] کے [illegible] اسمتھ کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے، جاؤ اور معلوم کرو وہاں کیا ہو رہا ہے؟" لیکن نے حتمی انداز میں کہا۔

☆☆☆

میگان حیران تھی کہ اسمتھ سے کہاں ملے؟ اس نے [illegible] ہال میں جانے کا فیصلہ کیا اور لابی کی طرف چل پڑی۔ اسے خیال آیا کہ [illegible] ڈیسک پر مہمانوں کو [illegible] کیا جاتا ہے۔ اسمتھ کا نام وہاں ہونا چاہیے۔ تاہم اس وقت وہ لابی میں پہنچ گئی تھی۔ اس کے قدم اٹھتے رہے۔ چند منٹ بعد وہ [illegible] ہال میں تھی۔ میگان نے اسمتھ کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔ وہ ایک میز پر تنہا تھا۔

"جان!"

اسمتھ چونک اٹھا۔ میگان کو دیکھ کر وہ دھیمے سے مسکرایا۔

"میگان، تمہیں دوبارہ دیکھ کر خوشی ہوئی۔"

"اتنے سنجیدہ ہو، لگتا ہے کوئی نیا مشن ہے۔ اب یہ مت کہنا کہ مجھے تلاش نہیں کر رہے تھے۔" میگان نے نشست سنبھالی۔

اسمتھ [illegible] وہ اسی جگہ پر تھا کہ میگان کا خیال ذہن میں آ گیا تھا۔ تاہم وہ ذاتی طور پر ملاقات کے لیے

تیار نہیں تھا۔

"اسٹن پر جا رہی ہو؟"

"میری ڈیوٹی تو مکمل ہے۔ تاہم لکی کے ساتھ جو ہم جائیں گی اس میں میری جگہ نہیں ہے۔ مجھے اسمتھ والی [illegible]"

اسمتھ کو یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا نہیں تھا لیکن وہ محسوس کر رہا تھا کہ میگان اسے [illegible] ہوئی یہاں آئی ہے۔ میگان نے کہہ جانا کہ وہ یہاں ہے؟ تاہم اس نے مناسب خیال نہیں کیا کہ میگان کی [illegible] کرے۔

"کچھ [illegible] کی؟"

"کیوں نہیں [illegible] اور کافی؟"

"ڈرنک... لیکن یہ تو بتاؤ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں تمہارا منتظر ہوں؟" اسمتھ نے احتیاط سے استفسار کیا۔

"تمہارے دوست [illegible] ریڈ نے بتایا تھا۔"

"اوہ اچھا۔" اسمتھ نے بے نام سے انداز میں کہا۔

"تم ریڈ کو کب سے جانتے ہو؟" میگان نے آرڈر کے لیے اشارہ کیا۔

"میں نے نیما اور یو ایس ایمرڈ میں کچھ عرصے اس کے ساتھ کام کیا ہے۔ [illegible] کے کمرے میں۔ تاہم کافی عرصے سے ملاقات نہیں ہوئی۔" اسمتھ اندر ہی اندر سر گرداں تھا کہ ریڈ کو کس نے بتایا کہ وہ یہاں موجود ہے؟ اور ریڈ نے میگان سے کیوں ذکر کیا؟ اسمتھ یہاں کے طریقہ کار اور سیکیورٹی سے آگاہ تھا۔ اس کی موجودگی سیکیورٹی کے علم میں ہونے کے باوجود خفیہ ہونی چاہیے تھی۔ اگر کوئی جہازوں کی آمد و رفت اور اس کے مسافروں کو مانیٹر کرتا ہے... تب ہی ریڈ اس کی موجودگی سے آگاہ ہو سکتا ہے۔

میگان ہیٹر کا آرڈر دے رہی تھی۔ تاہم اسمتھ نے اورنج جوس کی فرمائش کر دی۔ اسے یہاں سے نکل کر ہوائی سفر کرنا تھا۔

"امید ہے کہ آج نہیں تو کل تم وہاں اپنے ساتھیوں کے درمیان ہو گی۔"

"ہاں... شاید۔" میگان نے جمایا کہا۔

"شاید نہیں، یقیناً۔" ایک آواز آئی۔ دونوں نے سر اٹھایا۔ وہ ریڈ کی آواز تھی۔

"جان کیسے ہو؟" اس نے ہاتھ بڑھایا۔ "ابھی تک یہ اشم [illegible] ہو؟"

اسمتھ نے ہاتھ ملایا۔ "آؤ بیٹھو۔" [illegible]

"اور تم وہ سامنے [illegible] حال ہو گئے [illegible] حال؟"

"[illegible]" ریڈ بیٹھ گیا۔

"تم اس مشن پر جا رہے ہو؟"

"ہاں، میں جا رہا ہوں۔" ریڈ نے جواب دیا۔

ہلکی پھلکی گفتگو کے دوران میں اسمتھ کی تربیت یافتہ تیز حسیات نے اسے کچھ کا دیا۔ اس نے غیر محسوس انداز میں اوپر جا کر پہلی منزل کی بالکونی پر نظر ڈالی۔ اس آدمی کا انداز کے مانند شفاف سرد شیشوں میں چمک رہا تھا۔ اس نے شاید قسم کیا ہوا تھا۔ مناسب فاصلے کے باوجود اسمتھ نے تاڑ لیا کہ کچھ براہِ راست اسے گھور رہا تھا۔ اس کا مت تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ "میں تمہیں نہیں جانتا۔ تم میرے اندر کیوں دلچسپی لے رہے ہو؟" اسمتھ نے خود سے خیالی سرگوشی کی۔

"ریڈ؟" اسمتھ نے آنکھوں سے کھمبے کی طرف سوالیہ اشارہ کیا۔

ریڈ نے بالکونی کی طرف دیکھا۔ "اوہ، وہ ایڈم ٹریلر ہے۔ [illegible] میں چیف میڈیکل آفیسر۔"

اسی دوران ٹریلر نے واپس جانے کی ناکام کوشش کی لیکن ریڈ ہاتھ لہرا کے اشارہ کر چکا تھا۔ چنانچہ ٹریلر پہلی منزل کی سیڑھیاں اترنے لگا۔ اس کی آنکھیں تنی حلقوں سے ابلی ہوئی تھیں۔ چہرے پچھونے لگا۔ اسمتھ نے کوئی اچھا تاثر نہیں لیا۔ وہ ہچکچاہٹ کے ساتھ میز تک آ گیا۔

"ایڈم یو ایس ایمرڈ کے ڈاکٹر جان اسمتھ سے ملو۔"

"خوشی ہوئی مل کر۔" اسمتھ نے ہاتھ بڑھایا۔

"نائس ٹو میٹ یو۔" ٹریلر نے کہا۔

"کیا ہم پہلے مل چکے ہیں؟" اسمتھ نے خوش گوار انداز میں سوال کیا۔

اسمتھ نے حیرت محسوس کی کہ اس کے شستہ سوال پر وہ گڑبڑا گیا تھا۔

"نہیں... نہیں، مجھے یاد نہیں پڑتا۔" اس نے الٹے میں ریڈ کی طرف دیکھا۔ "ہم کا آخری میڈیکل چیک اپ کرنا ہے۔"

ریڈ نے معذرت طلب نظروں سے اسمتھ کو دیکھا۔ "روانگی کا دن قریب آتا جا رہا ہے۔ کئی کام ہیں۔ معافی چاہوں گا۔"

اسمتھ نے سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا۔

"میگان، تمہیں بھی تم سے [illegible] لیب میں ملاقات ہو گی۔" ریڈ نے میگان کو [illegible] کیا اور [illegible] گیا۔

☆☆☆

پیٹر پال نے اگلا قدم اٹھانے سے پہلے پیٹر گلے لگایا۔ وہ ٹرمینل میں داخل ہوا۔ وہاں سے نکل کر سامان وصول کی طرف روانہ ہوا۔ جہاں دونوں قاتل خوفناک دھماکے کی زد میں آئے تھے۔ وہاں پولیس نے رسی باندھ کر گھیرا ڈالا ہوا تھا۔ سیاحوں کو ادھر نہیں جانے دیا جا رہا تھا۔ پیٹر رکنے والا نہیں تھا۔ تاہم ایک پولیس اہلکار پیٹر کی راہ میں حائل ہو گیا۔ پیٹر نے کرائم سین پر سرسری نظر ڈالی۔ ”مجھے انسپکٹر ڈیوٹی سے ملنا ہے۔“ پیٹر نے روانی سے اطالین زبان استعمال کی۔ پولیس مین نے پیٹر کا جائزہ لیا اور ایک طرف چل پڑا۔

انسپکٹر ڈیوٹی سوختہ چوبی ٹکڑے کا جائزہ لے رہا تھا۔ پولیس مین کی بات سن کر اس نے پیٹر کی جانب دیکھا۔ مارکو ڈیوٹی نے پیٹر کو پہچاننے میں چند سیکنڈ صرف کیے۔ چہرے پر کے دمکتے انداز کر پیٹر کی طرف آ گیا۔ اس نے اطالوی انداز میں خوشی کا اظہار کیا۔

”مارکو۔ تمہیں دیکھ کر مجھے بھی خوشی ہو رہی ہے۔“ بہت کی رہائی میں پیٹر کو ڈیوٹی کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا تھا۔ جب یہ خانوادی شہری اغوا ہونے شروع ہوئے تھے۔ دونوں ایک دوسرے سے متاثر ہوئے اور بعدازاں رابطہ برقرار رہا۔ پیٹر جب بھی وینس آتا، ڈیوٹی کے آبائی پرشکوہ مکان پر قیام کرتا تھا۔

”تم یہاں ہو اور مجھے بتایا نہیں... مطلب کیا اور ہے ہو؟“ ڈیوٹی نے شکوہ کیا۔

”معذرت خواہ ہوں۔“ پیٹر نے کہا۔ ”کل ہی پہنچا تھا اور یہاں حالات معمول کے خلاف ہیں؟“

ڈیوٹی نے پلٹ کر کرائم سین کی جانب دیکھا۔ اس کا چہرہ تن گیا۔ ”مناسب تو نہیں لگتا...... ابھی طے ہو لیکن کوئی خاص کیا ہے تمہارے پاس؟“ انسپکٹر نے سوال کیا۔

”تم پوچھ سکتے ہو۔ مجھے خوشی ہو گی اگر میں مدد کر سکا لیکن یہاں نہیں۔“ پیٹر نے عندیہ دیا۔

”ٹھیک ہے، آؤ۔“ ڈیوٹی کا رخ ایک بوٹ کی جانب تھا۔ بوٹ پانی کو چیرتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ ”ابھی کیا کر رہے تھے اس وقت میں؟“ ڈیوٹی نے سوال کیا۔ ”عالیہ بارے میں کیا جانتے ہو؟“

”میں یہاں کسی مشن پر نہیں ہوں۔“ پیٹر نے اسے تسلی دی۔ ”تاہم میرا ایک دوست اس حادثے میں

غرق ہونے سے رہ گیا۔“

”اور تمہارا وہ پراسرار دوست وہ آدمی ہے جو مقتول کے ساتھ دکھائی دیا تھا اور قاتلوں کا تعاقب کرتے ہوئے غائب ہو گیا؟“

”ہاں ایسا ہی ہے۔“ پیٹر نے اعتراف کیا۔

ڈیوٹی نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ”پیٹر، اس کا تعلق دہشت گردی سے تو نہیں ہے؟“

”قطعی نہیں۔“

”ہمیں مقتول کے پاس سے یوکرینی پاسپورٹ ملا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ اس نے یہاں پہنچنے کے لیے ایک تکلیف دہ سفر طے کیا ہے۔ وہ یہاں کیوں پہنچا؟ ہمیں تشویش ہے، کیونکہ اس کو یہاں رکنا نہیں تھا۔ اس نے یہاں سے گزر کر کہیں اور جانا تھا۔ قاتلوں نے اسے آگے جانے کا موقع نہیں دیا۔ یوکرینی پاسپورٹ کی موجودگی سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔“ ڈیوٹی آبی گزرگاہ کے ٹریفک کو گھور رہا تھا۔

”پیٹر، میں کسی پریشانی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔“

”پھر میری مدد کرو۔“ پیٹر نے کہا۔ ”میں کوشش کروں گا کہ تمہاری مدد کر سکوں... کیا تم قاتلوں کی شناخت میں کسی قسم کا تعاون کر سکتے ہو... نیز خود قاتلوں کو کیسے قتل کیا گیا؟“

”بم کے ذریعے۔“ ڈیوٹی نے سپاٹ لہجہ اختیار کیا۔ ”بم ضرورت سے زیادہ طاقتور تھا۔ وجہ یہی کہ قاتلوں کے قاتل ہمارے لیے کوئی نشان چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ تاہم وہ اپنی اس کوشش میں ناکام ہو گئے۔ ہمیں اتنے اشارے دستیاب ہو گئے ہیں جو بتا رہے ہیں کہ وہ دونوں ہمارے ریکارڈ کا حصہ رہے ہیں۔“

بوٹ کی رفتار سست ہونے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ ڈیوٹی کے گھر میں تھے۔ وسیع عمارت سترہویں صدی کی تعمیر تھی۔ جسے بعد میں سرکار نے تحویل میں لے کر پولیس اسٹیشن میں تبدیل کر دیا تھا۔ تاہم اس کا مناسب حصہ ابھی تک مارکو ڈیوٹی کی دسترس میں ہی تھا۔ دونوں چوڑے کوریڈور سے گزرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ باہر گارڈز نے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔

ڈیوٹی طویل میز کے ایک طرف بیٹھ گیا اور پیٹر نے مخالف سمت میں نشست سنبھالی۔ انسپکٹر کی توجہ کمپیوٹر کی طرف تھی۔ ذرا دیر میں اس نے ایک پرنٹ برآمد کر لیا۔

”ڈوکو براورز... تو ماسو اور لیوگی۔“ اس نے پرنٹ آگے سرکا کر پیٹر کی طرف بڑھایا۔ پیٹر نے بغور تصاویر کا جائزہ لیا۔ دونوں اپنے چہروں سے متعصبی اور کرخت میاں تھی۔ عمر پچیس تیس کے آس پاس رہی ہو گی۔

”سسلین؟“

”ہاں، کرائے کے قاتل۔“ ڈیوٹی نے تصدیق کی۔ ”روم میں ایک جج اور پالرمو میں ایک وکیل کی ہلاکت کے ذمے دار دونوں بھائی ہیں... ہمیں عرصے سے ان کی تلاش ہے۔“

”ان کی قیمت؟“

”بہت زیادہ۔ انہیں رقم دو اور کسی کو بھی ختم کروا لو...... کیوں پوچھ رہے ہو؟“

”کیونکہ جس نے ان کو استعمال کیا وہ بالائی سطح سے تعلق رکھتا ہے جس کے پاس دولت بھی ہے اور رابطے بھی۔ عام لوگ اس قسم کے پروفیشنل ہائر نہیں کر سکتے۔“

”لیکن ایک یوکرینی زمیندار کو دن دہاڑے سرعام مارنے کی وجہ؟ اگر وہ واقعی زمیندار تھا۔“

”میں قطعی لاعلم ہوں لیکن میں پتا لگاؤں گا۔“ پیٹر نے جواب دیا۔ ”ان دونوں کا کوئی مستقل ٹھکانا؟“

”پالرمو... وہی ان کی جائے پیدائش ہے۔“

”دھماکے کے بارے میں کیا جانتے ہو؟“

ڈیوٹی پھر کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہوا۔ ”فارنسک کی ابتدائی رپورٹ کے مطابق وہ C-12 کا دھماکا تھا۔ وزن نصف کلو۔“

پیٹر چونک اٹھا۔ ”C-12؟ تمہیں یقین ہے؟“

”ہماری لیب کا معیار بہت بلند ہے، پیٹر۔“

”یقین کرتا ہوں۔“ پیٹر نے پرسوچ انداز اختیار کیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ امریکی فوج کا جدید ترین دھماکا خیز مواد دو سسلین پیشہ ور قاتلوں تک کیونکر پہنچا۔ یہ ایک معنی خیز اطلاع تھی۔

”پیٹر، میں بھی جاننا چاہتا ہوں... تم یوکرینی کے بارے میں کیا بتا سکتے ہو؟“

”میرا کام صرف اتنا تھا کہ میں رابطہ کرنے والے کو کور کروں۔ خون خرابے کا کوئی امکان یا اشارہ دور سے بھی مفقود تھا۔“

ڈیوٹی نے انگلیاں چٹخائیں۔ ”فرض کرو میں وضاحت کرتا ہوں کہ ڈوکو براورز کی ذمے داری رابطہ کار کو ہلاک کرنا تھا لیکن وہ غلطی سے یوکرینی کو ختم کر گئے اور اصل شکار فرار ہو گیا؟“

[illegible]

☆☆☆

[illegible]

"وہ دشمن ہے۔ کیمیائی، بائیولوجیکل وار فیئر...." جنرل کچھ دیر اس موضوع پر لفاظی کرنے کے بعد منتخب حاضرین کا جائزہ لینے لگا۔

"انتہائی ضروری ہے کہ آپ لوگ ہمہ وقت تیار رہیں اور اپنی اپنی جگہ پر بہترین صلاحیتیں صرف کریں۔ اگلی جنگ میدانوں میں نہیں بلکہ لیبارٹریز میں لڑی جائے گی۔ دنیا جس کا ادراک ہماری عقل آگہی پر ہوگا کہ ہمارا دشمن کیا تحقیق کر رہا ہے، کیا پال رہا ہے اور اسے کیسے استعمال کرے گا۔ تب ہم اس کے ان دیکھے ہتھیار کو کیسے نیست و نابود کریں گے۔"

"میں آپ سب کی توجہ اور وقت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔" جنرل رچرڈسن نے وقفہ دے کر کہا۔ حاضرین نے تالیاں بجانا شروع کیا۔ وہ جنرل رچرڈسن کے نکات کو سراہ رہے تھے۔ جنرل حاضرین میں گھل مل گیا۔

بریفنگ روم میں حاضرین کی تعداد گھٹنا شروع ہو گئی۔ آخر کار وہاں صرف دو آدمی رہ گئے۔ ایک رچرڈسن خود اور دوسرا نیشنل سیکیورٹی ایجنسی کا ڈپٹی ڈائریکٹر انتھونی پرائس۔ انتھونی پرائس واحد شخص تھا جس کا لباس سویلین تھا۔ اس نے مستقل خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔

"تم نے کچھ نہیں کہا؟"

"ضرورت نہیں تھی۔ تم ٹھیک جا رہے ہو۔" انتھونی پرائس نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔

"میں تو پھر بھی دہرا رہا ہوں۔"

دونوں ہم قدم باہر نکلے۔ دھیمے لہجے میں گفتگو جاری تھی۔

"وہ وقت آنے والا ہے جب ملک چلانے والے سیاست دان ہمیں کباڑ سمجھیں گے۔ ہماری ضرورت کم ہوتی جائے گی۔ جب لیبیا کے اندر اینتھریکس، ایبولا، کانگو اور دیگر وائرس اسٹاک کیے جائیں گے۔" رچرڈسن نے کہا۔

"پرانی خبر ہے رچرڈ۔" پرائس نے تبصرہ کیا۔ "ہم اور دوسرے ممالک معاہدہ کر چکے ہیں۔ ہر چیز اوپن ہے۔ کیمیکل اور بائیو ویپن۔ ڈلیوری سسٹم تک کی نگرانی ہوتی ہے.... سیاست دان کیا کریں گے۔ ان کے نزدیک حیاتیاتی ہتھیاروں کا کھیل مردہ حالت میں ہے۔"

"جب تک ان پر بے خبری میں حملہ نہیں ہوتا وہ شور کیا مچائیں گے۔ حملے کے بعد انہیں یاد آئے گا کہ ان کے پاس ہتھیار کہاں ہیں۔" رچرڈسن بولا۔

"پھر وہ ہماری طرف دوڑیں گے اور ہم بتائیں گے۔

کیا رہے گا؟" پرائس نے کہا۔ "بوڑھے ڈاکٹر باٹز سے ذرا مدد لینی پڑے گی۔"

"وہ بھی خوب کام کا آدمی ہے۔" رچرڈسن نے اعتراف کیا۔

دونوں جیٹ رینجر ہیلی کاپٹر کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"ہماری ضرورت ختم یا کم نہیں ہو سکتی۔" پرائس نے گہری کا مظاہرہ کیا۔ "سوویت یونین، دس سال افغانستان جیسے کمزور ملک میں سر پھوڑتا رہا۔ لیکن نیوکلیئر ویپن استعمال نہ کر سکا اور تحلیل ہو گیا۔ ایٹم بم رکھا جاتا ہے، استعمال نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح بائیو ویپن بھی استعمال نہیں ہوتا۔ بہرحال مستقبل اندھیروں میں ہے۔ کارل باٹز کے ساتھ مل کر ہم جو کرتے جا رہے ہیں، اس کے بعد ہماری اہمیت اور بڑھ جائے گی۔" وہ مسکرایا۔

"ایسا بھی نہیں ہے۔" رچرڈسن نے تصحیح کی۔ "کیمیائی اور حیاتیاتی ہتھیار خفیہ طور پر چھوٹے پیمانے پر استعمال ہوتے آئے ہیں۔"

"لیکن اب وہ ہو گا جو تاریخ میں کبھی نہیں ہوا۔" یہ کہتے وقت پرائس کے تاثرات غیر انسانی نظر آئے۔

رچرڈسن نے اسے روک لیا۔ "ویکس میں جو کچھ ہوا... کیا کرتا ہے؟"

"کچھ نہیں کرتا۔ سب ٹھیک ہو گیا۔ تھوڑا بہت غیر متوقع رہا۔ لیکن کہیں کہیں تو ایسا ہو گا۔ ہمارا منصوبہ بے داغ ہے اور ہر امکان کا احاطہ کرتا ہے۔" پرائس نے اطمینان سے کہا اور ہیلی کاپٹر میں داخل ہو گیا۔

چند منٹ بعد ہیلی کاپٹر جزائر ہوائی کے کونا آئی لینڈ کی طرف جا رہا تھا۔ ان کی منزل وہاں موجود فورٹ باورڈ تھی۔ سمندر اور کھوکھلی لاوے کے درمیان فورٹ باورڈ نے کئی ہزار ایکڑ اراضی گھیری ہوئی تھی۔ یہ علاقہ چند برس قبل آرمی میڈیکل ریسرچ کے لیے مختص تھا۔ کئی برس پہلے ہوائی کے حریص سینیٹر کی مدد سے رچرڈسن نے فورٹ باورڈ کو نجی شعبے میں لے جانے کے لیے جال بچھایا۔ سینیٹر نے کانگریس میں اثر و رسوخ استعمال کیا۔ ان عوامل کے ساتھ ریڈیکل بائیو کیمیکل فرم ہیلو ورلڈ (ڈورسٹ) نے بھی کی بھاری بھرکم آفر نے بھی کام کیا اور ریسرچ سینٹر دوبارہ فعال ہو گیا۔ سینیٹر کے سیف ڈپازٹ باکس میں ہیلو ورلڈ سے دو ہزار شیئرز محفوظ ہو گئے۔ فرم کا ہیڈ کوارٹر زیورچ میں تھا۔ جس کا سربراہ ڈاکٹر کارل باٹز تھا۔ فورٹ باورڈ اب ہیلو ورلڈ

کی ملکیت تھا۔ بعد از آں وہاں مستقبل کے منصوبے کی ضرورت کے مطابق تعمیراتی ترمیم و اضافے کیے گئے۔ اب وہاں جو فورٹ نظر آ رہا تھا وہ بمطابق اصل تھا.... در حقیقت اصل فورٹ زیر زمین تین منزلہ بچھا تھا۔

سو سال سے اوپر ہو گئے جب کارل باٹز کے پردادا نے ہیلو ورلڈ کی بنیاد رکھی تھی۔ فرم نے آغاز سے ہی ترقی کا سفر برقرار رکھا۔ ترقی کی رفتار بڑھتی گئی۔ اس کے سائنس دانوں اور تحقیق کنندگان کی محنت سے فرم کی ادویات دنیا بھر میں پھیل گئیں۔ اس کی بعض ادویات نے انسانی بنیادوں پر متعدد بین الاقوامی ایوارڈ حاصل کیے۔ تیسری دنیا میں فرم نے طب و صحت کے شعبے میں بڑا کام کیا۔ تاہم ان سب کے باوجود فرم کا ایک تاریک رخ بھی تھا جو کبھی منظر عام پر نہیں آیا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران ہیلو ورلڈ نے مسٹرڈ گیس کی بدلی ہوئی شکل متعارف کرائی۔ گیس کی ہلاکت خیزی دھیرے دھیرے اثر انداز ہوتی تھی۔ یہ اتحادی افواج میں ہزاروں ہلاکتوں کا سبب بنی۔

بیسویں صدی کے نصف آخر میں کارل باٹز کا عمل دخل فرم میں بڑھنے لگا۔ اس نے فارماسیوٹیکل سے ہٹ کر دائرہ کار بائیو کیمیکل ویپن (کیمیائی حیاتیاتی ہتھیار) تک پھیلا دیا۔ باٹز کی حرکت پذیری اور چالبازیوں کی الگ کہانی ہے۔ ہیلو ورلڈ اسے نئی بلندی تک لے گیا... باٹز کی پیش بینی نے کمیونزم کا انہدام اور امریکا کی بالادستی تاڑ لی تھی۔ روس جو کبھی جنگ لڑ رہا تھا اور امریکا واحد سپر پاور کے مزے لوٹ رہا تھا۔ باٹز کے شیطانی ذہن نے دونوں جانب سے سرمایہ بنایا۔

اس وقت کارل باٹز کونا آئی لینڈ میں اپنے دونوں امریکی ساتھیوں کے استقبال کے لیے تیار تھا۔

☆☆☆

سطح زمین سے اوپر دوسری منزل کا تمام رقبہ باٹز کا دفتر تھا۔ وہ رچرڈسن اور پرائس کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ ان کے ملاپ کو پانچ برس ہو چلے تھے۔ پھل پکنے لگا تھا۔ اسے کاٹنے کا وقت بھی قریب آ رہا تھا۔

آج کا موضوع، ماسٹر بیٹر، وائرس اسمال پاکس تھا۔ باٹز نے پہلے دونوں کو خوش خبری سنائی کہ چند روز میں اسمال پاکس پہنچ جائے گی۔

"تمہارے رابطے... نے... ہے۔" رچرڈسن نے سوال کیا۔

"بے شک... ہے... [illegible]

[illegible]

...تھا۔ ہمارا انجینئر چارلس اسی تھا۔ جیسے ہی مجھے اطلاع ملی کہ ڈانکو کسی سے ملنے والا ہے، ہم نے ... کو ... کر دیا۔"

"لیکن ڈانکو سے ملنے والا بچ گیا۔" پرائس نے تصدیق کی۔

"یہ ٹھیک درست کر لی جائے گی۔" پارٹر نے جواب دیا۔ "اس وقت ہمیں پتا نہیں تھا کہ ملاقاتی کون ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ڈانکو جو خبر لے کر نکلا تھا وہ اسی کے ساتھ واپس آگیا۔"

"مجھے کیسے پتا ہو؟" رچرڈسن نے اعتراض کیا۔

"خود ہی دیکھو۔" پارٹر نے ڈسک دوبارہ چلائی۔ رچرڈسن اور پرائس غور سے دیکھنے لگے۔

"سب کچھ سیکنڈوں میں شروع ہو کر ختم ہو گیا۔" پارٹر نے کہا۔

"پھر چلاؤ۔" پرائس بولا اور اسنیپ واضح نکالی۔ دونوں نے توجہ اس حصے پر مرکوز کی جب ڈانکو، اسمتھ کے ساتھ بیٹھتا ہے۔۔۔ "کتنی دیر بیٹھا ہے؟" دونوں نے ڈانکو کے ہاتھوں پر بھی نگاہ رکھی ہوئی تھی۔ ملاقات کا وقت بہت قلیل تھا۔ ڈانکو کوئی چیز اسمتھ کو نہیں دے سکا تھا۔

"ٹھیک کہتے ہو۔" پرائس بولا۔ "ڈانکو آیا، بیٹھا، چلا گیا۔۔۔ اور بس۔"

رچرڈسن نے بھی سر ہلا دیا۔

"سب ٹھیک معلوم ہوتا ہے لیکن کیا اسمتھ اپنا نمبر لپیٹ کر غائب ہو جائے گا۔" رچرڈسن نے کچھ دیر بعد کہا۔ "کون جانتا ہے کہ روسی ملٹری میں اس کے کتنے روابط ہیں؟"

"مجھے احساس تھا۔ میں نے اسمتھ کا پیچھا نہیں لیا اسی لیے تم لوگوں کو یہاں بلایا ہے۔ کیا مشورہ ہے؟" پارٹر نے مشاورت کا آغاز کیا۔

ریموٹ کنٹرول، پرائس کے ہاتھ میں تھا۔ اس کی توجہ اسکرین سے نہیں ہٹی تھی۔ ایک فریم اس نے منجمد کر دیا۔

"آشنا سا لگتا ہے۔۔۔ کون ہے؟" وہ بڑبڑایا۔

"میرے اندازے کے مطابق اس نے اپنا تعارف ... کے طور پر کروایا تھا۔" پارٹر نے جواب دیا۔

"ہم میں سے کس نے اس کا انٹرویو لیا تھا؟"

"... ملاقات کے بعد غائب ہو گیا تھا۔"

"کیا مطلب ہے؟" رچرڈسن نے پرائس کی طرف

دیکھا۔ پرائس نے منہ کھولا ہی تھا کہ اس کا سیل فون بول اٹھا۔

"ہیلو ڈیوٹی۔۔۔ تم نے بے وقت پر کال کی ہے۔ چند سوالات ہیں۔ جائے واردات پر پرائس کے ساتھ دوسرا آدمی کون تھا؟"

ڈیوٹی کی طرف سے جواب آیا۔ "تم نے کہا تھا کہ اگر کوئی روورز کی ٹوہ لینے کی کوشش کرے تو میں۔۔۔"

"ہاں ہاں۔۔۔ کون آیا تھا؟"

"میرا ایک دوست پیٹر بارل۔ پہلے وہ ایس اے ایس (SAS) میں تھا۔۔۔"

"آہا، میں اسے جانتا ہوں۔ وہ تم سے کیا مانگ رہا تھا؟" پرائس اسکرین پر جامد فریم میں پیٹر کو گھور رہا تھا۔

ڈیوٹی نے پیٹر کے ساتھ ملاقات کا احوال سنایا۔

"تم نے اسے کیا بتایا؟"

"وہ روورز کی شناخت جاننا چاہتا تھا۔ میں نے بتا دیا۔ کوئی اور چوائس نہیں تھی۔ وینس میں اس کے اور بھی رابطے ہیں۔ وہ کسی اور سے معلوم کر لیتا۔ وہ روورز کے رہائشی علاقے تک پہنچ گیا ہے۔ تنہا ہے۔"

پرائس کچھ سوچ کر بولا۔ "ٹھیک ہے۔ اگر وہ پالرمو سے رابطہ کرے تو مجھے بتانا۔" رابطہ منقطع کر کے اس نے اسکرین کی جانب اشارہ کیا اور پیٹر کے بارے میں وضاحت کی۔

"یعنی وہ اسمتھ کے ساتھ تھا لیکن کیوں؟" پارٹر نے سوال کیا۔

"اسمتھ احمق نہیں ہے کہ ڈانکو سے ملنے تنہا نکل جاتا۔ پیٹر اسے کور کر رہا تھا۔" پارٹر کے سوال کا جواب رچرڈسن نے دیا اور ڈیوٹی کی شان میں ایک گالی ایجاد کی۔ "کیا ہم اس پر بھروسا کر سکتے ہیں؟"

"ہمارے بغیر اس کا دیوالیہ نکل جائے گا۔ ہماری ادائیگیوں کی وجہ سے وہ دیوالیہ ہونے سے بچا ہوا ہے۔ ویسے اس کا کہنا بھی ٹھیک ہے۔" پرائس نے ڈیوٹی کی حمایت کی۔

"مطلب پیٹر کا بندوبست کرنا پڑے گا؟" پارٹر نے استفسار کیا۔

"بالکل۔" رچرڈسن بولا۔ "تاہم پالرمو ایک خطرناک جگہ ہے۔۔۔ پیٹر جیسے آدمی کے لیے بھی۔"

☆☆☆

جان اسمتھ، ... سے ایئرپورٹ پہنچا۔ وہاں سے بذریعہ کار اپنے گھر دوڑا اور شاور لینے کے بعد لباس تبدیل کیا۔ پھر کار ... کال کی۔ کچھ دیر بعد وہ پوری تیاری کے ساتھ ائرپورٹ کی جانب رواں دواں تھا۔ خفیہ لائن پر اشارہ ملا۔

"جان اسمتھ بول رہا ہوں۔۔۔ کہاں ہو؟"

"سر، تین گھنٹے میں ماسکو کے لیے ڈیلٹا کے ساتھ پرواز کر جاؤں گا۔"

"گڈ۔۔۔ میں نے پریذیڈنٹ سے بات کر لی ہے۔ وہاں سے کوورٹ۔۔۔ وہ ان کے لیے سگنل گرین ہے۔ ساتھ ہی تیز حرکت کی ہدایت ہے۔"

"سمجھ گیا سر۔۔۔ میں ہر بارہ گھنٹے بعد رپورٹ کروں گا۔"

"اوکے، گڈ لک، جان۔"

☆☆☆

ڈیلٹا L-1011 پہلے لندن پہنچا۔ وہاں سے ایندھن لے کر وہ پھر پرواز کر گیا۔۔۔ صبح سویرے ائرکرافٹ نے ماسکو کی سرزمین کو چھو لیا۔ اسمتھ ملٹری آئی ڈی کے ساتھ کسٹم اور امیگریشن سے گزر کر کیب کے ذریعے ریڈ اسکوائر کے قریب شیریٹن ہوٹل میں منتقل ہو گیا۔

دروازے پر ڈونٹ ڈسٹرب کا اشارہ دے کر اس نے غسل کیا۔ ذہن میں چار گھنٹے کا وقت سیٹ کر کے وہ خوابِ غفلت میں چلا گیا۔ چند گھنٹے کی نیند وہ لندن میں اترنے سے پہلے لے چکا تھا۔

سہ پہر کے وقت وہ ماسکو کی سڑکوں پر تھا۔ افغانستان سے نکلنے کے بعد رشیا متواتر تبدیلیوں کے دور سے گزرتا آرہا تھا۔ وہ سیاحوں کے مانند گھومتا ہوا مطلوبہ پتے کی جانب بڑھ رہا تھا جو ... نے اسے مہیا کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کس شخصیت سے اس کا سامنا ہونے والا ہے۔ اس آگہی نے اسے مضطرب کر دیا تھا۔

منزل پر پہنچ کر اس نے سائن بورڈ دیکھا۔ وہاں سنہرے الفاظ میں بے ڈیجیٹل کارپوریشن لکھا تھا۔ گلاس ڈور کے دوسری جانب، کاؤنٹر کے عقب میں نفیس لباس زیب تن کیے مرد و خواتین متحرک تھے۔ اسمتھ نے رک کر گہری سانس لی اور اندر قدم رکھ دیا۔ اس کا مطلوبہ چہرہ دائیں جانب تھا۔ عمر تیس کے قریب۔ زلفیں سنہری اور بیضوی چہرے پر کھڑی ستواں ناک، ٹھوڑی میں گڑھا، آنکھیں سیاہ۔۔۔ وہ صوفی تھی جس کے دل پر وہ ... کیا تھا۔ وہ جذبات کو قابو کر کے اس کی جانب بڑھا۔

ختم کرنے کے بعد ہی وہ میری طرف متوجہ ہوئے تھے۔"
"بہرحال تم بال بال بچے ۔۔۔ مائی گاڈ! لیکن تم تو
کن حالات میں ان کے تعاقب میں کیوں گئے تھے؟"
اسمتھ نے شانے اچکائے۔
ریخلی نے گہری سانس لی۔ "کیا چاہتے ہو؟ آدا اگو کی
موت کا حل یا پھر پوسٹ تک رسائی؟"
"بوری (آدا) اگو کے پاس کوئی خفیہ اور خطرناک اطلاع
تھی۔ ہے اہم تک پہنچانے کے لیے اس نے اپنی جان
قربان کر دی ۔۔۔ اگر میں نے حقیقت دریافت کر لی تو اگو
کے اصل قاتلوں تک پہنچ جاؤں گا۔ وہ جو بھی ہیں ان کا تعلق
انٹیلی جنس سے بنتا ہے۔" اسمتھ نے وضاحت کی۔
"میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟"
"دیکھو میں یہاں اجنبی ہوں مگر تمہارے بہترین تعلقات جن
پر تمہیں بھروسا ہو۔"
ریخلی کچھ دیر اپنے ناخنوں کو گھورتی رہی۔ پھر گویا
ہوئی۔
"اولیگ کیروف۔ رشین فیڈرل سیکیورٹی سروس کا
میجر جنرل۔ وہ ایک کلی آدمی ہے۔ قابل بھروسا اور محب
وطن ۔۔۔ اس کی نمبر 2 کا کام لارڈ بلیٹن سے۔ وہ بھی برائے
ہے۔ یلانڈ میں خاص کار آمد ۔۔۔ لیکن بے فکر رہو۔"
"بے فکر؟ کیا مطلب؟" اسمتھ نے سوال کیا۔
"فکر کرو تو بچ بھی جاؤ گے۔" ریخلی ہولے سے
مسکرائی۔
"کیروف سے میں واقف ہوں لیکن کچھ خاص
نہیں۔ کیا تم میٹنگ کا بندوبست کر سکتی ہو؟"
"ہاں لیکن وہ یہ جاننا چاہے گا کہ تم کس آفیشل حیثیت
میں آئے ہو ۔۔۔ اور شاید میں بھی۔"
"میں یو ایس ایمبیسی کے لیے کام نہیں کر رہا نہ ہی کسی
اور ایجنسی کے لیے ۔۔۔ اور یہ سچ ہے۔"
ریخلی نے اسمتھ کی آنکھوں میں جھانکا۔ "مطمئن
رہو ۔۔۔ میں جانتی ہوں کہ تم جس میدان کے کھلاڑی
تھے وہاں چالیں کیسے چلی جاتی ہیں ۔۔۔ مزید یہ کہ کیروف
بھی اہم نہیں۔" ریخلی کی آنکھوں میں احتجاج تھا۔
"میں اتفاق کرتا ہوں لیکن ہم دونوں جانتے ہیں کہ
ہم ایک حد سے آگے نہیں جا سکتے۔ اس میں بھی کوئی شک
نہیں کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ مخلص ہیں۔"
"ٹھیک ہے جان۔" ریخلی نے کہا۔ "تمہارا تعلق
[illegible] سے ہے۔ اسے چھپایا نہیں جا سکتا۔ نہ چھپانے کی

ضرورت ہے لیکن کیروف کو تم کے علاوہ کوئی نہ کوئی حوالہ
دینا بے حد ضروری ہے۔ کیا میں کہہ دوں کہ تم یو ایس ایمبیسی
کی نمائندگی کر رہے ہو؟"
اسمتھ کچھ دیر خاموش رہا۔ "اوکے، کرنل ڈاکٹر فرسٹ یو
ایس ایمبیسی ۔۔۔ لیکن اضافہ کر دینا کہ میں وہاں سے عارضی
رخصت پر ہوں۔"
"میٹنگ کا بندوبست کرنے میں مجھے کچھ وقت لگے
گا۔"
"میں مشکور ہوں ۔۔۔ تمہیں نہیں پتا یہ کتنا اہم ہے۔"
اسمتھ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔
"یہ میرا مخصوص کارڈ ہے۔" ریخلی نے ایک کارڈ
اسمتھ کے حوالے کیا۔ "نمبر کو ٹریس کرنا یا لوکیشن معلوم کرنا
ممکن نہیں۔ شاید کسی وقت تمہیں ضرورت پڑے۔"
اسمتھ نے اپنا خفیہ نمبر اسے دے دیا۔
"وعدہ کرو دو دن میں کچھ پتا چلا تو مجھے بتاؤ گے۔"
"ضرور ۔۔۔ یقین رکھو۔" اسمتھ نے آہستہ سے اس کا
ہاتھ دبایا۔

☆☆☆

صبح ساڑھے سات بجے مقامی وقت کے مطابق ڈاکٹر
ایڈم ٹریلور نے برٹش ائیرویز کی فلائٹ پکڑی۔ وہ نان
اسٹاپ فلائٹ کے ذریعے ہیتھرو ائیرپورٹ لندن اترا۔ کچھ
دیر لاؤنج میں گزارنے کے بعد ٹریلور گیٹ نمبر 68 کی
طرف چل پڑا۔ ذرا دیر میں وہ ماسکو جانے والی برٹش
ائیرویز کی دوسری فلائٹ پر تھا۔
ریڈ اور ٹریلور نے مل کر جو شیڈول ترتیب دے رکھا
تھا، ٹریلور نے بھی شیڈول سے سرمو انحراف نہیں کیا تھا۔
ماسکو سے وہ کریملن میں ہوٹل نیکو پہنچا۔ پورٹر کو بھاری ٹپ
دینے کے بعد اس نے بیگ اپنے کمرے میں منتقل کرائے
اور کچھ دیر بعد ہوٹل چھوڑ دیا۔ کیب کے ذریعے وہ [illegible]
کے پاس پہنچ کر قبرستان وارد ہوا۔ قبرستان کے گیٹ پر
ایک بوڑھی عورت پھول بیچ رہی تھی۔ ٹریلور نے گل فروش
بڑھیا سے ایک بوکے خریدا اور بیس ڈالر اس کے ہاتھ پر
رکھنے کے بعد قبرستان میں داخل ہو گیا۔ ایک بوکے کے بیس
ڈالر؟ بڑھیا حیرت سے خریدار کو جاتا دیکھ رہی تھی۔
کچھ دیر بعد وہ اپنی ماں ایلین ٹریلور کی قبر تک پہنچ چکا
تھا۔ پھول قبر پر رکھ کے وہ وہیں بیٹھ گیا۔ ایف بی آئی کے علم
میں تھا کہ اس کی ماں رشیا میں پیدا ہوئی تھی۔ ٹریلور نے
جب چیف میڈیکل آفیسر کے لیے درخواست دینا شروع کی
تو کہیں سے مثبت جواب موصول نہیں ہوا۔ بعد ازاں ملک
سے باہر ہیڈ ورلڈ اسٹ اے جی (A.G) نے اس کی خدمات
حاصل کر لیں۔ ٹریلور نے وہاں چھ برس گزار دیے۔ اس
کی قابلیت اور تجربہ [illegible] اس وقت ناسا کو کئی شعبے
سے مسابقت کا سامنا تھا لہٰذا انہوں نے خوشی خوشی ٹریلور کو
خوش آمدید کہا ۔۔۔ کوئی سوال نہیں اٹھا کہ آخر ٹریلور نے
ہیڈ ورلڈ اسٹ اے جی جیسی شاندار بین الاقوامی کمپنی کو کیوں
چھوڑا۔ وہاں وہ سینئر تھا۔ ناسا کے مقابلے میں 20 فیصد
زیادہ وصول کرتا تھا۔
ناسا نے ایف بی آئی کو ٹریلور کا پس منظر جانچنے پر لگا
دیا۔ سرد جنگ کے اختتام پر رشیا سفر کرنا آسان تر ہو چکا
تھا۔ ہزاروں امریکیوں نے ان رشتے داروں سے ملنے کے
لیے وہاں جانا شروع کیا جنہیں وہ صرف تصویروں میں
دیکھتے رہے تھے۔ ٹریلور نے بھی رشیا کا رخ کیا۔ اس کی
ماں کو طلاق ہو گئی تھی اور وہ ماسکو میں تھی۔ وہ تین سال تک
باقاعدگی سے ہر موسم بہار میں ایک ہفتہ ماں کے ساتھ
گزارتا ۔۔۔ ناسا میں جب ٹریلور کے سینئر کو معلوم ہوا تو اسے
بتایا کہ اس کی ماں کینسر کے مرض میں گرفتار ہو کر آخری
مراحل میں ہے ۔۔۔ اور ایسی صورت حال میں اسے جتنی
چھٹیاں درکار ہوں گی ناسا کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔
فرمانبردار بیٹے نے اپنے وزٹ تین تک بڑھا دیے۔ وہ
ایک سال میں تین مرتبہ وہاں گیا۔ اس کی ماں تیزی سے
موت کی شاہراہ پر گامزن رہی تھی۔ بالآخر سفر تمام ہوا۔
اس کی موت پر ٹریلور نے پورا مہینہ رشیا میں گزارا۔ ناسا
چھٹیوں کے معاملے میں فراخدلی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔
ٹریلور کو یقین تھا کہ ایف بی آئی کے پاس ماسکو آمد و رفت کا
ٹریک ریکارڈ موجود ہے۔ تاہم وہ واقف تھا کہ یہ کسی بھی
پیچیدہ کیس کی حکمت عملی کا حصہ ہوتا ہے۔ نیز اسے جن
حالات میں ہو گس کمپنی چھوڑنی پڑی تھی، اس کے مطابق
ماسکو میں ایف بی آئی کے اس کا ٹریک ریکارڈ بناتا تھا۔
آمد و رفت کا ایک مخصوص پیٹرن، یہ پیٹرن تشکیل پا چکا تھا۔
اب اسے ختم کرنا تھا۔ آمد و رفت کے پیٹرن کو نارمل طریقے
سے ہی تبدیل کیا جا سکتا تھا۔ ماں کی موت کے بعد
معمول کا سوگوار احتجاج چھ ماہ بعد ہوتا تھا۔ اگر وہ نہ جاتا تو
آمد و رفت کا مخصوص پیٹرن مشکوک ہو جاتا۔ کے جی بی یا
ایف بی آئی کے لیے دلچسپی کا کوئی سامان نہیں تھا۔ وہ حسب
معمول آیا تھا۔ تاہم خود ٹریلور مخصوص اوقات میں معمول
کے مطابق آ جا رہا تھا لیکن اس مشن کی حقیقت سے

[illegible]

تا حال بے خبر تھا۔ کیب ڈرائیورز اور گل فروش بڑھیا کو بھاری ٹپس، اس میں پورٹرز بھی شامل تھے۔ مقصد یہی تھا کہ وہ اس کی شکل یاد رکھیں۔

قبرستان سے واپسی پر اس نے ہوٹل روم میں چند گھنٹے کی نیند لی۔ وہ جب بیدار ہوا تو تاریکی پھیلنے لگی تھی۔ شاور اور شیو کے بعد فریش سوٹ زیب تن کر کے وہ ہوٹل سے نکل گیا۔ وہ نیم اندھیری سڑک کے ذریعے بدنام سوڑ اوایا ڈسٹرکٹ کی طرف بڑھنے لگا۔

اس دوران میں اس کا ذہن متواتر ماضی کی طرف سفر کر رہا تھا۔ وہ جس کمزوری کے باعث پھنسا تھا، اس پر وہ قابو پا سکتا تھا نہ ترک کر سکتا تھا۔ ہم جنس پرستی۔ کچھ عرصے بعد وہ بیور زرمٹ اے جی کا جگمگاتا ستارہ بن چکا ہوتا...... تاہم نوعمر لڑکوں کے ساتھ جنسی کج روی کا شوق اسے لے ڈوبا۔

وہ جس کرنجی آنکھوں والے بظاہر معصوم لڑکے پر مرمٹا تھا، وہ ایک پھندا تھا۔ وہ پھندا ٹریلور کے گمان سے دور تھا۔ اسے ہوش اس وقت آیا جب وہ لڑکا اس کی رہائش گاہ پر آیا اور سیکس ٹیپ چلا کر دکھائے، سازش میں کون کون شریک تھا؟ مختصر یہ کہ ٹریلور کے پاس دو راستے تھے تعاون یا تباہی۔ 48 گھنٹے میں اسے فیصلہ کرنا تھا۔ بیور زرمٹ اے جی کے معاہدے کی شرائط بے لچک اور سخت ہوتی تھیں۔ ان میں اخلاقی پہلوؤں کا بھی احاطہ کیا جاتا تھا...... ٹریلور نے اڑتالیس میں سے چوبیس گھنٹے گزار دیے۔ بدنامی اور تباہی کے ساتھ کیریئر کا خاتمہ...... حتیٰ کہ وہ آئندہ کہیں اور جاب بھی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے خیال میں بلیک میلرز نے رسّی بہت زیادہ کھینچ دی تھی۔ مکمل تباہی کی صورت میں اس کے پاس کھونے کے لیے کچھ نہیں بچا تھا۔ لہٰذا اس نے فائٹ بیک کا فیصلہ کیا۔ اپنی حیثیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے ڈاکٹر کارل بائر کے زیورچ آفس میں میٹنگ ارینج کی اور تمام کچا چٹھا کھول دیا۔

ڈاکٹر بائر کا ردعمل دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا۔ اس نے خاموشی سے پوری بات سنی اور ٹریلور کو دوسرے دن آنے کا کہا۔ اگلی صبح ڈاکٹر بائر نے اسے بتایا کہ وہ بلیک میلرز کو ...... ہمیشہ کے لیے بھول جائے۔ اس کا ...... لیکن ٹریلور کو ...... چھوڑنی پڑے گی۔ ناسا ...... خدمت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اسے جانے ...... سے ...... اپنے ساتھیوں کو یہ کہہ کر

مطمئن کر دے کہ وہ جس قسم کی تحقیق ...... اس کی جگہ ناسا میں ہے۔ ٹریلور نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن ڈاکٹر بائر نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

”ناسا میں ڈاکٹر ڈیلن ریڈ کے زیرِ نگرانی رہو گے۔ وہ تمہارا گائیڈ بھی ہوگا اور استاد بھی۔ وہ تمہیں کسی کام کا حکم دے سکتا ہے اور تم انکار نہیں کرو گے۔“ ٹریلور پریشان تھا کہ یہ کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ اس نے ناسا میں اپنی ریسرچ کی نوعیت کے بارے میں سوال کیا۔

”وہاں تمہارے کام کی نوعیت ثانوی ہوگی۔“ بائر نے کہا۔ ”تمہاری اہمیت اس لیے ہے کہ تم ماں کی وجہ سے رشیا کا وزٹ باقاعدگی سے کرتے ہو...... میری دلچسپی اس آمدورفت میں ہے اور اسی لیے میں نے بلیک میلرز سے تمہاری جان چھڑائی ہے......“

ٹریلور، سوڑ اوایا سے قریب ہوتے ہوئے بائر سے گفتگو یاد کر رہا تھا۔ اسے کچھ بھی سمجھ نہیں آیا، سوائے اس کے کہ ڈاکٹر بائر کی منشا کے مطابق اسے پھنسایا گیا تھا۔ بہرحال وہ مکمل تباہی اور شرمناک بدنامی سے بچ گیا تھا۔ یہ اس کے لیے کافی تھا۔ لیکن یہ سب کیوں اور کیسے ہوا۔ مقصد کیا تھا...... ڈاکٹر بائر کس چکر میں ہے؟ وہ ان تمام امور سے بے خبر تھا۔ وہ کوشش بھی کرتا تو یہ تک نہ پہنچ پاتا۔ وہ دوسرے میدان کا آدمی تھا۔

ٹریلور نے پرانی باتوں کو ذہن سے نکالا اور سوڑ اوایا کے رنگین و سنگین ماحول کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس کے رگ و ریشے میں کیف و سرور بڑھنے لگا۔ وہاں عیاشی کے متعدد اڈے تھے۔ تاہم ٹریلور ہمیشہ کروکوڈل پہنچتا تھا۔ کروکوڈل کا جھلملاتا مخصوص نشان اسے نظر آنے لگا تھا۔

☆☆☆

کروکوڈل سے چند میل کے فاصلے پر ایک دوسرے سے ملحق تین بلند عمارتیں تھیں۔ المعروف ڈاورز ہنسکی اسکوائر 1990 تک یہ کمپلیکس کے جی بی کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ نظام کی تبدیلی کے بعد کمپلیکس کو فیڈرل سکیورٹی سروس کے حوالے کر دیا گیا۔

میجر جنرل اولیگ کیروف پانچویں منزل پر اپنے آفس میں دونوں ہاتھ پشت پر باندھے کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔

”امریکی ...... رہے تھے۔“ وہ بڑبڑایا۔ ”امریکی کیا کہتے تھے ...... ؟“

سنائی دی۔

چوبی فرش پر نسوانی ہیل کی ٹھک ٹھک سنائی دی۔ کیروف بڑا اور سرخ بالوں والی حسینہ کو بازوؤں میں لے لیا۔ اس سے پہلے کہ دونوں جذبات کی رو میں بہتے...... کیروف نرمی سے الگ ہو گیا۔ یہ ایک دشوار کام تھا۔ لارا ایک بے باک حسینہ تھی۔ اس میں بلا کی سیکس اپیل تھی۔ وہ سر سے پیر تک نسوانی حسن کے خطرناک ہتھیاروں سے مسلح تھی۔ سونے پر سہاگا اس کی ناز و ادا اور عشوے غمزے...... وہ ایک قاتل حسینہ تھی جو بارودی اسلحے کے بغیر بھی اپنا کام نکال سکتی تھی۔ وہ بذاتِ خود بارود تھی۔ وہ اپنی اس اضافی خوبی سے نہ صرف بھرپور طریقے سے بہرہ مند تھی بلکہ اسے استعمال کے فن سے بھی شرمناک طریقے سے آگاہ تھی۔ فوجی وردی میں بھی اس کا خطرناک حسن و شباب پھوٹا پڑ رہا تھا۔ وہ سپرہٹ ماڈل کے مانند نظر آرہی تھی۔ ایسی ہیروئن جو ناول کے صفحات سے نکل کر زندہ جاوید ہو گئی ہو۔

لارا کیریئر کے آغاز میں تھی۔ عمر تیس سال۔ اس کی دوسری خوبی دست بدست لڑائی اور جدید اسلحہ کا ماہرانہ استعمال تھا۔ خالی ہاتھوں سے وہ عام آدمی کو سیکنڈوں میں ہلاک کر سکتی تھی۔ لارا ایک قابلِ قدر پروفیشنل تھی۔ ملٹری اکیڈمی میں اس نے کلاس میں ٹاپ کیا تھا۔

وہ ایک کے بجائے دو نمایاں خصوصیات کی حامل تھی اور دونوں خطرناک...... میدان میں ہو یا بستر میں...... کیروف اس کے ساتھ خوب لطف اندوز ہوتا تھا۔ تاہم کبھی کبھی اسے خیال آتا کہ اس عورت کے اندر دو عورتیں ہیں —— اصل عورت کون سی ہے؟ کیروف اس سے بیس برس بڑا تھا۔ اسے کوئی شک نہیں تھا کہ لارا بہت تیزی سے ترقی کی منازل طے کرے گی۔ اور وہ اس وقت تبلیغی کام میں مصروف ہو چکا ہوگا۔

”کون امریکن؟“

کیروف نے جواب دینے کے بجائے ایک پرنٹ آؤٹ اسے پکڑا دیا۔

”ڈاکٹر جان اسمتھ۔“ لارا نے پڑھا۔ ”یو ایس ایمرڈ کا ایک عام آدمی۔“

”وہ کچھ بھی ہو سکتا ہے لیکن عام آدمی نہیں۔“ کیروف نے کہا۔

”رینڈی رسل کے مطابق وہ یو ایس ایمرڈ سے منسلک ہے لیکن تعطیلات پر ہے۔“

”رینڈی رسل......“ لارا نے ابرو اچکائے۔

کیروف مسکرایا۔ ”پریشانی کی کوئی بات نہیں۔“

”میرے پاس کوئی معقول وجہ ہوتی ہے تو پریشان ہوتی ہوں۔ وہ اسمتھ کے لیے راہ ہموار کر رہی ہے۔ اس جو اس کی بہن کا منگیتر تھا۔“

کیروف نے سر ہلایا۔ ”ہاں وہ بے وجہ ماری گئی تھی۔“

”اور ہم دونوں کو شک ہے کہ رینڈی رسل کی وال اے کے لیے آپریٹ کر رہی ہے۔ کیا یہ دونوں مل کر کسی آپریشن کی تیاری کر رہے ہیں؟“ لارا نے شک کا اظہار کیا۔

”میری رائے کے مطابق امریکن کسی مشکل سے دوچار ہیں۔“ کیروف نے پُرسوچ انداز اختیار کیا۔ ”یا اس مصیبت کا حصہ ہیں یا پھر انہیں ہماری مدد درکار ہے... جو بات ہے، جلد سامنے آجائے گی۔ ہم دونوں آج ہی اسمتھ سے مل رہے ہیں۔“

☆☆☆

رینڈی نے کیروف اور لارا کے متعلق تفصیلات اسمتھ کے گوش گزار کر دی تھیں۔ وہ اس وقت تین عمارتوں کے بلند کمپلیکس میں تھا۔ سابقہ کے جی بی ہیڈ کوارٹر اب فیڈرل سیکیورٹی سروس کے زیرِ استعمال تھا...... اسمتھ، جونیئر آفیسر کی رہنمائی میں آگے بڑھ رہا تھا اور رینڈی کی دی ہوئی معلومات کو ذہن میں تازہ کر رہا تھا۔

کیروف کی عسکری خدمات اور ملک سے وفاداری ہر قسم کے سوال سے بالاتر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ایف ایس ایس کے اہم ترین عہدے پر بیٹھا تھا۔ وہ مستقبل کے لیے برج کی حیثیت رکھتا تھا اور لارا مستقبل کی بہترین امید تھی۔ وہ رشیا اور برطانیہ کی تعلیم یافتہ تھی۔ اس کی اضافی خوبیوں میں ٹیکنالوجی اور انٹرنیٹ میں مہارت شامل تھیں۔

رینڈی کی بریفنگ کے مطابق روسی اب بھی قومی سلامتی کے معاملات پر حساس تھے۔ وہ رات بھر دوستانہ انداز میں آپ کے ساتھ ڈرنک کر سکتے تھے...... قربت اور دوستی کا احساس دلا سکتے تھے۔ لیکن جیسے ہی آپ نے کسی غلط موضوع پر غلط سوال کیا، تمام قربت تحلیل ہو جاتی۔ بھروسا ختم ہو جاتا اور آپ کو جارحیت کا سامنا کرنا پڑتا۔

بائیو پرٹ سے زیادہ حساس موضوع کیا ہو سکتا تھا۔ اگر اسمتھ نے احتیاط کا مظاہرہ نہ کیا تو گفتگو شروع ہونے سے پہلے اختتام پذیر ہو جاتی اور اسمتھ اگلی فلائٹ سے واپس جا رہا ہوتا۔

”ڈاکٹر جان اسمتھ!“

کمرے میں کیروف کی آواز گونجی اور اس نے ...

کر اسمتھ سے ہاتھ ملایا۔ وہ ایک چوڑے سینے والا دراز قد آدمی تھا۔ سر کے بال سفید تھے۔

''خوشی ہوئی دوبارہ مل کر۔۔۔ آخری مرتبہ پانچ سال قبل جنیوا میں ملاقات ہوئی تھی۔۔۔ رائٹ؟''

''یس، جنرل۔''

جنرل کیروف نے اپنی نائب لارا ٹیلون کا تعارف کرایا۔

''پلیزڈ، ڈاکٹر۔'' لارا کی آنکھوں میں ہلکی سی ستائش تھی۔

''پلیزر از آل مائن۔'' اسمتھ خوش دلی سے مسکرایا۔ وہ سمجھ گیا کہ ریڈشی نے لارا کے لیے ''فتنہ'' کا لفظ کیوں استعمال کیا تھا۔ وہ فتنہ نہیں، فتنہ گر تھی بلکہ فتنہ ساز تھی۔ تو بہ شکن، زہد شکن۔۔۔ اور فوجی وردی میں، اس کا یہاں کیا کام؟ بہرحال وہ یہاں تھی۔ اس کے انگ انگ سے اختیار اور اعتماد ٹپک رہا تھا۔ فرق یہ تھا کہ وہ کیروف کی جونیئر تھی۔ اسمتھ کے لیے لارا کے لیے آخری تشبیہ ''ساحرہ'' کی تھی۔ جو انیسویں صدی کے کسی رشین ناول کی ہیروئن لگتی تھی۔

جنرل کیروف نے خاطر تواضع کی بات چھیڑی۔ تاہم اسمتھ نے شائستگی سے انکار کر دیا۔

''او کے، امریکن مطلب کی بات کو ترجیح دیتے ہیں۔۔۔ کیا کہنا چاہو گے؟'' کیروف نے سوال کیا۔

اسمتھ نے لارا کی جانب دیکھا۔ ''میرا مقصد کسی کی حیثیت کم کرنا نہیں ہے لیکن موضوع انتہائی خفیہ نوعیت کا ہے۔''

''کرنل بے فکر رہو۔'' لارا نے بے تاثر آواز میں کہا۔

''لارا کو میرا بھرپور اعتماد حاصل ہے۔۔۔ تم خفیہ سے خفیہ بات اطمینان سے کر سکتے ہو۔'' کیروف نے یقین دہانی کرائی۔

''شکریہ۔'' اسمتھ نے کہا۔ ''مجھے یقین ہے کہ یہاں ہونے والی گفتگو قطعی محفوظ ہے اور اسے باہر کہیں نہیں سنا جا سکتا۔''

''یقیناً ایسا ہی ہے۔'' جنرل نے جواب دیا۔

''بائیو پرٹ!'' اسمتھ نے اعتماد اور سکون سے کہا۔

صرف ایک لفظ۔ ایک لفظ نے ماحول تبدیل کر دیا۔ وہ دونوں ٹرینڈ فوجی تھے ورنہ چونکے بغیر نہ رہتے۔ بہرحال ایک لفظ نے زیرِ سطح شاکنگ اثرات مرتب کیے تھے۔

''ڈاکٹر، بائیو پرٹ میں کیا مسئلہ ہے؟'' کیروف نے بات آواز میں استفسار کیا۔

''جنرل، میرے پاس ٹھوس وجوہات ہیں کہ میں یہ یقین کر لوں کہ بائیو پرٹ کے حفاظتی انتظامات میں نقب لگ چکی ہے۔ اگر اب تک وہاں سے کچھ نہیں نکالا گیا تو جلد ہی نکالا جانے والا ہے۔''

''نامعقول بات ہے۔'' لارا کی آواز میں سختی تھی پھر بھی اس نے خود کو لفظ ''پاگل پن'' یا ''مضحکہ خیز'' کہنے سے باز رکھا۔ ''بائیو پرٹ کی حفاظت کے لیے دنیا کا بہترین نظام موجود ہے۔ اس قسم کی افواہیں ہم پہلے بھی سنتے آئے ہیں۔ ڈاکٹر اسمتھ، ایمانداری کی بات ہے کہ مغرب سمجھتا رہا ہے کہ ہم نااہل بچے ہیں جو مہلک کھلونوں سے کھیل رہے ہیں۔ یہ ایک طرح کی توہین ہے اور۔۔۔''

''لارا!'' جنرل نے مداخلت کی۔ اس کی آواز میں اپنی تیس برس کم عمر محبوبہ کے لیے نرمی تھی لیکن اس نرمی کے عقب میں واضح آرڈر موجود تھا۔

''تم اس کی باتوں کا بُرا مت منانا۔'' کیروف نے اسمتھ سے کہا۔ ''دراصل اس کو مغرب کی غیر ضروری سرپرستی پسند نہیں ہے۔''

''جنرل، میں یہاں سیکیورٹی سسٹم پر نکتہ چینی کرنے کے لیے نہیں آیا ہوں۔'' اسمتھ نے کہا۔ ''اتنا لمبا سفر میں نے کسی اور وجہ سے طے کیا ہے۔ تم لوگوں کے لیے ایک ایمرجنسی کھڑی ہونے جا رہی ہے۔ اس پر مجھے یقین نہ ہوتا تو میں کبھی یہاں نہ آتا۔ تم یقین کرو نہ کرو، تاہم مجھے امید ہے کہ تم میری بات ضرور سنو گے۔''

''ٹھیک ہے۔ ''پرابلم'' کے بارے میں بتاؤ۔''

اسمتھ نے گہری سانس لے کر خیالات کو یکجا کیا۔

''بائیو پرٹ میں تمہارا اسمال پاکس کا ذخیرہ خطرے میں ہے۔''

کیروف کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ ''یہ دیوانگی ہے۔ کوئی فاتر العقل ہی ان نمونوں کو چرانے کا منصوبہ بنا سکتا ہے۔''

''ہاں، وہ جو بھی ہیں۔ جنونی ہیں۔ ہمارے پاس اطلاعات ہیں کہ چوری کا منصوبہ تکمیل کے مراحل میں ہے۔''

''ڈاکٹر، سوری۔۔۔ کیا ہے؟'' لارا نے سوال کیا۔ ''اور اس پر کتنا بھروسا کیا جا سکتا ہے؟''

''بہت زیادہ بھروسا کیا جا سکتا ہے۔''

''کیا تم ہمیں مطمئن کرنے کے لیے اسے سامنے

سکتے ہو؟"

"سورس ازڈیڈ۔" اسمتھ نے لہجہ ہموار رکھا۔

"آسان جواب ہے۔" لارا نے کہا۔

اسمتھ، کیروف کی جانب مڑا۔ "پلیز، غور کرو..... میں یہ نہیں کہہ رہا کہ اس میں رشین گورنمنٹ ملوث ہے۔ یہ پلان تھرڈ پارٹی نے بنایا ہے۔ ان کے ہاتھ لمبے ہیں اور یہ ہوشیار لوگ ہیں۔ اس لیے اب تک پردۂ اخفا میں ہیں۔ محض چند منٹ کے فرق سے سورس کو مروا دیا گیا لیکن ان کے منصوبے کی کامیابی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ بائیو پرٹ کے اندر سے کسی کو ساتھ ملا لیا جائے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ ریسرچ اسٹاف یا سیکیورٹی اسٹاف میں سے کوئی ملوث ہے؟"

"دونوں میں سے کوئی بھی ہو سکتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ اس کی رسائی وہاں تک ہو جہاں اسمال پاکس موجود ہے۔" اسمتھ نے وقفہ لیا۔ "میں کوئی فیصلہ نہیں سنا رہا ہوں..... تمہارے لوگوں کے بارے میں، نہ تمہاری سیکیورٹی کے بارے میں۔ جنرل، میں واقف ہوں کہ بائیو پرٹ میں کام کرنے والے محب وطن ہیں..... میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ یہاں پرابلم ہے، یہ پرابلم ہمارے لیے مسئلہ بن جائے گی اور ممکنہ حد تک ساری دنیا کے لیے...... اگر..... اگر یہ نمونے بائیو پرٹ سے نکل گئے۔"

کیروف نے سگریٹ سلگائی۔ "تم نے مجھے یہ بتانے کے لیے سفر اختیار کیا؟" وہ دھیرے سے بولا۔ "ظاہر ہے تمہارے پاس کوئی تجویز یا پلان بھی ہوگا؟"

"بائیو پرٹ کو بند کر دو..... شٹ ڈاؤن، ناؤ۔" اسمتھ نے کہا۔ "ملٹری کا دائرہ بنا دو۔ کوئی اندر جائے گا نہ کوئی باہر۔ پھر تم بذاتِ خود وائرس کا اسٹاک چیک کرو۔ کوئی گڑبڑ نہیں ہے تو ہم محفوظ ہیں..... بعدازاں تم سازشیوں کو تلاش کر کے ان کا قلع قمع کر سکتے ہو۔"

"ڈاکٹر اسمتھ، اس دوران تم کہاں ہوگے؟"

"مجھے آبزرور کی حیثیت درکار ہوگی۔"

"ڈاکٹر کیا تم ہم پر بھروسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہو کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔" لارا نے طنز کیا۔

"بھروسے کی بات نہیں ہے۔ اگر یہ صورتِ حال [illegible] ہوتی تو تم امریکا میں ہماری مخصوص سائٹ پر نہیں [illegible]"

"[illegible] کا معاملہ اب بھی [illegible] ہے۔" کیروف [illegible] "تم جو چاہ [illegible] کے لیے مجھے پریذیڈنٹ سے ملنا پڑے گا اور میں خالی ہاتھ نہیں جا سکتا۔ پریذیڈنٹ کی نیند میں خلل ڈالنے کے لیے [illegible] پاس معقول دلیل ہونی چاہیے۔ مجھے سورس کا نام چاہیے۔"

اسمتھ نے رخ بدلا۔ وہ جانتا تھا کہ تان [illegible] ٹوٹے گی۔ کیروف کا تعاون حاصل کرنے کے لیے [illegible] ڈانکو کا نام بتانا پڑے گا۔

"اس کی فیملی یہاں ہے۔" بالآخر اسمتھ نے [illegible] وعدہ کرو کہ اس کی فیملی محفوظ رہے گی..... زیادہ سے [illegible] تم انہیں جلاوطن کر سکتے ہو۔ کیونکہ جس آدمی کی [illegible] ہے، وہ غدار نہیں، محب وطن تھا۔ وہ صرف اس لیے [illegible] پہنچا کہ وہ لاعلم تھا کہ سازش کے تانے بانے کتنی بلندی تک گئے ہوئے ہیں۔ اس نے قربانی دی۔ یہاں موجود [illegible] چھوڑ دی کہ کسی خوفناک صورتِ حال کے رونما ہونے [illegible] کو الزام نہ دیا جا سکے۔"

"ٹھیک ہے، میں سمجھ رہا ہوں۔" کیروف نے جواب دیا۔ "میں ضمانت دیتا ہوں کہ اس کی فیملی محفوظ رہے گی..... میں پریذیڈنٹ پوترینکو سے بات کرتا ہوں، تم مجھے یہ بتاؤ کہ وہ آدمی بلف پارٹی تو نہیں تھا؟"

"مجھے یقین ہے کہ وہ صحیح آدمی تھا۔"

"اوکے، ڈن۔ لارا، کریملن میں ڈیوٹی آفیسر کو فون کرو..... بتاؤ کہ ایمرجنسی ہے اور میں پہنچ رہا ہوں۔" پھر وہ اسمتھ کی طرف مڑا۔

"پلیز، نام بتاؤ۔"

☆☆☆

"تم امریکیوں پر کچھ زیادہ ہی اعتبار نہیں کرتے ہو؟" دونوں زیرزمین گیراج کی طرف جا رہے تھے۔

"اگر وہ دروغ بیانی سے کام لے رہا ہے تو تمہاری پوزیشن خراب ہو جائے گی اور حاسدوں کی تعداد میں اضافہ....." لارا نے پھر کہا۔ وہ اپنی ملٹری انٹیلی جنس کے مطابق بات کر رہی تھی......

"رشیا کو اکیسویں صدی میں ابھرنے کے لیے میں کوئی کردار ادا کر سکا تو مجھے اپنی پوزیشن کی پروا نہیں۔" کیروف نے کہا۔ "اور اگر میں غیر ضروری رسک لے رہا ہوں تو پھر خمیازہ اسمتھ کو بھگتنا پڑے گا..... لہٰذا چلتے رہو۔"

کیروف نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ "لارا، میری بات سنو، اسمتھ جیسے لوگ خواہ مخواہ کسی بات پر یقین نہیں کرتے۔ تم ہی وہ کسی بھروسے کے مجانے میں آکر مشن پر نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ امریکیوں کے پاس اہم اطلاع [illegible]

ہے تو انہوں نے اسمتھ کو روانہ کیا ہے۔''

''تو کیا ڈانگو غدار نہیں ہے؟'' لارا نے سوال اٹھایا۔

''بظاہر۔'' کیروف بولا۔ ''لیکن جج ڈانگو کا قصہ دیکھو، اس نے کسی خطرناک سازش کی بو سونگھ لی تھی...... یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ امریکن گورنمنٹ کو بسرعت حرکت میں آنا پڑا جس کے نتیجے میں اسمتھ یہاں موجود ہے۔ اب اگر ڈانگو سازش کے افشا کے لیے بالائی سطح پر کسی سے رابطہ کرتا ہے اور مذکورہ شخص بھی سازش میں شامل ہے۔ اس صورت میں فی الفور ڈانگو کو یہیں ٹھکانے لگا دیا جاتا...... یقیناً سازش اتنی بڑی ہے کہ وہ کسی پر اعتبار کرنے کا خطرہ مول لینے کے بجائے یہاں سے نکل گیا۔''

کچھ دیر بعد وہ پھر بولا۔ ''یقین کرو کہ میری آرزو ہے کہ امریکی غلطی پر ہوں۔ میں اسمتھ کو دکھا سکوں کہ وہ لوگ دھوکا کھا گئے ہیں لیکن اس سے پیشتر میں چاہتا ہوں کہ اسمتھ کو شک کا فائدہ دیا جائے۔''

''تم بہتر سمجھتے ہو۔'' لارا نے آہستہ سے اس کا ہاتھ دبایا۔

☆☆☆

''جنرل، امید ہے کہ میری نیند خراب کرنے کے لیے تمہارے پاس وزنی دلیل ہوگی۔'' وکٹر پورٹریٹکو نے اٹھ کر کیروف سے ہاتھ ملایا۔ ساتھ ہی قائدانہ عالم لارا پر نظر ڈالی۔

''میں اجازت چاہوں گا کہ اپنی نائب کا تعارف پیش کروں۔ یہ ہیں لیفٹیننٹ لارا ٹیلون۔'' کیروف نے لارا کے بارے میں اختصار کے ساتھ مزید بتایا۔

لارا سوچ رہی تھی کہ پچہتر سالہ صدر نے اس کے ساتھ ہاتھ ملا کر چھوڑنے میں چند سیکنڈ زیادہ لیے تھے۔ اس کے فعال ذہن نے فوراً فیصلہ صادر کیا کہ صدر کی رنگین مزاجی کی افواہیں درست ہیں۔

تینوں بیٹھ گئے تو پریذیڈنٹ وکٹر نے سوالیہ انداز میں ایک لفظ کہا۔ ''بائیو پرٹ؟''

کیروف نے احتیاط اور روانی سے اسمتھ کی کہانی بیان کی۔

''میرے خیال میں ہمیں اسے سنجیدہ لینا چاہیے۔'' اس نے بات ختم کی۔

''اور تمہارا کیا خیال ہے۔ لارا ٹیلون؟'' پریذیڈنٹ نے لارا کے حسین ترین چہرے کو دیکھا۔ پریذیڈنٹ کی آنکھوں میں مدھم دلچسپی تھی۔

لارا سمجھ گئی۔ اس کا جواب اس کے کیریئر کو داؤ پر لگا

سکتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ دلوں والا آدمی اپنا اپنا فیلڈ کے ماسٹر ہیں۔ وہ ماہرانہ جھوٹ کو بھی ایسے پکڑ لیں گے جیسے بلند فضا کا باز زمین پر دوڑتے ہوئے خرگوش کو تاڑتا ہے۔

''مسٹر پریذیڈنٹ میں خوف زدہ ہوں کہ مجھے شیطان (اسمتھ) کی وکالت کرنی چاہیے۔'' پھر اس نے بڑی احتیاط سے حقائق کی بنیاد پر اپنی رائے ظاہر کی۔

''اچھے الفاظ ہیں۔'' پریذیڈنٹ نے اسے سراہا۔

''سوچنے کا وقت نہیں ہے۔'' پریذیڈنٹ نے کہا۔ ''ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اگر امریکی خوانخواہ شور مچا رہے ہیں تو ان کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ دوسری طرف اگر وہ صحیح ہیں تو یہ نہایت پشیمانی اور تشویش کی بات ہے کہ ہماری ناک کے نیچے سے اتنا بڑا کام ہونے جا رہا ہے...... اور ہم بے خبر ہیں۔'' وہ کھڑا ہو کر ٹہلنے لگا۔ کافی دیر بعد وہ پھر گویا ہوا۔

''ہمارے پاس اسپیشل فورسز کا الگ انتظام ہے؟''

''یس سر۔'' کیروف نے جواب دیا۔

''ان کے کمانڈر کو کال کرو کہ وقت ضائع کیے بغیر بائیو پرٹ کو گھیرے میں لے لیں۔ لارا اور اسمتھ، سورج کی پہلی کرن کے ساتھ بائیو پرٹ میں ہوں گے۔ اگر کوئی شخص غائب ہے تو فوراً مجھے مطلع کیا جائے۔ مزید یہ کہ مجھے سیکیورٹی پروسیجر (طریقہ کار) کی تفصیل درکار ہے۔''

''یس، مسٹر پریذیڈنٹ۔''

''ایک گرام اسمال پاکس بھی ادھر ادھر ہوئی تو وائرس ہنٹرز کو الرٹ کر دو اور سائٹ پر موجود ہر شخص کو گرفتار کر لو۔''

☆☆☆

نیپلز ائرپورٹ پر اتر کر پیٹر باول نے ٹیکسی پکڑی، کچھ دیر بعد وہ بوٹ میں تیس منٹ تک سفر کرتا رہا۔ اس دوران اس نے سسلی کے آثار دیکھے......

سسلی صدیوں تک حملہ آوروں کی زد میں رہا۔ رومن، عرب، نارمن، اسپینیارڈ (اسپین)...... یونانیوں نے اسے ٹھکانا بنایا۔ پیٹر باول، اس جزیرے پر کئی بار آیا تھا۔ بطور فوجی اور وزیٹر کے طور پر بھی۔ بوٹ سے اتر کر وہ کاتر وسینٹری کی طرف چل پڑا۔ جہاں ایک مختصر بورڈنگ ہاؤس میں اسے ٹھہرنا تھا۔ اس کی اصل منزل بورڈنگ ہاؤس سے قریب تھی۔ وہاں اس نے نیند پوری کی اور لباس بدل کے باہر نکلا۔ اب وہ البرغیریا کی طرف جا رہا تھا۔ سسلی کی ایک وجہ شہرت اس کے چھری ساز تھے۔ پیٹر نے ایک شخص سے تیز دھار چھرا خریدا۔ جس کا چمک دار پھل ...

لبا تھا۔ دستہ مضبوط چمڑے سے بنا تھا۔ اس وقت اس کے پاس یہی واحد ہتھیار تھا۔ یادداشت کے بل پر لاپر بیٹھ دیا نامی بار تلاش کرکے وہ اندر داخل ہو گیا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک میز کے ساتھ کرسی سنبھال چکا تھا۔

"تمہارے بارے میں سن کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔" بالمقابل بیٹھے ہوئے پستہ قد آدمی نے کہا۔ اس کا شیو بڑھا ہوا تھا۔ اور وہ مشروب کے بجائے سگریٹ سے کام چلا رہا تھا۔ فرانکو گریمالڈی ایک اسمگلر تھا۔

"کیسے ہو؟" پیٹر نے استفسار کیا۔

"پہلے جیسا...... لیکن یہاں تمہاری موجودگی؟"

"روکو برادرز۔"

فرانکو نے سگریٹ بجھا دی۔ "وینس کی خبریں مجھے ملی تھیں۔" وہ قدرے سنجیدہ ہو گیا۔ "میرا خیال ہے تم وہیں سے آ رہے ہو؟"

"روکو برادرز نے ایک کنٹریکٹ سائن کیا تھا...... کام نکلنے کے بعد کسی نے ان کی زندگی کے کنٹریکٹ پر سائن کر دیے۔ تم بتاؤ گے وہ کون ہے؟" پیٹر نے سوال کیا۔

فرانکو نے شانے اچکائے۔ "اگرچہ دونوں ختم ہو چکے ہیں۔ بہترین حکمت عملی یہی ہوگی کہ اس معاملے کو زیادہ نہ کھنگالا جائے۔"

پیٹر نے ربر میں لپٹے ڈالرز آگے بڑھائے، جنہیں فرانکو نے کمال چابکدستی سے اُچک لیا۔

"ان دونوں نے کسی کے ساتھ خاصا مہنگا معاہدہ کیا تھا۔" فرانکو کی آواز دھیمی ہو گئی۔

"اشارے نہیں...... کھل کر بتاؤ۔"

"مشکل ہے، روکو برادرز اپنے معاملات عموماً زیادہ خفیہ نہیں رکھتے۔ خاص طور پر جب انہوں نے چٹے مارے ہوں۔ لیکن اس کنٹریکٹ کے بارے میں دونوں نے پُراسرار خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔"

"لیکن تم جانتے ہو، کیونکہ تم......"

"کیونکہ میں ان کی بہن کے ساتھ سوتا ہوں۔" فرانکو خباثت سے مسکرایا۔ "اس کا نام ماریا ہے۔" کچھ سن گن تو مجھے ملی ہے لیکن مزید معلومات......"

"کوئی مسئلہ؟"

"دراصل ماریا ابھی تک بھائیوں کی موت سے لاعلم ہے۔ یہ خبر اسے بتانا پڑے گا اور وہ رونا شروع کر دے گی۔"

"تم فوراً اطلاع نہ دو۔ پہلے مزید معلومات حاصل کرو۔ بعد میں بتا دینا اور کوئی بہانہ بنا لینا... سمجھو۔ تم کر سکتے ہو اور مجھے معلومات درکار ہیں۔" ... زور دیا۔

"میری کال کا انتظار کرو۔" فرانکو نے ... پیٹر نے اسے بورڈنگ ہاؤس کا نام بتایا۔

"کال کے بعد ہم پرانی جگہ پر ملیں گے۔" ... اٹھ گیا۔ وہ میزوں کے درمیان سے راستہ بناتا ہوا ...

پیٹر نے دیکھا کہ بار کے دروازے کے قریب ایک ٹیبل پر دو آدمی بیٹھے تھے۔ دونوں کا لباس مقامی تھا، لباس پیٹر کو دھوکا نہیں دے سکتا تھا۔ ان کی جسامت باڈی بلڈرز کے مانند تھی اور مخصوص ہیئر کٹ بتا رہا تھا کہ وہ دونوں سابق فوجی ہیں۔

پار سو سے فاصلے پر وسیع امریکن بیس تھا۔ پیٹر جب ایس اے ایس میں تھا تو وہاں سے امریکی نیوی سیل کے ساتھ ایک دو مشترکہ آپریشن میں شریک ہوا تھا۔ سیکیورٹی وجوہات کے باعث یہ لوگ بیس کے اندر ہی رہتے تھے۔ باہر آنے کے لیے وہ کم از کم چھ افراد کا گروپ استعمال کرتے تھے۔ نیز ایسے گروپ مشہور کلب یا ریسٹورنٹ کا رخ کرتے تھے......

فرانکو کا بار ایک عام سی جگہ تھی۔ یہاں پر دونوں فوجیوں کی موجودگی پیٹر کو کھٹک رہی تھی۔

C-12 دھماکا خیز مواد امریکی برانڈ تھا جس نے روکو برادرز کے چیتھڑے اڑا دیے تھے۔ C-12 کی سخت حفاظت کی جاتی تھی۔ کیا روکو برادرز کا قاتل ایک تھا۔ اسی نے ان کو ڈانگو کے قتل کے لیے ادائیگی کی اور اسی نے بعدازاں ان کی آپلی سواری میں C-12 نصب کیا۔ کیا یہ ابتدا سے ہی فوجی مشن تھا؟ پیٹر نے اٹھتے اٹھتے پھر ایک سرسری نظر ان دونوں پر ڈالی۔ امریکی فوجی...... اور کون کون ملوث ہے؟

☆☆☆

رات بارہ بجے کے قریب پیٹر کے دروازے پر دستک ہوئی۔ گیسٹ ہاؤس کے ملازم نے فون کال کے بارے میں بتایا۔ پیٹر اپنے کمرے میں تیار حالت میں تھا۔ فون پر اس نے مختصر بات کی اور ملازم کو ٹپ دے کر باہر نکل گیا۔ چاندنی کی روشنی میں ذہن میں موجود نقشے کے مطابق طے شدہ مقام کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وسیع قبرستان کی اصلی اہمیت زیر زمین قبرستان تھا۔ جہاں آٹھ ہزار لاشیں محفوظ تھیں۔ کوریڈورز، برجیاں اور ...

تابوت..... لاشوں کی کمین گاہ، یہ زیرِ زمین بھول بھلیاں صدیوں سے اسمگلرز کی پسندیدہ جگہ تھی۔ اندر باہر آنے جانے کے درجنوں راستے تھے۔

پیٹر ہاول گیٹ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ جب ہلکی سی سیٹی کی آواز سماعت سے ٹکرائی۔ پیٹر نے کسی قسم کا ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔ کسی پوشیدہ مقام سے فرانکو کا سایہ برآمد ہوا۔ فرانکو کے اشارے کے ساتھ پیٹر اس کے ہمراہ چل پڑا۔

''کوئی کام کی بات؟''

''گرم بستر میں سے کچھ نہ کچھ نکل ہی آتا ہے۔'' فرانکو نے جواب دیا۔ ''وہ آدمی خود خوف زدہ ہے جس نے روکو برادرز کی خدمات حاصل کی تھیں۔ اسے خدشہ ہے کہ دونوں بھائیوں کی موت کے بعد اب اس کی باری ہے۔ اسے جزیرے سے فرار ہونے کے لیے رقم کی ضرورت ہے۔ فی الحال وہ روپوش ہو گیا ہے۔''

''رقم کا مسئلہ نہیں ہے۔ وہ کہاں چھپا ہے؟''

فرانکو نے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ دونوں بلند دیواروں کے سائے میں چل رہے تھے۔ ایک چھوٹے گیٹ کے قریب فرانکو نے رک کر جیب سے چابیاں نکالیں اور تالا کھولنے لگا۔ پیٹر کی تیز نگاہ تالے پر گئی اور وہ چونک اٹھا۔ تالا پہلے ہی کھلا ہوا تھا۔ حالانکہ فرانکو نے تالا دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا تھا اور چابیوں سے کھیل رہا تھا۔ تاہم پیٹر نے تاڑ لیا تھا کہ چابی کے استعمال سے پہلے تالا کھلا ہوا تھا۔

پیٹر تڑپ کر حرکت میں آیا۔ اس کا خوفناک گھونسا فرانکو کی کنپٹی سے ذرا اوپر ٹکرایا۔ ضرب کی شدت سو فیصد ہوتی تو اسمگلر مارا جاتا۔ پیٹر نے نپی تلی ضرب لگائی تھی۔ فرانکو ہلکی سی آواز نکال کر گرا۔ اس کے حواس عارضی طور پر معطل ہو گئے تھے۔

پیٹر گیٹ کے ذریعے اندر چلا گیا۔ وہ تیز رفتار سانپ کے مانند باڑھ کے ساتھ رینگ رہا تھا۔ اس کے اندر کا فوجی پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔ کچھ دور جانے کے بعد وہ باڑھ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے گھات لگا چکا تھا۔ چرمی دستے والا تیز دھار چھرا اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے بغور کونے کھدروں کا جائزہ لیا۔ ''ٹریپ'' ''اندر نہیں باہر ہے'' اس نے خود سے کہا اور رخ بدل لیا۔

اسی وقت گیٹ کے قبضوں نے آہستہ سے چوں چاں کی آواز نکالی۔ دو دراز قامت سائے اندر گھسے آرہے تھے۔ جیسے ہی چاند کی روشنی لمحہ بھر کے لیے ان کے چہروں سے ٹکرائی، پیٹر نے انہیں پہچان لیا۔ دونوں وہی فوجی تھے جو فرانکو کے بار میں بیٹھے تھے۔

آخری لمحے تک پیٹر دبکا رہا..... وہ دونوں اس پر تھے۔ پیٹر کو احساس تھا کہ وہ دونوں بھی فوجی ہیں، دونوں مسلح ہیں۔ وہ اکیلا اور چھرا اس کا ہتھیار تھا۔ باقی کام اس نے اپنے ذہن سے لیا تھا۔ غلطی کی گنجائش نہیں تھی۔

جس وقت ان دونوں کی نظر پیٹر پر پڑی، عین اسی وقت وہ اچھلا۔ چھرا کوندے کے مانند چمکا۔ چھرے کا وار تیز تر اور مہلک تھا۔ بازو کی حرکت میں طاقت اور تیزی کا امتزاج تھا، جس نے جیکٹ کی موجودگی کے باوجود آسانی اس کا پیٹ کھول دیا۔ ہتھیار اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

پیٹر کو اپنے پہلے حملے پر پورا اعتماد تھا۔ اس نے زمین بوس ہوتے فوجی کی حالت دیکھنے میں وقت ضائع نہیں کیا۔ دوسرے فوجی کو دائیں طرف کا جھانسا دے کر اس نے بائیں جانب سے چھرا گھمایا..... جیسے اسکواش کا کھلاڑی بیک ہینڈ اسٹروک کھیلتا ہے لیکن کھلاڑی کے ریکٹ پر دونوں طرف نائلون کا جال ہوتا ہے یہاں دو دھاری چھرا نہیں تھا..... پیٹر نے دائیں جانب کا جھانسا دیتے وقت دستے پر گرفت تبدیل کر لی تھی۔ پہلے فوجی پر اس کا وار نیچے سے اوپر کی جانب تھا جبکہ اس مرتبہ بیک ہینڈ سے اس نے عمودی کے بجائے متوازی وار کرنا تھا۔ بائیں سے دائیں۔ سارا کھیل تخمینے، اندازے اور پھرتی کا تھا۔ اسے ادراک تھا کہ دوسرے حملہ آور کو سیکنڈ کا کچھ حصہ مل جائے گا..... پیٹر ناکام ہو سکتا تھا۔ گولی اور چھرے کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ لہٰذا پیٹر نے جھانسے پر بھی مکمل تکیہ نہیں کیا اور جھکی ہوئی حالت میں بائیں جانب سے الٹی قوس بنائی.....

وہی ہوا حملہ آور دائیں طرف سے حملے کے دھوکے میں نہیں آیا۔ وہ بھی کوئی کھلاڑی تھا۔ تاہم پیٹر کا دوسرا دفاعی اقدام کام کر گیا۔ اگرچہ چھرے کا وار بھی خالی گیا تھا۔ دوسری طرف گولی کی گرم سانس اسے چھو کر گزر گئی۔ آٹومیٹک پسٹل کا فائر خاموش تھا۔ پیٹر جھکتے جھکتے گر ہی گیا۔ زمین چھوتے ہی دونوں ٹانگیں جوڑ کر اس نے حریف کے گھٹنے پر چوٹ لگائی۔ اس کے منہ سے کراہ نکل گئی۔ پیٹر نے لیٹے لیٹے چھرا پھینکا جو سیدھا لڑکھڑاتے ہوئے مقابل کے شانے میں ترازو ہو گیا۔ پسٹل اس کے ہاتھ سے گرا۔ پیٹر اچھل کر کھڑا ہوا۔ پسٹل اس نے خلا میں ہی تھام لیا تھا۔ فائر کرتے وقت اس کی نظر گیٹ کے قریب فرانکو پر پڑی جو اپنے قدموں پر کھڑا ہو رہا تھا۔ پیٹر نے جب پہلے حملہ آور کو گرا

قریب سے متواتر حرکت میں تھا۔ گولی دوسرے فوجی کو چھوتی ہوئی عقب میں فرانکو کے حلق میں گھس گئی۔ وہ بھی گر گیا۔ بچنے والے فوجی نے راہ فرار اختیار کی..... سارا ڈراما شروع ہو کر سیکنڈوں میں ختم ہو گیا۔

پیٹر نے گن بیلٹ میں لگائی اور فرانکو کی طرف بھاگتے بھاگتے رک گیا۔ وہ یقیناً دم توڑ چکا تھا۔ جس کا پیٹ چاک ہوا تھا، کثرتِ جریانِ خون کے باعث وہ آخری آخری سانسیں لے رہا تھا۔ بھاگنے والا زیادہ دور نہیں جا سکا تھا۔ پیٹر نے بلاتکلف ایک عدد گولی اس کی ران میں ٹھونک دی۔ چھرا اس کے شانے میں موجود تھا۔ اس نے عمداً چھرا نہیں نکالا تھا۔ چھرا نکالتے ہی خون تیزی سے بہنے لگتا۔ تاہم ران میں گھسنے والی گولی، اس کے قدموں کی زنجیر بن گئی۔ وہ گرا۔ اگلے لمحے پیٹر اس کے سر پر تھا۔

''نام؟''

جواب میں اُس نے گالی دی۔

''تمہارے دو ساتھی تو اوپر چلے گئے ہیں۔ تم بچ سکتے ہو، گالیاں دینے میں وقت ضائع نہ کرو۔ مجھے تمہاری جان نہیں جوابات چاہئیں۔ جلدی فیصلہ کرو۔'' پیٹر دوسرے فوجی کے قریب گیا۔ وہ خون میں لت پت تھا۔ تاہم روح اب بھی بدن کے پنجرے میں پھڑپھڑا رہی تھی۔ پیٹر نے پھرتی سے اس کی تلاشی لی۔ پھر چھرے کی مدد سے اس کی پتلون کا ایک لمبا ٹکڑا پھاڑ کے الگ کیا اور واپس آ گیا۔ وہ ٹکڑا اس نے زخمی ران پر کس کے باندھ دیا۔ گولی اندر ہی تھی۔

''نام؟'' پیٹر نے اپنا سوال دہرایا۔

وہ بھی ایک ڈھیٹ تھا۔ اس نے تھوکنے کی کوشش کی۔ پیٹر نے زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر رسید کیا۔

''بہت بے وقوف ہو۔ تمہارے پاس چانس ہے اسے مت گنواؤ۔ آخری بار پوچھ رہا ہوں۔ اس کے بعد میں انگلیاں، دو کان، ناک، زبان کاٹ کر دونوں آنکھیں پھوڑ کر چلا جاؤں گا۔'' پیٹر غرایا۔ اور پسٹل ایک طرف رکھ کر شانے سے چھرے کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

زخمی فوجی کی مزاحمت میں شگاف پڑ گیا تھا۔

''[illegible] تم زندہ رہتے اور بچا لیے گئے، [illegible] بھی [illegible] زندگی سے [illegible] بہتر [illegible] بچانے والا تم سے کچھ معلوم نہ کر سکے گا۔'' پیٹر نے [illegible] ساتھی کی تلاشی لی اور مسکرایا۔

''[illegible] نہ کوئی [illegible] آئی ڈی، [illegible]

لیبل..... کچھ نہیں۔ جبکہ تم فوجی ہو۔ آئی اقیاما؟ کیا کہا جا رہا ہے؟ شروع ہو جاؤ.....''

فوجی نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''نام؟''

''نکولس، نزیوس نکولس۔ ماسٹر سرجنٹ پیٹرک ڈریک میرا پارٹنر تھا۔''

''اسپیشل فورسز؟''

نکولس نے کراہتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''تم دونوں کو میرے پیچھے کس نے بھیجا تھا؟''

''میں اور ڈریک اسپیشل اسکواڈ میں تھے۔ ڈریک کو فون کال آئی تھی..... رانگ نمبر، لیکن وہ رانگ نمبر نہیں تھا۔ پوسٹ آفس میں ایک باکس ہمارے نام سے کرائے پر لیا گیا تھا۔ وہاں سے ہمیں کچھ لینا تھا۔''

''کیا؟''

''لکھے ہوئے احکامات۔ صرف نام اور مقام لکھا تھا پھر ہمیں رابطہ کار سے ملنا تھا اور رقم وصول کرنی تھی۔''

''رابطہ کار کون تھا؟''

''فرانکو گریمالڈی۔''

''تم دونوں کو کیا کام سونپا گیا تھا؟''

نکولس نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔ ''تمہیں ختم کر کے لاش کو غائب کرنا تھا۔''

''کیوں؟''

''تم اور میں ایک ہی ہیں..... ہم دونوں جانتے ہیں کہ ایسے معاملات میں وجوہات پوچھی نہیں جاتیں نہ بتائی جاتی ہیں جس نے بھی معاہدہ طے کیا، وہ ''نامعلوم'' ہے۔''

''نامعلوم کون ہو سکتا ہے؟''

''احکامات کہیں سے بھی آ سکتے ہیں۔ درجنوں امکانات ہیں۔''

''مثلاً؟''

''آرمی انٹیلی جنس، پینٹاگون، NSA ...''

''تم دونوں کا اندازہ کیا تھا؟''

''احکامات بہت اوپری سطح سے آئے تھے۔ نام معلوم کرنا ممکن نہیں ہے۔''

پیٹر خاموش ہو گیا۔

''ڈیوٹی کے بارے میں بتاؤ۔'' پیٹر نے ہوا میں تیر چلایا۔

''کون ڈیوٹی؟''

''جنوت۔'' پیٹر پھنکارا۔

’’یہ نام میں نے نہیں سنا۔‘‘ نکولس نے جواب دیا۔

پیٹر جانتا تھا کہ صرف ڈیوڈ کے علم میں تھا کہ وہ کہاں جارہا ہے۔ اس کا دوست ڈیوڈ۔

’’مشن کی تکمیل کی رپورٹ تم کیسے کرتے؟‘‘

’’دوسرے پوسٹ آفس باکس میں پیغام ڈراپ کرنا تھا۔کل دوپہر سے پہلے۔ بکس نمبر 67۔‘‘

پیٹر نے گن اٹھائی۔

’’میں نے سچ بتادیا ہے۔ مجھے چھوڑ دو۔‘‘

’’چھوڑ بھی دیا تو بچو گے کیسے؟ کوئی اور بھی پیچھے آرہا ہے؟‘‘ پیٹر نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

نکولس کے چہرے پر ہچکچاہٹ نظر آئی۔ ’’ہاں۔‘‘

’’ہمارا ساتھی ہے۔ دوست سمجھو.... اس معاملے سے اس کا کوئی لینا دینا نہیں۔ہم نے احتیاطاً اسے پیچھے رکھا تھا۔‘‘

’’خوب.... کتنی دیر میں پہنچ رہا ہے؟‘‘

’’آنے والا ہوگا۔‘‘

’’ٹھیک ہے۔ بدلے میں کیا دو گے؟‘‘

نکولس چند سیکنڈ خاموش رہا۔ ’’ہم ڈیوڈ کو جانتے ہیں۔ لیکن وہ ہمارے بارے میں بہت کم جانتا ہے۔ یہ آخری اطلاع ہے تمہیں دینے کے لیے۔‘‘

’’نہیں.... یہ آخری نہیں ہے۔ وہ نام بتاؤ جس کے ساتھ تم براہ راست رابطہ کرتے تھے؟‘‘ پیٹر کے تیز سوال پر وہ خاموش رہا۔

’’ٹھیک ہے، پھر ہمارا معاہدہ ختم سمجھو۔‘‘ پیٹر نے اس کے شانے میں پھنسے چھرے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

’’مم.... مجھے اس کا نام نہیں معلوم۔‘‘ نکولس گڑگڑایا۔

’’کیا معلوم ہے؟‘‘ پیٹر نے اسے گھورا۔

’’ایک نمبر ہے۔‘‘

’’بتاؤ۔‘‘

نمبر سن کر پیٹر نے یادداشت میں محفوظ کیا اور گہری نظر سے اسے تولا۔ ’’کیا یاد کرو گے.... شکریہ۔‘‘ پیٹر نے پھرتی سے اچانک پسٹل کا دستہ اس کے سر پر بجایا۔

☆☆☆

پہلی نظر میں بائیو پرٹ کمپلیکس، کالج کیمپس کے مانند دکھائی دیتا تھا۔ تاہم یہ بصری دھوکا بہت جلد ختم ہوجاتا تھا۔ بارہ فٹ بلند کنکریٹ کی دیوار جس پر آری نما کنگرے دھاتی باڑ تھی۔ وہ دیوار غائب تھی۔ اب ظاہری صورت حال مختلف تھی۔ اس کی جگہ [illegible] الفولادی سلاخوں [illegible] تھے۔ [illegible] ہیبت ناک ہتھیاروں کا جواب [illegible]

بلند دیوار موجود نہیں تھی [illegible] کے ساتھ کارڈز کی پٹرولنگ [illegible] صورت حال آئی سارو [illegible] درجے کی تھی۔ 103 [illegible]

[illegible] یوں نظر آتی جیسے [illegible] تعمیر رکھا گیا ہے [illegible] انتظامیہ اور سیکیورٹی کے لیے مخصوص [illegible] باکس کی حفاظت کے [illegible] اندرونی دو کیمپس ’’ہاٹ ایریا‘‘ سمجھے جاتے تھے۔ ہاٹ ایریا کی پہلی ڈبا نما تعمیر میں جانوروں کے [illegible] ڈیزائن کی لیبز تھیں۔ لیبس میں [illegible] ہوتا تھا۔ وہاں سولہ ٹن کے ریفریجریٹر تھے [illegible] مخصوص تجربات کیے جاتے تھے۔ ہاٹ ایریا کی [illegible] مرکزی اور اہم ترین حصہ تھا۔ یہاں [illegible] دراصل والٹ نما ریفریجریٹر تھے اور جہاں [illegible] محفوظ کیا گیا تھا۔ تاہم یہاں چند خاص اشیا اور بھی تھیں۔ جن میں اسٹینلیس اسٹیل کے سینٹری فیوج، [illegible] مشینز شامل تھیں۔

103 نمبر کی عمارت (ہاٹ زون) میں [illegible] کا وائرس محفوظ تھا۔ وائرس کی حفاظت کا [illegible] میں تھا۔

☆☆☆

اسپیشل فورسز ٹریننگ یونٹ [illegible] تھا۔ رتھین پریذیڈنٹ پورٹریکو کی کال رات ایک بج کر [illegible] منٹ پر وہاں پہنچی۔ حتی الامکان تیزی سے ڈیوٹی آفیسر نے کرنل ویزلی کراشکوف کو اٹھایا۔ تیس منٹ میں وہ [illegible] حالت میں اپنے آفس میں تھا۔ وہ بائیو پرٹ [illegible] کے احکامات سن رہا تھا اور تیزی سے جواب دے رہا تھا۔ اس نے پریذیڈنٹ کو یقین دلایا کہ وہ ایک گھنٹے کے اندر بائیو پرٹ کا رابطہ باقی دنیا سے منقطع کرا دے گا۔ کوئی باہر نکلے گا، نہ کوئی اندر جائے گا۔

’’مسٹر پریذیڈنٹ۔‘‘ اس نے سوال کیا۔ ’’اگر کوئی میرا حصار توڑنے کی کوشش کرتا ہے تو میرے لیے کیا حکم ہے؟‘‘

’’ایک وارننگ.... کرنل صرف ایک وارننگ [illegible]

کے بعد جو بھی ہو اسے ختم کردو۔ کوئی لحاظ نہیں کرنا ہے۔ خوب سمجھ لو۔ مجھے دوبارہ یاددہانی کی ضرورت نہ پڑے۔"

"ٹھیک ہے۔ مسٹر پریذیڈنٹ۔"

کراشکوف ایک متحرک لڑاکا تھا۔ جو مختلف میدانِ جنگ کے ذائقے چکھ چکا تھا۔ وہ بائیو پرٹ کی اہمیت سے آگاہ تھا۔ وہ حکم کا غلام تھا۔ واضح احکامات کے بعد اب آرمی چیف بھی آجاتا تو اس نے ایک وارننگ کے بعد اُڑا دینا تھا۔

اس نے تیزی سے اپنے دو سو تجربہ کار فوجیوں کو احکامات جاری کیے۔ ایک گھنٹے میں حصار ڈال کر اس نے پریذیڈنٹ کو اطلاع دینی تھی۔

جس وقت کراشکوف اور پور ز ینکو نے بات ختم کی تھی، اس وقت بائیو پرٹ کا BSD (بائیو پرٹ سیکیورٹی ڈیٹیل) لیوٹیننٹ گریگوری یاردیئی اپنے آفس میں تھا۔ آفس بلڈنگ نمبر 103 میں تھا۔ یاردیئی کلوز ڈسٹرکٹ ٹی وی مانیٹرز کی نگرانی کررہا تھا۔ اس وقت اس کی جیب میں سیل فون نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

آواز کی شناخت ممکن نہیں تھی جو معروف و مخصوص ڈیوائس سے گزر کر سرگوشی کی شکل میں لیوٹیننٹ گریگوری یاردیئی کی سماعت سے ٹکرائی۔

"ڈو اِٹ ناؤ۔ ضرورت پڑے تو آپشن نمبر 2 استعمال کرنا سمجھ گئے؟"

یاردیئی ٹھٹکا گیا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا...... آپشن-2...... چند لمحے کے لیے وہ منجمد رہ گیا۔ پھر جواب دیے کر فون واپس جیب میں رکھ لیا۔ کتنی راتوں سے وہ اس کال کا منتظر تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ کال موصول ہوچکی ہے۔ یہ اس کا لائف ٹائم چانس تھا۔ وہ اسے کھو نہیں سکتا تھا۔

زون ون اور ٹو میں ساتھ کیمرے تھے جو ویڈیو پلیئرز کے ساتھ منسلک تھے۔ یہ فائر پروف کیبنٹس میں موجود تھے۔ ٹائم لاک، شفٹ کے اختتام پر ہی کھل سکتا تھا۔ ٹائم لاک، یاردیئی کے سینئرز ہی کھولتے تھے۔ مزید یہ کہ ویڈیو پلیئرز کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا تھا...... یاردیئی بہت پہلے سے سمجھ رہا تھا کہ اس کے پاس چوری کے لیے فول پروف طریقہ نہیں ہے۔

یاردیئی چھ فٹ کا جوان آدمی تھا۔ اس کے بال سیاہ تھے نہ بھورے۔ نقل بوائے بلیو اس کا پسندیدہ کیبرے کلب تھا۔ جہاں وہ ہفتے میں کم از کم ایک بار ضرور جاتا تھا۔ اس کا

دوسرا شوق ایکشن فلمیں تھیں۔ آرنلڈ شوارزنیگر اس کا پسندیدہ اسٹار تھا۔ یاردیئی نے اپنی باڈی خوب بنائی ہوئی تھی اور آرنلڈ کی جگہ لینے کے خواب دیکھا کرتا تھا...... آرنلڈ سے کم عمر تھا۔ وہ ہالی ووڈ کے بارے میں بھی جانتا تھا لیکن خواب، خواب ہی ہوتے ہیں۔ وہ تین سال سے مغربی دنیا میں جانا چاہتا تھا...... وہی نہیں ہزاروں روسی مغربی دنیا کی چکاچوند سے متاثر تھے۔ مسئلہ رقم کا تھا۔ رقم بھی اتنی ہونی چاہیے تھی کہ وہ لاس اینجلس میں قدرے شان سے رہ سکے...... ایک سال قبل اسے نقل بوائے بلیو میں موقع مل گیا۔ وہ نامعلوم آدمی بھی ہم جنس پرست تھا۔ اس نے بہت جلد یاردیئی سے راہ و رسم بڑھائی اور اسے بتایا کہ دن میں خواب دیکھنا بند کردے۔ یاردیئی حیران تھا کہ وہ شخص اس کے ماضی اور حال کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا...... اس نے بہ آسانی یاردیئی کے خوابوں کی تکمیل کے لیے اسے اپنے ساتھ ملالیا۔

یاردیئی کیمروں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ انہیں نظرانداز کرکے وہ رواں قدموں سے ہاٹ زون میں داخل ہوگیا۔ کی کارڈ اور ماسٹر کوڈ اس کے پاس تھے۔ اس نے خود کو تمام ضروری حفاظتی انتظامات سے لیس کرلیا تھا۔ اینٹی پلاگ سوٹ، ہُڈ، گوگلز، دستانے، سیفٹی گلاسز وغیرہ وغیرہ۔ آخری چینجنگ روم چھوڑنے سے قبل وہ ایک مخصوص لاکر کی طرف گیا۔ لاکر میں فلاسک نما المونیم کا تھرموٹائپ کنٹینر موجود تھا۔ فلاسک اسپیشل آرڈر پر بنوایا گیا تھا۔ احتیاط سے یاردیئی نے اس کی بنیاد کو جنبش دی۔ کلک کی آواز آئی۔ اندر دہری چادر تھی۔ نائٹروجن کے اخراج کے ساتھ فلاسک سرد ہوگئی۔ جیسے گلاس میں برف کے ذرات بھر دیے گئے ہوں۔ یاردیئی نے اسے اینٹی پلاگ سوٹ میں منتقل کیا اور زون-2 میں آگے بڑھ گیا۔ وہ تیزی اور احتیاط سے کام کررہا تھا۔ اسے بخوبی علم تھا کہ اس کا ٹارگٹ کیا ہے اور اسے کیا کرنا ہے۔ اس کے پاس عام فلاسک نہیں تھا۔ فلاسک کو خاص طریقے سے ڈیزائن کیا گیا تھا۔ یاردیئی نے مطلوبہ چھ ایمپول (شیشیاں) فلاسک کے مخصوص چیمبر میں فٹ کیے۔ یہ ریوالور کے چیمبر کے مانند تھا۔ فلاسک کو اچھی طرح چیک کرکے وہ واپس نکلا۔ باہر نکلتے نکلتے وہ عام لباس میں آچکا تھا۔ باہر آکر اس نے گہرے گہرے سانس لیے اور سگریٹ سلگائی۔ آپشن-2، اسے ہدایت یاد آئی۔ آپشن-2 کا کیا مطلب۔ یقیناً ماسکو مشکوک ہوگیا ہے۔ اسے سستی دکھائے بغیر نکل جانا ہے...... وہ اسپیشل طور پر

بارے میں جانتا تھا جو ولاڈی میر کے نواح میں موجود تھیں۔ یہ سب منجھے ہوئے اور خطرناک فوجی تھے۔ چار ایک سے یاردیٹی کا یارانہ بھی تھا...... یاردیٹی نے بوٹ کے سگریٹ مسلی اور بلڈنگ نمبر 103 سے دور ہونے لگا۔ اسے ابھی گارڈ پوسٹ کا سامنا کرنا تھا۔ جہاں اس گارڈز ہی سامنا ہوتا تھا لیکن آج بات دگر تھی۔ اس نے غیر متوقع سوالات کے جواب تیار رکھے تھے۔

☆☆☆

پچاس منٹ گزر چکے تھے۔ کراشنگوف خاموشی اور روانی کے ساتھ مصروفِ کار تھا۔ کوئی آواز، کوئی لائٹ، کوئی الارم...... کچھ نہیں۔ رازداری سے تاریکی میں حصار قائم کیا جارہا تھا۔ بالآخر پہلی آرمرڈ کار اندر داخل ہوئی۔ انجن کی آواز کا کچھ نہیں کیا جاسکتا تھا اور یہ کوئی غیر معمولی بات بھی نہیں تھی۔ ولاڈی میر اور بائیو پرٹ والے جانتے تھے کہ رات میں بھی مشقیں ہوتی تھیں۔

”گریگوری؟“

”ہاں، میں ہوں۔“ یاردیٹی نے جواب دیا۔ پوسٹ کے باہر BSD گارڈ سگریٹ کا آخری کش لے رہا تھا۔

”تمہاری شفٹ ختم ہوگئی؟“

”ہاں، آرکیڈی آج جلدی آگیا تھا۔ گزشتہ ماہ اس نے کچھ وقت مجھ سے ادھار لیا تھا۔ اب میں جاکر آرام کروں گا۔“

آرکیڈی کے آنے پر یاردیٹی جاسکتا تھا۔

”ایک منٹ پلیز۔“

یاردیٹی آواز کی جانب مڑا۔ اس نے پوسٹ کی کھڑکی میں دیکھا کہ دوسرا گارڈ کمپیوٹر پر مصروف تھا۔

”روسٹر پر شفٹ تبدیل نہیں ہوئی۔ لیومینٹ۔“ اس نے کہا۔ ”تکنیکی اعتبار سے تم اپنی پوسٹ خالی چھوڑ کر جارہے ہو۔“

وقت یاردیٹی کے ہاتھ سے نکل رہا تھا۔ پہلا گارڈ کمپیوٹر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مڑتا، یاردیٹی کے مضبوط بازو نے اس کی گردن کو لپیٹ میں لے لیا۔ تھی چٹخنے جیسی آواز آئی...... دوسرا گارڈ ہولسٹر سے الجھ رہا تھا۔ جب یاردیٹی کا وزنی گھونسا اس کے نرخرے سے ٹکرایا۔ وہ گھٹنوں کے بل گرا۔ وہ سانس لینے کی جدوجہد میں مصروف تھا۔ یاردیٹی نے بہ آسانی اس کی گردن بھی توڑ دی۔ یاردیٹی واپس باہر آگیا اور پوسٹ کا دروازہ بند کردیا۔ وہ لمبے ڈگ بھرتا نکلا جارہا تھا۔

جلد ہی وہ بائیو پرٹ کی حدود سے نکل گیا۔ ولاڈی میر کی روشنیاں جھلک دکھلا رہی تھیں۔ دور سے ٹرین نے وسل دی۔ وہ سڑک چھوڑ کر درختوں میں گھس گیا، جنھوں نے بائیو پرٹ کو گھیرا ہوا تھا۔ چاند کی روشنی میں وہ راستہ بنا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ رابطہ کار کہاں اس کا منتظر ہے۔ امریکن کینیڈین پاسپورٹ، موٹی رقم کے ساتھ اس کے منتظر تھے۔ ائرکینیڈا کا ٹکٹ...... یاردیٹی نے دوڑنا شروع کردیا۔

وہ آزاد ہوگیا تھا۔ خواب حقیقت میں ڈھلنے والے تھے۔ جنگل میں خاصا اندر جاکر وہ رک گیا۔ نائٹروجن کنٹینر (فلاسک) کی موجودگی کو چیک کیا۔ اس وقت اس نے بھاری گاڑیوں کی مدھم آوازیں...... اسپیشل فورسز...... بدحواس نہیں ہوا۔ وہ سمجھ گیا کہ کیا ہونے والا ہے۔ پہلے وہ بائیو پرٹ کے گرد حصار مکمل کریں گے۔ اس کے بعد حقائق جاننے میں بھی انہیں وقت لگے گا۔ وہ حصار مکمل کرکے مطمئن ہوجائیں گے، یاردیٹی بروقت نکل آیا تھا اور دور ہوتا جارہا تھا۔

اُدھر کراشنگوف نے ایک گھنٹے کے آس پاس گھیرا ڈال کر دو بینتالیس پر پریذیڈنٹ کو اطلاع کردی۔

☆☆☆

پسنجر ٹرین ٹھیک تین بجے ولاڈی میر کی حدود میں داخل ہوئی۔ ٹرین، یورال ماؤنٹین کے مقام کولیما سے بارہ سو میل کا سفر طے کرکے آئی تھی۔ ولاڈی میر اس کا آخری اسٹاپ تھا۔ کچھ وقفے کے بعد ٹرین نے مزید تین گھنٹے کا سفر ماسکو کی جانب طے کرنا تھا۔

اسٹیشن میں داخل ہوتے وقت انجینئر نے باہر جھانکا۔ پلیٹ فارم پر ایک ہی پسنجر کھڑا تھا۔ انجینئر نے سوچا کہ شیڈول سے ہٹ کر اسے شیو کرنے اور آرام کا موقع مل جائے گا۔

دراز قامت اکلوتا مسافر لانگ کوٹ میں پلیٹ فارم پر بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ ٹرین کی رفتار کم ہورہی تھی، وہ دھیرے سے مسافر کے پاس سے گزر گئی۔

آئیون بریا، عمر اڑتیس سال جانے پیدائش سوڈوینا اس کے خون میں نفرت رچی بسی تھی۔ البانیہ کے نسلی فسادات میں اس کا پورا خاندان مارا گیا تھا۔ یہ کہانی وہ باپ دادا سے کئی بار سن چکا تھا۔ اسے یوں لگتا تھا جیسے یہ کل کا واقعہ ہے...... موقع ملتے ہی وہ بلا امتیاز انتقامی کارروائیاں کرتا تھا۔ وہ بہت پہلے ایک سنگ دل قاتل اور دہشت گرد

کے روپ میں ڈھل چکا تھا۔ اس نے پہلا قتل بارہ سال کی عمر میں کیا تھا...... اس نے اپنی فیملی کے قاتلوں کو چن چن کر جہنم رسید کیا تھا۔ بیس سال کی عمر میں وہ ہٹ مین (پیشہ ور قاتل) کی حیثیت سے مشہور ہو چکا تھا۔ اپنی فیملی کا قرض چکانے کے بعد اس کے خون میں سے نفرت اور انتقام کا عنصر ختم ہو جانا چاہیے تھا۔ تاہم ایسا نہ ہوا۔ اس کی ایک وجہ وہ افراد تھے جو خود انتقام لینے کی ہمت نہیں رکھتے تھے اور بریا کو ہائر کرتے تھے۔ اس کی خدمات کے عوض وہ لوگ اسے زیورات یا رقم فراہم کرتے...... یوں یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا۔ وہ خاندانی اور جاگیردارانہ عداوتیں بھی نمٹاتا رہا...... بالآخر وہ بالائی سطح پر فری لانسر کی حیثیت سے فائز ہو گیا۔ اب اسے ہائر کرنے والے اونچی سطح کے افراد تھے۔ بعض اوقات KGB تک اس کے ذریعے کام نکلواتی تھی۔

کمیونزم کا زوال شروع ہوا تو مغرب کی آمد و رفت میں اضافہ ہو گیا۔ انہوں نے سرمایہ کاری بھی شروع کر دی۔ اس میں اچھے برے دونوں قسم کے افراد شامل تھے۔ مغربی جرائم پیشہ افراد کو خاص قسم کے فری لانسرز کی تلاش رہتی تھی۔ بریا ایسے لوگوں کے لیے ٹاپ چوائس تھا۔ KGB کے رابطوں کے ذریعے [illegible] بریا تک [illegible] امریکی اور یورپی افراد کی جیبیں [illegible] کے مقابلے میں کافی بھاری تھیں۔ جب کام کی نوعیت بہت خفیہ اور خطرناک ہوتی یا کسی اہم آدمی کی جان لینا مقصود ہوتا تو ان کی جیبیں مزید بھاری ہو جاتی تھیں۔

پانچ سال میں بریا نے ایک درجن سے زائد ایگزیکٹوز اغوا کیے جن میں سے سات ہلاک کر دیے گئے۔ تاہم ایک ٹارگٹ ایسا تھا جسے تاوان کی وصولی کے بعد بریا کو ہدایت دی گئی کہ وہ نہ صرف مغوی کو چھوڑ دے بلکہ [illegible] سے [illegible] کے حریف [illegible] کی توسیع کے لیے [illegible] کے بتائے گئے خطے میں جانے کے لیے مجبور کرے۔ اس کام کے لیے بریا کو اغوا اور تاوان سے بڑھ کر معاوضہ دیا گیا۔ جسے بریا نے خوش دلی کے ساتھ قبول کیا۔ حکم دینے والا ہائی ٹیک کیمیکل فرم [illegible] اے جی (ہیڈ کوارٹر زیورچ) کا چیئرمین ڈاکٹر کارل ہائز تھا۔ یہیں سے بریا اور ہائز کے طویل، خوشگوار اور منافع بخش تعلقات کا آغاز ہوا۔

ٹرین رکی تو بریا نے اترنے والے کنڈیکٹر کو جا لیا۔ [illegible]

[illegible]

"[illegible] گی۔"

[illegible] نے دراز قامت بریا کو دیکھا۔ "جب میں کہوں گا ٹرین [illegible]" کنڈیکٹر نے پلیٹ فارم سے [illegible] بڑھایا...... خبردار کرنے کے بریا نے [illegible] کر ٹرین کار کے فولادی دروازے سے [illegible]

"شیڈول کو تبدیل سمجھو۔" کنڈیکٹر [illegible] کوئی سانپ بلا اشتعال پھنکار رہا ہو۔ [illegible] کوئی چیز اس کے ہاتھ پر چبھو رہی ہے۔ [illegible] انداز میں نیچے نگاہ کی۔ وہ امریکن ڈالرز تھے۔

"جاؤ، انجینئر کو جو چاہیے [illegible] سرگوشی کی۔ "میں بتاؤں گا کب روانہ ہونا ہے۔" [illegible] لڑکھڑاتا ہوا چلا گیا۔ ان دنوں ڈالرز رشیا میں بیشتر [illegible] کے [illegible] کام کرتے تھے۔

بریا ٹرین کو زیادہ دیر تک نہیں روک سکتا تھا۔ [illegible] ایک [illegible] ہی ولادی میر میں [illegible] ہو گیا تھا۔ [illegible] سے اطلاع پہنچائی گئی تھی کہ [illegible] متوقع ہے۔ بریا کی ذمے داری تھی کہ [illegible] "سامان" ماسکو تک روانگی کو بحفاظت یقینی بنائے۔ اس نے گھڑی دیکھی۔ اسے آخری کال چند گھنٹے پیشتر موصول ہوئی تھی جس میں پلان کی تبدیلی کا اشارہ بھی دیا گیا تھا۔

ٹرین کو روانہ ہو جانا چاہیے تھا۔ بریا نے کنڈیکٹر کی جھلک دیکھی۔ وہ گھڑی دیکھتا ہوا آ رہا تھا۔ ہدایات دینے والے نے پلان کی تبدیلی کے ساتھ [illegible] فورسز کے بارے میں بھی بتا دیا تھا۔ بریا سوچ رہا تھا کہ وہ آدمی "سامان" کے ساتھ بروقت نکل پائے گا یا نہیں؟

اسی وقت اس نے پلیٹ فارم پر روسی بوٹوں کی دھمک سنی۔ اس کا ہاتھ اپنی کوٹ کی جیب میں چلا گیا۔ [illegible] ایم ایم کے گرد لپٹ گئیں۔ [illegible] آدمی کھمبے کی روشنی کے نیچے سے گزرا تو بریا کی [illegible] ڈھیلی پڑ گئیں۔ اسے جو حلیہ بتایا گیا تھا، آدمی اس سے مطابق تھا۔

"پادری؟"

لیفٹیننٹ ہانپ رہا تھا۔ "ہاں، اور تم......"

"میں وہی ہوں جس سے تمہیں ملنا تھا۔ ورنہ میں تمہارا نام کیوں لیتا۔ اب جلدی کرو۔ ہمیں تاخیر ہو گئی ہے۔"

کنڈیکٹر قریب آ گیا تھا۔ بریا نے ڈالرز کے مزید نوٹ اس کی طرف بڑھائے۔ "یہ تمہارے لیے ہیں۔ اب چلو۔ رازداری تمہاری ذمے داری ہے۔ [illegible] پہنچ کر رکنی چاہیے۔ اس دوران کوئی خلل محسوس کرو تو فوراً اطلاع دینا۔ تمہارے مزید ڈالرز میرے پاس محفوظ ہیں۔"

کنڈیکٹر نے ڈالرز جیب میں رکھ لیے۔ بریا اور یاروچی ٹرین کے تنگ کوریڈور سے ہوتے ہوئے فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

”کیا لائے ہو میرے لیے؟“ بریا نے دروازہ لاک کر دیا۔

یاروچی نے پہلی بار اسے غور سے دیکھا۔ ”تم کیا لائے ہو؟“

بریا نے ایک مہر بند لفافہ نکال کر یاروچی کے حوالے کیا۔ یاروچی نے اسے کھولا...... کینیڈین پاسپورٹ، ایئر کنڈیشنڈ ٹکٹ، کیش اور متعدد کریڈٹ کارڈز...... یاروچی خود کو بدلا ہوا محسوس کرنے لگا۔ جوان، آزاد اور طاقتور......

یاروچی نے لفافہ جیب میں رکھ کر اسٹیل فلاسک برآمد کی۔ ”احتیاط سے، یہ بہت سرد ہے۔“

بریا نے اسے چھونے سے پہلے دستانے چڑھائے۔ اس نے محض چند لمحات کے لیے اسے ہاتھ میں سنبھالا پھر ایک طرف رکھ دیا۔ بریا نے بالکل ویسا ہی کنٹینر نکال کر یاروچی کو پکڑا دیا۔

”یہ کیا؟“ یاروچی نے سوال کیا۔

”اسے رکھو، بے ضرر ہے اور مجھے بتاؤ بائیو پرٹ میں کیا ہوا؟“

”کچھ نہیں...... میں اندر گیا...... مطلوبہ چیز لی...... اور باہر آ گیا۔“

”تمام وقت تم کیمروں کی زد میں تھے؟“

”کیمروں کا میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ پہلے ہی میں تمہارے آدمیوں کو بتا چکا تھا۔“

”ٹیپ کب دیکھے جائیں گے؟“

”جب نئی شفٹ شروع ہوگی۔ تقریباً چار گھنٹے بعد۔ لیکن کیا فرق پڑتا ہے۔ ظاہر ہے مجھے واپس نہیں جانا۔“

”باہر آتے ہوئے کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا...... میرا مطلب ہے چیک پوسٹ پر؟“

”نہیں ایسا کچھ نہیں ہوا۔“ یاروچی نے اطمینان سے جھوٹ بولا۔ لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ وہ کس کے سامنے بیٹھا ہے۔

”اور تم اسپیشل فورسز کے پہنچنے سے قبل نکل گئے؟“

بریا کے سوالات جاری تھے۔

یاروچی نے حیرت کا اظہار کیا۔ ”نکل گیا تھا... جبھی یہاں بیٹھا ہوا ہوں۔ یہ وقت گزر... تھکا ہوا ہوں۔ کچھ پینے کے لیے ہے؟“

بریا نے خاموشی سے برانڈی کی بوتل نکال کر اسے پکڑا دی۔ یاروچی نے لیبل کا جائزہ لیا۔

”فرنچ؟“ یاروچی مسکرایا اور بوتل کی سیل کھولی۔ اس نے ایک بڑا گھونٹ بھر کے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

بریا اٹھ کھڑا ہوا۔

”کہاں؟“

”ڈونٹ وری۔ باتھ روم سے ہو کے آتا ہوں۔ اس نے باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ ایک خالی اپارٹمنٹ میں گھس کر اس نے کھڑکی ذرا اوپر کی اور سیل فون نکالا۔ چند سیکنڈ میں اس کا رابطہ ماسکو میں قائم ہو چکا تھا۔ دوسری جانب سے آواز یوں آ رہی تھی جیسے بات کرنے والا ساتھ ہی کھڑا ہو۔

☆☆☆

اسمتھ گہری نیند میں تھا، جب دروازے پر دھڑ دھڑاہٹ نے اسے مکمل بیدار کر دیا۔ اس نے سائڈ لیمپ روشن کیا ہی تھا کہ روطیشیا مین، لارا ٹیلون کے پیچھے اندر گھس آئے۔

”کیا قیامت ہے؟“

”ڈاکٹر، پلیز میرے ساتھ آؤ۔“ لارا نے کہا۔ وہ قریب آ گئی اور آواز دھیمی کر لی۔ ”گڑبڑ ہے...... جنرل فوراً ملنا چاہتا ہے۔“

اسمتھ کے ذہن میں الارم بجنے لگا...... چند منٹ میں وہ کیروف کے آفس میں تھا۔ پندرھویں فلور پر چہل پہل تھی...... اسمتھ نے فضا میں تناؤ کی کیفیت محسوس کر لی۔

”ڈاکٹر، کوئی اور بات ہوتی تو ضرور گڈ مارننگ کہتا...... لارا دروازہ بند کر دو۔“ جنرل کیروف نے کہا۔ اسمتھ نے اندازہ لگایا کہ کیروف بھی کچھ دیر پہلے ہی بیدار ہوا تھا۔

”کیا معاملہ ہے؟“ اسمتھ تقریباً سمجھ گیا تھا۔ تاہم اس نے سوال کر ڈالا۔

کیروف نے ٹی کپ اسے پکڑا دیا۔ ”پریذیڈنٹ نے تقریباً ایک بجے اسپیشل فورسز کو احکامات جاری کر دیے تھے۔ بائیو پرٹ کے گرد حصار کامیابی سے بغیر کسی حادثے کے قائم کر دیا گیا تھا۔ بظاہر سب ٹھیک تھا۔ مگر حقیقت میں پٹرولنگ گارڈز نے ایک پوسٹ پر دو لاشیں دریافت کیں۔ دونوں گارڈز ڈیوٹی کے دوران مارے گئے۔

اسمتھ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہونے لگی۔ ”کوئی باہر کا تھا...... یا کسی نے کوشش کی۔

کیروف نے نفی میں سر ہلایا۔ ”نہ کوئی اندر گیا۔“
”بائیو پرٹ کی سیکیورٹی..... خاص طور پر بلڈنگ نمبر 103؟“

”ٹیپ چلاؤ۔“ کیروف نے لارا سے کہا۔
لارا نے ریموٹ دیوار گیر کیمرے کی جانب کیا۔ ”یہ نمبر 103 کے کیمروں کی ویڈیو ہے۔ دائیں زیریں حصے میں ٹائم نوٹ کرو۔“

استھ بغور سیاہ و سفید سایوں کو دیکھ رہا تھا۔ ایک قوی ہیکل وردی پوش کوریڈور سے زون نمبر 2 میں داخل ہوتا نظر آیا۔ اس کا امیج کئی کیمروں نے ان کمروں سے اٹھایا جہاں لباس تبدیل کر کے حفاظتی اشیا سے لیس ہوا جاتا ہے۔ کیمروں نے اسے جراثیم کش غسل لیتے ہوئے بھی دکھایا۔ وہ ہڈ اور دستانوں اور دیگر اشیا کے ساتھ سر سے پاؤں تک چھپ گیا تھا۔ بعدازاں وہ اپنے ٹارگٹ کی طرف گیا اور ایمپول نکال کر فلاسک میں رکھنے لگا۔

”فریز (Freez)۔“ استھ نے اشارہ کیا۔ ٹیپ کا وہ حصہ ساکن ہو گیا۔ ”مجھے بتاؤ کہ یہ اسمال پاکس نہیں ہے۔“

”کاش میں یہ کہہ سکتا۔“ کیروف نے بددلی کے ساتھ جواب دیا۔

وردی پوش جیسے آیا تھا، لباس تبدیل کرتا ہوا، ویسے ہی واپس چلا گیا۔

”کیسے؟ ہیک اَپ سیکیورٹی کہاں ہے؟“ استھ کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ ”یہ کھلونوں کی دکان ہے..... وہ آیا اور ایک کھلونا اٹھا کر چلا گیا؟“

”یو ایس ایمرڈ میں بھی اس طرح ہو سکتا ہے۔“ لارا نے منہ بنایا۔ ”ہمارا انظام تمہارے سسٹم کی نقل ہے..... ہم بھی کوڈ ڈلاکس اور الیکٹرونکس پر انحصار کرتے ہیں..... کیونکہ انسانوں کا عمل دخل کم سے کم رکھنے پر ہی خطرات محدود ہوتے ہیں..... لیکن ہمیشہ بالآخر ہیومن فیکٹر ہی سیکیورٹی میں شگاف کا سبب بنتا ہے..... یہاں، وہاں یا کہیں اور.....“

لارا نے وقفہ لیا۔ ”بائیو پرٹ کا اسٹاف کڑے امتحانات اور چھان بین سے گزرتا ہے لیکن پھر بھی کہیں، کوئی کسی آدمی کی روح کو اسکین نہیں کر سکتا۔“

حفاظتی اشیا لینے اور واپس رکھنے کے دوران استھ نے اس آدمی کا حلیہ اور نقوش ذہن میں بٹھا لیے تھے..... گلوز اپ دیکھنے کے بعد وہ اسے کہیں بھی بہ آسانی پہچان سکتا تھا۔

کیروف نے اس کا نام وریک اور زی [illegible]
”اس نے کیمروں کی پروا نہیں کی۔ [illegible] کہ وہ اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا۔“ استھ بڑبڑایا۔
”ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ کیروف بولا۔
”لیکن اس نے حفاظتی حصار کیسے توڑا؟“
”پلیز ٹیپ کا وقت نوٹ کرو۔“ کیروف نے نشاندہی کی۔

”وہ حصار قائم ہونے سے پہلے نکل گیا۔ اس کی قسمت یاوری کر گئی۔“ کراشنکوف ٹروچیں لے آیا تھا۔

”اسی لیے اس نے گارڈز کو ہلاک کیا۔ کیونکہ اسے جلدی تھی؟“

”میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔“ کیروف نے محتاط لہجہ اختیار کیا۔ ”ڈاکٹر تمہارا کیا اندازہ ہے؟“

”گارڈز کی ہلاکت کا وقت؟“ استھ نے سوال کیا۔

”دو بج کر تیس منٹ۔“

”یاردینی کی ڈیوٹی دو تیس کے قریب ختم ہوتی ہے؟“

”نہیں۔ چند گھنٹوں کا فرق ہے۔“ کیروف نے کہا۔

”گارڈز کو ہلاک کرنے کی وجہ واضح ہے کسی وجہ سے اسے وقت سے پہلے نکلنا پڑا۔ پوسٹ پر وہ گارڈز کو مطمئن نہ کر سکا اور دونوں کو ختم کر کے نکل گیا۔“ استھ نے خیال آرائی کی۔

”اس آدمی کے پاس ٹھوس پلان تھا۔ میرا مطلب یاردینی سے ہے۔ اسے کیمروں کی پروا نہیں تھی۔ اسے کیونکر یقین تھا کہ وہ لاشیں دریافت ہونے سے پہلے فرار ہو جائے گا۔“ استھ چپ ہو گیا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں تھیں۔

”وہ وقت سے پہلے کیوں اچانک متحرک ہوا..... اسے اشارہ مل گیا تھا یا علم ہو گیا تھا کہ اسپیشل فورسز آ رہی ہیں..... اسی لیے.....“

”تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ اس کا کوئی پارٹنر تھا۔ جس نے اسے باہر سے اطلاع دی؟“ لارا نے استفسار کیا۔

”کیوں، تمہارا کیا خیال ہے؟“ استھ نے جواباً سوال کیا۔

”اس سوال کو بعد کے لیے رکھو۔“ کیروف بولا۔ ”فوری اہمیت گریگوری یاردینی کا پتا لگانا ہے..... جتنی اسمال پاکس وہ.....“

استھ نے آنکھیں بند کر لیں۔ ”اس کا سوال حصہ بھی کم از کم ملین افراد کی صفائی کے لیے کافی ہوگا۔“

”کیا وسائل ہیں ہمارے پاس؟“ استھ نے سوال

کیا۔

کیروف نے اپنی ڈیسک کا ایک بٹن دبایا۔ دیوار میں جگہ بنی اور بڑی سی اسکرین نمودار ہوئی۔ اس نے متحرک سرخ دھبوں کی جانب اشارہ کیا۔ میڈیکل انٹیلی جنس ڈویژن...... ہمارے وائرس ہنٹرز۔ پھر اس نے نیلے نشانات کی طرف اشارہ کیا۔ اسپیشل فورسز کا حصار۔ کیروف نے تین زرد نشانات کے بارے میں بتایا کہ یہ "بی یارسک" سے فضائی راستے کے ذریعے کمک آرہی ہے جو ولاڈی میر کو مکمل طور پر گھیر لے گی۔

اسمتھ کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہوا۔ "یاردیتی کا ڈیٹا نکالو۔" لارا نے کی بورڈ سنبھال لیا۔ ریکارڈ سامنے آرہا تھا۔ سوفٹ ویئر انگریزی میں ترجمہ کررہا تھا۔

اسمتھ نے نفی میں سر ہلایا۔ "یاردیتی اس سازش میں فٹ نہیں ہورہا۔ ملک سے باہر اس کا کوئی دوست یا رشتے دار نہیں ہے۔ امکانات ہو سکتے ہیں کہ وہ استعمال ہو گیا ہے...... شاید موٹی رقم کے چکر میں......

"ہاں، وہ ایسا بندہ نہیں ہے۔ اتنا بڑا کام اس اکیلے کے بس کی بات بھی نہیں ہے...... تم بائیوپرٹ اور اس کی سیکیورٹی سے آگاہ ہو۔ یہ مغرب میں سی ڈی سی سمیت کسی بھی ہائی لیول لیب سے کم نہیں ہے۔ انٹرنیشنل انسپکٹرز میں امریکنز بھی شامل تھے اور یہ سب ہمارے معیار سے مطمئن تھے۔

اسمتھ سمجھ گیا کہ کیروف کیا چاہ رہا ہے۔ وہ اسمتھ کو وکیل بنانا چاہ رہا تھا کہ رشینز بے پروا یا نااہل نہیں ہیں۔ ان کے انتظامات قابلِ قدر ہیں...... اور یہ کہ بائیوپرٹ اندرونی سبوتاژ کا شکار ہوا ہے، جس کی پیش گوئی ناممکن ہوتی ہے۔

"جنرل، ہم سب ایک خوفناک خواب دیکھ رہے ہیں۔ یاردیتی کتنی دیر پہلے نکلا ہے؟"

"اسپیشل فورسز کے ہیڈ سرجن کے مطابق گارڈز کا قتل 2:30 کے آس پاس قریب ہوا ہے...... اس کا مطلب یاردیتی کو نکلے ہوئے تین گھنٹے سے کچھ اوپر وقت ہو چلا ہے۔ اتنی دیر میں وہ کافی دور جا سکتا ہے۔" لارا نے بتایا۔

اسمتھ دوبارہ بڑی اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مختصر سیاہ دائرے کی شکل میں بائیوپرٹ مرکز میں تھا۔ نارنجی نکتہ بتا رہا تھا کہ یاردیتی اگر کار یا بائیک پر ہے تو لیب سے کتنی دور ہوگا۔

"چیک پوائنٹس کیسے ہیں؟" اسمتھ نے سوال کیا۔

"مقامی ملیشیا کے چیک پوائنٹس۔ جن کے پاس یاردیتی کی تصویر اور تعارف پہنچ چکا ہے۔"

"ان کے پاس آرڈرز کیا ہیں؟"

"شوٹ آن سائٹ...... لیکن زندہ رکھنا ہے۔"

لارا نے اسمتھ کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھتے ہوئے لب کشائی کی۔ "دراصل ہمیں آرڈرز میں بتایا ہے کہ وہ کئی افراد کا قاتل ہے۔ نیز اس کا HIV رزلٹ مثبت ہے۔ یقین کرو ڈاکٹر، اسے گرانے کے بعد کوئی بھی اس کے قریب جانے کی جرأت نہیں کرے گا۔"

"میں سوچ رہا ہوں، اگر کوئی نے فلاسک کو ڈرا دیا تو کیا ہوگا؟"

"تمہاری تشویش بجا ہے لیکن یاردیتی نظر آگیا تو ہم اسے کیسے جانے دے سکتے ہیں؟" کیروف نے سر ہلایا۔

"آخری دائرہ یا رکاوٹ کون سی ہے؟"

"بدترین یہ ہوگا کہ کوئی ولاڈی میر ائرفیلڈ میں طیارے کے ساتھ اس کا منتظر ہو۔" کیروف نے جواب دیا۔

"کوئی ٹیک آف ہوا ہے؟"

"ریکارڈ پر تو کوئی نہیں ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اس امکان کو مکمل نظرانداز کردیں...... وجہ یہ ہے رشیا بدل چکا ہے۔ ائرفورس سے نکلے ہوئے تجربہ کار پائلٹس کی کمی نہیں۔ ایسے پائلٹس ہائی وے یا میدان میں اتر کر منٹوں میں سامان لے جا سکتے ہیں۔"

"پریذیڈنٹ پوٹریٹکو نے احکامات جاری کیے ہیں کہ کسی بھی لائٹ ائرکرافٹ کو جانے نہ دیا جائے۔ خلاف ورزی پر اسے نیچے اتار لیا جائے۔" لارا نے اضافہ کیا۔

دیوار گیر اسکرین نے اسمتھ کو متاثر کیا تھا۔ وہ ایک زندہ مخلوق کے مانند تھا۔ مختلف اشارے، اشکال جل بجھ رہی تھیں۔ ادھر ادھر حرکت پذیر تھیں۔ صورتِ حال کی جامع تصویر کشی تھی۔ باوجود اس کے وہ محسوس کررہا تھا کہ کچھ ادھورا پن ہے۔ کوئی شے غائب ہے۔ اسمتھ کچھ قریب ہو گیا۔ اس نے انگلی ایک سفید لکیر پر رکھی جو ولاڈی میر سے مغرب کی سمت ماسکو جارہی تھی۔

"یہ کیا ہے؟"

"ریلوے لائن ہے۔ یورال میں کو لیما اور ماسکو کو ملاتی ہے۔" کیروف نے جواب دے کر لارا کی جانب دیکھا۔ "رات میں کوئی ٹرین ولاڈی میر سے گزری ہے؟"

لارا ایک بار پھر کمپیوٹر پر آگئی۔ "ہاں، تین ہیں۔" اس نے بتایا۔

"یاروینی اتنی جلدی ٹرین نہیں پکڑ سکتا۔" کیروف نے اظہار خیال کیا۔

لارا نے تیوری چڑھائی۔ "ضروری نہیں ہے۔ شیڈول کے مطابق ٹرین کو ولاڈی میر میں چند منٹ کے لیے رکنا تھا۔ لیکن اس نے زیادہ وقت لیا۔ ٹرین وہاں سے شیڈول کے خلاف بارہ منٹ تاخیر سے روانہ ہوئی۔"

"کیوں؟" کیروف نے مطالبہ کیا۔

"کوئی وجہ نہیں۔ اگر وہاں سے کچھ فوجی چھٹی پر ماسکو جانا چاہتے تو ٹرین کو رکنا چاہیے تھا۔"

"لیکن کوئی فوجی چھٹی پر نہیں تھا، کیوں؟" اسمتھ نے کہا۔

"اچھا اندازہ ہے۔" لارا نے ستائش کی۔

"پھر انجینئر نے بارہ منٹ کی تاخیر کیوں کی؟"

کروف اٹھ کر کمپیوٹر کے قریب آگیا۔ گارڈز کے قتل کا وقت اور ٹرین کی روانگی...... درمیانی فاصلہ۔ "پہنچا جا سکتا ہے۔ کیروف کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

"سڑک؟" اسمتھ بے چین ہوگیا۔

"نہیں۔ سڑک سے فاصلہ زیادہ بنتا ہے۔ اسے اسپیشل فورسز کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی یا اس نے دیکھ لیا ہوگا۔ چنانچہ اس نے ناکوں کا اندازہ بھی لگا لیا ہوگا۔ وہ جنگل سے نکلا ہے۔ وہ اتنا دوڑ سکتا تھا۔ جنگلاتی فاصلہ، گارڈز کے قتل کے اوقات اور ٹرین کے وقت سے میچ کر رہا تھا۔ اس نے صرف دس یا بارہ منٹ زیادہ لیے۔" کیروف کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی۔ "لیکن ٹرین بارہ منٹ کیسے کھڑی رہی؟"

"اس مردود کے ساتھ کوئی ہے جس نے ٹرین کو روکے رکھا۔" اسمتھ کی آواز میں جارحیت در آئی۔ وہ لارا کی طرف مڑا۔ "وہ ماسکو جا رہا ہے۔"

لارا نے پھرتی سے کی بورڈ پر انگلیاں بجائیں۔

"سولہ منٹ۔" وہ ناگن کے مانند پھنکاری۔ "سولہ منٹ بعد ٹرین ماسکو کے سینٹرل اسٹیشن میں ہوگی۔"

☆☆☆

چوری کا دباؤ، کینیڈا پہنچنے کی جلدی اور برانڈی کے اثرات نے یاروینی کو جلد ہی سونے پر مجبور کر دیا۔ بریا کافی دیر سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ غافل ہوگیا تو بریا نے آگے بڑھ کر اس کا کان ہلایا۔ یاروینی گہری نیند میں تھا۔ بریا نے اس کے رخساروں پر تھپڑ مارے۔ "ہم پہنچنے والے ہیں۔ اٹھ جاؤ۔"

یاروینی نے جماہی لی اور سر کو گردش دی۔ اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ "یہاں سے کہاں جائیں گے؟"

"یہاں سے ہمارے راستے جدا ہو جائیں گے۔ کام ختم۔ اسٹیشن سے نکال کر تمہیں ٹیکسی میں بٹھا دوں گا۔ اس کے بعد تمہیں خود پر انحصار کرنا ہوگا۔" بریا نے بتایا۔

یاروینی نے ڈکار لی اور دروازے کی طرف بڑھا۔

"کہاں؟"

"ٹوائلٹ۔"

"بیٹھ جاؤ۔ اکثر ادھر ہی جائیں گے۔ تمہارا چہرہ نمایاں نہیں ہونا چاہیے...... آخر میں نکلنا...... یہی احتیاط کا تقاضا ہے۔"

یاروینی نے کچھ سوچا اور واپس بیٹھ کر سہانے خواب دیکھنے لگا...... بریا کے اشارے پر وہ اٹھا اور دونوں باہر نکلے۔

بڑی سی وین ایک جھٹکے کے ساتھ اسٹیشن کے باہر رکی۔ وین کے اندر اسمتھ، کیروف اور لارا موجود تھے۔ ان کے سر پر ہیڈ سیٹ تھا اور سامنے مانیٹر، جس میں شہر کے ٹریفک کا پیٹرن دکھایا جا رہا تھا۔ وہ متواتر ڈرائیور سے باتیں کر رہی تھی۔ کیروف کے سر پر بھی ہیڈ سیٹ تھا، وہ فیڈرل سیکیورٹی سروس کے ایلیٹ گروپ سے رابطے میں تھا۔

"کتنا وقت ہے؟" اسمتھ نے سوال کیا۔

"تیس سیکنڈ۔"

"تمہارے آدمی نظر نہیں نہیں آرہے؟"

"ہماری فورس، SWAT اور FBI سے مختلف ہے۔ یہ مختلف قسم کے عام لباس میں موجود ہیں۔ ان کے پاس یاروینی کی تصویر ہے۔ وہ ہر ممکن کوشش کریں گے کہ یاروینی کو زندہ پکڑ لیں۔"

"میری تصویر بھی ہے ان کے پاس؟ کہیں غلطی سے مجھے ہی شوٹ نہ کر دیں۔"

"معمولی امکان ہے...... بہرحال میرے قریب رہنا۔" کیروف نے کہا۔

اسمتھ کو پلیٹ فارم پر کم لوگ دکھائی دیے۔

"پچھلے ڈبے کھولیں گے تو رش بڑھ جائے گا۔" لارا نے کہا۔

"کہاں ہیں تمہارے آدمی؟" اسمتھ نے سوال کیا۔

کیروف نے کان کے پلاسٹک ریسیور پر ہاتھ رکھا۔ "مطمئن رہو وہ آس پاس ہیں......" اسمتھ کی نگاہیں مسافروں کو کھوج رہی تھیں۔

☆☆☆

بریا نیوز اسٹینڈ کے پاس کھڑا تھا۔ اخبار خرید کر اس نے ایک ستون سے ٹیک لگالی۔ بریا کو توقع نہیں تھی کہ جسیم آدمی واش روم سے باہر آسکے گا۔ اس کی دی ہوئی براندی میں سلو پوائزن شامل تھا۔ بریا نے واش روم میں جا کر اس کی جیبیں خالی کی تھیں۔ تاہم اس کی توقعات کے برعکس یاردیئی باہر آرہا تھا۔ بریا کا ہاتھ ایک بار پھر جیب میں موجود نورس ٹو ایم ایم پر چلا گیا۔ اس کی پیشہ ور تیز حسیات نے کچرا اسمیٹنے والے کو دیکھا جس نے اوورآل پہنا ہوا تھا اور کچرا سمیٹ کر ڈسٹ بن میں منتقل کرنے جا رہا تھا...... مشکوک بات یہ تھی کہ یاردیئی پر نظر پڑتے ہی وہ اپنا کام بھول گیا۔

''اگر ایک ہے تو اور بھی ہوں گے۔'' بریا کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجی۔ بریا نے ستون کی آڑ لے لی تاکہ یاردیئی اسے نہ دیکھ سکے۔ ساتھ ہی اس نے تیزی سے پلیٹ فارم کا جائزہ لیا اور دو مزید آدمیوں کو تاڑ لیا۔ ایک بظاہر الیکٹریشن دکھائی دے رہا تھا اور دوسرا ٹیکسی ڈرائیور......

اسے یقین تھا کہ ان تینوں کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں تو وہ بریا نہیں بلکہ یاردیئی کے چکر میں ہیں۔

بریا نے یاردیئی کو گالی دی۔ وہ یقیناً ایئرپورٹ سے صاف نہیں نکلا...... کوئی گڑبڑ کر آیا تھا اور بے دھڑک بریا سے جھوٹ بولا تھا کہ اسے وہاں سے نکلنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی۔ بریا نے یاردیئی کو بینچ کی طرف جاتے دیکھا۔ تینوں سادہ پوش غیر محسوس انداز میں یاردیئی کی نشست کے گرد تکون بنا رہے تھے۔ ان میں سے ایک کالر کے مائیک پر سرگوشیاں کر رہا تھا۔

اچانک بریا کی نظر ایک دراز قامت پر پڑی۔ جو اسی وقت دروازے سے گزر کر پلیٹ فارم پر آیا تھا۔ بریا نے پہچان لیا کہ وہ روسی نہیں تھا لیکن اس کے پیچھے آنے والا یقیناً روسی تھا اور وہ جنرل کیروف تھا۔ کیروف بریا کے لیے اجنبی نہیں تھا...... بریا کے ذہن میں خطرے کی گھنٹیوں کی آواز بلند ہوگئی۔

بریا پلر کی آڑ سے نکلا کہ یاردیئی اسے دیکھ سکے۔ دونوں کی نظر ٹکرائی۔ بریا کو امید تھی کہ یاردیئی اٹھنے کا اشارہ سمجھ لے گا۔ وہ پھر ستون کی آڑ میں چلا گیا۔ چند سیکنڈ بعد اس نے پھر ستون کی آڑ چھوڑی۔ یاردیئی پندرہ فٹ سے کم فاصلے پر تھا۔ بریا کی انگلیاں گن کے دستے سے لپٹ گئیں۔ وہ گن نکالنے ہی والا تھا کہ یاردیئی لڑکھڑاتا ہوا زمین بوس ہوگیا۔ فوراً اس پر نگاہ رکھے ہوئے تینوں سادہ پوش قریب تر ہو گئے۔

''میری مدد کرو۔''

یاردیئی لاعلم تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ اس کے سینے میں آگ سی لگی ہوئی تھی۔ اس کی نظر دھندلا گئی۔ تاہم وہ اب بھی بریا کو دیکھ سکتا تھا۔

''میری مدد کرو......''

بریا بلاتردد یاردیئی اور سادہ پوش افراد کی طرف بڑھا۔

''تم کون ہو؟'' ان میں سے ایک نے سوال کیا۔ ''تم جانتے ہو اسے؟''

''ٹرین میں ملاقات ہوئی تھی...... اوہ گاڈ، وہ سخت تکلیف میں ہے......'' بریا کا سلسلۂ تکلم منقطع ہوگیا...... اس کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا۔ بریا گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

''تمہیں ہمارے ساتھ چلنا......'' ایجنٹ کا جملہ نامکمل رہ گیا۔ بریا کی پہلی گولی نے اس کی گردن میں سرخ کھڑکی کھول دی۔ بریا کی پھرتی اور نشانہ قابلِ دید تھا۔ دوسری گولی دوسرے ایجنٹ کی کنپٹی میں گھس گئی، تیسرے ایجنٹ نے بریا کی گولی دل کے مقام پر وصول کی۔

''شوٹ!'' کوئی دہاڑا...... بریا اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ پلیٹ فارم پر افراتفری پھیل گئی تھی۔ کچھ مسافر بینچ کے پیچھے چھپ گئے تھے۔ دروازے کے پاس سے کیروف نے بریا کو گولی مارنے کا حکم دیا تھا۔ حسین ساحرہ بریا کی نظر میں نہیں تھی۔

''لارا شوٹ ہم!''

بریا، لارا کو دیکھنے کے لیے ایڑی کے بل گھوما۔ وہ لارا کی گن کے نشانے پر تھا۔ تین اور سائے اطراف سے اس پر جھپٹ رہے تھے۔

''نکل جاؤ۔'' لارا نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

بریا نے بلاتردد ایک عورت کی آڑ لے کر دوڑ لگائی...... لارا نے ٹانگیں پھیلا کر شوٹرز کا کلاسک انداز اپنایا اور بقیہ سادہ پوش ایجنٹوں کا صفایا کر دیا...... کیروف کا منہ کھلا رہ گیا۔ صدمے اور بے یقینی نے اس کے نقوش بگاڑ دیے۔ لارا اس کی طرف گھومی۔ فاسٹ بالر کی گیند بیٹ کو چھو کر سلپ میں کیچ ہونے کے لیے سیکنڈ کا سواں حصہ لیتی ہے۔ اسمتھ کو ادراک تھا کہ کیروف بروقت متحرک نہیں ہو سکے گا۔ جو کچھ ہوا، اس کے بعد یہ ممکن ہی نہیں تھا...... اسمتھ سیکنڈ کے قلیل ترین حصے میں کیروف سے ٹکرایا۔ تصادم ہوا اور گولی چلی...... اسمتھ الٹی قلابازی لگا کر واپس قدموں پر آیا اور

فائر کیے۔ دونوں گولیاں لارا کے مرمریں گداز بدن میں داخل ہو گئیں۔ وہ ستون سے ٹکرا کر گری۔ گن ہاتھ سے نکل چکی تھی۔

''دیکھو وہ زندہ ہے؟'' کیروف کی آواز میں کرب تھا۔ اس نے اپنا بازو چیک کیا۔ لارا کی گولی آر پار نکل گئی تھی۔ اس کے جبڑے سختی سے بھنچے ہوئے تھے۔ وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی نائب، اس کی محبوبہ ہی دغا باز نکلی۔ کیروف کو بائی وڈنیچ شاک لگا تھا۔ اب اسے صحیح معنوں میں اندازہ ہوا کہ ڈانکو کا ملک سے نکلنے کا فیصلہ درست تھا۔

''وہ ختم ہو گئی ہے...... میں یاردینی کو دیکھتا ہوں۔'' اسمتھ نے کہا۔

''مجھے لارا سے بہت سے سوالات کرنے تھے۔'' کیروف کے چہرے پر غم اور تفکر کا سایہ تھا۔ ''بہر حال تمہارا شکریہ۔''

اسمتھ راستہ بناتا ہوا یاردینی کی طرف لپکا۔ ایک نظر پڑتے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ بھی زندگی کی قید و بند سے آزاد ہو چکا ہے۔

ملیشیا مین اور پولیس مکھیوں کی طرح امنڈ آئے تھے۔ کیروف اپنے قدموں پر تھا۔ اذیت اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ تاہم وہ اتنا بودا نہیں تھا۔ بلند آواز میں اس نے احکامات جاری کرنے شروع کیے۔ منٹوں میں مسافروں کو باہر کا راستہ دکھایا گیا پھر میڈیا کو ہٹانے کے بعد کیروف، اسمتھ کے پاس آ گیا۔ جو گھٹنوں کے بل لاشوں کے پاس بیٹھا تھا۔ لارا اور یاردینی کی لاشوں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔

''منہ سے جھاگ نکل رہا ہے؟''

''زہر دیا گیا ہے۔'' اسمتھ نے جواب دیا۔

کیروف نے لارا کی بجھی ہوئی آنکھوں میں دیکھا۔

''اس نے یہ کیوں کیا؟ کس کے لیے؟ یاردینی؟''

''یاردینی اور بریا دونوں ہو سکتے ہیں۔'' اسمتھ کے ذہن میں سیاہ اوور کوٹ والے کا سایہ لہرایا۔ ''کون ہے بریا؟''

طبی عملہ قریب بیٹھ گیا تھا۔ ''نہیں...... نہیں، ابھی اس کو مت چھونا۔'' اسمتھ نے میڈیکل اسٹاف کو روک دیا۔

''بریا، آئیون بریا۔ وہ سربی فری لانس آپریٹر ہے۔'' کیروف نے جواب دیا۔ ''اس کی تاریخ خون آلود اور طویل ہے جو بالکن کے علاقے سے شروع ہوئی ہے۔''

کیروف نے رک کر دوبارہ کہا۔ ''وہ KGB کا [illegible] آدمی تھا۔ تاہم اس نے اپنی خونریزی اور [illegible] بڑھا دیا تھا۔ نئے مواقع اسے رشیا کے تبدیل ہونے [illegible] میسر آئے۔ اس نے مافیا اور مغرب کے لیے بھی کام [illegible] کر دیا۔ یہاں اس کے سر کی قیمت لگی ہوئی ہے۔''

اسمتھ نے کیروف کی آواز میں چھپا دکھ محسوس کر لیا۔

''کوئی ذاتی مخاصمت؟'' اس نے پوچھ ہی لیا۔

''ہاں، اس نے میرے دو آدمیوں کو اپنے مخصوص انداز میں ختم کیا تھا۔ دولت کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔''

اسمتھ نے احتیاط سے یاردینی کی جامہ تلاشی لی۔ پہلے اس نے ٹریول ڈاکیومنٹس، پاسپورٹ اور ٹکٹ برآمد کیے...... بالآخر اس کی انگلیاں کسی سرد چیز سے ٹکرائیں۔

''دستانے لاؤ۔''

پیرا میڈیکل نے گلوز فراہم کر دیے۔ اسمتھ نے احتیاط سے فلاسک نکال کر فرش پر رکھ دیا۔ اور برف کی بالٹی کا مطالبہ کیا۔ کیروف اور قریب آ گیا۔

''تھینک گاڈ۔'' وہ بولا۔

''فلاسک کا ڈیزائن ٹھیک ہے؟''

''ایمپولز کو لے جانے کے لیے یہ اسٹینڈرڈ ڈیزائن ہے۔ ''بائیو ہیزرڈ'' کا عملہ پہنچنے والا ہے۔''

اس دوران میں اسمتھ نے برف کے ٹکڑوں والی بالٹی میں فلاسک محفوظ کر دیا۔ فلاسک کی تھرمل لیئر کو بذریعہ نائٹروجن، ریزنگ پوائنٹ سے اوپر رہنا چاہیے تھا...... اس سے زیادہ اسمتھ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ محض ایک احتیاطی تدبیر تھی۔ باقی کام بائیو ہیزرڈ ٹیم نے کرنا تھا۔ اچانک اسے سناٹے کا احساس ہوا۔ ملیشیا مین نے تمام مسافروں اور اسٹیشن ورکرز کو نکال باہر کیا تھا۔ اب وہاں کیروف، اسمتھ اور لاشیں باقی رہ گئی تھیں۔

معاً کیروف نے سوال کیا۔ ''تم لڑائی بھڑائی بھی کرتے رہے ہو؟''

''ہاں۔'' اسمتھ نے گہری سانس لی۔ ''اور ہاں تم مجھے آئندہ جان کے نام سے پکار سکتے ہو۔''

''او کے، جان۔''

''مجھے بریا کے بارے میں کچھ اور بتاؤ۔''

''بریا صرف قاتل ہی نہیں ہے۔ وہ سہولت کار بھی ہے۔ اگر تم کوئی شے یا شخص کو ملک سے باہر نکالنا چاہتے ہو تو وہ یہ کام گارنٹی سے کر سکتا ہے۔''

''کیا تم نہیں سمجھتے کہ اس نے یاردینی اور لارا کی ...

سے منصوبہ بندی کی اور کامیابی سے عمل کیا؟"

"قتل اور آمد کیا ٹھیک۔ لیکن منصوبہ بندی، نہیں، یہ بریا کا کام نہیں ہے۔ نہ ذمے داری، اس کا کام یاردینی کے بائیو پرٹ سے نکلنے کے بعد ہوتا ہے کہ اس کی حفاظت کرے اور باہر نکال دے۔"

"باہر کہاں؟"

کیروف نے کینیڈین پاسپورٹ دکھایا۔ امریکا اور کینیڈا کی سرحد وہ مقام ہے جہاں سے اسمال پاکس تمہارے ملک پہنچائی جائے گی۔" اسمتھ کو لگا کہ اس کی قمیص میں چھوٹے چھوٹے کیڑے رینگ رہے ہیں۔

"تمہارا مطلب ہے کہ یاردینی نے وائرس چرایا اور وہی کوریئر ہے؟"

"کوریئر؟ پاسپورٹ ٹکٹ حاصل کرنا، یاردینی کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ صرف چوری کر سکتا تھا۔ باقی کام بریا نے کیا، جس کے پاس خاصی رقم تھی۔ رقم بریا کو اس سے کام لینے والوں نے مہیا کی...... بریا کو گھیرنے کے لیے اسے بیرونِ ملک شہریت کے ساتھ بھاری معاوضے کی ادائیگی شامل ہوگی...... امریکا، کینیڈا بارڈر پر ان گنت خفیہ مقامات ہیں جہاں سے وہ امریکا میں داخل ہو سکتا تھا۔"

"معاف کرنا، لارا کو کہاں فٹ کرو گے؟"

کیروف نے منہ پھیر لیا۔ "سازشیوں نے یاردینی کو خاص موقع پر فعال کرنا تھا۔ ماسکو میں تمہاری موجودگی ان کے لیے ایک اتفاق تھی...... ایک بدمزہ اتفاق۔ انہیں فوری فیصلہ کرنا تھا...... بصورتِ دیگر اتنی بڑی سازش کا تختہ ہو جاتا۔ چنانچہ یاردینی کو فوراً متحرک کر دیا گیا۔ کسی نے اسے ٹپ دی کہ کیا ہونے والا ہے......"

"لارا نے اسے اطلاع دی تھی؟" اسمتھ نے کہا۔

"اور کون ہو سکتا ہے۔"

"لیکن وہ تنہا نہیں ہو سکتی...... اصل منصوبہ ساز کی آنکھیں اور کان لارا تھی۔ میرا ابھی خیال ہے۔ ورنہ میری آمد پر اتنی تیزی سے ردِعمل نہ ہوتا۔ لارا نے منصوبہ ساز سے رابطہ کیا اور انہوں نے گرین سگنل دے دیا۔ یاردینی حرکت میں آیا...... ادھر فورسز بھی الرٹ ہو گئیں۔ یاردینی کی قسمت اچھی تھی کہ وہ چند منٹ پہلے نکل گیا۔" اسمتھ خاموش ہو گیا۔

"جان یہ کیسی خوش قسمتی تھی؟ وہ بھی غداری کرتے ہوئے مارا گیا اور لارا بھی......" کیروف خاموش ہو گیا۔ لارا کی غداری اور موت کے اثرات پوری طرح اس پر سے کم نہیں ہوئے تھے۔ "دولت بڑی چیز ہے۔ کچھ بھی کروا سکتی ہے۔"

"خوش قسمت بریا ہے۔" اسمتھ نے کہا۔

"فی الحال۔" کیروف کے جبڑے بھنچ گئے۔

اسی وقت بائیو ہیزرڈ ٹیم اسٹیشن میں داخل ہوئی...... مخصوص فلاسک کو فولاد کے باکس میں سیل کر دیا گیا۔ ٹیم کا ٹرک بھی خاص تھا...... منٹوں میں وہ ٹرک میں روانہ ہو چکے تھے۔

"یہ ٹیم کہاں جائے گی؟"

"ماسکو کے سربسکی انسٹی ٹیوٹ۔" کیروف نے جواب دیا۔

اسمتھ وائرس ہنٹرز کو ٹرک کے ساتھ روانہ ہوتے دیکھ رہا تھا۔

"میں بریا کا بندوبست کرتا ہوں۔" کیروف نے قدم بڑھائے۔

اسمتھ سوچ رہا تھا کہ راتوں رات آناً فاناً بہت کچھ تبدیل ہو گیا۔ اسے کوئی شک نہیں تھا کہ اصل پلان میں کچھ ترمیم کی گئی ہے۔

تین انڈے

سوزی نے ایک مدت کے بعد گھر کی خوب صفائی کرنے کی ٹھان لی۔ شادی کے پچھلے بیس برسوں میں مسہری کے نیچے کاٹھ کباڑ کا ایک انبار جمع ہو گیا تھا۔ اس نے مسہری سرکا کر وہ سب نکالا تو اسے قدرے صاف ستھرا ایک چوبی ڈبا نظر آیا۔ سوزی کو حیرت ہوئی کہ اس پر گرد و غبار کی تہیں کیوں نہیں تھیں۔ ڈبا کھولا تو اس میں تین انڈے اور اس ہزار ڈالر موجود تھے۔

شام کو شوہر کی واپسی پر اس نے ڈبے کا ذکر کیا تو اس نے معذرت کرتے ہوئے بتایا کہ وہ جب بھی سوزی سے بے وفائی کا مرتکب ہوتا ہے تو ڈبے میں ایک انڈا ڈال دیتا ہے۔ سوزی نے دل میں سوچا کہ بیس برس میں شوہر کا صرف تین بار بہکنا قابلِ معافی ہے۔ اس نے اگلا سوال ڈالرز کے بارے میں کیا۔

"بکس چھوٹا ہے۔" شوہر نے ایمان داری سے بتایا۔ "انڈے زیادہ ہو جاتے ہیں تو میں انہیں بیچ کر رقم اسی ڈبے میں ڈال دیتا ہوں۔"

کوٹری سے حمیرا اقبال کا تعاون

''جنرل۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''یاردینی گولی سے نہیں مرا۔ اسے بریا نے زہر دیا تھا۔''

''کیا کہنا چاہ رہے ہو؟''

''میری آمد کے بعد پلان تبدیل ہوا ہے...... میرا خیال ہے کہ نئے احکامات کے مطابق بریا کی ذمے داری یاردینی نہیں بلکہ اسمال پاکس وائرس تھا۔''

''لیکن وائرس کے نمونے یاردینی کی تحویل سے برآمد ہوئے ہیں...... تم نے دیکھا نہیں؟''

''جنرل، نہیں۔ میں نے نہیں دیکھا۔ میں نے صرف مخصوص فلاسک دیکھا ہے...... کیا تم جاننا نہیں چاہو گے کہ اس کے اندر کیا ہے؟''

☆☆☆

شٹل بس، ماسکو کے پُرہجوم ٹریفک میں مدغم ہو گئی۔ اوقات کار کے باعث وہاں صرف چھ سواریاں تھیں۔ بریا، عقبی نشست پر دروازے کے قریب بیٹھا تھا۔ عام گاڑیوں کے علاوہ ملیشیا کی گاڑیاں بھی گزر رہی تھیں...... اگر انہیں پتا چل جاتا......

بریا کو بس روک لیے جانے کی پروا نہیں تھی۔ وہ جنرل کیروف کے معاملے میں بھی مطمئن تھا جس نے بریا کے سر کی قیمت سو ہزار روبل مقرر کی تھی۔ جنرل شدومد سے چھان بین کر رہا ہو گا۔ اس کا پہلا خیال ٹیکسیوں کی طرف جائے گا...... ٹرین اسٹیشن پر پولیس کو بریا کے فوٹو دکھائے جائیں گے کہ وہ بھی گاڑیوں پر نظر رکھیں...... آخر میں کیروف کا خیال بس کی طرف آئے گا۔ تاہم فوری طور پر نہیں۔ اتنی دیر میں بریا کو دور نکلنے کا وقت مل جائے گا۔ وہ ایک خطرناک اور چالاک آدمی تھا، الجھاؤ اور بلف اس کے دو اہم ہتھیار تھے۔ بریا نے اوور کوٹ میں اصلی فلاسک کو محسوس کیا اور مسکرایا۔

کیروف نقلی فلاسک دریافت کر کے خوش ہو گا۔ اس کا پہلا قدم ہو گا کہ وائرس کنٹینر کو واپس محفوظ جگہ پر پہنچا دیا جائے...... جب تک وہ خود حماقت تک سے نکل چکا ہو گا...... وہ مسکرایا اور کھڑکی سے باہر جھانکا۔

...... ائیرپورٹ کے آثار نظر آ رہے تھے۔

☆☆☆

...... اور سربسکی انسٹی ٹیوٹ پہنچ چکے تھے۔

''...... کے کی؟''

...... کیروف نے بتایا۔

اسمتھ ...... تھا۔ ...... ہم اس کی ...... اعلان کر دیں

تھی کہ وقت ضائع ہو رہا ہے۔ فیڈرل سکیورٹی ...... کے اسکواڈ کے ایک ایجنٹ کو لے کر کیروف ...... کے ذریعے دوسری منزل پر آ گیا۔ اسمتھ ہمراہ تھا۔ ...... منزل پر تھی۔ انسٹی ٹیوٹ کا ڈائریکٹر، دبلا پتلا ...... آدمی تھا۔ کیروف نے جب اسے بتایا کہ اس کا ...... کیروف کی سینٹرل کمانڈ پوسٹ شمار ہو گا تو وہ ...... گیا۔

''ٹیسٹ رزلٹ آتے ہی مجھے فوراً اطلاع کرو۔'' کیروف نے اسے ہدایت کی۔ وہ عجلت زدہ انداز میں ...... نکل گیا۔

کیروف گہری سانس لے کر اسمتھ کی جانب متوجہ ہوا۔ وہ کافی حد تک سنبھل چکا تھا۔ ''جان، جو کچھ ہو چکا ہے اس کے بعد یہ بہتر وقت ہے کہ تم تفصیل سے مجھے بتاؤ کہ تم یہاں کیوں آئے اور تم کس کے لیے کام کر رہے ہو؟''

اسمتھ نے جنرل کے الفاظ کو تولا۔ اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ رشین اسمال پاکس کو نکلنے سے نہیں روک سکیں گے۔ وقت تیزی سے بھاگ رہا تھا۔ اسمتھ نے فیصلہ کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کی......

''کیا تم میرے لیے محفوظ کمیونیکیشن کا انتظام کر سکتے ہو؟''

کیروف نے ڈیسک کے فون کونسول کی طرف اشارہ کیا...... تمام لائنز محفوظ ہیں...... سیٹلائٹ سے لنک ہیں۔ میں باہر انتظار کرتا ہوں۔''

''نہیں۔'' اسمتھ نے انکار کیا۔ ''تم سنو کیا بات ہوتی ہے۔''

اسمتھ نے نمبر ملایا۔ وہ جانتا تھا کہ کون جواب دے گا۔

''کلین اسپیکنگ۔''

''سر، میں سربسکی انسٹی ٹیوٹ میں ڈائریکٹر کے آفس میں ہوں۔ میجر جنرل کیروف میرے ساتھ ہیں۔ اب تک کی صورت حال بتا رہا ہوں۔''

''شروع ہو جاؤ۔''

اسمتھ نے دس منٹ میں تمام رام کہانی گوش گزار کر دی اور بتایا کہ ٹیسٹ رزلٹ آنے میں پندرہ منٹ رہ گئے ہیں۔

''اسپیکر آن کر دو۔'' کلین نے ہدایت دی۔

اگلے لمحے کلین کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔ ''جنرل کیروف؟''

''کیس؟''

''میرا نام ناتھن کلین ہے۔ میں وہی کام کرتا ہوں جو تمہاری حکومت کے لیے ولیری ایپناتوف کرتا تھا۔ درحقیقت ولیری اور میں ایک دوسرے سے بخوبی واقف تھے۔''

اسمتھ نے دیکھا کہ کیروف کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

''جنرل؟'' کلین کی آواز آئی۔

''یس، میں سن رہا ہوں...... میں...... میں سمجھ گیا...... مسٹر کلین۔'' جنرل ولیری کا نام سن کر بوکھلا گیا تھا۔ ولیری ایپناتوف ایک سائے کا نام تھا، اس کے بارے میں افواہیں تھیں کہ وہ پریذیڈنٹ پورٹرینکو کا سب سے معتبر مشیر تھا۔ وہ کبھی کاؤنسل میٹنگ میں دکھائی نہیں دیا۔ صرف چند ہی لوگ یہ دعویٰ کرسکتے تھے کہ انہوں نے ولیری کو دیکھا ہے، اس کی طاقت اور اثر ناقابلِ تردید تھا...... اور کلین اسے جانتا ہے۔ اس انکشاف میں بہت کچھ پوشیدہ تھا۔

''جنرل۔'' کلین نے کہا۔ ''مزید کسی پیش رفت سے قبل ریاست کے کسی بھی سیکیورٹی ادارے کو بھنک نہیں لگنی چاہیے۔ ایسا ہوا تو دہشت پھیلتے دیر نہیں لگے گی اور جس کا فائدہ بریا اٹھائے گا۔''

''میں اتفاق کرتا ہوں، مسٹر کلین۔''

''پلیز، مجھے بتاؤ کہ ہم کیا مدد کرسکتے ہیں؟''

''میں اس پیشکش کی قدر کرتا ہوں۔'' کیروف نے ایمانداری سے کہا۔ ''لیکن تاحال یہ رشیا کا اندرونی معاملہ ہے۔''

''تمہارے ذہن میں ہماری جانب تیار رہنے کے لیے کوئی تجویز؟''

کیروف نے اسمتھ کی جانب دیکھا۔ ''نو سر، فی الوقت نہیں۔'' اسمتھ نے جواب دیا۔

کیروف دوسری لائن کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے روسی زبان میں مختصر بات کی اور پُرتشویش نظروں سے اسمتھ کی طرف دیکھا۔

''فلاسک میں سے چائے برآمد ہوئی ہے۔'' اس نے اعلان کیا۔

کلین نے بھی بُری خبر سن لی۔

''بریا نے فلاسک تبدیل کردیے تھے۔ اسی لیے اسے زہر دیا گیا۔ بریا چاہتا تھا کہ ہم اس خوش فہمی میں رہیں کہ ہم نے چور کو وائرس کے ساتھ بروقت پکڑ لیا ہے۔'' اسمتھ نے کہا۔

''یعنی بریا خود اسمال پاکس رشیا سے باہر لے جائے گا۔''

کلین خاموشی سے سن رہا تھا۔

''اس وقت اسے شیرمیٹیوو ائرپورٹ پر ہونا چاہیے...... جتنا وقت وہ حاصل کرچکا ہے، کسی بھی وقت وہ دنیا سے پرواز کرے گا۔ اسمال پاکس سے بھری کمرشل ائرلائن پر دیوانگی ہے...... خدا جانے وہ کہاں اترے؟''

''کیا ہم بروقت وہاں پہنچ سکتے ہیں یا وہاں پولیس کو مطلع کریں؟''

''نہیں۔'' کلین کی آواز آئی۔ ''آخری بات یہ ہوگا کہ فوراً ائرپورٹ بند کردیا جائے۔''

''میں صدر سے بات کرتا ہوں۔''

''فوراً...... جتنی جلدی ہو سکے۔''

اسمتھ نے کلین کی آواز میں خفیف سا اضطراب محسوس کیا۔

☆☆☆

بریا انٹرنیشنل ٹرمینل میں تھا۔ اسے کوئی غیر معمولی سرگرمی نظر نہیں آئی۔ وہ ڈیوٹی فری شاپس اور گفٹ شاپس کی طرف چل پڑا۔ تاہم وہ ماحول سے بے خبر نہیں تھا۔ فلائٹ کا وقت سر پر تھا۔ وہ ایک دکان پر شیشے کے دوسری جانب پرفیوم اور سگار کا ڈسپلے دیکھ رہا تھا۔ لیکن درحقیقت وہاں وہ کسی کے انتظار میں کھڑا تھا......

دفعتاً اس کا انتظار ختم ہوگیا۔ مسافروں میں اسے گول کھوپڑی کا چکنا چاند نظر آیا۔ چاند کا فاصلہ کم ہوا تو بریا نے دوسری شناخت دیکھی...... دو انڈے نما ابھری ہوئی آنکھیں اور پھولے ہوئے گال۔ ایڈم ٹریلور۔ ٹریلور کے تاثرات میں عجلت اور بے چینی کے ساتھ پریشانی بھی تھی۔

''ڈیوڈ۔'' بریا نے نرمی سے کوڈ نیم پکارا۔ کوڈ نیم سن کر ٹریلور مزید بدحواس ہوگیا اور متلاشی نظروں سے اطراف میں دیکھا۔ کسی نے اس کی کنپٹی کو چھوا۔

''ڈیوڈ، میں سمجھا کہ میں نے تمہیں کھو دیا ہے۔''

ٹریلور پلک جھپکائے بغیر سیاہ آنکھوں والے دراز قامت کو گھور رہا تھا جس کے پتلے ہونٹوں کی باریک مسکراہٹ دھاری دار بلیڈ کے مانند تھی۔

''تم دیر سے آئے ہو۔'' ٹریلور نے کہا۔

''میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔'' بریا نے اس کا بازو پکڑا اور بار کاؤنٹر پر لے آیا۔ وہ اسے لے کر کاؤنٹر کے

کو نے پہنچ گیا۔
''لیموں اور سنگترہ......'' بریا نے گنگناتے ہوئے
کہا۔
ایک لمحے کے لیے ٹریلور کا ذہن خالی ہو گیا۔ وہ فقرہ مکمل کرنے کے لیے الفاظ یاد کر رہا تھا۔ بریا سوالیہ نظروں سے ہونق زدہ ٹریلور کو تک رہا تھا۔
''......شاید ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔''
بریا مسکرانے لگا۔ ''لاؤ مشروب نکالو۔'' ٹریلور نے چھوٹا سا چرمی بیگ نکالا اور کاؤنٹر پر رکھ دیا۔ اس میں سے برانڈی کی بوتل نکالی...... بریا نے بوتل کھول کر اس طرح منہ سے لگائی جیسے گھونٹ بھر رہا ہو، پھر بوتل واپس ٹریلور کو پکڑا دی۔ اس نے بھی بریا کی نقل کی اور عین اسی وقت بریا نے فلاسک نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیا۔
''مسکراؤ۔'' اس نے بول چال کا انداز اپنایا۔ ''ہم دو دوست ہیں، جو ڈرنک شیئر کر رہے ہیں......'' بریا نے فلاسک کھولنا شروع کیا تو ٹریلور کی آنکھیں مزید اُبل پڑیں۔
''ہم میں سے ایک نے روانہ ہونا ہے اس لیے ہم ڈرنک ختم نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ دورانِ سفر لطف اندوز ہونے کے لیے میں تھوڑی سی برانڈی تمہیں دے رہا ہوں...... اندر بالائی حصے کے نیچے تمہاری مطلوبہ شے ہے...... اسے اندر سے خصوصی طور پر ڈیزائن کیا گیا ہے۔ اوپر برانڈی ہوگی۔ اب اگر انسپکٹر چیک کرنے کے لیے اسے کھولے گا تو اسے برانڈی کی مہک آئے گی۔'' بریا نے اسٹول پیچھے کیا اور کھڑا ہو گیا۔ ''سفر کے مزے لو۔'' اس نے ٹریلور کو آنکھ ماری۔ ''اور بھول جاؤ کہ تم نے مجھے کہیں دیکھا تھا۔''

☆☆☆

کچھ دیر بعد ایڈم ٹریلور میٹل ڈیٹیکٹر سے گزر رہا تھا۔ اسکینر نے سلنڈر نما شے کی نشاندہی کر دی...... گارڈ اسے ایک طرف لے گیا۔ دوسرے گارڈ نے بیگ کھولا اور فلاسک باہر نکالا۔ ٹریلور کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ [illegible]

اس نے مسکرا کر فلاسک [illegible] اور ٹریلور کو واپس کر [illegible] ''بہت ٹھنڈی ہے [illegible]''

[illegible] اسی وقت [illegible] کی ٹیم نے [illegible] ٹریلور طیارے میں

اپنی فرسٹ کلاس نشست سنبھال چکا تھا۔ [illegible] ائرلائن 767 کو گیٹ سے واپس لایا جا رہا تھا اور [illegible] والے نگراں کیمروں کے ٹیپ پر بریا کو تلاش کر رہے تھے۔
امریکن ائرلائن 1710 لندن سے ہوتی ہوئی براہِ راست واشنگٹن ڈولس انٹرنیشنل ائرپورٹ کے لیے روانہ ہو رہی تھی۔ وہ ائرفرانس ائربس کے پیچھے دوسرے نمبر پر تھی...... ائرکار 767 نکل نہیں پائی تھی۔ وزیرِ دفاع کی کال فلائٹ ڈائریکٹر کے پاس کنٹرول روم میں پہنچی تو 1710 کو گو (GO) کا اشارہ مل چکا تھا۔
کال سنتے ہی ڈائریکٹر، لاؤڈ اسپیکر میں حلق کے بل دہاڑا۔ ''ہر چیز روک دو...... بند کر دو...... شٹ ڈاؤن کر دو......'' چہروں کو کرنٹ لگا۔ وہ حیرت سے ڈائریکٹر کو دیکھ رہے تھے جیسے وہ پاگل ہو گیا ہو۔
''کیا بند کر دو؟'' ایک کنٹرولر کا منہ کھلا ہوا تھا۔
''بہرے ہو...... ائرپورٹ، مکمل ائرپورٹ!''
''سب کچھ؟''
''ہاں! کوئی چیز زمین سے فضا میں نہ جائے۔'' فلائٹ ڈائریکٹر نے میز پر گھونسا مارا۔
ٹاور کا ماحول یکسر بدل گیا۔ تمام سرگرمیاں ''فل اسٹاپ'' کے پیغام پر مرکوز ہو گئیں۔ کچھ طیارے فعال رن وے پر پوزیشن لینے کے لیے ٹیکسی کر رہے تھے۔ چند ایپرن میں منتظر تھے۔ کسی کے ذہن میں ٹیک آف کرنے والے طیاروں کا خیال تک نہ تھا...... جب خیال آیا تو امریکن 1710، ماسکو کی فضاؤں میں تھا۔ بلندی چھتیس ہزار فٹ تھی۔

ورجینیا، یو۔ ایس۔ اے

روشیا اور امریکا کے اوقات کی تفریق کے باعث امریکا کی مشرقی ساحلی پٹی پر آدھی رات کا وقت تھا۔ انتھونی پرائس، ورجینیا کے فورسٹ ہلز کے شمالی گارڈ ہاؤس میں داخل ہوا۔ کمپیوٹر نے جزئیات چیک کیں اور وہ ڈرائیو وے میں آگے بڑھ گیا۔ اس کا رخ جنرل رچرڈسن کی رہائش گاہ کی جانب تھا۔ توقع کے مطابق تیسری منزل کی بتیاں روشن تھیں۔
رچرڈسن اپنی اسٹڈی میں تھا۔ NSA (نیشنل سیکیورٹی ایجنسی) کے ڈپٹی ڈائریکٹر کو دیکھ کر جنرل نے کھڑے ہو کر کافی ٹرے کی طرف اشارہ کیا۔
''معذرت خواہ ہوں، اس وقت تمہیں بستر سے نکالنا پڑا۔ لیکن میری خواہش تھی کہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔'' رچرڈسن نے پرائس سے کہا۔ پرائس رات میں شاذ ہی چار

گھنٹے سے زیادہ نیند لیتا تھا۔ کافی لے کر اس نے رخ پھیرا اور کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''لارا ٹیلون کی جانب سے تازہ پیغام۔''

پرائس نے ابتدائی چند جملے پڑھے اور نظر اٹھائی۔ ''یعنی بائیو پورٹ میں تمام کام منصوبے کے مطابق ہے۔ مسئلہ کیا ہے؟''

''پورا پیغام پڑھو۔'' رچرڈسن نے اشارہ کیا۔ پرائس نے اسکرین کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھیں سکڑ گئیں۔

''جان اسمتھ؟ یہ مردود ماسکو میں کیا کر رہا ہے؟''

''لارا کے مطابق وہ ہمارے منصوبے میں ٹانگ اڑا رہا ہے۔''

''یہ کیونکر ممکن ہے؟'' پرائس بڑبڑایا۔

''مجھے نہیں معلوم۔ اس نے کیروف کو عین وقت پر چوکنا کر دیا تھا۔''

''لیکن بریا اور ٹریلور تو نکل چلے ہیں......؟''

رچرڈسن نے آنکھوں کو مسلا۔ ''اسی لیے تمہیں بلایا ہے۔ ان دونوں کے نکل جانے پر لارا کا پیغام آنا چاہیے تھا۔ جو نہیں آیا...... یہ دیکھو۔'' اس نے کی بورڈ پر انگلیاں چلائیں۔ CNN کی تازہ خبریں سامنے آگئیں۔ ماسکو ٹرین اسٹیشن پر کسی گڑبڑ کے نتیجے میں گولیاں چلی ہیں۔ تفصیلات مبہم ہیں اس لیے صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے لیکن لارا کہاں غائب ہے؟''

''لارا کو مردہ سمجھو۔'' پرائس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''روسیوں نے اصل خبر نکلنے نہیں دی۔''

''اگر اسے اٹھا لیا ہے...... اگر وہ کیروف کے پاس ہوئی؟''

''ناممکن۔ لارا پروفیشنل ہے۔ وہ زندہ ہاتھ آنے والی نہیں...... وہ جانتی ہے کہ ایسے معاملات میں زندہ گرفت میں آنے کا مطلب کیا ہوتا ہے؟'' پرائس نے اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔ ''کم از کم پانچ لاشیں ہیں۔ سب سیکیورٹی والے ہیں۔ میں آگاہ ہوں کہ بریا بہت اچھا ہے...... لیکن پانچوں کو گرانے کے لیے اسے مدد لینی پڑی ہوگی، جبکہ وہاں صرف پانچ نہیں ہوں گے...... میرا خیال ہے کہ لارا کو مداخلت کرنی پڑی۔'' دونوں خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد وہ گویا ہوا۔ ''بظاہر بریا صاف نکل گیا ہے۔ لیکن مسئلہ پھر بھی ہے۔ کیروف اور اسمتھ، لارا کی مصروفیات، رابطے...... وغیرہ کی چھان بین کریں گے۔ اگر انہیں کوئی کلیو مل گیا؟''

''لارا اتنی کچی ہوتی تو کیروف کی خوابگاہ میں نہ پہنچتی پاتی اور نہ اس کی نائب ہوتی۔ بالفرض محال کوئی اشارہ ملا بھی ہے تو اس میں کافی وقت ضائع ہوگا۔ یہ اتنا آسان نہیں۔ ویسے بھی ترجیحات یہ نہیں ہیں...... یہ بعد کی باتیں ہیں۔ بریا اور اسمال پاکس اس وقت اولین اور سنگین ترین مسئلہ ہے۔ ان کی ساری توانائی اس پر خرچ ہوگی۔ اگر ہم لارا کی اطلاع کے بعد پلان تبدیل نہ کرتے تو معاملہ بُری طرح الجھ جاتا۔ میرا خیال ہے کہ ہم کامیاب ہو چکے ہیں...... بس اطلاع ملنے کی دیر ہے۔''

''اسمتھ کا کیا ہوگا؟'' رچرڈسن نے استفسار کیا۔ جنرل کی بے چینی ختم نہیں ہو رہی تھی۔

''اس کا تعلق آرمی سے ہے۔ تم جانچ پڑتال کرو۔ کوئی اسرار ہے...... آخر وہ کس کے لیے کام کر رہا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اچھے خاصے رابطے ہیں۔ پہلے وہ وینس میں نمودار ہوا اور اب روس میں ہے۔ CIA کی انڈر کور ایجنٹ رینڈی رسل ماسکو میں ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ رینڈی کے لیے سات ہزار میل کا سفر طے کر کے وہاں پہنچا ہے...... اسمتھ کی ٹانگیں کاٹنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہو گیا ہے کہ اس کے باس کا پتا چلایا جائے جو آرڈر جاری کر رہا ہے۔''

☆☆☆

رینڈی رسل الارم سسٹم ڈی ایکٹیویٹ کر کے اندر داخل ہوئی۔ فوراً ہی زمین نے اس کے قدم پکڑ لیے۔ اسے احساس ہوا کہ وہ اکیلی نہیں ہے...... وہاں کوئی اور بھی تھا۔ حالانکہ سیکیورٹی سسٹم نے کسی مداخلت کا اشارہ نہیں دیا تھا۔ رینڈی نے ناک سکیڑی، مخصوص تمباکو کی مدھم خوشبو اس کی قوتِ شامہ سے ٹکرائی۔

''ساشا تم ہو؟'' اس نے پکارا۔

''میں ادھر ہوں، رینڈی۔'' ایک آواز آئی۔

رینڈی نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''ادھر، کدھر؟''

''فائل روم۔'' جواب آیا۔

''شیطان!'' رینڈی آفس کے پیچھے فائل روم میں چلی گئی۔ یہ کافی بڑا کمرا تھا جہاں جدید کمپیوٹر اور اس کے لوازمات موجود تھے۔ ساشا ریلو، جاپانی الیکٹرونک کمپنی کی خفیہ فائلز سے نیا وڈیو گیم ڈاؤن لوڈ کرنے میں مگن تھا۔

''ساشا، میں نے تمہیں پہلے بھی تنبیہ کی تھی۔ تم باز نہیں آؤ گے۔'' رینڈی نے آواز میں درشتگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ساشا سترہ سال کا دبلا پتلا لڑکا تھا۔ بالوں میں سرخی کے ساتھ نارنجی رنگ کا امتزاج تھا۔ قد لمبا اور آنکھیں تیز رفتت کی

حال تھیں...... وہ روس کا ایک گمنام کمپیوٹر جینئس تھا۔

ماسکو یونیورسٹی کے طلبا کے لیے بے ڈیجیٹل نے ایک سیمینار کی میزبانی کی تھی۔ وہیں ساشا نامی نابغہ ریڈی سے ٹکرا دیا تھا۔ ریڈی اس کی طرف اس لیے متوجہ نہیں ہوئی تھی کہ وہاں وہ سب سے کم عمر تھا بلکہ ریڈی کی دلچسپی وہ لیپ ٹاپ تھا جسے ساشا خاموشی سے استعمال کر رہا تھا۔ وہ ہیکنگ کے دوران رشین سینٹرل بینک کے مین فریم میں گھسا ہوا تھا۔ ریڈی دنگ رہ گئی۔ ساشا بینک کے سونے کے ذخائر کی سطح چیک کر رہا تھا۔

ریڈی ایک منٹ میں سمجھ گئی کہ وہ ایک ناقابلِ یقین نابغہ روزگار کو دریافت کر بیٹھی ہے۔ اس نے بہ آسانی لڑکے کو چیز برگر اور کوک کی دعوت قبول کرنے پر آمادہ کر لیا۔

دورانِ گفتگو نئے انکشافات ہوتے رہے۔ ساشا ماسکو سب وے کنڈیکٹر کا بیٹا تھا۔ ریڈی کی حیرانگی کی حدود وہاں تمام ہو گئیں، جب اسے معلوم ہوا کہ ساشا کا بلند تر آئی کیو مروجہ طریقہ کار کی گرفت سے باہر ہے۔ وہ ایک ایسا ہیرا تھا جسے قدرت نے خود تراشا تھا۔ اس کی یادداشت غضب کی تھی۔ بیوروکریسی کو ہائی اسکول سسٹم کے ہونہار طلبا سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ خود ساشا کو اپنی اصل قدر کا اندازہ نہ تھا۔

ریڈی نے اس کی فیملی سے بات کر کے ساشا کو بے ڈیجیٹل میں کام کرنے پر آمادہ کر لیا۔ وہ ہر روز چند گھنٹے وہاں گزارتا تھا۔ تاہم ریڈی نے اس پر کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی تھی۔ دونوں آپس میں بے تکلف ہوتے گئے۔ ریڈی نے ساشا کو چند جدید ترین سوفٹ ویئرز اور ٹیکنالوجی تک رسائی دے دی۔ تاہم اس نے لڑکے سے وعدہ لیا تھا کہ وہ ان کا غلط استعمال نہیں کرے گا۔ ساشا ایسی اطلاعات بھی ریڈی تک پہنچانے کی کوشش کرتا، جن کی ریڈی کو ضرورت نہیں تھی۔ ساشا کو مزہ آتا تھا...... اس کا مشغلہ تھا...... شوق تھا...... وہ اپنے طور پر نت نئی معلومات بطور تحفہ ریڈی کو پیش کرتا تھا۔

''او کے۔ کیا خاص بات تھی کہ تم نے میرا آنے کا انتظار بھی نہیں کیا؟''

''دِلی روڈ اسٹیشن شوٹنگ۔''

''فلم شوٹنگ؟'' ریڈی مسکرائی۔

''ار...... ار......'' ساشا نے ہاتھ سے گن کا اشارہ کیا۔

''راستے میں، میں نے خبر سنی تھی۔ کیا خاص بات ہے؟''

ساشا کی انگلیاں کی بورڈ پر حرکت کر رہی تھیں...... رہے تھے کہ یہ چیچن ہائی جیکر تھے۔''

''تو کیا ہوا؟'' ریڈی نے دریافت کیا۔

''تو ماسکو ائرپورٹ کیوں بند ہے؟''

ریڈی نے اس کے شانے پر سے جھک کر نظر ڈالی۔ ساشا فیڈرل سیکیورٹی سروس کے سسٹم میں داخل ہو کر چکا تھا۔ وہ شریمیتوف ائرپورٹ کی ڈیٹا بیس کھنگال رہا تھا۔ ''چیچن حملہ آوروں نے ائرپورٹ کو نشانہ بنایا'' ساشا نے مشکوک انداز میں کہا۔ ''میرا نہیں خیال کہ یہ بات...... اس سے بڑی بات ہے، ریڈی...... جسے FSS والے منظرِ عام پر نہیں آنے دے رہے۔''

ریڈی کچھ سوچ کر بولی۔ ''لنک بند کر دو۔''

''کیوں؟ میں بیک وقت پانچ کٹ آؤٹس استعمال کر رہا ہوں۔ اگر FSS والوں کو شک بھی ہو گیا تو وہ یہی سمجھیں گے کہ کسی نے بمبئی سے مین فریم کو ہیک کیا ہے۔''

''ساشا......''

''او کے، او کے۔'' اس نے لیپ ٹاپ بند کر دیا۔ ''ریڈی پریشان ہونے کی بات نہیں ہے، کٹ آؤٹ......''

''کٹ آؤٹ کو چھوڑو۔ میں سوچ رہی ہوں کہ ائرپورٹ کو شٹ ڈاؤن کیوں کیا گیا۔ یہ ایک ایمرجنسی صورت ہوتی ہے۔''

☆☆☆

کسی بڑے ائرپورٹ کو اچانک بند کر دینا ساز و سامان کی نقل و حرکت کے نقطۂ نظر سے ایک بھیانک خواب ہوتا ہے۔ اگرچہ مسافروں کو بھی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے...... کیروف اور اسمتھ وہاں پہنچے تو پانچ سو مسافر وجوہات تلاش کرتے پھر رہے تھے جبکہ عملے کے پاس کوئی معقول جواب نہیں تھا۔ مسلح ملیشیا نے پوزیشن لے لی تھی۔ گویا مسافر قیدی بن کر رہ گئے تھے۔ دکانوں، اسٹاف روم، کارگو ایریا، لاؤنج...... وغیرہ ہر جگہ کی تلاشی لی جا رہی تھی۔ افواہیں اتر دروں پر تھیں اور مسافروں کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ انٹرنیشنل ٹرمینل میں پھنسے ہوئے تھے، انہیں غصے سے زیادہ خوف و ہراس نے گھیرا ہوا تھا۔

''بریا کو ٹیپ پر دیکھا گیا ہے۔'' اطلاع ملتے ہی کیروف نے اسمتھ کو بتایا۔ دونوں راستہ بناتے ہوئے سیکیورٹی کمانڈ پوسٹ کی جانب بڑھے...... کمرا بڑے سے ٹیلی ویژن اسٹوڈیو کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ٹیکنیشن کنسول کے سامنے الرٹ کھڑے تھے...... کنسول

کیمروں کا معائنہ کر رہا تھا۔ کیمروں میں ٹائمرز لگے تھے۔ کیمرے ریموٹ کنٹرول کے ذریعے آپریٹ کیے جاتے تھے..... ٹیکنیشن نے ایک مخصوص جگہ کو زوم کیا ہوا تھا۔

''کیا ہے؟'' کیروف نے غور کیا۔ ٹیکنیشن نے کھانے پینے کے کاؤنٹر پر کونے میں اشارہ کیا۔ دونوں نے کونے کے مخصوص مانیٹر کو دیکھا۔

''شبہ تو مدھم ہے لیکن لگتا ہے کہ وہی ہے۔'' اسمتھ نے کہا۔ کیروف نے قریب ہو کے آنکھیں سکیڑیں۔

''ٹھیک ہے، وہی ہے۔''

''کیا خیال ہے..... وہ اپنے ساتھ کھڑے آدمی سے بات نہیں کر رہا؟'' اسمتھ نے استفسار کیا۔

''کیا تم امیج کو واضح کر سکتے ہو؟'' کیروف نے ڈائریکٹر سے سوال کیا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں پہلے ہی انتہائی سطح تک کلیئر کر چکا ہوں۔ مزید صاف کیا جا سکتا ہے لیکن ہمارے پاس مطلوبہ آلات نہیں ہیں۔''

اسمتھ، کیروف کو ایک طرف لے گیا۔ ''جنرل، بریا ہمارا اولین ٹارگٹ ہے لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کے ساتھ کون ہے؟''

کیروف نے اسکرین پر غیر واضح چہروں کی طرف دیکھا۔ ''روشنی بھی چہروں پر اس زاویے سے گر رہی ہے کہ مشکل ہو گیا ہے۔ ہمارے پاس جدید سوفٹ ویئر نہیں ہے۔''

اسمتھ نے پیشانی مسلی۔ ''تم بریا کو سب سے بہتر جانتے ہو۔ کیا اس نے کبھی پارٹنر کے ساتھ بھی کام کیا ہے؟''

''کبھی نہیں۔ بریا ہمیشہ اکیلا کام کرتا ہے.....''

اسمتھ دھندلے چہروں کو گھور رہا تھا۔ وہ مطمئن نہیں تھا۔ بریا اب تک ہر بار ان سے ایک قدم آگے رہا تھا.....

''جنرل یہ ٹیپ مجھے چاہیے..... شاید میں اسے واضح کرا لوں۔''

''ایجنسی میں؟''

''ہاں، اور مجھے لارا کا لیپ ٹاپ اور سیل فون بھی چاہیے۔''

''مل جائے گا۔''

''آخری سوال.....'' اسمتھ کی آواز میں سختی تھی۔ ''یہ ممکن ہے کہ بریا ٹرمینل میں نہ ہو؟'' اسمتھ کا نکتہ سمجھ کر کیروف کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''شٹ ڈاؤن سے قبل کون سی پروازیں نکل گئی تھیں اور ان کی منزل کے بارے میں بتاؤ۔'' کیروف نے ڈائریکٹر کو مخاطب کیا۔

ڈائریکٹر نے ڈپارچر شیڈول فراہم کیا۔ ''سوئس 101، ایئر فرانس 512، امریکن 1710۔ بریا ان میں سے کسی پر بھی ہو سکتا ہے..... کیروف نے جیٹ وے کے کیمروں اور تینوں فلائٹس کا ریکارڈ طلب کیا.....

''یہ ممکن ہے کہ بریا تینوں میں سے کسی فلائٹ پر ہو۔ جان، اس کے برعکس ایک غیر متوقع امکان بھی موجود ہے کہ وہ ایئرپورٹ سے نکل گیا ہو اور ابھی شہر میں ہی ہو۔''

اسمتھ کو ادراک تھا کہ کیروف کیا کہنا چاہ رہا ہے۔ تین طیارے فضا میں تھے..... تینوں میں مجموعی طور پر ایک ہزار مسافر تھے۔ جو مغربی یورپ جا رہے تھے اگر بریا کسی ایک پر تھا تو اسمتھ بین الاقوامی سطح پر کیا اقدامات اٹھا سکتا تھا؟

''اور اگر صورتِ حال الٹ گئی۔'' اسمتھ نے جنرل سے پوچھا۔ ''منزل پیرس، لندن اور زیورچ میں سے کوئی بھی نہیں ہے..... بلکہ ماسکو ہے تو تم اس غیر متوقع صورتِ حال کے لیے کیا کر سکتے ہو؟''

کیروف نے اسمتھ کی آنکھوں میں دیکھا اور سر ہلا کر فون کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

کیروف حقیقت کے قریب تر ہو چلا تھا کہ بریا ایئرپورٹ سے نکل گیا ہے اور شہر میں ہے..... لیکن وہ زیادہ دیر ماسکو میں نہیں رکے گا..... اُدھر بریا ایئرپورٹ سے نکل کر شٹل بس کے ذریعے براہِ راست ماسکو کے مرکزی بس ڈپو پر اترا۔ کاؤنٹر پر آ کر اس نے سینٹ پیٹرس برگ کا ون وے ٹکٹ لیا..... بیس منٹ کے بعد بس روانہ ہو گئی۔

☆☆☆

جیٹ وے کے ٹیپ دیکھنے میں کیروف اور اسمتھ نے تیس منٹ لیے۔ تین فلائٹس پر جو مسافر روانہ ہوئے تھے، ٹیپ میں ان کی شناخت تقریباً ناممکن تھی۔ محض شک کیا جا سکتا تھا۔

''پہلا جہاز سوئس ایئر 101/ ایک سو ایک، دو گھنٹے بعد زیورچ پہنچے گا۔'' اسمتھ نے گھڑی دیکھی۔

''انہیں کالز کر دینی چاہئیں۔'' کیروف نے فیصلہ سنا دیا۔

1980ء کی دہائی دہشت گردی کا سنہرا دور تھا۔ نتیجے میں اس بلا سے نمٹنے کے لیے پلان بنائے گئے۔ ہائی جیکنگ بھی اس میں شامل تھی۔ ایئر لائن ہائی جیکرز اپنے ساتھ دھماکا خیز مواد رکھتے تھے..... ان سے نمٹنے کے لیے اگر

منصوبہ بندی کی گئی۔ دوسرا خطرہ کیمیائی ہتھیاروں کا تھا۔ اس کے لیے بھی مخصوص منصوبہ زیرِ عمل رہا۔

کیروف نے بیک وقت سوئس انٹرنل سیکیورٹی، انگلش M15 (ایم آئی فائیو)، فرنچ ڈوزیم (ڈوزی۔ایم) (Deuxieme) کو رابطے میں لیا۔ تینوں خفیہ ایجنسیاں لائن پر آئیں تو اس نے اسمتھ کو اشارہ کیا جو کلین سے بات کر رہا تھا..... اس نے کانفرنس کال کے ذریعے کلین کو شامل کرلیا۔ متعلقین بے خبر تھے کہ امریکی گفتگو سن رہے ہیں۔

"جنٹل مین۔" کیروف نے آغاز کیا۔ "ہم چاروں کو ایک بحران کا سامنا ہے۔" اس نے پس منظر کی تفصیل میں جائے بغیر اپنے سامعین کو بتایا کہ کیا ہوسکتا ہے— کس کے پاس کتنا وقت ہے اور کیا کرنا چاہیے......

"تم نے امکان کی بات کی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ بریا کی موجودگی کی تصدیق ہو سکے؟" فرنچ ایجنسی کی طرف سے سوال اٹھا۔

"میری شدید آرزو ہے..... لیکن اگلے دو گھنٹوں میں جب تک میں اسے گرفت میں نہیں لیتا..... ہم فلائٹ پر اس کی موجودگی کے مفروضوں پر کام کرنے کے لیے مجبور ہیں۔" کیروف نے جواب دیا۔

"اس کی فائل کہاں ہے؟" ایم آئی فائیو نے استفسار کیا۔

"تفصیل محفوظ ای میل کے ذریعے بھیج دی گئی ہے۔"

"کیا یہ پتا چل چکا تھا کہ تم اس کے پیچھے ائرپورٹ آرہے ہو؟" سوئس ایجنسی کی طرف سے سوال آیا۔

"یہ ممکن ہے۔"

"کیا اس بات کا امکان ہے کہ وہ فضا میں کیمیائی ہتھیار استعمال کرے؟"

"وہ کوریئر ہے۔ دہشت گرد نہیں..... اس کا مالی فائدہ اسی میں ہے کہ وہ وائرس کو منزل تک پہنچا دے۔"

تینوں ایجنسیاں آپس میں صورتِ حال پر مشورہ کرنے لگیں۔ بظاہر جو بحران ان کی جانب بڑھ رہا تھا، اس سے نمٹنے کے لیے چوائس زیادہ نہیں تھی۔

"پہلی فلائٹ ہماری زمین پر اترے گی۔ لہٰذا کھیل یہاں سے شروع ہوگا۔" سوئس ایجنسی نے کہا۔ "ہم اسے ایک موثر دہشت گردی کے طور پر دیکھیں گے۔ اگر برِیا جہاز پر ہوا تو ہماری بھرپور کوشش ہوگی کہ کوئی اشتعال یا تشدد نہ ہو۔ ہمارا جارحانہ اسمال پاکس ہے۔ متعلقہ ٹیم اور ضروری سازوسامان موجود ہوگا۔ تاکہ وائرس پھیلنے کی صورت میں اسے محدود رکھا جاسکے لیکن اگر وہ جہاز پر نہ ہوا تو فلائٹ پر دوسروں کو مطلع کردیں گے۔"

فرنچ ایجنسی کے آدمی نے کہا۔ "ائر فرانس... منٹ بعد پیرس میں پہنچے گی۔" انہوں نے اپنی ملک کی وضاحت کی۔

"میں تجویز دوں گا کہ ہمیں ایک اوپن لائن رکھنی پڑے گی جس کی مدد سے ہم لمحہ بہ لمحہ ایک دوسرے سے رہیں گے۔ یہ تینوں ایجنسیوں کے درمیان ہاٹ لائن ہوگی۔" ایم آئی فائیو نے مشورہ دیا۔

"میں یاد کرادوں کہ لندن پہنچنے والی فلائٹ امریکی ہے۔ ضروری ہے کہ میں امریکی سفیر کو اعتماد میں لوں۔" کیروف بولا۔

کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

کچھ دیر بعد صرف کلین لائن پر رہ گیا۔ اسمتھ، کیروف کے ساتھ تھا۔ "جان، تم واپس آرہے ہو؟" کلین کی آواز سنائی دی۔

"ایک تجویز ہے سر؟"

"کہو۔"

"مجھے میدانِ جنگ میں رہنا چاہیے۔ اگر کیروف مجھے سواری مہیا کرتا ہے تو میں یورپ کی فضاؤں میں رہوں گا۔ قبل اس کے کہ سوئس فلائٹ زمین کو چھوتی ہے۔ میں براہِ راست صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہوئے لائیو رپورٹ دیتا رہوں گا..... ضروری ہوا تو جائے واردات پر اتر جاؤں گا۔"

"جنرل کا کیا خیال ہے؟"

"خیال بُرا نہیں ہے۔" کیروف نے جواب دیا۔ "سر، روس کے علاوہ میں یورپ کی فضاؤں میں رہوں گا اس لیے بظاہر کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تاہم آپ میری لوکیشن کے مطابق متعلقہ حکومتوں کو باخبر رکھیے گا۔ کوئی مناسب بہانہ کیا جاسکتا ہے۔ شاید مجھے جرمنی کی فضائی حدود سے بھی گزرنا پڑے....."

"اطمینان رکھو۔" کلین نے یقین دہانی کرائی۔

☆☆☆

"کیا یہ اتفاق ہے کہ میں توقع کررہی تھی کہ آج تم آؤ گے؟" ریجنڈی رسل نے اظہارِ حیرت کیا۔

اسمتھ مسکرایا۔ "ضروری بات ہے..... وہ تمہارا سرخ بالوں والا جادوگر لڑکا کہاں ہے؟"

"خیریت؟"

"آفس میں چلو۔"

اسمتھ نے وڈیو پیس ...... لارا کا لیپ ٹاپ اور سیل فون برآمد کرتے ہوئے مدعا بیان کیا...... جتنا وہ بتا سکتا تھا، اتنا ہی بتایا۔

”تم نے ائرپورٹ کی خبر تو سنی ہوگی؟“

”ہاں، نامعلوم وجوہات کی بنا پر اسے بند کیا گیا ہے۔“

”انہیں ایک آدمی کی تلاش ہے...... ہمارے لیے بھی انتہائی ضروری ہے کہ ہم اسے پکڑ لیں۔“

”یہ کس لیے؟“ ریڈی نے لیپ ٹاپ اور سیل فون کی طرف اشارہ کیا۔

”ریلوے اسٹیشن کے خون خرابے اور ائرپورٹ کی بندش کا آپس میں تعلق ہے۔ دو ملکوں کے سازشی عناصر کے درمیان رابطہ کاری کے بعد ایسا ہوا ہے...... سیل فون سے شاید کچھ نہ ملے۔ لیکن لیپ ٹاپ سے ای میلز کی شکل میں کچھ نہ کچھ مل سکتا ہے...... شاید۔“ اسمتھ نے جواب دیا۔

”یہ پوچھنا بے معنی ہے کہ سازش اعلیٰ سطح پر ہے اور سازشی عناصر پیشہ ور ہیں...... لہٰذا کچھ ملا بھی تو وہ کوڈڈ ہوگا۔ کوڈ یا انکرپشن کو توڑنے میں کچھ وقت صرف ہوگا...... کتنا؟ یہ ساشا کی کھوپڑی پر منحصر ہے۔ البتہ اگر کچھ ہوا تو وہ یقیناً کر لے گا اور ٹیپ بھی صاف کر دے گا۔“

”بہت خوب...... تقریباً ایک گھنٹے میں، میں ماسکو چھوڑ دوں گا۔ میرا خفیہ نمبر تمہارے پاس ہے۔ جیسے ہی کوئی کامیابی حاصل ہو، مجھے مطلع کرنا۔“

”ضرور...... اپنا خیال رکھنا۔“

☆☆☆

دہشت گردوں سے نمٹنے کے لیے دنیا بھر میں سوئس اعلیٰ ترین لوازمات اور بہترین ٹیم سے مزین ہیں۔ جسے اسپیشل آپریشن گروپ کے نام سے پہچانا جاتا ہے...... وزیر دفاع کی جانب سے اشارہ ملتے ہی مذکورہ ٹیم برق رفتاری سے زیورچ انٹرنیشنل ائرپورٹ پہنچ گئی۔

جہاز پہنچنے سے قبل کمانڈوز پوزیشن لے چکے تھے۔ ان میں سے نصف نے سوئس بارڈر پٹرول کی وردیاں پہنی ہوئی تھیں۔ اسٹیشن یا ائرپورٹ پر اس قسم کے وردی پوش، مسافروں کے لیے عام بات تھی۔ باقی نصف مختلف لباس میں پوشیدہ تھے...... مکینک، فیول بھرنے والے، سامان لے جانے والے، کیٹرنگ سروس وغیرہ...... یہ لوگ مہلک ہتھیاروں سے لیس تھے۔ لباس کے نیچے MP-5 سب مشین گن، اسموک گرینیڈ، اسٹن (Stun) گرینیڈ...... یہ

پہلا دائرہ تھا جو صورتِ حال تبدیل ہوتے پر ”پرفیکل فراری“ کے خلاف ردِعمل کے لیے تربیت یافتہ تھا۔ دوسرا دائرہ بارڈر پٹرول کی وردیوں میں پوشیدہ کمانڈوز کا تھا، اگر بریا کسی طرح اس دائرے کو توڑنے کی کوشش کرتا یا نکلنے میں کامیاب ہوتا تو کمانڈوز کو حرکت میں آنا تھا۔ تیسرا اور آخری دائرہ شارپ شوٹرز کا تھا جنہوں نے انٹرنیشنل ٹرمینل کی چھتوں اور ہینگرز پر پوزیشن لی ہوئی تھی۔ کس صورتِ حال میں کس نے کیا کرنا تھا، منصوبہ بندی مکمل تھی۔ غیر متوقع اور بگڑتے حالات کی صورت میں آخری حکم بریا کے خاتمے کا تھا۔ تین عدد شارپ شوٹرز نے بریا کو نشانہ بنانا تھا۔ وہ تینوں شوٹرز جدید مواصلاتی آلات کے ذریعے آپس میں بات کر سکتے تھے۔ گولیاں گردن اور سر میں مارنی تھیں...... قتل کی ہڈی کے نیچے کہیں فائر نہیں کرنا تھا۔

☆☆☆

بس کے ذریعے بریا سینٹ پیٹس برگ اسٹیشن پہنچا۔ اسی وقت سوئس ائر نے زیورچ کی سرزمین کو چھوا۔ بریا لاکر ایریا کی طرف جا رہا تھا۔ وہاں اس نے جیب سے چابی نکالی اور ایک لاکر کھول کے سستا سا سوٹ کیس برآمد کیا۔ واش روم میں اس نے سوٹ کیس میں سے گہرے نیلے رنگ کا بلیزر، سرمئی پتلون، اسپورٹس شرٹ نکالی...... سوٹ کیس میں ایک جیکٹ اور متعدد پلاسٹک بیگ بھی تھے۔ بیگس میں ہری بیج سیوزیم کے سووینئر بھرے ہوئے تھے...... والٹ، ہوائی سفر کا ٹکٹ، پاسپورٹ، کریڈٹ کارڈز اور امریکن کرنسی تھی۔ بریا نے نیا لباس زیب تن کر کے پاسپورٹ کھولا...... تصویر میں اس نے یہی لباس پہنا ہوا تھا۔ نام کی جگہ جان اسٹاک لکھا تھا...... امریکی شہری، جو بالٹی مور کی کنسٹرکشن کمپنی میں بطور سول انجینئر تعینات تھا۔

بریا نے پرانے کپڑے سوٹ کیس میں منتقل کیے اور باہر آ گیا۔ کوک کی بوتل خرید کر اس نے ہجوم کا جائزہ لیا۔ مناسب جگہ ملتے ہی وہ ایک بینچ نما نشست کے کونے پر جم گیا اور کوک سے لطف اندوز ہونے لگا۔ سوٹ کیس اس نے اپنے پہلو میں زمین پر نشست کے ساتھ رکھ دیا تھا۔ بوتل بھی خالی کر کے سوٹ کیس کے قریب رکھ دی۔ احتیاط سے اطراف کا جائزہ لیا اور دونوں چیزیں وہیں چھوڑ کر اسٹیشن سے باہر آ گیا۔ باہر اس نے کیب ہائر کی، تھوڑی سی بحث کے بعد اسے دس ڈالرز پر راضی کیا...... شرط لگائی کہ ڈرائیور اسے تیس منٹ میں ائرپورٹ پہنچا دے۔ ڈرائیور نے یہ چیلنج قبول کر لیا۔

بریا، ترجیل سے ہوتا ہوا فور گروپس کے مختص علاقے میں داخل ہوگیا۔ فن ائر کے کاؤنٹر پر ساٹھ افراد کا جمگھٹا تھا۔ وہ بھی ان میں شامل ہوگیا۔

”تمہارا بیج کہاں ہے؟“ کاؤنٹر پر موجود جوان عورت نے اعتراض کیا۔

بریا خوشگوار انداز میں مسکرایا۔ پاسپورٹ اور ٹکٹ آگے بڑھایا اور شرمیلے انداز میں بولا۔ ”وہ کھو گیا۔“

عورت نے گہری سانس لی۔ اس کے کاغذات پکڑے۔ وہ اسے دوسرے کاؤنٹر پر لے گئی وہاں سے کاغذی بیج لے کر اس کا چپکنے والا حصہ نمایاں کیا اور اسے بریا کی جیب پر چپکا دیا۔ بیج پر اس نے پہلے ہی جان اسٹاک لکھ دیا تھا۔

”سنبھال کے رکھنا۔“ عورت نے منہ بنایا۔ ”ورنہ کسٹم میں دشواری پیش آئے گی۔ ڈیوٹی فری شاپنگ کرنی ہے تو کرلو...... تمہارا پاسپورٹ اور ٹکٹ امیگریشن کے بعد ملیں گے۔“

بریا سر ہلا کر شاپنگ ایریا میں آگیا۔ چند کولون کی شیشیاں خرید کر بیگ میں رکھ لیں۔ واپس آکر وہ امیگریشن لائن میں لگ گیا۔ بوتھ میں ٹور گائیڈ کے لائے گئے پاسپورٹس پر دو افسران مہر لگا رہے تھے۔ اس کا نام پکارا گیا۔ بریا نے آگے بڑھ کر پاسپورٹ وصول کیا اور ڈپارچر لاؤنج میں چلا گیا۔

☆☆☆

C-22 جیٹ ایگزیکٹو طیارے نے جرمنی کی فضائی حدود کو کراس کیا۔ اس وقت اسمتھ کو C-22 میں پیغام موصول ہوا کہ سوئس ایک سو ایک پر بریا نہیں تھا۔

”کیا انہوں نے خوب تسلی کر لی ہے؟“

”اس میں کوئی شک نہیں۔“ کلین نے جواب دیا۔ ”انہوں نے ایک ایک مسافر کو ضرورت سے زیادہ جانچ کر تصدیق کی ہے۔“

”بیس کی فلائٹ انیس منٹ بعد نیچے اترے گی۔ کیا وہ تیار ہیں؟“

”وہ تیار ہیں۔“

”میرا ایک آئیڈیا ہے۔“

”کہتے رہو۔“

”ہم اسے تمہاری ایجنسیوں کو خیرائی ملکل بح بریا کا...... کردی تھی۔“

”کچھ؟“

”میرا مطلب ہے کہ جب تک طیارہ لینڈ نہیں کر...... نہیں کیا جا سکتا...... جیسے سوئس ائر کے ساتھ ...... ہوا۔“

”کہنا کیا چاہ رہے ہو؟“ کلین کی آواز آئی۔

”فرنچ ائربس میں سیک فیکس سسٹم نہیں ہے۔ امریکن 1710 جدید مواصلاتی نظام کے اس سہولت کی حامل ہے یعنی ہم امریکن 1710 کی فلائٹ میں بریا کا فوٹو فیکس کر سکتے ہیں۔“

”میں سمجھ رہا ہوں۔“

”لینڈنگ سے پہلے ہی اگر ہمیں پتا چل جائے ہمارے طیارے پر ہے تو یہ ایک اضافی سہولت ہوگی اور منصوبے میں مناسب ردوبدل کر سکیں گے۔“ اسمتھ نے وضاحت کی۔

”چند منٹ انتظار کرو۔“ کلین نے کہا۔

وقفے کے دوران کلین کی آواز سنائی دی۔ ”ڈلاس۔ فورٹ ورتھ میں امریکی ڈائریکٹر آف سیکیورٹی سے میری بات ہوئی...... جس کے مطابق ہماری امریکن 1710 میں ایک ”اسکائی مارشل“ بھی موجود ہے۔“

”یہ اور اچھا ہے۔ پائلٹ کو اس آدمی سے بات کرنی چاہیے۔“

”جان، وہ آدمی نہیں ہے۔“ کلین مسکرایا۔ لیکن تا ہم اسمتھ صرف آواز سن سکا تھا۔

”سوری سر...... آپ یہ کر سکتے ہیں۔ طریقہ کار کوئی بھی ہو...... پائلٹ شک و شبہ پیدا کیے بغیر اسکائی مارشل کو صورت حال سے آگاہ کرے۔ مارشل یہ آسانی یہ کام کر سکتی ہے۔ اس نے صرف اطلاع دینی ہے کہ وہ جہاز میں ہے یا نہیں۔“

”کیا ایسا کوئی امکان ہے کہ بریا نے بھیس بدل رکھا ہو؟“

”دونہیں۔ یہ اس کا اسٹائل نہیں ہے۔ نہ کیروف نے کبھی ایسا کوئی اشارہ دیا۔ ویسے بھی اسکائی مارشل تربیت یافتہ ہوتی ہے۔ وہ یقیناً آپ سے بنیادی طریقہ کار کو سمجھتا ہے۔“

”کیروف کو باخبر رکھنا ضروری ہے کیا؟“

”نو سر...... یہ ہمارا جہاز ہے۔ ایسا غیر ضروری ہوگا۔ اگر وہ لیڈی مارشل مثبت اطلاع دیتی ہے تو ہم فرنچ ائر لائن کو بتا دیں گے کہ ان کا کام ختم ہوگیا ہے۔ نیز برطانیہ کو آگاہ کر دیں گے کہ وہ رابطے میں رہتے ہوئے نئی منصوبہ بندی کریں۔ بریا لندن پہنچ رہا ہے۔“ کلین کچھ دیر خاموش رہا

پھر گویا ہوا۔ ”ٹھیک ہے، میں ضروری تیاری کرتا ہوں۔ ہمارے پاس نوے منٹ ہیں۔ میری دوسری کال تک تم فضا میں رہو۔“ کیلین نے ہدایت دی۔

☆☆☆

”خواتین و حضرات! لندن میں ہلکی بارش اور درجہ حرارت باسٹھ ڈگری ہے...... ہم اپنے شیڈول پر ہیں۔ موسم میں کوئی خرابی پیدا نہ ہوئی تو ہم ایک گھنٹا اور پانچ منٹ میں وہاں ہوں گے۔“ امریکن 1710 کے کاک پٹ سے اعلان جاری ہوا۔

وہ اٹھائیس برس کی تھی۔ نام ایلن ڈی فاریو تھا۔ ایلن، مارشل آرٹ ایکسپرٹ اور چیمپئن شپ شوٹر تھی۔ یہ فیڈرل مارشل سروس میں اس کا پانچواں سال تھا...... جبکہ اسکائی مارشل ڈویژن میں دوسرا سال...... پندرہ منٹ قبل وہ اپنے وکیل بوائے فرینڈ کے ساتھ ڈیٹنگ کے خواب دیکھ رہی تھی۔ جو اچانک اس وقت منتشر ہو گئے جب وقفے سے ایک دوسرا بے ضرر اعلان سنائی دیا۔ اعلان کے مطابق مسافر جہاز میں موجود فضائی ڈیوٹی فری شاپ سے مخصوص برانڈ کے پرفیوم اور کولون رعایتی قیمت پر حاصل کر سکتے تھے۔ یہ پیغام نہیں تھا۔ کوڈ ورڈز تھے، جو ایلن ڈی فاریو کو حقیقت کی دنیا میں واپس لے آئے۔

ایلن نے دس تک گنتی گنی، بیگ اٹھایا اور بزنس کلاس سیٹ چھوڑ دی۔ بظاہر وہ واش رومز کی طرف جا رہی تھی...... چلتے چلتے وہ فرسٹ کلاس میں داخل ہوئی اور وہاں سے رخ بدل کر سروس روم میں چلی گئی۔ جہاں سے مسافروں کو شک میں ڈالے بغیر کاک پٹ میں رسائی ممکن تھی۔

ایلن نے سیکیورٹی ڈائریکٹر کا پیغام پڑھا۔ فوٹو فیکس کو غور سے دیکھا۔ احکامات واضح تھے۔ فوٹو والا آدمی جہاز پر ہے یا نہیں، صرف اتنا دیکھنا تھا اور بس۔ بعد ازاں دونوں صورتوں میں اطلاع فراہم کرنی تھی۔ ایلن نے پائلٹ کو دیکھا جو ہراساں دکھائی دے رہا تھا۔

”آرام سے رہو...... اس کے پاس گن یا بم وغیرہ ہے؟“

”بظاہر ایسا کچھ نہیں بتایا گیا۔ پیغام یہی ہے جو تم نے پڑھا۔“ پائلٹ نے جواب دیا۔ ”تاہم کوئی خطرناک معاملہ ہے۔ مجھے اتنا معلوم ہے کہ لینڈنگ کے وقت SAS کا گروپ ہمارے استقبال کے لیے زمین پر جمع ہو رہا ہے۔ اگر وہ یہاں ہے تو اسے زمین پر قابو کیا جائے گا۔“

”تم سکون سے اپنا کام کرو۔ کوئی چیز معمول سے ہٹ کر نہیں ہونی چاہیے۔“ وہ پیچھے آئی تھی، اسے [illegible] بزنس اور فرسٹ کلاس کا رخ کیا۔ اگر وہ [illegible] گا۔ لہٰذا ایلن کا گھومنا پھرنا بھی [illegible] مخصوص منصوبہ بندی کے ساتھ اس [illegible] نے خیال رکھا تھا کہ واش روم [illegible] نشستیں خالی تھیں۔ واش روم [illegible] پُر ہو گئیں۔ اپنے پُرکشش جسم [illegible] بھی میگزین ریک پر رک کر جائزہ لیتی۔ کبھی [illegible] کر جھک جاتی...... اس نے کاریگری سے اپنا کام ختم [illegible] بزنس کلاس میں چلی گئی۔ اسے شک ہو چلا تھا [illegible] جہاز پر نہیں ہے۔ فرسٹ کلاس کا جائزہ مکمل کر کے وہ [illegible] سروس ایریا میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد [illegible] سے گزرنے کے لیے وہ دوسرے راؤنڈ [illegible]

☆☆☆

اسحٰق، C-22 میں فرنچ سیکیورٹی سے رابطے میں تھا۔ فرنچ فلائٹ 612 زمین پر اتر چکی تھی۔ تین چوتھائی مسافر نکل چکے تھے۔ بریا کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ اسحٰق امریکی جہاز کی طرف متوجہ ہوا جو بیس منٹ بعد اترنے والا تھا۔ اسی وقت سیٹلائٹ فون نے اس کا دھیان بٹایا۔

”سر؟“

”جان، مارشل نے 1710 سے رپورٹ دی ہے کہ بریا جہاز پر نہیں ہے۔“ کیلین نے اطلاع دی۔

”ناممکن۔“ اسحٰق مضطرب ہو گیا۔ ”فرنچ بھی تقریباً چیک کر چکے ہیں۔ بریا کو امریکی جہاز پر ہونا چاہیے۔“

”مارشل ایلن سو فیصد پُریقین ہے کہ بریا وہاں نہیں ہے۔ زمین پر SAS نے پوزیشن لے لی ہے...... تاہم وہ غیر ضروری لگ رہا ہے۔“

”سر، ہمیں دوسرے امکان پر سوچنا پڑے گا کہ بریا نے امریکا میں گھسنے کے لیے کوئی اور فلائٹ استعمال کی ہے۔“

کیلین نے سیٹی بجائی۔ ”وہ جانتا ہو گا کہ ہم نے ہر ممکن راستہ بند کر دیا ہے...... بلکہ وہ یقیناً آگاہ ہے کہ اس کے لیے حالات انتہائی ناسازگار ہیں۔ پھر بھی وہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہے؟“

”بریا کے لیے یہ ایک معاہدہ ہے [illegible] کے مانند اپنی ذمے داری پوری کرنی ہے جس نے [illegible] اسٹیشن پر کئی آدمیوں کو بھیڑوں کی طرح ختم کر [illegible]“ اسحٰق نے کہا۔ ”مغرب کے لیے [illegible]

اس کے علاوہ بھی امکانات ہیں۔"

"سینٹ پیٹرس برگ؟" کلین کی آواز آئی۔

"وہاں سے متعدد پروازیں اسکینڈے نیویا اور شمالی یورپ جاتی ہیں..... ایروفلوٹ، اسکینڈے نیوین ائرلائین، فن ائر، رائل ڈچ..... وہاں سے ان سب کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ میں نے سینٹ پیٹرس برگ کا امکان کیروف کے سامنے رکھا تھا۔ تاہم کیروف کو یقین نہیں تھا کہ بریا اتنی دور نکل جائے گا۔"

"بولتے رہو۔"

"وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے اس سے بھی دور جاسکتا ہے۔ یہ آدمی بھاگ نہیں رہا ہے بلکہ وہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق متحرک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر مرتبہ ہم سے ایک قدم آگے رہتا ہے۔ ایک منٹ سر۔" اسمتھ ترجیح رابطے کی طرف متوجہ ہوا۔ مختصر بات کرکے وہ پھر کلین کی لائن پر آگیا۔

"پیرس سے تصدیق آگئی ہے کہ ان کا جہاز صاف ہے۔" کلین کی جانب کچھ دیر خاموشی رہی۔

"جان، تمہارا اگلا قدم کیا ہے؟"

"میرا فضا میں رہنا بے معنی ہے۔" اسمتھ چپ ہوگیا۔ وقفے سے کر وہ بولا۔ "سر، میں لندن میں اتروں گا۔"

☆☆☆

امریکی جہاز ہیتھرو ائرپورٹ، لندن لینڈ کرچکا تھا۔ اسپیشل ائر سروس (SAS) کمانڈر کی ہدایت کے مطابق امریکن 1710 کا پائلٹ مکینیکل خرابی کا اعلان کر رہا تھا۔ جہاز کو معمول سے ہٹ کر دیو ہیکل مینٹی ننس ہینگر کے قریب پارک کردیا گیا۔

میزبان عملہ مسافروں کو تسلی دے رہا تھا کہ معمولی خرابی ہے۔ جلد ہی وہ منزل کی جانب پرواز کر جائیں گے۔ ٹریلور نے بے چینی محسوس کی، وہ دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا جہاز جلدی روانہ ہوجائے..... ہیتھرو میں فلامنگ میں ٹائٹروجن کا چارج مزید بارہ گھنٹے کے لیے کارآمد تھا۔ ہیتھرو پر فلائٹ عموماً نوے منٹ کے لیے ٹھہرتی تھی۔ بعدازاں ڈولس (Dulles) ائرپورٹ پہنچنے کے لیے چھ گھنٹے 15 منٹ کا دورانیہ تھا۔ کسٹم اور امیگریشن کا وقت شمار کرلیں تو پھر بھی تین گھنٹے محفوظ رہ جاتے۔ اس کا مطلب اگر ہیتھرو پر توقع سے زیادہ دیر لگتی تو ہیتھرو سے دوسری فلائٹ پکڑنے والے ... مسافروں کے لیے ایک خطرے میں تبدیل ہوجاتا۔ ... تھے۔ ... کے قریب دو بسیں موجود

تھیں۔ ٹریلور نے دیکھا کہ تمام مسافروں کو ... ٹریلور الجھن میں پڑگیا اور نئی دعا ئیں یاد کرنے لگا۔ ... دیگر مسافر عارضی ٹرانزٹ لاؤنج میں جا رہے تھے۔ ... بات سے بے خبر تھے کہ ان کے آس پاس، ... لباس میں مسلح SAS کے درجنوں ایجنٹ موجود ... بلندیوں پر تعینات اسنائپرز دور مار رائفلوں پر اسنائپر ... میں ہر مسافر کا چہرہ دیکھ رہے تھے..... ضرورت پڑنے ... کی معمولی حرکت کسی بھی مسافر کی کھوپڑی کھول سکتی تھی۔

دفعتاً ایک تیز چبھنے والی سیٹی کی آواز بلند ہوئی۔ ... نے آواز کی سمت دیکھا۔ ایک چھوٹے سائز کا ایگزیکٹو ... دو سو گز کے فاصلے پر شاہانہ انداز میں اتر کے دوڑ رہا تھا۔

کوئی دولت مند کاروباری ہے یا پھر کسی شیخ کا ... طیارہ ہے۔ ٹریلور کے ذہن میں یہی خیال گزرا۔

☆☆☆

"سر، SAS نے بھی کلیئر کا سگنل دے دیا ہے۔" اسمتھ نے محفوظ لائن پر ناتھن کلین سے کہا۔ اسمتھ کی پیشانی شکن آلود تھی۔ "جتنا وقت گزر رہا ہے، بریا ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے۔"

"مجھے احساس ہے لیکن شکار کرنے کے لیے شکار کا نظر آنا ضروری ہے۔ تم نے، ہم نے..... سب نے بھرپور کوشش کی ہے۔" کلین نے کہا۔ "تم اب کیا سوچ رہے ہو؟"

"میرے لیے فلائٹ 1710 میں بندوبست کروا دیں..... یوں میں جلد واشنگٹن پہنچ جاؤں گا، بجائے اس کے کہ میں ملٹری ٹرانسپورٹ کا انتظار کروں۔ C-22 کی ضرورت ختم سمجھیں۔"

"تمہیں رابطے کی محفوظ لائن نہیں چھوڑنی چاہیے۔" کلین نے اعتراض کیا۔

"سر، فلائٹ ڈیک پر عملے کے علم میں ہوگا کہ میں جہاز پر ہوں۔ اگر ماسکو سے کوئی خبر آتی ہے تو آپ ہک اپ میں ریلے کروا دیں۔"

"ٹھیک ہے، اس دوران تم کچھ آرام کرلینا۔ کیروف کو صورتِ حال سے آگاہ کردیا گیا ہے۔ وہاں طوفان برپا ہے۔ کیروف ماسکو کو چھلنی میں چھان رہا ہے۔" کلین نے بتایا۔ "ماسکو آخری امید ہے۔"

دل و نگاہ کو منجمد کردینے والے سنسنی خیز
ناول کے مزید پُرتجسس واقعات اگلے ماہ پڑھیے

منزل

تنویر ریاض

جرم کے نتیجے میں جو سزا ملتی ہے... وہ قانوناً حق بجانب ہوتی ہے... مگر بغیر کسی جرم کے سزا اسے ناقابلِ قبول تھی... مگر اپنے وطن سے دور کسی دوسرے ملک کی سرزمین کے قانون کے سامنے اس کا اپنا سفارت خانہ بے بس و لاچار تھا... اس کی کشتی رفتہ رفتہ ڈوب رہی تھی... اور پھر ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مل ہی گیا...

گینگ وار کے مجرموں کا خطرناک ٹکراؤ... وہ ایک دوسرے کی جان کے درپے تھے

میرا نام فرسٹ ڈریگون ہے۔ میں تقریباً ایک سال سے بیجنگ میں رہ رہا تھا۔ جب میری دنیا برباد ہوئی۔ اس شہر میں کوئی باعزت ذاتی کاروبار کرنا آسان نہیں لیکن میں باڈی گارڈ اور سیکیورٹی ماہر کے طور پر کام کر کے اپنا گزارہ کر رہا تھا اور میری راتیں لوگوں کے خفیہ معاملات کی نذر ہو جاتیں۔ دراصل میں ایک پرائیویٹ سراغ رساں ہوں۔ پہلا امریکی جو بیجنگ میں سراغ رساں کے طور پر کام کر رہا تھا۔ تاہم میرا دائرۂ کار محدود تھا۔ میرے زیادہ تر گاہک

امریکی یا دوسرے انگریزی بولنے والے غیر ملکی تھے۔ میری یہاں تک کہ میں نے اپنی تنخواہ بھی نہیں کی تھی کیونکہ یہ میری استطاعت سے باہر تھا اور اس صورت میں انکم ٹیکس والے میرے پیچھے لگ جاتے اور مجھے ٹیکس سے بچنے کے لیے انہیں رشوت دینا پڑتی۔

میں ایک ہاسٹل میں رہتا تھا جس کا مجھے ہر ہفتے کرایہ دینا ہوتا۔ ایک مرتبہ جب مجھے کرایہ دینے میں مشکل پیش آئی تو چینی مالک مکان نے تجویز پیش کی کہ میں اپنے ساتھ کمرے میں کسی اور کو رکھ لوں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کا نام آسکر تھا۔ وہ نیدرلینڈ کا رہنے والا تھا لیکن بہت اچھی انگریزی بولتا تھا۔ ہم دونوں جلد ہی گھل مل گئے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں دن رات کا بیشتر حصہ گھر سے باہر گزارتا تھا اور کمرے میں پھیلی چرس کی بو سے محفوظ رہتا جو وہ مستقل پیتا رہتا تھا اور نہ ہی مجھے گٹار پر بے ہنگم دھنیں سننا پڑتیں جو وہ شوقیہ بجاتا تھا۔

سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا کہ ایک رات اپارٹمنٹ پر چھاپا پڑا۔ جب میں رات کے تین بجے گھر پہنچا تو ہاسٹل کی تمام لائٹس روشن تھیں اور چائنیز پیپلز آرمڈ پولیس کا ایک سراغ رساں میرا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اور اس کے ساتھ دس پولیس والے مجھے گھور رہے تھے۔ اس نے مجھے کچھ ذاتی سامان دکھایا جو آسکر نے باتھ روم کے سنک کے نیچے چھپا رکھا تھا۔ میں سمجھا کہ شاید چرس ہوگی لیکن اس کے بجائے آفیسر نے پانی کی ایک بوتل دکھائی جس میں کوئی صاف مائع بھری ہوئی تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے میں کیمسٹری کی کلاس میں چلا گیا ہوں۔ اس آفیسر نے پہلے چینی اور پھر ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں بتایا کہ آسکر جی ایچ بی نامی کیمیکل تیار کر رہا تھا۔ پہلے میں سمجھا کہ یہ کوئی قبض کشا دوا ہے لیکن میرا اندازہ غلط نکلا۔ آفیسر نے بتایا کہ یہ ایک قسم کی منشیات ہے جس کا بنانا اور استعمال کرنا قانوناً جرم ہے۔

میں نے پولیس والوں کو بتایا کہ آسکر کو یہاں آئے ہوئے دو ہفتے ہوئے ہیں اور میں کیونکہ اپنے کام کے سلسلے میں بیشتر وقت باہر گزارتا ہوں۔ اس لیے مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیا کرتا رہا ہے لیکن میری وضاحت کسی کام نہ آئی اور ایک پولیس والے نے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی۔ اس کے بعد مجھے پولیس اسٹیشن لے جایا گیا جہاں ایک لیڈی پولیس آفیسر نے کاغذی کارروائی مکمل کی اور مجھے سلاخوں کے پیچھے بند کر دیا گیا۔

چند روز بعد مجھے ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر کے دفتر لے جایا گیا جہاں معلوم ہوا کہ چین میں منشیات ... جرم ہے اور اس کی سزا چند سال کی قید ... آسکر کو شاید چھاپے کی ٹپ مل گئی تھی اس لیے ... گیا۔ ایشیائی کلچر سے واقفیت رکھنے والے ... جب معاشرے میں کوئی جرم ہوتا ہے تو اس کی ... کو ضرور ملتی ہے۔ اس کیس میں میری گردن ... کیونکہ مال میرے کمرے سے برآمد ہوا تھا اور ... ساتھی سمجھا جا رہا تھا۔

میرے ساتھ دوسرے قیدیوں کا ... والوں سے بھی بدتر تھا۔ مجھے ٹوائلٹ جانا ہوتا ... روک کر کھڑے ہو جاتے۔ کوئی مجھے ... چلا جاتا، میں بڑی مشکل سے ان کا گھیرا توڑ کر ... تو وہ زور زور سے دروازہ بجانا شروع کر ... اوقات تو مجھے رفع حاجت کے بغیر ہی واپس آنا ...

جب میں نے جیل حکام سے وکیل کے ... انہوں نے قہقہہ لگا کر میری بات ٹال دی پھر میں نے ... کیا کہ میں امریکی سفارت خانے کے کسی نمائندے سے ... چاہتا ہوں، اس پر ان کی پیشانی شکن آلود ہو گئی بہرحال ... روز بعد انہوں نے اس ملاقات کا انتظام کر دیا۔ مجھے ایک ... چھوٹے سے کانفرنس روم میں لے جایا گیا جہاں ایک ... سوٹ میں ملبوس چشمہ لگائے بیٹھا تھا۔ اس نے رومال سے اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"تم پر منشیات کا الزام ہے۔ مجھے شک ہے کہ ... سفارت خانہ اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد کر سکے۔"

"کیوں؟"

اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "امریکی حکومت غیر قانونی منشیات کی تیاری کی حوصلہ افزائی نہیں کرتی۔"

"میں نے کوئی غیر قانونی کام نہیں کیا۔"

"اس کے باوجود تم بیجنگ میں گزشتہ چند ماہ سے مقیم ہو اور بظاہر تمہارا کوئی ذریعہ آمدنی بھی نہیں پھر بھی تم شہر کے معروف نائٹ کلبوں میں باقاعدگی سے جاتے ہو۔"

"یہ میرے کام کا حصہ ہے۔" میں نے کہا۔ "میں ایک پرائیویٹ سراغ رساں ہوں۔"

"کیا میں تمہارا لائسنس دیکھ سکتا ہوں۔"

میں نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔ "میں نے ابھی تک لائسنس نہیں بنوایا۔"

"ٹیکس سے بچنے کے لیے؟" اس نے پوچھا۔

''کہہ سکتے ہو۔'' میں نے جان چھڑانے کے لیے کہا۔

اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میں امید کرتا ہوں کہ تمہیں کوئی رحم دل جج مل جائے گا۔ کیا تم کسی بڑی آرگنائزیشن، کارپوریشن، یونیورسٹی یا انشورنس کمپنی سے وابستہ رہے ہو؟''

''نہیں، میں نے ہمیشہ ذاتی حیثیت میں کام کیا۔''

اس نے کاغذ پر کچھ لکھا اور بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

''غیر محفوظ۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

اس نے لکھنا بند کیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''جب تم غیر ملک میں رہائش اختیار کرو تو بہتر ہے کہ کسی بڑے اور مضبوط ادارے سے وابستہ ہو جاؤ۔ مثلاً کوئی اسکول، کمپیوٹر کمپنی یا امریکی فوج وغیرہ۔ ایسی صورت میں تمہارے ساتھ پولیس والوں کا رویہ نسبتاً بہتر ہوگا۔ وہ ایسے شخص کو پریشان نہیں کرتے جس کا تعلق کسی مضبوط آرگنائزیشن سے ہو۔ وہ تمہیں اس وقت تک کچھ نہیں کہیں گے جب تک کہ تم سے کوئی ایسا جرم سرزد نہ ہو جائے جسے وہ نظرانداز نہ کر سکیں۔''

''جیسے کسی کا قتل۔'' میں نے کہا۔

اس شخص کو تھوڑی سی حیرت ہوئی لیکن وہ بولا۔ ''ہاں جیسے کسی کا قتل اور کئی ثبوت چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ اگر تم سیاح ہو تو عام طور پر وہ تمہیں تنگ نہیں کرتے۔''

''کیونکہ ٹورزم انڈسٹری سے اس ملک کو ہر سال سیکڑوں بلین ڈالر کی آمدنی ہوتی ہے۔''

''اب تم بات کو سمجھ رہے ہو۔''

''لیکن اگر تم میری طرح ذاتی کام کرتے ہو اور ٹیکس نہیں دیتے تو پولیس اپنی کارکردگی دکھانے کے لیے مجھے استعمال کر سکتی ہے جبکہ پولیس کو ایسا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ میں نے وہ منشیات اپنے اپارٹمنٹ میں رکھی تھی۔''

''اچھا، وہ تمہارا اپارٹمنٹ تھا۔'' اس نے لمحہ بھر توقف کیا کہ شاید میں انکار کر دوں پھر بولا۔ ''لیکن پولیس نے تو وہ منشیات وہیں سے برآمد کی۔''

''تم میری بات کا یقین کیوں نہیں کر رہے؟'' میں نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

اس نے میرے سوال کو نظرانداز کر دیا اور بولا۔ ''ویسے تمہارا ویزا کب تک ہے؟''

''میں اس کی تجدید کروانے والا تھا۔''

مسلسل

اچانک اس وہ باہر نظر آنے لگا۔ ''میں تمہارا... تم ہو چکا ہے اور تم یہاں کام والی ویزا پر تھے؟''

''کچھ زیادہ دن... دراصل میرے پاس ویزا کی تجدید کروانے کے لیے پیسے نہیں تھے۔ سب سے بڑی بات بعد میں انتظام ہو جاتا۔''

''ہاں۔'' اس نے کہا۔ ''ایسا بھی ہوتا ہے۔''

اس نے ایک کاغذ پر مجھ سے دستخط کرواتے ہوئے کہا۔ یہ دراصل ایک فارم تھا جس میں تصدیق کی گئی تھی کہ مجھے پولیس نے گرفتار کر لیا ہے اور میری طرف سے سفارت خانے کو اجازت ہے کہ وہ اس کی اطلاع متعلقہ لوگوں یا سرکاری ایجنسیوں کو کر دے۔ میں نے اس کے کہنے پر دستخط کر دیے کیونکہ مجھے پورا یقین تھا کہ یہ شخص مجھے پولیس کی قید سے آزاد کرانے میں مدد کرے گا۔ اس نے وہ کاغذ اپنے بریف کیس میں رکھ لیا اور بولا۔ ''میں تمہارے وارثوں کو اطلاع کر دوں گا۔''

''میرے ڈیڈی ایک ٹریلر پارک میں رہتے ہیں۔'' میں نے اسے بتایا۔ ''وہ سیلینا کے آس پاس ہے۔''

''اور تمہاری ماں؟''

''اسے میں نے ایک عرصے سے نہیں دیکھا۔''

''ٹھیک ہے۔ اگر اس نے رابطہ کیا تو ہم اسے تمہارا اتا پتا بتا دیں گے۔''

وہ کھڑا ہو گیا لیکن اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا اور بولا۔ ''ویسے اگر تم امریکا واپس جانے میں کامیاب ہو جاؤ تب بھی تمہیں ڈی ای اے کے سوالوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

''ڈی ای اے، یہ کیا ہے؟''

''ڈرگ انفورسمنٹ ایجنسی، امریکا میں منشیات کی اسمگلنگ ایک سنگین جرم ہے چاہے وہ ہماری ملکی حدود سے باہر ہی کیوں نہ کیا جائے۔''

''میں نے ایسا کوئی جرم نہیں کیا۔''

''مجھے یقین ہے کہ وہ یہ سن کر خوش ہوں گے۔''

''میں کسی اور ملک چلا جاؤں گا۔''

اس نے کچھ دیر توقف کرنے کے بعد کہا۔ ''انٹرپول کو اطلاع دی گئی تو کم از کم تم یورپ کے کسی ملک میں نہیں جا سکتے اور دوسرے مہذب ملکوں میں بھی تمہیں پناہ نہیں ملے گی۔''

یہ کہہ کر وہ ایڑیوں کے بل گھوما اور دروازے کی طرف جانے لگا۔ میں نے پوچھا۔ ''تم کب واپس آؤ

گے؟"

وہ دروازے کے پاس جا کر رک گیا۔ "اور شاید تب تک آ سکوں۔ یہ منشیات کا کیس ہے۔ اس میں سفارت خانہ کچھ نہیں کر سکتا۔"

اس واقعے کے ایک ماہ بعد مجھے ایک بار پھر بے دردی سے گھسیٹ کر کوٹھری سے نکالا گیا۔ میں نے ایک ہفتے سے غسل نہیں کیا تھا۔ مجھے پہننے کے لیے جو ڈانگری دی گئی تھی وہ پہلے ہی میلی تھی لیکن اب وہ مزید گندی ہو گئی تھی۔ جب وہ مجھے ایک طویل راہداری سے لے جا رہے تھے تو میں مزید تشدد اور سرکاری وکیل کے الٹے سیدھے سوالوں کی توقع کر رہا تھا لیکن وہ مجھے تفتیش کرنے کے بجائے ایک دوسرے کمرے میں لے گئے جس کے بارے میں مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ملاقاتیوں کا کمرا تھا۔ وہ جگہ نسبتاً صاف ستھری تھی۔ وہاں ایک بڑی میز کے گرد چند کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ گارڈ نے مجھے بڑی بدتمیزی سے ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ میرے سامنے گرم اونی سوٹ میں ملبوس ایک چینی بیٹھا ہوا تھا۔

میں نے اس سے انگریزی میں پوچھا۔ "مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟"

"تم میرے ساتھ آؤ۔" اس نے چینی میں جواب دیا۔

"کہاں؟"

"کیا اس کی کوئی اہمیت ہے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

پانچ منٹ بعد میں ایک انتظامی کمرے میں کھڑا ہوا تھا۔ مجھے وہ ڈانگری اتارنے اور اپنا وہی لباس پہننے کی اجازت دے دی گئی تھی جو میں نے گرفتاری کے وقت پہن رکھا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے غسل کرنے یا شیو بنانے کی اجازت بھی مل گئی لیکن میں اس گندی ڈانگری سے نجات حاصل کر کے کافی بہتر محسوس کر رہا تھا۔ اونی سوٹ والے نے کاؤنٹر پر کھڑے ہو کر چند کاغذات پر دستخط کیے۔ ایک گارڈ نے مجھے اس کی جانب دھکا دیا۔ میں لڑکھڑایا اور گرتے گرتے بچا۔

"کیا ان لوگوں نے تمہارا سامان واپس کر دیا؟"

میں نے اپنا والٹ، چابیاں، چاقو اور کچھ نقدی جو گرفتاری کے وقت میری جیب میں تھی چیک کی اور اسے بتایا کہ سب چیزیں موجود ہیں۔

"ٹھیک ہے۔" "ایسا ہی

اس نے دروازہ

اس کے پیچھے تھا۔ ہم پولیس

آ گئے۔ وہاں ایک چار

کر رہی تھی۔ اونی سوٹ والے نے مجھے

اشارہ کیا۔ بیس منٹ بعد ہماری

کے سامنے رکی۔ ایک دربان نے

ہم گاڑی سے باہر آئے اور شیشے

لفٹ تک پہنچے۔ شاید وہ ذاتی استعمال

سوٹ والے نے اسے چابی سے کھولا

ہونے کے بعد اس نے سب سے اوپر

بٹن دبا دیا۔ دروازہ کھلنے پر ہم راہداری سے

پر پہنچے جہاں ایک دروازے پر ٹوراناگا کا

لگی ہوئی تھی۔

اونی سوٹ والے نے ایک بٹن دبایا اور

گیا۔ کمرے میں مسحورکن خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

ایک پرکشش جاپانی حسینہ نے کیا۔ وہ روایتی انداز

اور اس نے جاپانی زبان میں کچھ کہا۔ اونی سوٹ وا

سر ہلایا اور مجھے اس کے ساتھ جانے کا اشارہ کیا۔

خوب صورت تھی کہ میں اس کے ساتھ دنیا کے کسی کو

بھی جا سکتا تھا۔ اونی سوٹ والا چلا گیا تو وہ مجھے

مسکرائی اور میرا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

ہم ایک طویل راہداری سے گزرتے ہوئے ایک الگ تھلگ کمرے تک پہنچے اور اس نے مجھے اندر دھکیل دیا۔ میں آدھ گھنٹا وہاں رہا اور تب مجھے معلوم ہوا کہ گرم پانی اور صابن سے نہانے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔

ایک گھنٹے بعد میں دوبارہ اپنے کپڑے پہن کر انتظارگاہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ مجھے ایک مرد کی آواز سنائی دی۔ "مسٹر اکوشیما تھوڑی دیر بعد تم سے ملاقات کریں گے۔"

وہ ایک دبلا پتلا نوجوان شخص تھا۔ اس نے عمدہ

کا سوٹ اور گول شیشوں کی عینک لگائی ہوئی تھی۔ وہ کھڑ

کے پاس ایک میز پر بیٹھا ہوا تھا۔

"مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ مسٹر اکوشیما ہی بتائیں گے۔" اس نے سرد

میں جواب دیا۔

مجھے یہ جاننے میں دیر نہیں لگی کہ ٹوراناگا اکوشیما اس کمپنی اور فلک بوس عمارت کا مالک تھا جبکہ یہ نوجو

تھے۔ وہ خوب صورت بڑی گھنی اور اونچی ... بہت بڑی اور کئی فلورز کا حصہ تھے ... مشتمل تھی جنہیں دنیا کے مختلف شہروں میں ... تھا۔ تاہم اس وقت مجھے اس کی اہمیت کا احساس نہیں تھا کہ وہ مجھ سے کیا بات کرنا چاہ رہا ہے۔

مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ اس آدمی کی [illegible] پورا ہوا اور کام ختم ہوا۔ اس نے بٹن دبایا، [illegible] مجھے لے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ ہم ایک اور راہداری سے گزرتے ہوئے اس کے آخری سرے تک پہنچے۔ اس آدمی نے دروازے پر لگا بٹن دبایا اور وہ ہلکی سی آواز کے ساتھ کھل گیا۔ اس کمرے میں ایک چھوٹی میز اور دو آرام دہ کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے مجھے بیٹھنے کو کہا اور خود وہاں سے چلا گیا۔

پانچ منٹ بعد ٹوروناگا کوشیما کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور وہ بہت خوش نظر آرہا تھا جیسے اسے کوئی بڑی کامیابی ہوئی ہو۔ اس نے اپنی حیثیت اور مرتبے کے مطابق بے حد قیمتی سوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔ مجھے دیکھنے میں وہ جاپانی نہیں بلکہ کورین لگ رہا تھا۔ اس نے مجھ سے مصافحہ کیا اور ہم دونوں آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"تم اپنی رہائی کی خوشی میں کچھ پینا پسند کرو گے۔ شیمپین یا کچھ اور؟"

"کچھ نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر مجھے واپس اسی جہنم میں جانا ہے تو میں اس عیاشی کا متحمل نہیں ہوسکتا۔"

وہ اس طرح مسکرایا جیسے اس نے پہلا ٹیسٹ پاس کر لیا ہو۔

"فرسٹ ڈریگون۔" اس نے انگریزی میں کہا۔ "مجھے یہ نام پسند آیا۔ تمہاری ماں کورین اور باپ امریکی تھا۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اپنی طرف سے کوئی اضافہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کیونکہ جانتا تھا کہ جب وہ مجھے جیل سے نکالنے کے لیے اتنا کچھ کرسکتا ہے تو اس نے یقیناً میرے پس منظر کے بارے میں بھی معلومات کرلی ہوں گی۔ سچ تو یہ ہے کہ والدین نے میری پیدائش کے بعد دوسرے اور تیسرے ڈریگون کی بھی منصوبہ بندی کر رکھی تھی لیکن اس پر عمل نہ ہوسکا اور جب میں دس سال کا تھا تو ان میں طلاق ہوگئی۔ میں کچھ عرصے باپ کے ساتھ رہا، پھر ماں کے پاس چلا گیا۔ کچھ دنوں بعد اس نے بھی ایک امریکی سے شادی کر لی۔

"[illegible]"

[illegible]

"تم نے مختلف [illegible] زیادہ تر ملیشیا اور [illegible] کی ایک حد تک بھی زیادہ [illegible] سب لوگ تمہارے [illegible]"

"[illegible]" میں نے کہا۔ "مجھے امید ہے کہ یہ [illegible] باوجود میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ تم نے یہ تکلیف کیوں اٹھائی اور مجھے یہاں کیوں لایا گیا؟"

"تمہارے اندر کچھ ایسی خوبیاں ہیں جن کی مجھے ضرورت ہے۔ پہلی تو یہ کہ تمہارے پاس امریکی پاسپورٹ ہے اور تمہیں آسانی سے ہر جگہ رسائی مل سکتی ہے۔ امریکی ہونے کی وجہ سے پولیس افسر بھی تمہارے ساتھ رعایت کریں گے۔"

"اب ایسا نہیں ہوگا۔" میں نے کہا۔

"نہیں، لگتا ہے کہ انہوں نے تمہارے معاشرے میں کچھ زیادہ ہی سختی کی ہے۔ ہم اسے دیکھ رہے ہیں [illegible] کے زیادہ تر ممالک میں تم امریکی پاسپورٹ کی وجہ سے آسانی سے سفر کرسکتے ہو۔"

میں خاموش رہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "تم فٹ بال بھی کھیلتے تھے لیکن چھوڑ کیوں دیا؟"

میں نے نہیں بلکہ فٹ بال نے مجھے چھوڑ دیا۔ دراصل ایک معاون کوچ میری آنکھوں کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے غصے میں آکر اس کے چہرے پر ضرب لگائی۔ وہ گر پڑا اور اس کا سر فرش سے ٹکرایا۔ اس کے سر میں شدید چوٹ آئی اور وہ بے ہوش ہوگیا۔ میں اپنے دفاع میں کسی وکیل کی خدمات حاصل کرنا چاہتا تھا تاکہ اسکول اور ٹیم انتظامیہ پر امتیازی سلوک برتنے کا دعویٰ کرسکوں لیکن ایک وکیل نے مجھے بتایا کہ ایشیائی باشندوں کے حوالے سے شہری حقوق کا قانون واضح نہیں ہے۔ ہم نے اسکول والوں سے مذاکرات کیے کہ وہ مجھ پر لگا ہوا الزام واپس لے لیں۔ اس کے عوض میں شہری حقوق کے دعوے سے دستبردار ہو جاؤں گا۔ وہ مان

تھے۔ میں نے معاہدے پر دستخط کیے۔ لاکر خالی کیا اور اپنا کوٹ بیگ ٹیم کے ایک ساتھی کو دے کر پہلی پرواز سے بنکاک آ گیا۔ ائرپورٹ سے ہی میں نے دوسری پرواز پکڑی اور چین آ گیا۔ تب سے میں یہیں ہوں۔

میں نے نورا ناگا کو یہ تفصیل بتانے کے بجائے صرف اتنا کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ تم یہ کہہ سکتے ہو۔“

وہ کچھ دیر تک مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے کرسی کی پشت سے کمر لگائی اور بالآخر مطلب کی بات پر آ گیا۔

”تمہاری پوزیشن بہت نازک ہے۔“ اس نے کہا۔ ”تم پر غیر قانونی منشیات رکھنے کا الزام ہے۔ چینی اس معاملے پر سودے بازی کرنا چاہیں گے۔ تمہاری حکومت کو اس کی پروا نہیں ہوگی کہ اس کے ایک شہری کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے لیکن اگر چینیوں نے تمہیں موت کی سزا سنانے کی دھمکی دی تو یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ ہوگا اور یہ ایک بڑی خبر بن جائے گی۔ ممکن ہے کہ چینی اس کے عوض امریکا سے کچھ رعایتیں حاصل کرنا چاہیں لیکن امریکا جانے کے بعد بھی تمہاری مشکلات کم نہیں ہوں گی اور تمہیں وہاں کے قوانین کا سامنا کرنا ہوگا۔“

”کیا تم مجھے اس مشکل سے نکالنے کی پیشکش کر رہے ہو؟“ میں نے کہا۔

”ہاں لیکن ایک قیمت پر۔“

”وہ کیا؟“

وہ آگے کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔ ”میری مکمل اطاعت۔ تمہیں میرا وفادار بن کر رہنا ہوگا۔“

میں نے کسمساتے ہوئے کہا۔ ”تم یہ توقع کیسے کر سکتے ہو۔ میں تو تمہیں جانتا بھی نہیں۔“

”ہاں لیکن جیسا کہ تم نے کہا میں تمہیں اس مشکل سے نکالوں گا۔ اس کے عوض تم اپنی زندگی میرے لیے وقف کر دو گے۔ تمہیں میرا ہر حکم ماننا ہوگا۔“

میں نے کہا۔ ”اگر میں بھاگ گیا تو؟“

اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ ”تم ایسا کر سکتے ہو لیکن ڈرگ انفورسمنٹ ایجنسی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ تم انٹرپول کی فہرست میں بھی شامل ہو جاؤ گے۔ تمہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی اور نہ ہی تم کوئی ملازمت کر سکو گے۔“

یہ کہہ کر اس نے تالی بجائی۔ ایک بٹلر ہاتھ میں سلور کی ٹرے لیے... کمرے میں داخل ہوا۔ جس میں ایک جگ اور دو پیالیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے ہمارے لیے پیالیوں میں چائے ڈالی اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

نورا ناگا نے اپنا کپ اٹھایا اور [illegible]
”چکھ کر دیکھو۔ مزہ آ جائے گا۔“

وہ واقعی بہت تیز چائے تھی۔ [illegible] ماں خاص خاص مواقع پر یہ چائے بنایا [illegible] کرتی تھی کہ یہ چائے چھوٹے بچوں [illegible] بہترین ہے اور کئی قسم کی بیماریوں سے محفوظ [illegible]

میں نے چائے کی پیالی میز پر رکھی اور [illegible] دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم پہلے سے جانتے تھے [illegible] اس کے سوا کوئی راستہ نہیں۔“

اس نے کہا۔ ”بالکل۔ میں نے تمہیں [illegible] نکالنے کے لیے بڑی رقم خرچ کی ہے اور اب تم [illegible] کرم پر ہو لیکن اس سے بھی بڑھ کر ایک اور بات [illegible] جانتا ہوں کہ تمہاری ماں کون ہے اور باپ کے بارے [illegible] بھی معلوم ہے۔ اسی لیے میں نہیں سمجھتا کہ تم بھاگو گے۔ میں بھی کورین ہوں۔ میرے خاندان کی تیسری [illegible] جاپان میں پروان چڑھی ہے۔ میری ماں نے بھی [illegible] سبق پڑھایا جو تمہاری ماں نے پڑھایا ہوگا۔ ہم لوگ [illegible] عقیدے اور نظریات سے پیچھے نہیں ہٹتے۔“ اس نے توقف کیا۔

”میں تمہارے باپ کے بارے میں بھی جانتا ہوں۔“ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”میں اس کی جنگی خدمات اور بہادری سے بھی واقف ہوں۔ تم ایک اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہو اور اب تمہارے لوگوں کو تمہاری ضرورت ہے۔“

میں اب بھی تذبذب کے عالم میں تھا کیونکہ حال ہی میں آسکر جیسے لوگوں پر بھروسا کرنے کا تجربہ کچھ خوشگوار ثابت نہیں ہوا تھا۔

”مسٹر اکوشیما۔“ میں نے کہا۔ ”تم مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہو؟“

اس نے چائے کا گھونٹ لیا اور کپ میز پر رکھتے ہوئے بولا۔ ”جو میں چاہتا ہوں وہ دنیا میں سب سے آسان کام ہے اور انسانی تاریخ میں یہ کام کئی بار ہو چکا ہے۔“ اس کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہوئی۔ ”میں کسی کو قتل کروانا چاہتا ہوں۔“

چند گھنٹوں بعد میں ایک چھ منزلہ عمارت کی چھت پر موجود تھا۔ اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ گلی میں بالکل سناٹا تھا البتہ کبھی کبھی سڑک پر کسی پولیس کار کے گزرنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ میں عام حالات میں شاید

اس طرح کا کام کرنے میں اپنی قسمت کو کوستا لیکن اس کے بجائے مجھے خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ اس جیل کے مقابلے میں یہ گلی مجھے ایک خوشنما باغ کے مانند لگ رہی تھی۔ ٹورانا گا نے مجھے اس جہنم سے نکالا جس کے لیے میں اس کا تہ دل سے مشکور تھا۔ اس کے عوض وہ یہ توقع کر رہا تھا کہ میں مجرموں کے سرغنہ کاتایاما کو موت کے گھاٹ اتار دوں۔ اس نے میرے سامنے دونوں صورتیں رکھ دی تھیں۔ قتل کر دو یا جیل میں پڑے سڑتے رہو اور میرے پاس اس کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

اس نے مجھے اعشاریہ اڑتیس کا ریوالور دیا اور بتایا کہ کاتایاما اپنا بیشتر وقت اس عمارت کی چھٹی منزل پر واقع ایک نائٹ کلب میں گزارتا ہے جو صرف جاپانیوں کے لیے مخصوص ہے لیکن اس کلب کے نام کا سائن بورڈ کہیں نظر نہیں آیا کیونکہ بیجنگ میں رہنے والے جاپانی اپنے آپ کو نمایاں کرنا نہیں چاہتے۔ انہیں اب بھی دوسری جنگ عظیم کے دوران چین پر جاپان کا حملہ یاد ہے اور چین کی حکومت نے اس پر جو پروپیگنڈا کیا وہ بھی نہیں بھولا۔

تبھی دروازہ کھلا اور ایک نوجوان لڑکی دبے پاؤں باہر آئی۔ ایک پہلوان نما شخص اسے دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ گلی کے آخری سرے پر پہنچ گئی پھر اس آدمی نے دروازہ بند کر دیا۔ میں بھی اپنی جگہ سے باہر نکلا اور اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس مصیبت سے کیسے جان چھڑاؤں۔ کاتایاما کو قتل کرنے کے بعد بھی میں جیل ہی جاتا یا پھر مجھے انعام کے طور پر ٹورانا گا انٹرپرائز میں کوئی جگہ مل جاتی، اس صورت میں بھی میں اس کا ذاتی غلام ہی بن کر رہتا۔

اس کے علاوہ ایک اخلاقی مسئلہ بھی تھا۔ میں کوئی پیشہ ور قاتل نہیں بلکہ ایک شریف انسان ہوں۔ اسکاؤٹنگ کے زمانے میں بوڑھی عورتوں کو سڑک پار کرایا کرتا تھا۔ گو کہ وہ میری شکل دیکھ کر مذاق اڑاتیں لیکن ان میں سے کچھ مجھے ٹپ کے طور پر ایک سکہ بھی دے دیا کرتیں۔ میں نے ان خیالات کو سر سے جھٹکا اور اپنی توجہ اس لڑکی کا تعاقب کرنے پر مرکوز کر دی۔

میں نے اپنی رفتار بڑھائی اور درمیانی فاصلہ کم کرنے لگا۔ یہاں تک کہ میں اس کے قریب پہنچ گیا پھر جیسے ہی اس نے ایک موڑ کاٹا، میں اچانک اس کے سامنے آ گیا۔ وہ حیران ہوتے ہوئے بولی۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“

تمہارے ... وہ ... ”معلوم ہے۔“ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

اس نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا اور بولی۔ ”پیسے ہیں؟“

”ہاں۔“ میں نے جواب دیا اور جیب سے نوٹوں کی ایک چھوٹی گڈی نکالی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر نوٹ بھی لیے اور انہیں گننے لگی پھر اس نے دو نوٹ سے پرس میں رکھ لیے اور بولی۔ ”کافی ہیں۔“

پھر وہ مڑی اور مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ اس کا نام میلان تھا۔ وہ بہت خوب صورت تو نہیں لیکن پرکشش ضرور تھی۔ بھرا بھرا جسم، گہری سیاہ آنکھیں اور لمبے بال، عام طور پر نائٹ کلب میں کام کرنے والی لڑکیاں اتنی تروتازہ نہیں ہوتیں۔ صبح اس نے میرے لیے ناشتا بنایا اور میرے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئی۔ اس نے میرے بارے میں پوچھا تو میں نے مختصراً بتایا کہ میری ماں کوریئن اور باپ امریکی تھا لیکن میں نے اسے زیادہ تفصیل نہیں بتائی پھر میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کتنے عرصے سے اس جاپانی نائٹ کلب میں کام کر رہی ہے اور یہ کہ اس نے یہ پیشہ کیوں اختیار کیا۔

وہ وفا تی انداز میں بولی۔ ”کیونکہ اس میں اچھے پیسے ملتے ہیں۔“

میں اس کی صاف گوئی سے بہت متاثر ہوا۔ پھر وہ اپنے پرس سے ایک سگریٹ نکال کر پینے لگی پھر اس نے اپنے بارے میں مزید بتایا اور باتوں باتوں میں اس کی زبان پر کاتایاما کا نام آ گیا۔

”کیا مجھے اس کے پاس ملازمت مل سکتی ہے؟“ میں نے کہا۔

”تم کیا کام کر سکتے ہو؟“

”سیکیورٹی۔“ میں نے اپنا دایاں بازو پھلاتے ہوئے کہا۔

اس نے ناک پھلاتے ہوئے کہا۔ ”اس کے پاس اپنی سیکیورٹی ہے جس میں تنومند جاپانی شامل ہیں۔ وہ تمہیں کیوں رکھے گا؟“

”بعض اوقات اس کا واسطہ غیر ملکیوں سے بھی پڑتا ہوگا۔ میں بہت ہی اچھی انگریزی بول لیتا ہوں۔ ایسے موقع پر اسے میری ضرورت پڑ سکتی ہے۔“

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور سگریٹ کا دھواں ہوا میں چھوڑتی رہی۔

میں نے کہا۔ ”اگر میری اس سے ملاقات ہو جائے تو

یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ مجھے ملازمت دے دے گا۔''

''اوہو، اتنا اعتماد ہے اپنے آپ پر؟''

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ بولی۔ ''وہ لوگ کبھی تمہیں نائٹ کلب میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ وہ ان کی مقدس جگہ ہے۔''

''پھر کیا کرنا چاہیے؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے کچھ سوچا۔ میرے چہرے کو دیکھتی رہی پھر مسکراتے ہوئے بولی۔ ''میں ہر ایک کو نہیں بتاسکتی۔''

میں نے کہا۔ ''تم مجھ پر بھروسا کرسکتی ہو۔''

اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولی۔ ''وہ ویک اینڈ زوو ان جھیل پر گزارتا ہے۔''

''وہ کہاں ہے؟''

''ناچنگ۔''

''وہ تو یہاں سے سات سو کلومیٹر جنوب میں ہے۔''

''ہاں، ہم اس کے ذاتی طیارے میں جائیں گے۔''

''ہم؟''

''میں اور کچھ دوسری لڑکیاں۔'' اس نے بور ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ ''میں پہلے بھی وہاں جاچکی ہوں۔ اس کا ساحل پر ایک ولا ہے۔''

''کیا تم اس سے میرا تعارف کرواؤ گی۔''

''بالکل نہیں، وہ بہت حاسد ہے۔ اگر اسے معلوم ہوگیا کہ میرا ایک غیر ملکی دوست بھی ہے تو وہ مجھے پیٹھ پر لات مار کر نکال دے گا۔''

میں نے افسردہ ہونے کی اداکاری کی تو اسے مجھ پر رحم آگیا۔ ''ہر روز نصف شب کے قریب وہ جھیل میں تیراکی کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ اس کی صحت کے لیے مفید ہے۔ تم اس وقت ساحل پر ہی رہنا اور اس کے سامنے آکر باتیں شروع کردینا۔ اسے دلیر لوگ پسند ہیں۔''

''کیا اس کے محافظ مجھے نہیں روکیں گے؟''

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ ''ہاں بشرطیکہ تم اس کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاؤ۔''

میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔ ''دراصل مسئلہ یہ ہے کہ میرے پاس ریل کا کرایہ نہیں ہے۔''

''اوہ۔'' اس نے ناراض ہوتے ہوئے کہا لیکن وہ فوراً ہی بیڈروم میں گئی اور اپنا پرس لے کر واپس آگئی اور اس نے وہی نوٹوں کی گڈی میز پر رکھ دی جو میں نے اسے دی تھی۔

''اب یہ رقم واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا ...

سچ تو یہ ہے کہ ...

کافی رقم دی تھی۔ میں میلان سے ...

آپ کو مجرم محسوس کر رہا تھا لیکن ...

حاصل کرنے کا کوئی اور راستہ نہیں تھا ...

مزید معلومات حاصل کرسکوں۔

بلٹ ٹرین نے مجھے پانچ گھنٹے میں ...

وہ جمعے کی سہ پہر تھی۔ اب مجھے زوو ان جھیل ...

تلاش کرنا تھا۔ اس کے چاروں طرف ایک ...

سے موسیقی کی آواز آرہی تھی۔ کوئی پارٹی ...

پھر عورتوں کے چلانے کی آواز آئی۔ اس کے ...

کچھ مردوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے ...

اور جوتوں سے لان میں قدموں کی آوازیں ...

میں نے اپنی جگہ تبدیل کرلی تاکہ مجھے بہتر ...

ایک عورت کو باہر لایا جارہا تھا۔ وہ میلان تھی ...

کے قد اور جسامت سے پہچان لیا۔ جب وہ دروازے ...

سامنے کھڑی ہوئی کار تک پہنچے تو میلان نے آگے ...

سے انکار کردیا اور نیچے جھک گئی۔ دو آدمیوں نے اسے ...

کر سیدھا کیا اور پھر ایک زوردار تھپڑ کی آواز آئی۔ وہ ...

آدمی پر چلائی لیکن انہوں نے اسے اندر دھکیلا اور دروازہ زور سے بند کردیا۔

کیا انہیں میرے ساتھ اس کے تعلق کا علم ہوگیا تھا؟

اب ان باتوں پر غور کرنے کا وقت نہیں تھا۔ مجھے فوراً کچھ کرنا تھا ورنہ بہت دیر ہوجاتی۔ میں اس سڑک کی طرف بھاگا جو ساحل کے متوازی جارہی تھی۔ میں نے آتے ہوئے وہاں ایک لکڑی کا چھکڑا دیکھا تھا جسے مقامی کسان سبزیاں لانے لے جانے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ میں اسے کنارے سے کھینچ کر سڑک پر لایا اور اسے گھما کر اس طرح کھڑا کردیا کہ سڑک بلاک ہوجائے۔ ایک منٹ سے بھی کم وقت میں کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس نظر آئیں جو بڑی تیزی سے اس طرف آرہی تھی۔ جب ڈرائیور نے دیکھا کہ راستہ بند ہے تو اس نے گاڑی روکنے کے لیے پوری قوت سے بریک لگایا۔ کار میں بیٹھے ہوئے دو آدمیوں نے ادھر ادھر دیکھا لیکن انہیں کچھ نظر نہیں آیا جبکہ میں قریب ہی ایک جھاڑی کے پیچھے چھپا ہوا تھا پھر پسنجر سیٹ پر بیٹھا ہوا شخص گالیاں بکتا ہوا کار سے باہر آگیا۔

جب وہ چھکڑے کو سڑک پر سے ہٹانے کی کوشش

کر رہا تھا۔ میں ڈرائیور کی طرف گیا اور کھلی ہوئی کھڑکی سے ریوالور کی نال اس کی کنپٹی سے لگا دی پھر میں نے چھٹی زبان میں اسے حکم دیا کہ وہ کار کا انجن بند کر کے چابی میرے حوالے کر دے۔ پہلے تو اس نے انکار کیا لیکن جب میں نے ریوالور کا دباؤ بڑھایا تو اس نے انجن بند کر کے چابی مجھے دے دی۔ اتنی دیر میں اس کا ساتھی چکڑ سے کھسک چکا تھا۔ اس نے ہاتھ جھاڑے اور جیسے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی میں نے پستول اس کی طرف کر کے اسے قریب آنے کے لیے کہا۔

میلان پہلے ہی کار سے باہر آ چکی تھی اور غصے میں اپنے پاؤں زمین پر پٹختے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ”یہ مجھے مارنا چاہ رہے تھے۔ صرف تمہاری وجہ سے۔“

میرے پاس ان باتوں کے لیے وقت نہیں تھا۔ اس کے بجائے میں نے کار کی ڈکی کھول کر اس میں رسی تلاش کی جو خوش قسمتی سے مجھے مل گئی پھر اپنے چاقو کی مدد سے اس میں سے تین تین فٹ کے ٹکڑے کاٹے۔ میں ان دونوں کو نشان پر لیے ہوئے تھا۔ میلان نے ان کے دونوں کے ہاتھ پشت سے باندھ دیے پھر میں انہیں دھکیلتا ہوا جھیل کے نزدیک ایک درخت تک لے گیا اور انہیں کمر کے بل لیٹنے کے لیے کہا۔ میری ہدایت پر میلان نے ان کی پتلونیں اتاریں اور انہیں درخت کے ساتھ بٹھا کر باندھ دیا۔ پھر دوڑتی ہوئی کار تک گئی اور اس میں رکھی ہوئی باقی رسی بھی لے آئی پھر اسے مضبوطی سے ان کے گرد لپیٹ دیا۔

”تمہیں کار چلانا آتی ہے؟“ میں نے اس سے پوچھا۔

اس نے نفی میں سر ہلایا تو میں نے اسے ریوالور دیتے ہوئے کہا۔ ”پھر یہ پکڑو۔“

وہ ڈر رہی تھی لیکن میں نے اسے سمجھا دیا کہ ریوالور کیسے پکڑنا اور ٹریگر کس طرح دبانا ہے پھر میں دوڑتا ہوا سڑک تک گیا اور کار کو چلا کر جھاڑیوں میں ایک نشیب تک لے گیا۔ اب کسی کو بھی سڑک سے وہ کار نظر نہیں آ سکتی تھی۔ جب میں واپس آیا تو وہ پستول ہاتھ میں پکڑے رو رہی تھی۔ میں نے پہلی بار دیکھا کہ اس کے چہرے پر خراشیں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے اس سے پستول لے لیا اور پوچھا۔ ”تمہارے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہے؟“

”کا تایا ما نے۔“

”اور اس کے آدمی تمہیں کہاں لے جا رہے تھے؟“

[illegible] مجھے [illegible]

”[illegible] ہے؟“

”ہاں، اتفاق سے [illegible]

تو ساری زندگی [illegible]

”کیا [illegible]

”شاید [illegible]

قتل کر دیا تھا۔ اس نے [illegible]

”اسی لیے وہ تمہیں [illegible]

رہا تھا؟“

وہ سر جھکاتے ہوئے بولی۔ ”میں [illegible] کہ وہ انتہائی حاسد شخص ہے۔ وہ [illegible] چکا ہے۔“

میں نے بغیر سوچے سمجھے کہا۔ ”تم اپنے [illegible] ساتھ کیسے رہ سکتی ہو؟“

وہ غصے سے بولی۔ ”تم کیا سمجھتے ہو کہ میرے [illegible] کوئی دوسرا راستہ تھا۔ مجھے ایک دوسرے شہر سے یہاں لایا گیا تھا۔ ہم ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتے تھے۔ میرے والدین بہت غریب ہیں۔ یہاں تک کہ وہ جس زمین پر کام کرتے تھے وہ بھی ان کی اپنی نہیں تھی۔“

میں نے ایک بار پھر یہ اطمینان کیا کہ دونوں بدمعاش اچھی طرح بندھے ہوئے ہیں البتہ انہیں خاموش رکھنے کے لیے میرے پاس کوئی چیز نہیں تھی۔ میں نے اپنے موزے اتار کر ایک ایک ان کے منہ میں ٹھونس دیا۔ پھر میں میلان کو لے کر ساحل کی طرف چل دیا۔ دور پہاڑیوں کے پیچھے سے پورا چاند نمودار ہو رہا تھا۔

”اس جھیل میں پانچ چھوٹے جزیرے ہیں۔“ میں نے اسے بتایا۔ ”ان میں سے ایک گھاٹ کے بالکل عقب میں ہے۔“

”ہاں، کا تایا ما وہیں تیرتا ہوا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ پورا فاصلہ طے نہ کرتا ہو اور آدھے راستے سے ہی واپس آ جاتا ہو۔“

”کیا کوئی اور آدمی بھی اس کے ساتھ تیرتا ہے؟“

”نہیں، وہ سب گھاٹ پر کھڑے ہوتے ہیں۔ وہاں ایک تیز رفتار کشتی بھی ہوتی ہے اور وہ کسی مشکل میں اسے استعمال کر سکتے ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ بوڑھا ہو چکا ہے لیکن یہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ کسی جوان آدمی کی طرح مضبوط و توانا ہے۔“

”کیا واقعی ایسا ہے؟“

اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ ''میں کیا کر سکتی ہوں لیکن اس کا یہی خیال ہے۔'' پھر اس نے میرا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ ''تم کیا کرنے جا رہے ہو؟''

''تم یہیں ٹھہرو۔'' میں نے اس سے کہا۔ ''ان دونوں آدمیوں کو اپنے نشانے پر رکھنا۔ اور اگر یہ بھاگنے کی کوشش کریں تو انہیں گولی مار دینا۔ میں تھوڑی دیر میں واپس آ جاؤں گا۔''

''تم کہاں جا رہے ہو؟''

''جھیل میں تیرنے۔'' میں نے مختصر جواب دیا۔

مجھے نوراتاگا کو شیما کا قرض اتارنا تھا البتہ چھپ کر وار کرنا میری فطرت میں شامل نہیں لیکن اس نے جو کچھ میلان کے ساتھ کیا تھا اور اس سے بھی بدتر سلوک میرے ساتھ کرتا اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ میں نے ہی اس کا منصوبہ ناکام بنایا ہے، یہ سوچ کر ہی میرا خون جوش مارنے لگا۔ جھیل کے ساتھ ساتھ آدھا میل جانے کے بعد مجھے ایک چھوٹی کشتی مل گئی۔ میں نے اچھی طرح اطمینان کر لیا کہ کوئی مجھے نہیں دیکھ رہا پھر اس کی زنجیر کھولی اور اس میں سوار ہو کر اس چھوٹے جزیرے کی طرف روانہ ہو گیا جو کاتایاما کے گھاٹ کے نزدیک تھا۔ ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ میں نے کشتی کنارے لگائی اور درختوں کی آڑ میں چھپ کر انتظار کرنے لگا۔ مجھے امید تھی کہ وہ ہمیشہ کی طرح اپنا شوق پورا کرنے ضرور آئے گا۔

نصف شب کے قریب ایک سفید بالوں والا شخص تین ساتھیوں کے ہمراہ گھاٹ پر پہنچا۔ اس نے تولیا ایک ملازم کو دیا اور ہوا میں بازو لہرا کر گہرے سانس لینے لگا پھر اس نے انگلیوں سے اپنے پنجوں کو چھوا۔ اس ورزش کے بعد وہ گھاٹ کے سرے کی جانب بڑھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھائے اور ٹھنڈے پانی میں چھلانگ لگا دی۔

مجھے ایک شہتیر مل گیا جس پر کچھ پتوں والی شاخیں موجود تھیں۔ میں نے اسے آہستہ سے پانی میں اتارا اور اسے دھکیلتا ہوا آگے بڑھا۔ میری نظریں کاتایاما پر تھیں اور میں اس کی جانب ایک حریص مگرمچھ کی طرح بڑھ رہا تھا کوکہ مجھ پر تھوڑی سی گھبراہٹ طاری تھی۔ میں کسی ناکردہ جرم کی سزا میں جیل جانا نہیں چاہتا تھا اور نہ ہی میلان جیسی معصوم لڑکی پر ہونے والے ظلم پر خاموش رہ سکتا تھا۔

جب کاتایاما نے اس شہتیر کو اپنی جانب بڑھتے دیکھا تو گھبرا گیا۔ میرے سر کا اوپری حصہ ... میں چھپا ہوا تھا لیکن جب وہ مجھ سے ... گیا تو میں نے گہری سانس لی اور پانی میں ... سے دور رہنے کے لیے لاتیں چلا رہا تھا۔ میں ... پکڑا اور اسے لیے پانی میں اترتا چلا گیا۔

مجھے امید تھی کہ یہ جھٹکا اس کے لیے ... گا کہ اسے سانس لینے کا موقع بھی نہیں مل ... اس نے ایسی کوشش کی تو جھیل کا پانی اس کی ... جائے گا لیکن اس نے تیزی سے لاتیں چلانا ... دیں۔ جب ہم پانی میں چھ فٹ سے زیادہ نیچے ... تو میں نے ہاتھ بڑھا کر پہلے اس کا کندھا پھر ... اس نے اپنے آپ کو چھڑانے کے لیے جدوجہد کی ... مجھے گھونسے مارنے لگا لیکن پانی کے دباؤ کی وجہ سے ... کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ میرا سانس بھی اکھڑنے لگا تھا۔ ... نے اپنا سر پانی سے باہر نکالا اور تازہ ہوا میں گہرا سانس لیا۔ کاتایاما ایک مرتے ہوئے آدمی کی طرح آخری جدوجہد کر رہا تھا۔ وہ میری تمام تر کوشش کے باوجود اپنا سر پانی کی سطح سے باہر نکالنے میں کامیاب ہو گیا لیکن میں نے اپنا توازن دوبارہ قائم کیا اور اس سے پہلے کہ وہ سانس لیتا میں نے دوبارہ اسے پانی میں ڈبو دیا۔

اس نے ایک بار پھر مجھے پکڑنے کی کوشش کی لیکن اس کے ہاتھ کچھ نہ آسکا۔ اس کی جدوجہد کمزور پڑتی جا رہی تھی پھر وہ ساکت ہو گیا۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ وہ بدمعاشوں کا سرغنہ آہستہ آہستہ جھیل کی گہرائی میں اترتا جا رہا تھا۔

میں کپکپاتا ہوا ساحل پر آیا تو میلان نے میرا جسم خشک کیا اور کپڑے پہننے میں میری مدد کی۔ ہم ان دونوں بدمعاشوں کو وہیں چھوڑ کر کار تک آ گئے۔ میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور کار کو سڑک پر لے آیا۔ میرے ہاتھ ابھی تک کانپ رہے تھے۔ اس لیے میں نے پوری رفتار سے ہیٹر چلا دیا۔ میں نے ایک موڑ کاٹا اور ہم اونچائی پر چڑھ گئے۔ میلان نے پستول مجھے واپس کیا۔ میں نے اسے سیٹوں کے درمیان رکھتے ہوئے کہا۔ ''تم کہاں جاؤ گی؟''

''تم جہاں لے جاؤ۔'' اس نے میرے کندھے پر سر رکھتے ہوئے کہا۔

میں مطمئن انداز میں مسکرا دیا۔ مجھے میری منزل مل چکی تھی۔ میں نے نوراتاگا کا قرض بھی اتار دیا تھا اور اب میں آزاد تھا۔

آزاد قیدی

اعتزاز سلیم وصلی

اسیری کے شب و روز کتنے ہی طویل سہی آزادی کی امنگ امید کبھی دم نہیں توڑتی... جدوجہد آزادی کا جذبہ ہمیشہ توانا و پُرجوش رہتا ہے... قدرتی حسن کی دولت سے مالا مال کشمیر کی وادیوں سے جڑے تعلق کا اظہار اور اس کے نتیجے کا خطرناک انجام... وہ نوجوان تھا... جذبۂ حب الوطنی اور پاکستان سے محبت کا دعوے دار تھا... اس کا یہی دعویٰ اس کی زندگی کو موت سے ہمکنار کرنے کا پیش خیمہ بن گیا...

ناکردہ جرم کا خراج دینے والے خاندان کا اعزاز و احساس

آج کی طوفانی بارش نے سب کو اپنے اپنے گھروں میں قید کر دیا تھا۔ مجھے اس دن آفس سے دیر ہو گئی۔ شام کے چھ بجے تھے جب میں اپنی بائیک پر بارش میں بھیگتا ہوا اپنے گھر والی گلی میں داخل ہوا۔ میں نے بائیک گھر کے گیٹ پر روک دی۔ بارش کی بوندیں کنکریوں کی طرح چہرے سے ٹکرا رہی تھیں اور تیز ہوا نے موسم کی خرابی میں اضافہ کیا ہوا تھا۔ پوری گلی سنسان پڑی تھی۔ میں اندر داخل ہونے ہی لگا تھا کہ محلے کی مسجد کے امام دکھائی دیے۔ وہ خراب موسم کے باوجود ہماری گلی میں داخل ہو کر گرنے والے پرچم اور جھنڈیاں اٹھا کر ان پر لگی مٹی اپنی قمیص سے صاف کر رہے تھے۔ میں بے اختیار ان کی طرف بڑھا۔

”امام صاحب اندر آ جائیں، بارش بہت تیز ہے۔“ میں نے گیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

”نہیں بیٹا، یہ پرچم اڑ کر نیچے گر رہے تھے اس لیے اٹھانے آ گیا۔ اب واپس مسجد جاتا ہوں۔“ وہ واپس مسجد کی طرف بڑھے مگر میں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''مسجد دور ہے امام صاحب، بارش نہیں رکنے والی۔ آپ آجائیں میرے ساتھ۔'' انہوں نے انکار کرنا چاہا مگر میں نے ان کی بات کاٹ دی۔ ''پندرہ بیس منٹ تک رک جائے گی پھر آپ چلے جایئے گا۔'' اس بار ان کا سر اثبات میں ہل گیا۔ وہ ویسے بھی میری بیٹی کو قرآن پاک پڑھانے ہمارے گھر آتے رہتے تھے۔ میں انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر اپنی بائیک بھی اندر لے آیا اور بیوی کو چائے کا کہہ کر کپڑے بدلنے چلا گیا۔ کچھ دیر بعد جب میں ڈرائنگ روم میں واپس آیا تو میں نے دیکھا۔ امام صاحب پاکستان کا پرچم آنکھوں سے لگا کر رو رہے تھے۔ گیلے پرچم پر ان کے آنسو بھی بہہ رہے تھے۔ میں ساکت رہ گیا۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اپنے آنسو صاف کیے اور کمرے سے باہر دیکھتے ہوئے بولے۔

''شفیع بیٹا، کیا آزادی کا دن صرف چودہ اگست ہے؟'' میں ان کا سوال سن کر حیران رہ گیا۔ کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد جواب دیا۔

''آزادی تو ہم نے چودہ اگست کو ہی حاصل کی تھی۔''

''اور جو ہم آزاد زندگی گزارتے ہیں سال کے تین سو پینسٹھ دن، وہ؟'' اس بار میں خاموش ہو گیا۔ چائے آگئی۔ ہم خاموشی سے چائے پینے لگے۔ کچھ دیر بعد امام صاحب کھوئے کھوئے لہجے میں بولے۔

''پاکستان کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جو آزاد نہیں پر وہاں پاکستان کی آزادی کا جشن سارا سال منایا جاتا ہے۔''

''کون سا؟''

''کشمیر'' ان کی آنکھیں پھر نم ہونے لگیں۔ میں نے انہیں رونے دیا۔

''تم جانتے ہو شفیع، وہاں کی گلیوں میں خون بہتا ہے پر لوگ پھر بھی گلیوں میں نکل کر اپنا حق مانگتے ہیں۔''

''امام صاحب، آپ اتنا کیسے جانتے ہیں کشمیر کے بارے میں؟''

''کیونکہ میں خود کشمیری ہوں اور مجھے فخر ہے اپنے کشمیری ہونے پر۔'' وہ نم آنکھوں سے مسکرائے۔

''کبھی بتایا نہیں آپ نے۔'' امام صاحب چند سال پہلے ہی محلے میں ایک جاننے والے کے توسط سے آئے تھے۔

''کبھی پوچھا ہی نہیں کسی نے۔''

''میں جاننا چاہوں گا۔''

''کیا؟''

''کشمیر اور اس کی کہانی۔''

''کشمیر کی کہانی تو بہت لمبی ہے [illegible] جڑی ایک کہانی ضرور سناتا ہوں۔'' انہوں [illegible] اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد آہستہ آہستہ [illegible] طرف لوٹ گئے۔

☆☆☆

سری نگر میں بہار کا موسم عروج پر تھا۔ [illegible] گھرے اس شہر کی خوبصورتی بیان کرنے کے لیے [illegible] مثال دی جاتی ہے۔ اس دن نرم دھوپ اور [illegible] موسم کو خوشگوار بنا دیا تھا۔ کالج کے میدان میں [illegible] سے بار بار اعلان ہو رہا تھا۔

''آج کرکٹ کے اس ٹورنامنٹ کا فائنل میچ [illegible] جائے گا۔ سری نگر الیون اور پاکستان الیون سے [illegible] تیار رہیں صرف آدھے گھنٹے بعد یہ میچ شروع ہوگا۔'' [illegible] موجود لوگ یقیناً پاکستان الیون کا نام سن کر چونکے [illegible] ہوں گے مگر اس ٹیم کے کپتان علی ذیشان کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس مقبوضہ علاقے میں پاکستان الیون بنا کر کھیلنا واقعی بہادری کا کام تھا مگر اعتماد اور حوصلے نے اس ناممکن کام کو ممکن کر دیا تھا۔ انڈر سیونٹین کے اس ٹورنامنٹ میں پاکستان الیون کا کپتان سولہ سال کا علی ذیشان ہی تھا۔ کالج کے میدان میں ہونے والا یہ ٹورنامنٹ چند دن پہلے ہی شروع ہوا تھا۔ کالج کی انتظامیہ نے ہی ادھر گرد سے نوجوان ٹیلنٹ کو شہر کے لیول پر لانے کے لیے اس ٹورنامنٹ کا انتظام کیا تھا۔ کالج میں ویسے بھی امتحانات کے بعد چھٹیاں تھیں۔ اشتہار دیکھ کر علی ذیشان کا دل جوش سے بھر گیا۔ وہ ایسے ہی کسی موقع کی تلاش میں تھا۔ اپنے محلے میں سے پندرہ کھلاڑی چن کر اس نے اپنی ٹیم انٹر کروائی۔ باقی سب مختلف اسکول، کالجز کی ٹیمیں تھیں جن کے پاس ان سے کہیں زیادہ وسائل تھے مگر علی ذیشان کو باپ سے حوصلہ دیا تھا جو آج کل نوجوان نسل میں بہت کم ہوتا ہے۔ ٹیم انٹر کرواتے وقت سب سے زیادہ مسئلہ نام کی وجہ سے بنا۔ علی ذیشان اپنی ٹیم کا نام پاکستان رکھنا چاہتا تھا مگر کالج انتظامیہ یہ رسک لینے کے لیے تیار نہ تھی۔ ایسے میں ایک ہندو پروفیسر نے اس کی سفارش ان الفاظ میں کی۔

''کروانے دو اس کو پاکستان کے نام سے ٹیم انٹر۔ ویسے بھی اس کی ٹیم کی حالت بھی پاکستان کی قومی ٹیم سے زیادہ مختلف نہیں لگتی۔'' اس پر کالج کا وہ روم قہقہوں سے

گونج اٹھا۔ ان کے قہقہوں کا جواب انہیں کرکٹ کے میدان میں ملا جب علی ذیشان کی ٹیم میں آؤٹ ہی نہ ہوا۔ بہترین سے بہترین گیند باز بھی اس کی بیٹنگ کے آگے بے بس نظر آنے لگا۔ علی ذیشان اور اس کی ٹیم نے سب کو حیران کر دیا اور فائنل میں جگہ بنائی۔ آج پورا کالج چھٹی کے بعد پاکستان الیون کا سری نگر الیون سے فائنل دیکھنے آیا تھا۔ علی ذیشان کو تماشائیوں میں اپنا باپ بھی بیٹھا دکھائی دیا۔ اس نے باپ کو دیکھ کر فخر سے بیٹ ہوا میں لہرایا۔ ٹاس سری نگر الیون نے جیتا اور پہلے بیٹنگ کا فیصلہ کیا۔ علی ذیشان کی ٹیم نے انہیں مقررہ سولہ اوورز میں صرف ستر رنز بنانے دیے۔ ان کی جیت یقینی نظر آ رہی تھی۔ پاکستان کی جیت کا خواب دیکھنے والا علی ذیشان کا باپ کھڑا ہو کر تالیاں بجا رہا تھا۔ دوسری اننگ شروع ہونے میں ابھی پندرہ منٹ باقی تھے کہ کالج کے گیٹ پر انڈین آرمی کی جیپ آ کر رکی اور انڈین آرمی کے کئی جوان اتر کر کالج کی طرف بڑھے۔ انہی میں سے ایک چلایا۔

"سنا ہے یہاں کچھ پاکستانی دہشت گرد موجود ہیں۔" پاکستان الیون کی ٹیم اور اس کی سپورٹ کرنے والے لوگوں کے چہرے زرد پڑ گئے۔ اسی دوران ایک فوجی نے پاکستان کا نام شرٹ پر لکھے اس ٹیم کو دیکھ لیا۔ وہ سب بھاگتے ہوئے ان کی جانب بڑھے۔ کالج میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ علی ذیشان کے ساتھی لڑکے بھاگنے لگے مگر وہ کھڑا رہا۔ ایک انڈین فوجی نے آگے بڑھ کر ہاتھ میں پکڑا ڈنڈا اس کی ٹانگ پر رسید کیا۔ اس کا خون بھی گرم تھا۔ اس نے بلے کا وار سیدھا فوجی کے ماتھے پر کیا۔ ماتھا پھٹ گیا اور فوجی کا خون زمین پر گرنے لگا۔ بھاگتے ہوئے لڑکوں پر ایک فوجی نے فائرنگ شروع کر دی۔ کچھ لڑکے چلاتے ہوئے گرے۔ کچھ زخمی ہوئے مگر کالج سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ علی ذیشان کو فوجیوں نے گھیر لیا۔ چاروں طرف سے ڈنڈوں کی برسات نے اس پر ظلم ڈھا دیا۔ وہ تیورا کر نیچے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ ایک فوجی نے آگے بڑھ کر نفرت سے اس پر تھوک دیا۔

"یہی حرامی کپتان ہے ٹیم کا۔ لے چلو اس....." گالیوں کے طوفان نے اس کے کئی الفاظ نگل لیے۔ علی ذیشان کو اٹھا کر انہوں نے جیپ میں ڈال دیا۔ ابھی وہ اسے لے جانے لگے تھے کہ اس کا باپ عبداللہ چلاتے ہوئے آگے بڑھا۔

"چھوڑ دو میرے بیٹے کو۔" ایک فوجی نے ہاتھ میں پکڑی بندوق کو لاٹھی کی طرح استعمال کرتے ہوئے اس کے چہرے پر ماری۔ وہ زمین پر گر گیا اور جیپ آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

اذیت لفظ کے معنی اس وقت کوئی اگر علی ذیشان سے پوچھتا تو شاید وہ سب سے بہتر بتا سکتا۔ فوجیوں نے اس کے کپڑے اتار کر الٹا لٹکا دیا تھا۔ ناک سے بہنے والا خون فرش پر گر رہا تھا مگر فوجی بدستور اس پر ڈنڈے برسا رہے تھے۔ اس کا جرم بہت بڑا تھا۔ اس نے پاکستان کے نام سے ٹیم بنائی تھی۔ اس نے ایک بھارتی فوجی کا سر پھاڑ دیا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر ایک بار پھر بے ہوش ہو چکا تھا۔ انہوں نے مرنے سے بچانے کے لیے اسے کھال فرش پر لٹا دیا اور خود باہر چلے گئے۔ وہ جانے کتنی دیر وہاں پڑا رہا۔ اپنے خون میں لت پت۔ زندہ لاش کی مانند۔ اسے خبر نہ تھی، اس کے والدین کتنے پریشان تھے اس کے لیے۔ وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کا باپ ہمیشہ کہتا تھا۔

"بیٹا ہمارا کشمیر تو پاکستان کا حصہ ہے۔ یہ ہندوؤں کی چال اور انگریزوں کی مکاری کی وجہ سے ہم اس سے جدا ضرور ہیں مگر دھرتی ماں سے جدا ہو کر یہ بیٹا بھی سکون سے نہیں رہا۔ ایک دن انشاءاللہ ہم پاکستان کا حصہ بنیں گے۔" یہ باپ کی تعلیم تھی جس کی وجہ سے علی ذیشان اپنے دوستوں سے کہتا تھا۔

"دیکھنا ایک دن میں پاکستان کی ٹیم کی طرف سے اوپننگ کروں گا۔ یہ بڑے بڑے کھلاڑی میرے ساتھ کھیلیں گے۔" اس کی صلاحیت میں کوئی شک نہ تھا۔ کرکٹ کو سمجھنے والا اسے کھیلتا دیکھ کر اس کی تکنیک اور اسٹائل سے سمجھ سکتا تھا کہ یہ مستقبل کا بہترین بلے باز بن سکتا ہے مگر افسوس..... اس کی پاکستان سے محبت آج اسے بُرے حال میں لے آئی تھی۔ اپنی ٹیم کا نام پاکستان الیون رکھنا ہی اس کا گناہ بن گیا تھا۔ وہ گھسٹ کر اس چھوٹی سی کوٹھڑی کے ایک کونے میں چلا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ خون کی لکیر بھی چلی جا رہی تھی۔ اس نے ناک سے بہنے والا خون ہاتھ سے صاف کرنے کی کوشش کی مگر ہاتھوں سے جان نکل رہی تھی۔ وہ صرف سولہ سال کا تھا اور اسے جانوروں کی طرح پیٹا گیا تھا۔ وہ ڈر محسوس کر رہا تھا آنے والے وقت سے.....

☆☆☆

ممبئی کرکٹ گراؤنڈ میں اس وقت پریکٹس کے لیے لگے نیٹ میں کئی کھلاڑی کھیلنے میں مصروف تھے۔ کچھ دیر بعد یہاں ٹرائل ہونے تھے جس میں انڈین لیگ کے لیے

کھلاڑیوں کو منتخب کیا جاتا تھا۔ آزمائشی کھلاڑیوں کی اس سلیکشن کی نگرانی انڈیا کا مشہور کھلاڑی ارجن سنگھ کر رہا تھا۔ سب سے پہلے بلے بازوں کے ٹرائل لیے گئے۔ یہ سب بیس سال سے کم عمر کے کھلاڑی تھے۔ ارجن سنگھ کے ساتھ سیاہ چشمہ پہنے میجر روی بیٹھا تھا۔ دھوپ سے بچنے کے لیے اس نے سر پر ہیٹ پہن رکھا تھا۔ آخری نمبر پر اس نوجوان کھلاڑی کی باری آئی جو کافی دیر سے جال میں پریکٹس کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر میجر روی کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

اس نے چشمہ اتارا اور ارجن سنگھ کی طرف دیکھا۔

''میں چیلنج کرتا ہوں یہ لڑکا ممبئی کی طرف سے اوپننگ کرے گا اس سیزن میں۔'' روی کی بات سن کر وہ مسکرایا۔

''روی صاحب آپ آرمی والوں کو کرکٹ کی کیا سمجھ۔ وہاں چھوٹے شہر میں یہ کھیل لیتا ہوگا یہاں کی کنڈیشن اور پچ دیکھیں اور پھر باؤلرز دیکھیں۔ نوے میل کی اسپیڈ سے بال آئے گی تو اس کا بلا اٹھانے سے پہلے وکٹ اڑ جائے گی۔'' ارجن سنگھ نے کمنٹری کرنے کے مخصوص انداز میں کہا تو روی ہنس پڑا۔

''دیکھ لیتے ہیں۔'' اگلی چند بالز پر روی کی کہی گئی بات سچ لگنے لگی۔ نوجوان کرکٹر نے خوبصورت انداز میں پہلی دو بالز کو ڈیفنڈ کیا اور باقی دونوں کو باؤنڈری کی راہ دکھائی۔ باقی سب کھلاڑی تین چار بال سے ہی سلیکٹ یا ریجیکٹ ہوئے تھے مگر اس پر تین اوور کروائے گئے اور ارجن سنگھ اس کے ٹیلنٹ کی تعریف کیے بنا نہ رہ سکا۔

''کہاں سے پکڑ کر لائے ہیں اسے۔ ایسی خوبصورت بلے بازی تو پوری انڈر نائنٹین میں کوئی نہیں کرتا۔'' روی نے دوبارہ سیاہ چشمہ پہنا اور مونچھوں کو تاؤ دے کر جواب دیا۔

''اس بچے نے وہاں بھی سب کو حیران کر رکھا تھا بس میں نے تو ذرا اس کے خوابوں کا رخ موڑا۔'' اس کے بعد روی نے اس کھلاڑی کی مکمل تفصیل بتائی۔ ارجن سنگھ حیرانی سے سب سنتا رہا۔

''اس کے ٹیلنٹ میں کوئی شک نہیں مگر اس کا بیک گراؤنڈ مسئلہ کرے گا۔ آپ جانتے ہیں ممبئی شدت پسندوں کا شہر ہے۔ ایسے کھلاڑی کو کہاں برداشت کریں گے اپنی ٹیم میں۔''

''بھئی یہ تو آپ کا کام ہے۔ میں نے تین سال تک رکھا ہے اسے اپنے پاس۔ اس کے دماغ میں بھری گندگی نکالی ہے۔ اگر یہ ٹیم میں کھیلے گا تو ہم ان لوگوں کا دماغ کنٹرول کر سکتے ہیں اس کی چال [illegible]

''ایک تیر سے دو شکار۔''

''میں کوشش کروں گا۔ ممبئی کا کپتان [illegible] ہیں سخت ہے ایک مسلمان لڑکا [illegible] رکھا [illegible] میں۔'' ارجن سنگھ نے جتایا۔

''آپ کوشش کریں، اگر یہاں بات [illegible] شہر لے جاؤں گا، یہ ہیرا ہے کوئی بھی خوشی سے [illegible] لے گا۔'' اور ان سب باتوں سے بے خبر وہ [illegible] دوبارہ پریکٹس میں مصروف ہو گیا تھا۔

☆☆☆

علی ذیشان کا اس کوٹھری میں پڑے تیسرا [illegible] بھوک پیاس سے اس کا برا حال تھا۔ حلق [illegible] تھوک نگلتا تو اس میں خون کا ذائقہ شامل ہو جاتا۔ [illegible] طور پر فوجیوں سے ڈر محسوس کر رہا تھا۔ تیسرے دن [illegible] وقت اسے ٹھنڈا پانی اور سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا [illegible] چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر کے ایک پیالے میں ڈال کر [illegible] گیا۔ جس فوجی کا اس نے سر پھاڑا تھا وہ سر پر پٹی باندھے کوٹھری کے اندر آیا اور پیالہ اس کے سامنے رکھا۔ اس کے ہاتھ ڈوری کے ذریعے باندھ دیے گئے۔

''پتا ہے یہ پیالہ میرے کتے کا ہے۔ اوئے پاکستان الیون کے کپتان صاحب ذرا یہ پانی پیو اور روٹی کے ٹکڑے چباؤ شاباش۔'' علی ذیشان کمر کے بل جھک گیا۔ اس کے گھٹنے زمین پر لگے اور وہ گھسٹ کر پیالے کے پاس آیا۔ جیسے ہی اس کا منہ پیالے کے پاس پہنچا تو فوجی نے پیر کی ٹھوکر سے پیالہ آگے گھسیٹ دیا۔

''محنت کر کے کھا سور کی اولاد۔'' فوجی چیخا۔ تذلیل کے احساس سے ذیشان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ کھیل مزید دس پندرہ منٹ جاری رہا۔ آخر فوجی اسے دو ٹھوکریں رسید کر کے اس کے ہاتھ کھول کر باہر چلا گیا۔ روٹی کے ٹکڑے کھا کر اور پانی پی کر اس کی بھوک و پیاس کچھ کم ہوئی۔ اس رات اسے ایک بار پھر الٹا لٹکا دیا گیا۔ رات اسی حالت میں گزری۔ دوسری صبح اسے کوٹھری کے اردگرد ہلچل محسوس ہوئی۔ ایک فوجی نے اسے اتارا اور کہا۔

''میجر صاحب آ رہے ہیں یہاں۔ تجھ سے کچھ پوچھیں تو کچھ الٹا سیدھا مت بھونکنا ورنہ برا حال کریں گے۔'' وہ جاننے کے باوجود نہ پوچھ سکا کہ اس سے زیادہ برا حال اور کیا کر سکتے ہیں۔ دس بجے کے قریب میجر کی آمد ہوئی۔ صوبیدار کے کمرے میں بیٹھ کر اس نے صورت حال

کا جائزہ لیا اور صوبیدار سے پوچھا۔

''کالج کے ٹورنامنٹ سے تم لوگ ایک لڑکا پکڑ کر لائے ہو، کیا نام ہے اس کا۔'' اس نے ماتھے پر ایسے ہاتھ رکھا جیسے کچھ بھول رہا ہو۔

''جی علی ذیشان نام ہے، کچھ زیادہ ہی پاکستان سے محبت کا جوش چڑھا ہے، امید ہے اُتر جائے گا۔'' صوبیدار نفرت سے بولا۔

''انٹرنیٹ پر ویڈیو موجود ہیں اس کی۔ کیا غضب کا بلے باز ہے یہ لونڈا۔ دو دن پہلے دیکھا تو کسی نے خبر دی کہ یہ ہمارے پاس قید ہے۔'' میجر نے اس کی بات کو نظر انداز کیا۔

''سر جی اس سے زیادہ ٹیلنٹڈ کھلاڑی تو ہمارے اپنے ملک میں موجود ہیں۔''

''تم لوگ بہت چھوٹے لیول کی سوچ رکھتے ہو صوبیدار۔ کیا تم نہیں جانتے ہم طاقت کے بل بوتے پر مزید ان کو غلام نہیں بنا سکتے۔ اب وقت آ گیا ہے ان کو ذہنی غلام بنایا جائے اس کے لیے ضروری ہے ان کو لالچ دیں۔ سہولیات کا...... پیسے کا۔ آج سری نگر سے ایک کھلاڑی انڈیا میں کھیلے گا تو کل کتنے نوجوان کھلاڑی آزادی کی لڑائی کے بجائے ہمارے ملک کی کرکٹ کھیلنے جائیں گے؟ یقیناً تعداد جائیں گے اور اپنے آباؤ اجداد کا خون بھول جائیں گے جو ہم نے یہاں بہایا ہے۔ اگر ہم سب یہ نہیں کریں گے تو آزادی کی جدوجہد جس طرح زور پکڑ رہی ہے ایک دن ہم یہاں سے نکالے جائیں گے۔ اس کی بڑی مثال علی ذیشان ہے جسے پاکستان سے اتنی محبت ہے کہ وہ اس کے نام کی ٹیم بنا کر کھیل رہا ہے، وہ بھی بغیر کسی ڈر خوف کے۔ اب ہمیں ان پر ویسے ہی قبضہ کرنا ہے جیسے انگریز قوم نے برصغیر پر کیا تھا اور اس کی سب سے بڑی مثال میں مہیا کروں گا سرکار کو۔ علی ذیشان کی شکل میں۔'' میجر کے لبوں پر کھیلنے والی مسکراہٹ میں شیطانی عزائم تھے۔

''لڑکا میرے حوالے کرو۔'' بیس منٹ بعد علی ذیشان کو کپڑے پہنا کر میجر کے حوالے کر دیا گیا۔ جہاں ایک نیا سفر اس کا انتظار کر رہا تھا......

☆☆☆

ممبئی کرکٹ بورڈ انڈین کی مشہور لیگ کے لیے اپنی ٹیم کے اسکواڈ کو فائنل کر رہا تھا۔ بورڈ کے اہم ممبر اور کئی مشہور کھلاڑی اس کمیٹی میں شامل تھے۔ پہلے چودہ کھلاڑی چنے جا چکے تھے مگر پندرھویں کھلاڑی کی سلیکشن پر بحث ہو رہی تھی۔ اُدھر۔ اسپنر کھلاڑیوں کی اس کیٹیگری میں انڈین انڈر نائنٹین، انڈیا اے اور ممبئی کے کئی نوجوان کھلاڑی شامل تھے مگر بحث کی وجہ ارجن سنگھ کا چنا گیا کھلاڑی تھا۔

''ہم اسے کھلانے کا رسک نہیں لے سکتے۔ اگر انتہا پسند لوگوں کی کوئی تنظیم پورا اسٹیڈیم بند کر دے تو کیا کریں گے ہم؟ اپنے ہوم گراؤنڈ کے بجائے کہیں اور کھیلنے جائیں گے؟'' انڈیا ٹیم کے سابق کپتان اور ممبئی کی ٹیم کے کوچ نے اعتراض اٹھایا۔

''ارجن سنگھ اسے چُن چکے ہیں۔ اسکواڈ میں ایک ایمرجنگ کھلاڑی کی شمولیت لازمی ہے، لڑکا بہترین بلے باز ہے ہمیں رسک لینا ہوگا۔'' بورڈ کے ڈائریکٹر نے جواب دیا۔

''ہم نے ادتیہ کو کپتان بنایا ہے ٹیم کا۔ کیا وہ اجازت دے گا ایک مسلمان کو کھلانے کی؟ اور مسلمان بھی وہ جس کا ماضی خطرناک ہے جو ایک زمانے میں پاکستان الیون بنا کر کھیل چکا ہے۔''

''ادتیہ کو سمجھایا جا سکتا ہے، یہ ممبئی کے لیے فائدہ مند ہوگا اور ویسے بھی حکومت کشمیر پر مکمل قبضہ جمانے کے لیے یہ سیاست شروع کر رہی ہے۔ آنے والے دنوں میں اسی طرح کئی جوانوں کو یہاں لایا جائے گا بلکہ ممکن ہے ان کشمیریوں میں سے کئی فوج میں بھی شامل کیے جائیں۔ ان لوگوں کی برین واشنگ شروع ہو چکی ہے۔'' ڈائریکٹر خود سیاست کے ذریعے انڈین کرکٹ بورڈ میں آیا تھا۔ ایسی سیاسی چالوں سے خوب واقف تھا۔

''اس کی پرفارمنس کیا ہے؟ کیا ہم ارجن سنگھ کے ٹرائل پر ہی اس کا انتخاب کر رہے ہیں؟'' کوچ کے سوال کے جواب میں اس کے سامنے ایک شیٹ رکھ دی گئی جس پر پچھلے دو سالوں میں علی ذیشان کی پرفارمنس درج تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے یہ بلے باز پچ پر آ کر آؤٹ ہو جانا بھول جاتا ہے۔ اس کی ایوریج ساٹھ کے قریب اور اسٹرائیک ریٹ بھی سو سے اوپر تھا۔

''گریٹ'' اس نے سر ہلایا۔ ''میری طرف سے یس۔'' اس نے ہاتھ کھڑا کیا۔ اس کے ساتھ ہی تین مزید ہاتھ ہوا میں بلند ہوئے۔ میٹنگ کے اختتام پر سب کمرے سے باہر آئے مگر ڈائریکٹر نے کوچ کو روک لیا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے کوچ کی طرف دیکھا۔

''ادتیہ کو تم قابو کرنا، مجھے نہیں لگتا وہ اس کشمیری کو ٹیم میں کھلائے گا۔'' کوچ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور باہر کی

طرف چل دیا۔

☆☆☆

علی ذیشان کے لیے وہ گھر ایک جنت سے کم نہیں تھا۔ آفیسرز کالونی میں میجر روی کا گھر سری نگر میں موجود کئی گھروں سے زیادہ خوبصورت تھا۔ روی کا سلوک اس کے ساتھ بہترین تھا۔ گھر لا کر اس نے اسے نہانے کو کہا۔ گرم پانی نے زخموں کو سکون دیا۔ باہر آکر اس نے کپڑے بدلے۔ یہ کچھ دیر پہلے ہی خریدے گئے تھے۔ کپڑے بدلنے کے بعد روی نے اسے کمرا دکھایا اور کہا۔

''علی ذیشان میری بیوی اور بچے ممبئی رہتے ہیں۔ اس بڑے گھر میں اکیلا ہوں.... آج کے بعد تم میری تنہائی دور کرو گے ہم مل کر رہیں گے یہاں۔ تم یہاں کرکٹ کھیلنا۔ ٹی وی دیکھنا۔ عیش کرنا۔''

''مم...... میں اپنے ماں باپ سے ملنا چاہتا ہوں۔'' وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔ فوجیوں کے تشدد سے جسمانی طور پر وہ باہر آگیا تھا مگر دماغ ابھی تک اس تشدد کا سوچ کر لرز رہا تھا۔ اس لیے میجر روی سے بھی اسے خوف محسوس ہو رہا تھا۔

''افسوس میرے پاس کوئی اچھی اطلاع نہیں۔ ابھی آرام کرو بعد میں تفصیل سے بتاتا ہوں۔''

''میں ابھی جاننا چاہوں گا۔'' اس کا دل دھڑک اٹھا۔

''تمہارا باپ تمہیں ڈھونڈتے ہوئے ایک ایکسیڈنٹ میں مارا گیا۔ تمہاری ماں بھی یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکی اور اسی دن اس کی بھی ڈیتھ ہو گئی۔'' میجر روی کی بات سن کر اسے لگا زمین گھومنے لگی ہے۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ آنکھ سے آنسو رواں ہو گئے۔ روی اس کے پاس آیا۔

''مجھے بھی بہت افسوس ہوا۔ چلو بیٹا ماضی کو بھول جاؤ ایک نئی زندگی شروع کرتے ہیں۔ تمہارا مستقبل بہت روشن ہے، بھول جاؤ ماضی کو۔'' وقت سے بڑا مرہم کوئی نہیں۔ علی ذیشان کی زندگی بھی رفتہ رفتہ معمول پر آگئی۔ تین ماہ بعد اس نے اسکول جانا شروع کر دیا اور ساتھ ساتھ کرکٹ کھیلنا بھی۔ اس دوران میجر روی نے اپنا کام کرنا شروع کر دیا۔ اکثر اسے پاس بٹھا کر کشمیر کے بدلتے حالات کے بارے میں بتاتا رہتا تھا۔

''دیکھو علی ذیشان، کشمیری خود انڈیا کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں مگر یہ پاکستانی دہشت گرد ہیں جو ہمارے اس شہر کا حسن خراب کر رہے ہیں۔ اب دیکھو بھارتی حکومت نے یہاں بہترین کام کیے ہیں۔ اسکول بنائے کالج بنائے۔ سری نگر ایئر پورٹ ابھی حال ہی میں ... ہے۔ یہاں فلائٹس ممبئی، دہلی جاتی ہیں، اب معمولی ... کی گی۔ سری نگر کا ریلوے کا انتظام پاکستان سے ... ہے۔'' علی ذیشان رفتہ رفتہ اس کا ہم خیال بنتا جا رہا ... روی نے مذہب کے بارے میں بھی بات کرنے کی ... کی مگر علی ذیشان اپنے مذہب کے بارے میں ... معلومات رکھتا تھا۔ ایک دلیل کے جواب میں ... نے اس موضوع پر دوبارہ بات نہیں کی۔ ... ذیشان نے پورے سری نگر میں کرکٹ کھیلی۔ اس کی ... بنا کر یوٹیوب اور سوشل میڈیا پر ڈالی جاتی۔ اسے آنے والے وقت میں کئی بڑے کھلاڑیوں جیسا بنایا جاتا ... ایک سال بعد جب اس نے سیکنڈری اسکول پاس کیا تو میجر روی اسے ممبئی لے آیا۔ یہاں ہر جگہ اسے اپنی شناخت چھپانی پڑتی تھی۔ وہ کشمیری مسلمان ہے یہ کم از کم ممبئی جیسے شہر میں وہ نہیں بتا سکتا تھا۔ کلب کرکٹ کھیل کر جب وہ فارغ ہوا تو اسے ٹرائل کے لیے میجر روی ممبئی اسٹیڈیم میں لے گیا۔

☆☆☆

ممبئی کی ٹیم نے اپنے فائنل اسکواڈ کا اعلان کر دیا۔ اس بار لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان میں ایک مسلمان کھلاڑی بھی شامل ہے۔ اگلے چند دن علی ذیشان کے بارے میں بہت سے لوگوں نے معلومات اکٹھی کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے البتہ سری نگر سے شائع ہونے والے ایک اخبار کے فرنٹ پیج پر اس خبر نے کافی دن جگہ بنائے رکھی۔

''سری نگر کے باصلاحیت کھلاڑی اب ممبئی کی طرف سے کھیلیں گے۔'' اس کے ساتھ سری نگر کے کئی نوجوانوں کو یقین دلوایا جاتا کہ ان کا مستقبل انڈیا میں روشن ہے۔ سوشل میڈیا پر بھی اس بات کا کافی ہنگامہ مچا رہا تھا۔

اس دن علی ذیشان اور اس کی ٹیم اسٹیڈیم میں پریکٹس کر رہی تھی جب اس نے غور کیا کہ کپتان ادتیہ اس سے کچھ دور دور ہے۔ باقی کھلاڑیوں سے ہنسی مذاق کے باوجود وہ اسے زیادہ منہ نہیں لگا رہا تھا۔ ذیشان نے ایک دو بار بات کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ تیسری بار جب اس نے ''ادتیہ'' کہہ کر پکارا تو وہ پلٹ کر اس کی طرف آگیا۔

''دہشت گرد قوم سے تعلق رکھنے والے تجھ جیسے شخص اگر ہم کھلا رہے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تو میرے ساتھ فری ہو۔ خاموش رہ اور کھیلتا رہ۔'' اس عزت افزائی کے

اس بار وہ ذیشان کی دست نہیں ہوئی مگر اس سے دل ہاتھ گئے۔ البتہ رات کو جب منیجر روی کی اس سے ملنے آیا تو اس نے شکایت ضرور کی۔

''ادتیہ نے مجھے دہشت گرد بنا دیا آج۔'' روی ہنس پڑا اور جواب دیا۔

''برداشت کرو بھائی من۔ ہو جائے گا ادتیہ بھی ٹھیک۔'' مگر ادتیہ کا رویہ بگڑتا چلا گیا۔ ٹورنامنٹ شروع ہوا اور ٹیم نے ہارنا شروع کر دیا۔ مسلسل کئی میچ ہارنے کے بعد ساری ٹیم قریب ہی ایک شراب خانے میں اس دن اپنا غم شراب کے نشے میں ڈبو رہی تھی۔ علی ذیشان بری طرح پچھتا رہا تھا ان کے ساتھ آ کر۔ ویسے بھی اسے ابھی تک کسی میچ میں چانس نہیں دیا گیا تھا۔ ادتیہ نشے میں ڈگمگا رہا تھا جب اس کی نظر اس پر پڑی۔ وہ چپ چاپ ایک کونے میں میز پر بیٹھا اردگرد کا ماحول دیکھ رہا تھا جہاں ملکی و غیر ملکی لڑکیاں اپنے حسن کا جلوہ ہر طرف بکھیر رہی تھیں۔ کئی کھلاڑی ان کی زلفوں سے الجھ رہے تھے اور ساتھ ساتھ شراب کے گھونٹ حلق سے اتار رہے تھے۔ اچانک ایک بوتل اڑتی ہوئی علی ذیشان کے سر پر سے گزری اور ٹوٹ کر بکھر گئی۔ اس نے چونک کر دوسری طرف دیکھا۔ ادتیہ خونی نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

''تیری نحوست ہے جو پچھلے ایونٹ کی فاتح ٹیم اتنی بری طرح سے ہار رہی ہے۔'' نشے سے اس کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔

''میں تو کسی میچ میں کھیلا ہی نہیں پھر کیسے میری نحوست؟''

''تم لاکھوں لوگوں کا خون بہاتے ہو۔ تم ٹیررسٹ ہو۔'' وہ چیخا اور اس کے ساتھ ہی میز پر پڑی ایک اور بوتل اسے دے ماری۔ وہ سر جھکا کر بڑی مشکل سے بچا تھا۔ اب کی بار ذیشان کا صبر جواب دے گیا۔ وہ اٹھا اور لپک کر ادتیہ کا گریبان پکڑ لیا۔ اس کے بازوؤں میں طاقت تھی اور ادتیہ کے ساتھ شراب کا جنون۔ بازوؤں کی طاقت نے اپنا کام دکھایا۔ ذیشان نے اسے اٹھا کر ٹیبل پر پھینکا۔ گلاس ٹیبل ایک چھناکے سے ٹوٹ گئی اور اس کے ساتھ ہی ادتیہ کی چیخیں پورے شراب خانے میں گونجیں۔ اس بار بھی کچھ سال پہلے کا منظر دہرایا گیا۔ اب کی بار فوجیوں کی جگہ ممبئی کی ٹیم نے لے لی۔ انہوں نے ذیشان کو گھیر لیا اور مارنے لگ گئے۔ اس بار ذیشان نے بھی مزاحمت کی۔ کئی دنوں کا برا سلوک غصے کی شکل میں ابل پڑا۔ دو کھلاڑیوں کے سر پھٹ

مجھے ... [illegible] ... گیا۔ ذیشان نے ... [illegible] ... لوگ وہاں ... [illegible] ... ذیشان ... [illegible] ... سے جایا گیا تھا۔

٭٭٭

اصل ہنگامہ ... [illegible] ... لڑائی کی ویڈیو بنا کر سوشل میڈیا پر ڈال دی ... [illegible] کر کے ایک سین ہی بار بار دکھایا جا رہا تھا جس میں ذیشان نے ادتیہ کو ٹیبل پر دے مارا تھا۔ جس ہوٹل میں ذیشان ٹھہرا تھا اس کو چاروں طرف سے انتہا پسند ہندوؤں کی ایک تنظیم نے گھیر لیا۔ اس کے خلاف نعرے لگائے جا رہے تھے۔ انڈین پولیس اور ہوٹل سیکیورٹی بے بس نظر آ رہی تھی جب مینیجر روی کی آمد ہوئی۔ اس نے اپنی سرکاری گاڑی میں ذیشان کو وہاں سے نکالا اور دوسرے دن حالات مزید بگڑنے سے پہلے سری نگر لے آیا۔ ٹی وی پر خبریں چلنے کے ساتھ ساتھ اب وہ ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔

''میں نے تمہیں بار بار کہا تھا برداشت کرو اس کی باتیں۔ پھر وہاں لڑائی کی کیا ضرورت تھی؟'' اس نے رک کر ذیشان کی طرف دیکھا۔

''وہ مجھے مار رہا تھا۔ میں اتنا بزدل اور ڈرپوک نہیں کہ اس کمینے کی بوتلیں کھاتا پھروں۔'' ذیشان نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

''علی ذیشان برسوں کی محنت ہے یہ۔ تم مستقبل کا سرمایہ ہو۔ ادتیہ ایک سال مزید کھیلے گا یا زیادہ سے زیادہ دو سال مگر تم تو آنے والے پندرہ بیس سال کے لیے بھارت دیش کا نام روشن کرو گے، کر لیتے تھوڑا برداشت۔ کروڑوں فین ہیں اس ادتیہ کے۔ آج ہر جگہ وہ ویڈیو تمہارے خلاف استعمال ہو رہی ہے۔''

''مجھے اس ملک کا مستقبل نہیں بننا جہاں مذہب اور شہر کی وجہ سے مجھے نشانہ بنایا گیا۔ میں پاکستان جاؤں گا۔'' اس کے الفاظ نہیں خنجر تھے جو سیدھا روی کے سینے میں پیوست ہوئے۔

''کیا کہا؟ پاکستان جائے گا تو؟'' وہ لپک کر اس کے پاس آیا۔ ''تیرے جیسے نمک حرام سے مجھے اور امید ہی کیا تھی۔ سؤر کی اولاد......'' روی اس پر پل پڑا۔ ذیشان حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں تجھے استعمال کر کے ان کتوں کو غلام بنانا چاہتا تھا مگر تم سب ایک جیسے ہو، ذہنیت ملی ہو تم۔ بندوق کے زور پر ہی غلام ہو گے۔'' وہ اسے جنون کی حالت میں مار رہا تھا۔ اچانک ذیشان کے دماغ میں بغاوت نے جنم لیا۔ وہ نیچے گرا ہوا تھا اور روی اسے ٹھوکریں مار رہا تھا کہ اچانک ذیشان نے اس کی ٹانگ پکڑی اور اسے ہوا میں اچھال دیا۔ وہ الٹ کر نیچے گرا۔ ذیشان اس پر سوار ہو گیا مگر وہ کرکٹ کا کھلاڑی نہیں آرمی کا میجر تھا۔ اس نے چند منٹ میں ہی اس پر قابو پالیا اور ایک کمرے میں پھینک دیا۔

''کل تجھے حوالے کروں گا انہی فوجیوں کے...... کھلائیں گے تجھے کتے کے ساتھ روٹی۔ یہی تیری اوقات ہے۔'' علی ذیشان دروازے کی طرف بڑھا مگر اس نے لات مار کر اسے اندر پھینک دیا اور کمرے کا دروازہ لاک کر دیا۔ روی اپنے کمرے کی طرف آ گیا اور بوتل اٹھا کر شراب پینے لگا۔ بڑی مشکل سے اس کا دماغ کنٹرول ہوا تھا۔

ذیشان نے کچھ دیر کوشش کی مگر دروازہ نہ کھول سکا۔ اس نے ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ کمرے میں ایک شیشے کی ونڈو تھی مگر مضبوط شیشہ تھا جو خالی ہاتھ سے توڑنا تقریباً ناممکن تھا۔ اس نے پورا کمرا چھان مارا۔ آخر وہ اپنا ہی ایک بلا تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا جو کمرے میں موجود ایک بڑی سی میز کے نیچے پڑا تھا۔ بلا اٹھا کر اس نے پوری قوت سے ونڈو پر وار کیا اور اس کا شیشہ ایک چھناکے سے ٹوٹ گیا۔ دو تین مزید وار کرنے کے بعد وہ باہر آ گیا۔ وہ جانتا تھا گیٹ پر دو فوجی ہر وقت پہرا دیتے ہیں مگر فرار ہونے سے پہلے ایک اور کام بہت ضروری تھا۔ وہ گھوم کر کوٹھی کے اندر داخل ہوا اور میجر روی کے کمرے میں آیا جو شراب کے نشے میں دھت بیڈ پر اوندھا پڑا تھا۔ ذیشان کے دماغ میں نفرت ابل پڑی۔ یہ شخص اسے استعمال کر کے اس کی قوم کو غلام بنانا چاہتا تھا۔ اس نے بیٹ کا وار سیدھا اس کے سر پر کیا۔ گرم خون کا فوارہ نکلا مگر روی کی چیخ نہ نکل سکی کیونکہ ذیشان نے بیٹ کے اگلے دونوں وار میں اس کی کھوپڑی چٹخا دی تھی۔ یہ کام کرنے کے بعد وہ باہر آیا جہاں دونوں فوجی گیٹ پر کھڑے تھے۔ یہاں سے نکلنا مشکل تھا۔ وہ گھوم کر کوٹھی کے دوسری جانب آیا جہاں بڑے بڑے درخت لگائے گئے تھے۔ اس نے ایک درخت کی شاخ پکڑی اور دیوار کے دوسری جانب کود گیا۔

☆☆☆

تقریباً دو سال بعد انڈین آرمی کی اسی چوکی پر حملہ ہوا جہاں کچھ عرصہ پہلے علی ذیشان کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ نعرہ تکبیر ''اللہ اکبر'' کہتے مجاہدین اندر گھستے ہوئے اس چوکی میں گھس گئے۔ یہاں موجود ایک فوجی کے ماتھے پر آج بھی علی ذیشان کے دیے گئے زخم کا نشان تھا، اسے ایک نوجوان مجاہد نے پورا برسٹ مار کر جہنم واصل کر دیا تھا۔ اسی نوجوان مجاہد نے خودکش جیکٹ باندھ رکھی تھی۔ باقی مجاہدین چوکی تباہ کرنے کے بعد واپس جا رہے تھے مگر وہ رک گیا۔ انڈین آرمی کا ایک دستہ تھوڑی دیر بعد ہی وہاں پہنچا تھا انہیں دیکھ کر اس مجاہد نے جیکٹ کی ڈوری کھینچ دی......

☆☆☆

کچھ ماہ بعد سری نگر کے کرکٹ کے میدان میں ایک سولہ سال کا لڑکا آیا۔ اس نے ہاتھ میں بلا پکڑا ہوا تھا اور کالج کی انتظامیہ کے سامنے کھڑا ہو کر کہہ رہا تھا۔

''اس بار ہماری ٹیم بھی ٹورنامنٹ میں حصہ لے گی۔''

''کون سی؟''

''پاکستان الیون۔''

☆☆☆

امام صاحب کی آنکھوں میں آنسو تھے اور میں ابھی تک اس عظیم مجاہد کی کہانی کے سحر میں جکڑا ہوا تھا۔ سحر ٹوٹا تو میں نے پوچھا۔

''آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟ اتنی تفصیل سے اس کی کہانی کا کیسے علم ہے آپ کو؟''

''میں باپ ہوں اس کا۔'' ان کی بات سن کر میں چونک گیا۔

''مگر......'' انہوں نے میری بات کاٹ دی۔

''میری بیوی کو اسی دن بھارتی فوجیوں نے شہید کر دیا تھا لیکن میں نے اپنی جان بچالی تھی اور پاکستان آ گیا۔ میجر روی نے جھوٹ بولا تھا اس سے۔ رہی بات اس کہانی کی تو علی ذیشان نے کچھ عرصہ پہلے اپنا ویڈیو پیغام دیا تھا کہ آج رات میں شہید ہو جاؤں گا مگر کشمیریوں کا آزادی کا جذبہ ہمیشہ زندہ رہے گا، اس کے ساتھ اس نے اپنی کہانی بھی بیان کی تھی۔ افسوس وہ آخر تک لاعلم رہا کہ میں زندہ ہوں مگر ایک لحاظ سے اچھا ہوا۔ شاید رشتوں کی محبت اس کے پاؤں کی زنجیر بن جاتی۔'' ان کی بات سن کر میں حیران نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک ایسی وادی میں تھے جہاں آزادی صرف چودہ اگست کو نہیں منائی جاتی تھی۔

وصیت

عکسِ فاطمہ

وراثت اور جانشینی کے معاملات گمبھیر ہونے کے ساتھ ساتھ سنگین بھی ہوتے چلے جاتے ہیں... ایک ایسے ہی شخص کے قتل کا معما جو خوش دلی سے کتابوں کی دکان چلا رہا تھا... اچانک ہی کچھ انتہا پسند افراد اس کی راہ میں رکاوٹ بننے لگے... اور معاملات بگڑتے چلے گئے... زر... زن اور زمین کی مثلث کا ملاپ۔

اصلی وصیت میں کی جانے والی تبدیلی کا شاخسانہ

مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ اس لیے میں دبے پاؤں ہیری کے کچن کی طرف چلا گیا۔ اگر ذرا سی بھی آہٹ ہوتی تو میرے کزن کو خبر ہو جاتی اور وہ صبح سویرے ہی مجھے کوئی کام سونپ دیتا۔ میں جیسے ہی کچن کاؤنٹر تک پہنچا مجھے کیک کی خوشبو آئی لیکن یہ کیفیت زیادہ دیر نہ رہی کیونکہ مجھے چھینک آنے لگی تھی۔ ایک دو تین اور یہ سلسلہ مزید جاری رہتا اگر وہ کالی بلا مجھ پر حملہ نہ کر دیتی۔ میں نے ایک زوردار چیخ ماری۔ میری ٹی شرٹ پھٹ گئی اور چہرے پر

خراشیں آ گئی تھیں۔

"جیک! یہ چیخ کیسی تھی؟ تم اس بلی کے ساتھ کیا کر رہے ہو؟"

ہیری کچن کی طرف آیا۔ اس کی ہاؤس کیپر مسز گرفن بھی ساتھ تھی۔ اس نے اس سیاہ عفریت کو ہٹایا اور اسے اپنے بازوؤں میں لے کر مجھے گھورنے لگی۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے اس جانور کی طرف اشارہ کیا۔

ہیری نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔ "دیکھ نہیں رہے، بلی ہے۔"

"وہ تو میں دیکھ رہا ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ یہ یہاں کیوں ہے؟"

ہیری نے مجھے ایک کاغذی تولیا دیا اور بولا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ مارلو نے تمہیں کافی پریشان کیا ہے۔"

میں نے اپنے چہرے کے نشانات صاف کیے۔ ان میں کچھ گہرے تھے۔ مجھے لگا کہ اگر انہیں دبایا تو خون نکلنے لگے گا۔ مسز گرفن نے کہا۔ "میں نہیں سمجھتی کہ اسے چھینک کی آواز پسند ہے۔" یہ کہہ کر وہ بلی کو سیٹنگ روم میں لے گئی۔ ایک منٹ بعد واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں فرسٹ ایڈ باکس تھا۔ اس نے میرے چہرے کے زخم صاف کیے اور ہمارے لیے آملیٹ بنانے لگی۔

مجھے کچھ یاد آ گیا۔ میں نے ہیری سے پوچھا۔ "کیا یہ پال نروث کی بلی نہیں ہے؟"

"ہاں، یہ بلی اسی کی ہے۔" اس نے میرے سامنے کافی کا کپ رکھتے ہوئے کہا۔ "مسز گرفن نے کل شام اسے اس کی دکان میں بے ہوش پڑا دیکھا جب طبی عملہ اسے لے کر اسپتال پہنچا تو اس کی موت واقع ہو چکی تھی۔"

"مجھے کسی نے فون کیوں نہیں کیا؟"

"تم ریہرسل میں مصروف تھے۔" ہیری نے کہا۔

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ ہمارے اسٹیج منیجر نے کئی روز کے لیے طویل ریہرسل کا پروگرام بنایا تھا جس کا میں نے دل سے خیر مقدم کیا۔ شیکسپیئر مجھے ہمیشہ سے ہی پسند تھا اور میں خود کو اس کردار میں ڈھالنے کے لیے اضافی وقت دے رہا تھا۔ یہاں تک کہ میں ریہرسل کے دوران بھاری بھر کم کریہہ جیسی پٹی بھی باندھے رہتا جو کاسٹیوم ڈیزائنر نے خاص طور پر اس کردار کے لیے تیار کی تھی۔

"کیا یہ کوئی حادثہ تھا یا اسے دل کا دورہ پڑا؟"

"نہیں۔" ہیری نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ایسا لگتا ہے کہ اسے زہر دیا گیا ہے۔"

میں کچھ اور پوچھنا چاہ رہا تھا لیکن مسز گرفن کا چہرہ دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

"میں جانتا ہوں کہ تمہیں ریہرسل میں جانا ہے۔" ہیری نے میری پٹی پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "لیکن مجھے امید ہے کہ اس معاملے کو دیکھنے میں تم مدد کرو گے۔"

وہ ایک وکیل تھا اور اپنے دوستوں کے لیے کئی بار [illegible] میں تحقیقات کر چکا تھا۔ میں بھی اکثر و بیشتر ان معاملات میں اس کی مدد کر دیا کرتا تھا۔

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"ویسے تو میں اپنے ذرائع سے بھی معلوم کر لوں گا لیکن مسز گرفن نے بتایا ہے کہ پال کچھ دنوں سے پریشان رہنے لگا تھا۔ اگر تم اس کی وجہ معلوم کر سکو۔"

"کیا اس کا کوئی خاندان ہے؟"

ہاؤس کیپر نے میرے سامنے آملیٹ رکھتے ہوئے کہا۔ "نہیں، اس کا کوئی خاندان نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں ہی اس کی قریب ترین دوست تھی۔"

کتب فروش سے اس کی پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب ہماری مرحومہ آنٹی اگاتھا نے اسے پال کی پرانی کتابوں کی دکان سے آیوری تھنگ اولڈز کا قدیم نسخہ لینے کے لیے بھیجا۔ مجھے شبہ ہے کہ آنٹی اگاتھا ان دونوں کو یکجا کرنا چاہتی تھیں۔ ان کے درمیان رومانس تو پروان نہیں چڑھا البتہ مضبوط دوستی ضرور ہو گئی۔

"کیا کوئی دکان دیکھ رہی ہے؟" میں نے پال کی جز وقتی مددگار کے بارے میں پوچھا۔

ہاؤس کیپر بھی ہمارے ساتھ باتوں میں شریک ہو گئی۔ اس نے کہا۔ "نہیں، پولیس نے فی الحال دکان کو بند کر دیا ہے۔"

"کیا پال اس عمارت کا مالک نہیں تھا؟" میں نے پوچھا۔

مسز گرفن نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں وہی مالک تھا۔"

"اب اس کا کیا ہوگا؟"

"میں نہیں جانتی۔" اس نے جواب دیا۔

ہیری نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "دراصل اب وہ عمارت مسز گرفن کو مل جائے گی۔"

میرے ہاتھ سے کانٹا گر گیا۔ مسز گرفن بھی چونک

پڑی۔

''پال نے ایک سال پہلے مجھ سے نئی وصیت تیار کرنے کے لیے کہا تھا۔'' ہیری نے مسز گرفن سے کہا۔ ''تم اس کی واحد قریبی دوست تھیں۔ اس نے مجھے کہا تھا کہ تمہیں نہ بتایا جائے۔ وہ تمہیں عمارت کے ساتھ دکان کا سامان اور یہ بلی بھی دینا چاہ رہا تھا۔''

مسز گرفن کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ میں نے اسے اپنا غیر استعمال شدہ نیپکن دیتے ہوئے کہا۔ ''یہ بھی اچھا ہوا کہ تم اس کی زندگی میں تھیں۔'' اس کے سوا میں کیا کہہ سکتا تھا۔ البتہ ہیری کے یہ الفاظ میرے ذہن سے چپک گئے تھے کہ مارلو اب مسز گرفن کی بلی ہے۔ ناشتا کرنے کے بعد میں واپس کیرج ہاؤس میں آگیا جو آنٹی اگاتھا کی موت کے بعد میرے حصے میں آیا تھا اور مجھے اس میں کافی کام کروانا تھا۔

پولیس کسی ایسے شخص کو تلاش کر رہی ہوگی جس کے پاس قتل کرنے کا محرک ہو۔ اگر ہیری انہیں مسز گرفن کی وراثت کے بارے میں بتا دیتا تو سب سے پہلے وہ مشتبہ ٹھہرتی کیونکہ وہی واحد فرد تھی جسے پال کی موت سے کچھ فائدہ ہوتا۔

میں نے اپنا لیپ ٹاپ کھولا اور دکان کی جز وقتی سیلز کلرک کو تمام تفصیلات ای میل کر دیں۔ ایک منٹ بعد اس کا پیغام آیا کہ ہمیں کیمپس کے نزدیک اسٹار بکس میں ملاقات کرنی چاہیے۔ جب میں وہاں پہنچا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے اپنے پاس بلالیا۔

''تم کیا جاننا چاہتے ہو؟''

''حالیہ دنوں میں پال کس کیفیت سے گزر رہا تھا۔ مسز گرفن کا خیال ہے کہ کوئی بات اسے پریشان کر رہی تھی لیکن وہ اس بارے میں کچھ نہیں جانتی۔''

لوسی نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا۔ ''میں ایسا نہیں سمجھتی۔''

''کیا ان دنوں اس کے پاس کچھ نئے گاہک آئے تھے؟ کوئی ایسا شخص جو دیکھنے میں عجیب یا مشتبہ لگا ہو؟''

''نہیں، وہی پرانے گاہک آرہے تھے یا میری طرح کے کالج اسٹوڈنٹ۔''

میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ اس کے علاوہ بھی کچھ کہنا چاہ رہی ہے لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ کس طرح بات شروع کرے پھر وہ اچانک بول پڑی۔

''میرا خیال ہے کہ اب جیف گروگن خوش ہو جائے [illegible]''

''[illegible]''

''اگلی ڈاک [illegible]''

''[illegible]''

''ہائس فیلڈ [illegible]''

''مسز گروگن کیوں خوش ہوں گے؟''

''وہ چاہتا تھا کہ پال اس کے ہاتھوں عمارت فروخت کر دے۔ اس سلسلے میں ان کے بیچ کوئی بات ہوئی تھی۔'' لوسی نے ڈرنک کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

''کیا تم نے پولیس کو یہ بات بتائی؟''

''ہاں، کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ پال کو مار سکتا ہے؟''

میں نے ہیری کے ساتھ کام کر کے دیکھا تھا۔ بعض اوقات اچھے لوگ بھی بہت برے کام کر جاتے ہیں اور ان کے علاوہ کوئی بھی اس کی وجہ نہیں جان سکتا۔

لوسی نے مجھے گروگن کا پتا بتاتے ہوئے پوچھا۔ ''پال کی بلی کہاں ہے؟'' جب میں نے اسے بتایا کہ وہ مسز گرفن کے پاس ہے تو وہ مطمئن ہو گئی۔

گروگن کا دفتر ایک نئی دو منزلہ عمارت میں تھا جو پال کی دکان سے چند بلاک کے فاصلے پر تھی۔ ایک استقبالیہ کلرک نے مجھے کانفرنس روم میں پہنچا دیا اور ایک منٹ بعد جیف گروگن میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ رسمی تعارف کے بعد اس نے استقبالیہ کلرک کو کافی لانے کے لیے کہا اور مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ''تم پال ٹروٹ کے بارے میں مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

''پچھلے ہفتے اس کی دکان پر تمہاری اس سے بحث ہوئی تھی۔ وہ کیا معاملہ تھا؟''

''ہاں، میرا خیال ہے کہ تمہیں لوسی نے بتایا ہوگا۔''

''ہاں، لوسی نے بتایا تھا کہ تم اس کی عمارت خریدنا چاہ رہے ہو۔ کیوں؟ اس میں تمہیں اتنی دلچسپی کیوں ہے؟''

''میں پہلے ہی پولیس کو بتا چکا ہوں کہ مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں چاہتا تھا کہ وہ یہ عمارت ہماری کمپنی کو فروخت کر دے لیکن مجھے اس میں کوئی کمیشن نہیں ملے گا۔ ہماری کمپنی میں اس طرح کام نہیں ہوتا۔''

استقبالیہ کلرک ایک ٹرے میں کافی اور پیسٹریاں لے کر آئی۔ گروگن نے اس کا شکریہ ادا کیا اور بولا۔ ''کمیونٹی ڈیولپمنٹ کا فولڈر بھی لے آؤ۔''

وہ فولڈر لے کر آئی تو گروگن میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''اس میں ہمارے منصوبے کی پوری تفصیل

موجود ہے۔''

اس فولڈر میں ایک نئی عمارت کا نقشہ تھا جو پورے بلاک پر پھیلی ہوئی تھی۔ گراؤنڈ فلور میں کئی دکانیں تھیں جن میں سے ایک پر ایک اسٹور کا نام لکھ دیا گیا تھا۔ اوپر کی تین منزلوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ یہ اپارٹمنٹس اور دفاتر کے لیے مخصوص ہیں۔

''اس منصوبے میں ہمیں شہری انتظامیہ اور ووڈ ہیڈ کنسٹرکشن کا تعاون حاصل ہے لیکن سب سے بڑی رکاوٹ پال زوٹ کی طرف سے ہے۔ وہ اپنی عمارت فروخت نہیں کرنا چاہتا جبکہ ہم نے اسے مارکیٹ سے کہیں زیادہ رقم کی پیشکش کی تھی۔''

''شاید وہ اپنی کتابوں کی دکان ختم نہ کرنا چاہتا ہو۔''

''ہم نے اسے نئی عمارت میں دکان کی پیشکش کی تھی۔ ہمارے اندازے کے مطابق اس کا سالانہ کرایہ اس رقم سے کہیں کم ہوتا جو وہ پراپرٹی ٹیکس اور دیگر اخراجات کی مد میں ادا کرتا ہے۔ ہم نے اسے یہ بھی ضمانت دی تھی کہ کرائے میں اضافہ مارکیٹ ریٹ سے کم ہوگا۔'' اس نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں معلوم ہے کہ اب اس کا وارث کون ہے؟''

جلد یا بدیر گروگن کو معلوم ہو جاتا کہ مسز گرفن اس کی وارث ہے لیکن اس وقت وہ صدمے کی حالت میں تھی اور اس کے لیے کوئی فیصلہ کرنا مشکل تھا لہٰذا میں نے انجان بنتے ہوئے کہہ دیا۔ ''نہیں، مجھے معلوم نہیں۔''

گروگن نے کہا۔ ''بہرحال اس کے وارث کو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کتنا اچھا سودا ہے۔''

اس نے نقشے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''اس عمارت کے بننے سے علاقے کی شان بڑھے گی۔ پال کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی لیکن مجھے امید تھی کہ میں بالآخر اسے قائل کرلوں گا۔ یہ منصوبہ میرے لیے بہت اہم ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی خاطر کسی کی جان لے لوں۔''

مجھے اس کے لہجے میں سچائی محسوس ہوئی۔ اب مزید بات کرنے کی گنجائش نہیں تھی۔ لہٰذا میں نے فولڈر اٹھایا اور اس کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے چلا آیا۔

میں گھر واپس آیا تو دوپہر ہو چکی تھی۔ میں نے فریج میں رکھا ہوا کھانا گرم کیا اور کھانے سے فارغ ہو کر ایچ ڈی سی کا فولڈر دیکھنے لگا۔ اس کا بغور مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوا کہ اس منصوبے سے ووڈ ہیڈ کنسٹرکشن کمپنی کو معقول منافع ہوتا۔ میں نے انٹرنیٹ پر کمپنی کے بارے میں خبریں دیکھیں۔ اس کا سی ای او ڈون ہال ریلی، ... ممبر تھا۔

میں ہیری سے ملنے گیا تو وہ تھکی تھکی ... اس نے مجھے ایک ماربل بینچ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ''مجھے پال کی موت کی وجہ معلوم ہو گئی ہے۔ اسے ... (ایک زہریلا پودا) کے ذریعے زہر دیا گیا ہے۔''

میں نے کالج کی کرمنل کلاس میں پڑھا تھا ... طور پر عورتیں کسی کو قتل کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کرتی ہیں اور وہ کوئی ایسی دوست ہو سکتی ہے جو مرنے والے سے بہت قریب ہو گو کہ میں جانتا تھا کہ مسز گرفن کسی کو قتل نہیں کر سکتی لیکن اس پر سب سے زیادہ شک کیا جا رہا تھا اور پولیس اس سے پوچھ گچھ کرنے کے لیے آنے والی تھی۔

''بہتر ہوگا ہم یہ معلوم کریں کہ اس نے اپنا آخری دن کیسے گزارا تھا۔'' ہیری نے کہا۔ شاید اس نے میرے خیالات پڑھ لیے تھے۔

میں نے جانے سے پہلے ہیری کو جیف گروگن کے منصوبے سے آگاہ کیا اور اس بلڈر کے بارے میں بھی بتایا۔ ''میں اسے فون کروں گا گو کہ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ کسی کو قتل کرے گا۔'' ہیری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اور وہ بھی اتنی چھوٹی رقم کے لیے۔''

''بہرحال اب تک ہمیں یہی ایک محرک ملا ہے۔'' ہیری بولا۔ ''میں مسز گرفن کو تدفین گھر لیے جا رہا ہوں۔ ہمیں تدفین کے انتظامات کرنا ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ریہرسل کی وجہ سے شاید تم ہمارے ساتھ ڈنر نہ کر سکو۔''

میں بیس فیلڈ کی طرف گیا اور گاڑی کھڑی کر کے دکانوں کو دیکھنے لگا۔ پال کے بک اسٹور اور ایک آرٹ گیلری کے سوا سب دکانوں پر بورڈ لگے ہوئے تھے۔ میں اس سے پہلے کبھی گیلری میں نہیں گیا تھا۔ اس لیے کم تعداد میں پینٹنگز دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہاں بیٹھی ہوئی ایک عورت نے مجھے اپنی جانب متوجہ کیا۔

''میرا نام سیلینا سائمن ہے۔'' اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''کیا تمہیں کسی خاص تصویر کی تلاش ہے؟'' پھر میرے جواب کا انتظار کیے بغیر بولی۔ ''میرے پاس بہت اچھا ذخیرہ ہے بس تم یہ بتاؤ کیسی تصویر چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ میں تمہاری مطلوبہ شے تلاش کر سکتی ہوں۔''

اس کی عمر پچاس کے لگ بھگ ہوگی۔ اس کے بالوں

کا اسٹائل بھی لڑکی سے ملتا جلتا تھا۔ جب میں نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ بولی۔ ”معاف کرنا، تمہیں کس چیز کی تلاش ہے؟“

میں نے اپنا تعارف کروایا اور کہا کہ میں پال ٹروٹ کی موت کی تحقیقات کر رہا ہوں۔

”واقعی یہ بہت بُرا ہوا۔“ وہ میز پر رکھے کاغذات الٹ پلٹ کرنے لگی۔

”ہوسکتا ہے کہ تم نے کسی شخص کو دکان میں جاتے یا آتے ہوئے دیکھا ہو؟“

”میں نے پولیس کو بتا دیا ہے کہ کسی کو آتے جاتے نہیں دیکھا۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ویسے بھی میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔“

میں نے اس کی جھنجلاہٹ پر کوئی توجہ نہیں دی اور پوچھا۔ ”کیا تم نے کوئی آواز سنی تھی؟“

اس نے ایک کاغذ اٹھایا اور مجھے گھورتے ہوئے بولی۔ ”میں نے کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی کچھ سنا۔ اب تم جاؤ۔ مجھے بہت کام کرنا ہے۔“

اب میرا وہاں رکنا بے کار تھا۔ میں گیلری سے باہر آگیا۔ میرا رخ سینڈوچ شاپ کی جانب تھا۔ میں نے کافی اور چاکلیٹ بسکٹ کا آرڈر دیا۔ میں نے کاؤنٹر پر بیٹھی لڑکی سے کچھ جاننے کی کوشش کی لیکن اس نے بھی دوسرے دکان داروں کی طرح وہی جواب دیا کہ اس نے کسی بھی فرد کو بک اسٹور میں جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ریہرسل کے لیے جاتے ہوئے میں نے راستے سے ہی ہیری کو ایک مکمل پیغام بھیج دیا۔ مجھے امید تھی کہ وہ ڈون ہال ویل سے کچھ نہ کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔

اگلے روز صبح سویرے ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز پر میری آنکھ کھل گئی۔ اس وقت ساڑھے چھ بج رہے تھے۔ ہیری کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ ”جیک، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔“ اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ میں اسے ٹال نہ سکا۔ وہ ناشتے کی میز پر میرا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے میرے لیے ناشتا بھی تیار کرلیا تھا۔

”ڈون گزشتہ رات ڈنر پر آیا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ اس منصوبے سے جو کچھ بھی کمائے گا اُس سے حالات خراب نہیں ہوں گے۔“

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کا اشارہ کس جانب ہے۔ ہیری نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”اس علاقے میں زیادہ تر عمارتیں لِلی سینٹ وان پیلٹ کی ملکیت

قتل۔“

میں چند لمحے آہستہ آہستہ [illegible] کیا۔ اس عورت پر [illegible] کو قتل کرنے کے الزام میں مقدمہ چل رہا تھا جو ایک معروف آرٹسٹ کا شیدائی تھا۔

”کیا تم اس مقدمے کی پیروی کرنے کے بارے میں تو نہیں سوچ رہے؟“

”کیا تمہیں یاد ہے کہ اس نے شوہر کو کس طرح قتل کیا تھا؟“

”میں قیاس آرائی کو پسند نہیں کرتا۔“

”یہی قیاس کیا جا رہا ہے کہ اس نے اپنے شوہر کو آکسی کوڈون (سر درد کی دوا) کی زیادہ مقدار دے دی تھی۔“

”اوہ، اس کا مطلب ہے کہ پال کو دیے گئے زہر اور اس دوا میں کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”ہاں سوائے اس کے کہ دونوں مختلف اقسام کے زہر ہیں۔“ اس نے کافی کا ایک گھونٹ لیا۔ ”لِلی سینٹ بہت پریشان ہے۔ وہ اپنی تمام عمارتیں مارکیٹ سے کم قیمت پر ایچ ڈی سی کو بیچ رہی ہے کیونکہ اسے مقدمہ لڑنے کے لیے پیسوں کی ضرورت ہے لیکن اس کی سوتیلی اولاد اس کی مخالفت کر رہی ہے۔“

”کیا اس میں کوئی تنازع ہے؟“

ہیری نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ ”ایچ ڈی سی ان عمارتوں کو خریدنے کے لیے اتنی بے چین تھی کہ انہوں نے اس تنازعے کو کوئی اہمیت نہیں دی۔“

”ویسے بھی ہال ویل کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ محض بیچ کا آدمی ہے۔ یہ اس کا مسئلہ نہیں ہے۔“

”وہ ڈویلپر اس کنسورشیم کا حصہ ہے جو یہ عمارتیں خرید رہا ہے۔ وہ اس کا جزوی مالک ہوگا۔“

میں نے چھلانگ لگائی۔ ”کیا لِلی سینٹ کا شوہر بھی ان عمارتوں کو فروخت کرنا چاہ رہا تھا؟“

”اس نے بھی کڑی شرطیں لگا دی تھیں۔ وہ مارکیٹ ریٹ سے کہیں زیادہ قیمت مانگ رہا تھا۔“

اس کا مطلب ہے کہ وان پیلٹ کی موت سے ان عمارتوں کی فروخت میں رکاوٹ دور ہوجاتی اور اس کا فائدہ ڈون ہال ویل اور جیف گورگن دونوں کو ہی ہوتا۔ صرف اسے ہی نہیں پال کو قتل کرنے کی بھی معقول وجہ موجود تھی۔

ہیری نے میرا دماغ پڑھ لیا اور بولا۔ ”میں ڈون کو قاتل نہیں سمجھتا۔ گورگن کے بارے میں کیا کہو گے؟“

اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا، مارلا چھلانگ لگا کر میز پر آگئی اور اس نے ہیری کی پیالی بھی گرادی۔ مسز گرفن دوڑتی ہوئی آئی اور بولی۔ ''مارلو، تم بہت شریر ہوگئی ہو۔''

بلی میز سے چھلانگ لگا کر ایک خالی کرسی پر آئی اور پھر فرش پر کود کر مسز گرفن کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔ ''مجھے افسوس ہے کہ اس نے تمہیں ڈسٹرب کیا۔ میں اسے کمرے سے لے جاتی ہوں۔''

''نہیں اسے کھیلنے دو۔'' ہیری کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ ''ہم اسٹڈی میں چلے جاتے ہیں۔''

میں بھی اس کے پیچھے چلتا ہوا اس کی اسٹڈی میں آگیا۔ ہیری نے اپنا لیپ ٹاپ کھولا اور کہنے لگا۔ ''یوں لگتا ہے کہ گرفن اس منصوبے پر کئی برسوں سے کام کر رہا تھا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ کسی کو قتل کرسکتا ہے؟''

''میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' میں نے کہا۔ ''ملی سینٹ کے بارے میں کیا کہو گے۔ وہ کسی کو قتل کر سکتی ہے؟''

ہیری نے اس سوال پر غور کیا اور بولا۔ ''اگر وہ اپنے شوہر کو قتل کرنا چاہتی تو اسے تفریح کے بہانے کسی جہاز پر لے جا کر سمندر میں دھکا دے دیتی۔ زہر دینا اس کے لیے ایک مشکل مرحلہ ہوگا۔ ویسے بھی میں نہیں سمجھتا کہ اس کی ازدواجی زندگی بُری گزر رہی تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔''

''لیکن لوگ تو یہی سمجھتے ہیں کہ اس نے اپنے شوہر کو قتل کیا ہے۔''

''نہیں، میں ایسا نہیں سمجھتا۔'' اس نے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ''اسے پھنسایا گیا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ اب مسز گرفن کی باری ہے۔''

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا، وہ بولا۔ ''پولیس اس سے پوچھ گچھ کرنے آرہی ہے۔ میں نے پہلے ہی ایلش کو فون کردیا ہے۔ وہ راستے میں ہے۔''

ایلش جیکسن ایک ذہین اور ہوشیار وکیل تھا۔ مجھے یہ جان کر اطمینان ہوا کہ وہ مسز گرفن کی پیروی کرے گا۔ تھوڑی دیر بعد ہی دروازے کی گھنٹی بجی اور ایلش نے اسٹڈی میں قدم رکھا۔ ہیری نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ ''چلو، ڈائننگ روم میں بیٹھتے ہیں۔''

ہم سب ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ مسز گرفن کافی خوف زدہ تھی۔ میں نے تسلی دینے کے انداز میں اس کے ہاتھ پر تھپکی دی تو وہ مسکرا دی۔ ... دروازے کی گھنٹی بجی۔ میں نے جا کر دیکھا۔ ... پولیس سراغ رساں کھڑا تھا ... میں اسے ... روم میں آگیا۔ رسمی تعارف کے بعد اس نے مجھے ... کو باہر جانے کے لیے کہا۔ میں نے احتجاج ... ہیری مجھے پکڑ کر باہر لے گیا اور کہا کہ ایلش اس سے ... لے گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں اپنے ... سینڈوچ بنانے جارہا ہوں۔'' یہ کہہ کر میں کچن کی طرف گیا اور ڈائننگ روم میں کھلنے والے دروازے کے باہر کھڑا ہوگیا۔ وہ سراغ رساں بار بار مسز گرفن سے ایک ہی طرح کے سوالات کر رہا تھا کہ شاید وہ اپنی کہی ہوئی کسی بات کی تردید کردے لیکن وہ اپنے جوابات پر قائم رہی۔ وہ سراغ رساں کچھ مایوس نظر آنے لگا۔

''تمہارا کہنا ہے کہ ہیری نے تمہیں وصیت کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔'' اس نے چوتھی بار یہ سوال کیا۔

''نہیں۔'' مسز گرفن نے کہا۔

''شاید مسٹر ٹروٹ نے تمہیں بتایا ہو۔ ممکن ہے کہ تم نے اس کے تنہا ہونے کا فائدہ اٹھایا اور اسے ایک نئی وصیت لکھنے پر آمادہ کرلیا۔''

''نہیں، ہم صرف دوست تھے۔''

مسز گرفن کی آواز بھرا گئی۔ اس موقع پر ایلش نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ''اتنا کافی ہے۔ ہم تمہارے تمام سوالوں کے جواب دے چکے۔''

سراغ رساں کو یہ مداخلت ناگوار گزری۔ اس کے تیور دیکھ کر لگ رہا تھا کہ وہ کسی بہانے مسز گرفن کو گرفتار کرنا چاہ رہا ہے۔ بہرحال ایلش نے کسی نہ کسی طرح اسے جانے پر آمادہ کرلیا۔ لیکن یہ وقتی بات تھی وہ کسی بھی وقت واپس آسکتا تھا۔

اب یہ میرا کام تھا کہ معاملات کو اس مقام تک نہ پہنچنے دوں۔ میں نے گھر جا کر غسل کیا۔ کپڑے تبدیل کیے۔ اپنی حفاظتی بیلٹ باندھی اور ہونڈا میں سوار ہو کر باکس فیلڈ پہنچ گیا۔ سینڈوچ شاپ کے سامنے گاڑی کھڑی کی اور ناشتا کرنے بیٹھ گیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہاں کیوں آیا۔

''جیک، تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہاں لوسی کھڑی تھی۔ میں نے بات بنائی اور کہا۔

''میں یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہاں

کے ساتھ کیا ہوا؟"

اس نے کتاب میز پر رکھی اور کاؤنٹر پر چلی گئی اور پیچھے مڑ کر بولی۔ "آج میرا امتحان ہے۔ میں یونیورسٹی جاتے ہوئے یہاں کافی پینے کے لیے رک گئی تھی۔"

میں نے اس کی کتاب کے صفحے پلٹے اور سڑک کے پار دکانوں کا جائزہ لینے لگا۔ ہر دکان کا ایک دروازہ عقبی گلی میں کھلتا تھا۔ غالباً قاتل بھی عقبی دروازے سے ہی دکان میں داخل ہوا ہوگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پولیس نے جائے وقوعہ کا معائنہ کیا ہوگا اور اب بھی عقبی گلی میں جائے وقوعہ کے گرد زرد فیتہ بندھا ہوگا۔

"تم کیا کر رہے ہو؟ میرا مطلب ہے کہاں جا رہے ہو؟" اس نے کافی کی پیالی میز پر رکھی اور اپنی کتاب اٹھالی۔

میں نے اسے ٹالنے کے لیے کہہ دیا۔ "گھر جاؤں گا۔"

ہم ایک ساتھ سینڈوچ شاپ سے باہر آئے۔ وہ بس اسٹاپ پر چلی گئی اور میں اپنی کار میں سوار ہو گیا۔ میں نے عقبی شیشے میں دیکھا۔ اس کی نظریں میرا تعاقب کر رہی تھیں۔ میں نے کافی دور جا کر کار ایک بغلی سڑک پر موڑ دی اور واپس بک اسٹور والی گلی میں آ گیا۔ جیسا کہ میرا خیال تھا وہاں جزوی طور پر زرد فیتہ لگا کر رکاوٹ کھڑی کی گئی تھی۔ میں تصور کر سکتا تھا کہ پولیس نے دروازے کے دونوں طرف انگلیوں کے نشانات لینے کے علاوہ وہ قدموں کے نشان بھی چیک کیے ہوں گے۔ دروازے کے ساتھ ہی ایک خالی کچرے کا ڈبا رکھا ہوا تھا۔

"مجھے اس کے مرنے کا بہت افسوس ہے۔" میں نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک سفید بالوں والا شخص گلی سے گزر رہا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "جان پوٹر۔ میں وہاں رہتا ہوں۔" اس نے چند گز کے فاصلے پر ایک مکان کی جانب اشارہ کیا۔

میں نے اپنا تعارف کروایا تو وہ بولا۔ "یعنی تم اس کے دوست تھے؟"

"ہاں، کل تم نے کسی شخص کو یہاں آتے جاتے تو نہیں دیکھا؟"

"نہیں، میں نے پولیس کو بھی یہی بتایا تھا۔ ہم میں سے کسی نے بھی نہیں۔ دراصل ہماری آمد و رفت سامنے کی جانب سے ہے۔ ہمیں اس گلی میں آنے کی ضرورت نہیں۔"

میں نے ایک کونے والے مکان کے باہر پختہ فرش

[illegible]

"وہ خانے الماری میں سے ... [illegible]"

"میرا خیال ہے کہ ہم درست سمت میں جا رہے ہیں ہیری۔ مجھے یقین ہے کہ ریتا صرف اس وجہ سے اس قتل میں ہے کہ اس نے قاتل کو دکان کے عقبی دروازے سے باہر آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ میں شرطیہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ حادثہ نہیں تھا۔"

ہیری اپنی آنکھیں جھپکنے لگا۔ میں نے لیپ ٹاپ موڑ کر کہا۔ "ایسا نہیں لگتا کہ جو تعلق ہم دیکھ رہے ہیں پولیس نے بھی اس پر توجہ دی ہو۔ یہاں تک کہ مسز گرفن کے حادثے کی خبر بھی اخبار میں نہیں آئی۔"

"وہ صرف مسز گرفن پر شک کر رہے ہیں۔ کسی اور پہلو کی جانب ان کی توجہ نہیں۔"

اس نے اپنے لیے اسکاچ کا ایک گلاس بناتے ہوئے کہا۔ "مجھے پال کی موت کا بہت افسوس ہے۔ وہ اس دنیا میں بالکل اکیلا تھا۔ جب میں نے اس کی وصیت لکھی تو اس نے مجھے بتایا کہ وہ اپنے خاندان سے بیگانہ ہو گیا ہے۔ اس نے مجھے خاص طور پر کہا کہ انہیں اس وصیت سے باہر رکھا جائے۔"

"اس کے قریبی رشتے دار کون تھے؟"

"بہن مارگریٹ اور کزن جولین۔"

"اس نے مسز گرفن کو بھی ان کے بارے میں نہیں بتایا؟"

"نہیں، ان کے درمیان گہرے اختلافات تھے۔"

"بہتر ہوتا کہ ان لوگوں کو وراثت میں حصہ مل جاتا۔" میں نے کہا۔

وہ متفق ہوتے ہوئے بولا۔ "ہاں کم از کم مسز گرفن پر اس کے قتل کا شبہ نہ جاتا۔"

"پال اپنے خاندان سے کیسے منہ موڑ سکتا تھا۔ اس پر وہ ناراض ہو سکتے ہیں۔"

ہیری کی آنکھوں میں چمک نمودار ہوئی، وہ بولا۔

''ٹھیک معلوم کرو، پال کے دماغ میں کیا تھا جو اس نے اپنی عمارت فروخت کرنے سے انکار کردیا۔''

''ضرور۔ میں کوشش کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر میں اپنے گھر چلا آیا۔

میں نے کمپیوٹر پر پیدائش اور اموات کا ریکارڈ تلاش کیا اور جب پال کی پیدائش کا ریکارڈ میرے اسکرین پر آیا تو میں نے اس کی ماں کی تاریخ وفات اور خاندان کے دیگر افراد کے نام اور پتے تلاش کیے۔ اس کی بہن مارگریٹ کیلی فورنیا ٹاؤن میں رہتی تھی۔ اس سوانحی خاکے میں صرف اس کی کزن جولین ٹروٹ اور اس کی بیٹی کا نام تھا لیکن کوئی اور معلومات نہیں دی گئی تھیں۔

میں جو کچھ تلاش کر سکا وہ میں نے ہیری کو ای میل کر دیا لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔ اس نے مجھے قائل کر لیا تھا کہ وان ہیلٹ اور پال کی موت میں کوئی تعلق ہے۔ اب وہ اس تحقیقات میں پال کے رشتے داروں کو بھی لا رہا تھا۔ میں نے دماغ پر بہت زور دیا لیکن میری سمجھ میں نہیں آیا کہ پال کے رشتے داروں کا وان ہیلٹ کی موت سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

میں اپنے لیے دودھ کا گلاس بنا رہا تھا کہ ہیری آ گیا۔ ''میں نے پولیس کو پال کی بہن کے بارے میں بتا دیا ہے۔ وہ پہلے ہی اس کی کھوج لگا چکے ہیں۔''

''یعنی میری محنت بیکار گئی۔''

اس نے میری شکایت نظر انداز کر دی اور کہا۔ ''البتہ انہوں نے اس کی کزن جولین کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی۔''

ہیری نے سیل فون نکالا اور بولا۔ ''مارگریٹ سے بات کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اسے جولین کا پتا معلوم ہو۔''

یہ کہہ کر اس نے نمبر ڈائل کیا اور اسپیکر آن کر دیا۔ ''مسز مارگریٹ۔ میں پال کا وکیل بول رہا ہوں۔ کیا پولیس نے تم سے رابطہ کیا اور صورت حال بتائی؟''

''کیا تم پال کے وکیل ہو؟'' اس نے تصدیق کرنے کے انداز میں پوچھا۔

''ہاں، میں نے پال کی تعزیت کرنے اور اگر تمہارے ذہن میں کوئی سوال ہو تو اس کا جواب دینے کے لیے فون کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی پوچھنا ہے کہ کیا تمہارے پاس کزن کا پتا یا فون نمبر ہے؟''

''میری کزن؟''

''ہاں، مس جولین ٹروٹ۔''

دوسری طرف سے کچھ دیر خاموشی رہی [illegible] ہیری نے پھر کہا۔ ''مسز مارگریٹ کیا پولیس نے [illegible] کیا؟''

''پال کی موت کے سلسلے میں؟''

''ہاں۔''

''اچھا ہوا۔''

ہیری نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم یہ کہہ رہی ہو کہ اچھا ہوا، تمہارا بھائی مر گیا؟''

''اس نے میری وراثت چھین لی۔ وہ اور [illegible] مجھے امید ہے کہ وہ دونوں جہنم میں جائیں گے۔ کیا اس نے میرے لیے کچھ چھوڑا ہے؟''

''نہیں۔'' ہیری نے کہا اور اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

''میرا خیال ہے کہ ہمیں بہرحال جولین کو تلاش کرنا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں، میرا خیال ہے کہ تم یہ کام کر لو۔''

دوسرے روز صبح میری اس سے ناشتے کی میز پر ملاقات ہوئی۔ وہ اکیلا بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ اس نے میرے لیے بھی کافی بنائی۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پوچھا۔ ''مسز گرفن کہاں ہے؟''

''اس نے چند روز کے لیے چھٹی لی ہے۔ اسے ذاتی سکون کی ضرورت ہے۔ اس کی بہن بھی اسے سپورٹ کرنے کے لیے کیلی فورنیا سے آ رہی ہے۔''

اس کی غیر موجودگی میں گھر کا انتظام درہم برہم ہو جاتا لیکن میں یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ کچھ دنوں کے لیے مارلا سے نجات مل جائے گی۔

''میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ جب تک اس کی بہن یہاں ہے۔ ہم اس کی بلی کا خیال رکھیں گے۔ اس کی بہن کو بلیوں سے الرجی ہے۔''

میری ساری خوشی کافور ہو گئی۔ میں کچھ کہنے والا تھا کہ ہیری کا سیل بجنے لگا۔ اس نے ہیلو کہا اور کچن سے دور چلا گیا۔ چند منٹوں بعد واپس ہوئی تو اس نے بتایا۔ ''کیلی فورنیا سے وکیل کا فون تھا جو پال کی ماں کی جائداد کے معاملات دیکھتا تھا۔''

''کیا پال نے اپنی بہن کی وراثت میں کوئی بے ایمانی کی تھی؟''

''نہیں۔ وکیل نے یہی بتایا ہے۔ ویسے بھی وکیل کی فیس دینے کے بعد اس میں کچھ نہیں بچا۔ مکان فروخت''

گیا اور اس سے ملنے والی رقم دونوں بچوں میں تقسیم ہو گئی جبکہ ایک بہت چھوٹا حصہ اس کی کزن جولین کو ملا۔''

''پھر مارگریٹ کیوں کہتی ہے کہ اسے لوٹا گیا ہے؟''

''دراصل جھگڑا ایک پینٹنگ کا ہے۔ تخمینہ لگانے والوں کی نظر میں اس کی کوئی قیمت نہیں تھی لیکن پال کی ماں نے ہمیشہ اس کے برعکس دعویٰ کیا۔''

''کیا انہوں نے اسے بیچنے کی کوشش کی؟''

''نہیں، پال نے وہ پینٹنگ جولین کو دے دی۔ جب مارگریٹ کو معلوم ہوا تو وہ بہت لڑی لیکن جولین وہ تصویر واپس کرنے پر تیار نہیں تھی۔ وہ اپنے بوائے فرینڈ اور بچی کو لے کر شہر سے چلی گئی۔ مارگریٹ نے پال اور جولین کو بھی معاف نہیں کیا۔''

''افسوسناک کہانی ہے لیکن اس وجہ سے خاندان نہیں ٹوٹنا چاہیے تھا۔ مجھے پال پر افسوس ہوتا ہے جس نے رقم کے تنازع پر اپنی بہن کو کھو دیا۔''

''اب تمہیں جولین کو تلاش کرنا ہے۔'' ہیری نے کہا۔

''اس سے ہمیں کیا حاصل ہوگا۔ صرف اس لیے کہ اس کے پاس ایک بے قیمت پینٹنگ ہے۔''

ہیری نے اپنا لیپ ٹاپ کھولا اور کی بورڈ پر انگلیاں چلانے لگا۔ ''یہ دیکھو۔'' اس نے ایک منٹ بعد کہا۔ ''یہ پینٹنگ۔'' اس نے اسکرین گھماتے ہوئے کہا تاکہ میں دیکھ سکوں۔ ''امیلیا زسٹی۔''

''تم اس پینٹنگ کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

ہیری نے دوبارہ کچھ ٹائپ کیا۔ وہ تصویر غائب ہو گئی اور اسکرین پر پال کی ماں کی جائداد کی تفصیل آنے لگی۔ ہیری نے ایک آئٹم کو نمایاں کیا۔ ''امیلیا زسٹی، آئل پینٹنگ، تاریخ اور آرٹسٹ نامعلوم، قیمت پچیس ڈالر، ہیری نے دوبارہ براؤزر کھولا اور تصویر کے نیچے لکھی ہوئی تحریر کو نمایاں کیا۔ ''امیلیا زسٹی، آرٹسٹ میرس زیڈ ہوج مین 1954،''

''یہ تصویر ہولیس یونیورسٹی آرٹ میوزیم کی نمائش میں رکھی گئی تھی۔ وہ نمائش تو ختم ہو گئی لیکن ان کے پاس اس کا ریکارڈ ضرور ہوگا۔'' ہیری نے کہا۔

اس نے انہیں فون کیا اور تھوڑی سی ترغیب دلانے کے بعد انہوں نے ہمیں اس کا ریکارڈ فیکس کر دیا جس سے ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ یہ تصویر کن ہاتھوں میں رہی۔ پہلے یہ نارتھ کیرولینا کے ایک آرٹ ڈیلر کے پاس تھی۔ سوا سال

کیا آپ
لبوب مقوی اعصاب
کے فوائد سے واقف ہیں؟

کھوئی ہوئی توانائی بحال کرنے۔ اعصابی کمزوری دور کرنے۔ ندامت سے نجات، مردانہ طاقت حاصل کرنے کیلئے۔ کستوری، عنبر، زعفران جیسے قیمتی اجزاء سے تیار ہونے والی بے پناہ اعصابی قوت دینے والی لبوب مقوی اعصاب۔ یعنی ایک انتہائی خاص مرکب خدارا۔۔۔ ایک بار آزما کر تو دیکھیں۔ اگر آپ کی ابھی شادی نہیں ہوئی تو فوری طور پر لبوب مقوی اعصاب استعمال کریں۔ اور اگر آپ شادی شدہ ہیں تو اپنی زندگی کا لطف دوبالا کرنے یعنی ازدواجی تعلقات میں کامیابی حاصل کرنے اور خاص لمحات کو خوشگوار بنانے کیلئے۔ اعصابی قوت دینے والی لبوب مقوی اعصاب۔ آج ہی صرف ٹیلیفون کر کے بذریعہ ڈاک VP وی پی منگوا لیں۔

المسلم دارالحکمت (رجسٹرڈ)
(دیسی طبی یونانی دواخانہ)
ضلع و شہر حافظ آباد پاکستان
0300-6526061
0301-6690383
فون صبح 10 بجے سے رات 8 بجے تک کریں

پہلے اس ڈیلر نے یہ پینٹنگ آرٹسٹ کی پوتی جولی ہوج مین کے کہنے پر فروخت کردی جو دراصل جولین ٹروٹ تھی۔ اس کے بعد جولین کئی سال تک نارتھ کیرولینا میں رہی۔ اس کی شادی ہوئی اور بیوہ ہوگئی جب اس کے شوہر نے زیادہ مقدار میں درد کی گولیاں کھالیں۔ وہ دوسری جگہ چلی گئی اور دوبارہ شادی کرلی اور ایک بار پھر بیوہ ہوگئی۔ ایک مرتبہ پھر یہی اتفاق ہوا کہ اس کے شوہر کی موت زیادہ مقدار میں گولیاں کھانے سے ہوئی۔ اس پر لوگوں نے باتیں بنائیں اور وہ غائب ہوگئی۔

”اس کی ایک بیٹی بھی تھی۔“ میں نے کہا۔ ”اگر ہم اسے تلاش کرلیں تو شاید ماں بھی مل جائے۔“

”مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔“ ہیری نے کہا۔ ”تم تلاش جاری رکھو۔“

میں ایک بار پھر لیپ ٹاپ لے کر بیٹھ گیا۔ کافی تلاش و جستجو کے بعد معلوم ہوا کہ جولین ٹروٹ اور میتھیو سائمن کی ناجائز بیٹی کا نام الزبتھ این سائمن ہے جو لاپتا ہوگئی تھی۔ میں نے میتھیو کے بارے میں تفصیل جاننا چاہی لیکن صرف اتنا ہی معلوم ہوسکا کہ جولین اور بیٹی کے ساتھ کیلی فورنیا سے جانے کے کچھ عرصے بعد اس کی موت واقع ہوگئی تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے درد دور کرنے والی دوا آکسی کوڈون زیادہ مقدار میں لے لی۔

میرے سیل فون کی گھنٹی بجی۔ ہیری کا فون تھا۔

”کچھ معلوم ہوا؟“

”نہیں۔“ میں نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ تم مجھے بک اسٹور پر ملو۔“ یہ کہہ کر اس نے سلسلہ منقطع کردیا۔

جب میں دکان پر پہنچا تو دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہاں ایک پولیس والا پہرا دے رہا تھا۔ ہیری سے میری ملاقات عقبی کمرے میں ہوئی۔

”ان لوگوں نے تمہیں اندر کیسے آنے دیا؟“ میں نے پوچھا۔

”میں نے ان سے کہا کہ مجھے پال کی وصیت کی نقل چاہیے۔“

”تمہیں اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیا تمہارے پاس اس کی نقل نہیں ہے؟“

”اس میں ایک گڑبڑ ہے۔“ اس نے ایک فوٹو کاپی تھماتے ہوئے کہا۔

میں نے قریب سے کر دیکھا۔ ”پال نے پنسل سے کچھ تبدیلیاں کی ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟“

”تم خود دیکھ لو۔“

میں نے وہ وصیت ہاتھ میں لی اور اس کے صفحات پلٹنے لگا۔ ”اس نے اپنی عمارت اور دکان اسے کیوں دے دی ہیں؟ جبکہ گرو گن نے اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔“

ہیری نے وہ وصیت اپنے بریف کیس میں رکھی اور بولا۔ ”ایچ ڈی سی کے وکیل نے فون پر بتایا کہ اس وصیت کی ایک نقل گزشتہ شب اسے ملی ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے مزید کاغذات ٹٹولے اور بولا۔ ”مجھے اصل وصیت نہیں مل رہی۔ پال کے اپارٹمنٹ میں بھی دیکھ لیا۔ سب فوٹو کاپیاں ہیں لیکن ان پر دستخط پال کے ہی ہیں۔“

”یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ کسی نے اصلی وصیت حاصل کرلی ہو اور اس میں پنسل سے تبدیلیاں کرکے فوٹو کاپیاں بنائی ہوں۔“

ہیری نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”اور یہ وہی شخص ہوسکتا ہے جسے سب سے زیادہ فائدہ ہورہا ہو۔“

”گرو گن یا پال ویل۔“

ہم گھر واپس آئے اور میں ہیری کے ساتھ اس کی اسٹڈی میں چلا گیا۔ اچانک مارلو دوڑتی ہوئی آئی اور اچھل کر ہیری کی گود میں بیٹھ گئی۔ اس کے پیچھے مسز گرفن بھی کمرے میں داخل ہوئی اور بلی کو اپنے بازوؤں میں اٹھاتے ہوئے بولی۔

”مجھے اسی کی فکر ہورہی تھی۔ میں یہی دیکھنے آئی تھی کہ یہ تم لوگوں کو تنگ تو نہیں کررہی۔“

”میں تمہیں فون کرنے ہی والا تھا۔“ ہیری نے کہا۔ ”ایش نے بتایا ہے کہ پولیس تم سے مزید سوالات کرنا چاہتی ہے۔“

مسز گرفن کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ وہ بولی۔ ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ مجھ سے مزید کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔“

”تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ صورت حال تبدیل ہوچکی ہے۔“ یہ کہہ کر ہیری نے اسے وصیت میں ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں بتایا۔

”اس کا مطلب ہے کہ اب مارلو میرے پاس نہیں رہے گی۔“

ہیری مسکراتے ہوئے بولا۔ ”میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ مارلو تمہاری ہے اور تمہاری ہی رہے گی۔“

مسز گرفن بلی کو لے کر چلی گئی تو میں نے کہا۔ ”مجھے

توقع ہے کہ پولیس کو کچھ اور مشکوک افراد مل جائیں گے۔"
"لیکن کیا واقعی انہوں نے یہ کام کیا ہوگا؟"
"یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ گروگن نے سوچا ہوگا کہ وان ہیلٹ اور پال کے مرنے کے بعد ہی وہ یہ جگہ حاصل کر سکتا ہے۔ اس نے پال کے سر پر پستول رکھ کر وصیت تبدیل کروائی ہوگی اور اس کے بعد اسے زہر دے دیا۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو جیک۔" ہیری بولا پھر اس نے بریف کیس سے وصیت نکالی اور لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھ گیا۔

"تم نے کبھی ہرل انویسٹی گیشن کا نام سنا ہے؟"
"نہیں، یہ ایجنسی مقامی نہیں لگتی۔"
"ان کی ویب سائٹ بتا رہی ہے کہ یہ ہر ریاست میں کام کرتے ہیں۔" اس نے لینڈ لائن فون پر کوئی نمبر ڈائل کیا اور اسپیکر آن کر دیا۔ چند لمحوں بعد ہی وہ اس سراغ رساں سے بات کر رہے تھے جس کی خدمات پال نے حاصل کی تھیں۔

"تو جولین بھی مر گئی۔" اس نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔

"اس نے بھی زائد از خوراک دوا لی ہوگی۔" میں نے کہا۔ "لیکن سوال یہ ہے کہ پال اسے کیوں تلاش کر رہا تھا جبکہ ان کے درمیان تعلقات ختم ہو چکے تھے۔"

"یہی تو اس معاملے کی جڑ ہے۔" ہیری نے کہا۔ "معلوم کرنا چاہیے کہ جیوئش یونیورسٹی میں اب بھی ہر سال وہ کتابوں کا میلا لگتا ہے۔" پھر اس نے میرے جواب کا انتظار کیے بغیر اپنے سیل فون پر کچھ ٹائپ کیا اور بولا۔ "ہاں۔"

پھر اس نے پال کا رجسٹر کھولا اور اس کے صفحے پلٹنے لگا۔ "پال وہاں تین مہینے پہلے گیا تھا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں اسپیلازیٹی، نمائش کے لیے رکھی گئی تھی۔"

"لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ اس نے پینٹنگ دیکھی یا نہیں۔"

"پال باقاعدگی سے دوسرے میوزیم میں بھی جایا کرتا تھا۔ تمہیں یاد ہے کہ ایک مرتبہ وہ اور مسز گرفن اس سلسلے میں واشنگٹن ڈی سی بھی گئے تھے؟"

"ہاں لیکن اگر پال نے پینٹنگ دیکھی ہوگی تو اس نے میوزیم یا وان ہیلٹ سے اس کی واپسی کا تقاضا کیوں نہیں کیا؟"

"وہ کیسے کر سکتا تھا جبکہ اس نے خود یہ پینٹنگ جولین کو دی تھی۔ اس کو حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ وہ جولین کو تلاش کر کے اسے منہ مانگی قیمت دے کر خرید لے۔"

"کیا تمہارے خیال میں اس نے مارگریٹ کو بتایا ہوگا کہ تصویر مل گئی ہے؟"

ہیری نے نفی میں سر ہلایا۔ "جب ہم نے مارگریٹ سے رابطہ کیا تو اس کی باتوں سے ایسا نہیں لگ رہا تھا۔"

"تمہارے خیال میں اب اس پینٹنگ کی کیا قیمت ہوگی؟"

ہیری نے اس کا ریکارڈ چیک کیا تو معلوم ہوا کہ اس نایاب پینٹنگ کا بیمہ ساڑھے سات لاکھ ڈالر میں ہوا تھا۔
"لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" میں نے کہا۔ "گروگن قاتل ہے اور ممکن ہے کہ پولیس اسے ہی وان ہیلٹ کی موت کا ذمے دار ٹھہرائے۔"

ہیری نے لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے کہا۔ "شاید۔"

اگلے روز ریہرسل جلدی ختم ہو گئی تھی۔ سب لوگوں نے بار میں جانے کا پروگرام بنایا لیکن میں نے انکار کر دیا اور مخالف سمت چل پڑا جہاں میری کار کھڑی ہوئی تھی۔ جیسے ہی میں ایک تنگ گلی سے گزرا کسی نے میرا راستہ روک لیا۔ میں نے گھوم کر دیکھا، کوئی سر تا پاؤں سیاہ کپڑوں میں کھڑا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک تیز دھار چاقو چمک رہا تھا۔ میں تیزی سے گھٹنوں کے بل جھکا ورنہ وہ چاقو میرے سینے میں اتر جاتا یا حملہ آور کو شاید اس لیے بھاگنا پڑا کہ وہ میرے ساتھیوں کی آواز سن کر گھبرا گیا تھا جو اب بھی مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے بلا رہے تھے۔ بہرحال وجہ کچھ بھی ہو، وہ سایہ تیزی سے مڑا اور گلی میں غائب ہو گیا۔

میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ میرا وقت قریب آ گیا ہے۔ میرے ساتھی دوڑتے ہوئے آئے اور انہوں نے مجھے سہارا دے کر کھڑا کیا، پھر کسی کی آواز آئی۔ "شکر ہے کہ تم نے جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ اس کی وجہ سے بچت ہو گئی۔" پھر ایک گشتی سپاہی بھی آ گیا اور میں نے اسے اپنے اوپر ہونے والے حملے کے بارے میں بتا دیا۔

میں نے گھر جا کر ہیری کو بتایا تو اس نے کہا۔ "یہ سلسلہ اب رک جانا چاہیے۔" پھر اس نے مجھے ایک تھیلا میں دھمکی ڈال کر دی اور کہا کہ میں اپنے کمرے میں ...

آرام کرلوں۔"

اگلے روز میری آنکھ کافی اور پیزا کی خوشبو سے کھلی۔ ہیری نے میرے کمرے میں جھانکا اور بولا۔ "گیارہ بج رہے ہیں، بہت کچھ ہو چکا ہے۔"

میں نے لباس تبدیل کیا اور ہیری کے ساتھ ناشتا کرنے بیٹھ گیا۔ "میں صبح بک اسٹور گیا تھا۔" اس نے پیزا کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں دوبارہ وہاں جانا ہوگا۔"

"کیا پولیس ہمیں وہاں جانے دے گی؟"

"وہ بھی وہاں ہوں گے۔" اس نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "میری للی سینٹ کے وکیل سے بات ہوئی تھی۔ اس نے بتایا ہے کہ وہ تصویر للی سینٹ کی ملکیت ہے، اس کے شوہر نے شادی سے پہلے ہی اس کے لیے خریدی تھی۔ وکیل نے یہ بھی بتایا کہ گیلری میں کام کرنے والی سیلینا سائمن نے للی سینٹ کی مدد کرنے کے لیے امیلیا زیٹی، خریدنے کی پیشکش کی تھی۔ وہ وان ہیلٹ کی پرانی دوست ہے۔"

مجھے سیلینا سائمن یاد آ گئی۔ وہ اس آرٹ گیلری کی مالکن تھی۔ میں نے پوچھا۔ "کیا وہ اس کی صحیح قیمت دے سکے گی؟"

ہیری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "وہ جلد از جلد یہ سودا کرنا چاہتی ہے۔ اس نے للی سینٹ کو یہ یقین بھی دلایا ہے کہ اگر اس کی سوتیلی اولاد نے کوئی دعویٰ کیا تو وہ یہ خطرہ بھی مول لینے کو تیار ہے۔"

"کیا ایسا کوئی خطرہ ہے؟"

"نہیں۔"

ہم ہیری کی کار میں پال کی دکان پر گئے۔ اس نے گاڑی عقبی گلی میں کھڑی کی۔ جائے وقوعہ سے زرد فیتہ ہٹا دیا گیا تھا۔ ہیری نے جیب سے چابی نکالی۔

"ہم اس راستے سے اندر جا سکتے ہیں۔" اس نے عقبی دروازہ کھولا اور لائٹس آن کر دیں۔ میں اس کے پیچھے چلتا ہوا دکان کے اندر آیا تو دیکھا کہ مارلو بھی ہمارے ساتھ چلی آ رہی تھی۔

"میں نے سوچا کہ شاید یہ بھی دکان دیکھنا چاہے گی۔" ہیری نے اسے بازوؤں میں لیتے ہوئے کہا۔ "یہ ہمارے لیے کوئی مسئلہ نہیں کرے گی۔ ویسے بھی یہ تم سے بہت مانوس ہو گئی ہے۔"

میں نے ہیری کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "پولیس یہاں کا معائنہ کر چکی؟"

"ہاں، انھیں یہاں کچھ نہیں ملا۔"

اس کی بات پوری ہوتے ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے مارلو کو مجھے پکڑایا... اشارہ کر کے کتابوں کی الماری کے پیچھے چھپ... بعد مجھے لوسی کی آواز سنائی دی۔

"تم نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟"

"مجھے تم سے کچھ سوالات کرنا ہیں۔" ... پُرسکون انداز میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اس نے تمہیں بتا دیا ہو..."

"تم کس کی بات کر رہی ہو؟"

"تمہارے خدمت گار نے۔"

میری کنپٹیاں سلگنے لگیں۔ میں ہیری کے ... ضرور کرتا تھا لیکن اس کا نوکر نہیں تھا۔

"وہ مجھے کیا بتاتا؟"

"کتاب کے بارے میں جو اس نے میرے ... دیکھی تھی۔"

"اس کتاب میں کیا تھا؟"

"پال کا پمفلٹ۔ میں نے غلطی سے وہ کتاب ... رکھ دیا تھا۔"

میں نے کوئی پمفلٹ نہیں دیکھا اور نہ ہی اس بارے میں ہیری کو کچھ بتایا۔

"وہی پمفلٹ جس پر امیلیا زیٹی کی تصویر تھی؟" ہیری نے پوچھا۔

میں آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اچانک میری نظر سیلینا پر گئی جو ہاتھ میں چاقو پکڑے میرے گردن نشانے پر لیے ہوئے تھی لیکن لوسی کی آواز نے مجھے رکنے پر مجبور کر دیا۔

"وہ پینٹنگ میری ہے۔" اس نے کہا۔ "ممانے یقین دلایا تھا کہ ہم اسے واپس لے لیں گے پھر وہ اپنے احمق شوہر پر مہربان ہو گئی جو اس کا تیسرا شوہر تھا۔"

"تم نے اپنے سوتیلے باپ کو مار ڈالا۔" ہیری کی حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز آئی۔

"یہ میرے لیے بہت آسان تھا۔ میں نے صرف یہ کیا کہ اس کی دوا کی خوراک بڑھا دی جس طرح میں نے ماں کو کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ شوہر کے مرنے کے بعد اسے عقل آ جائے گی۔"

"لیکن ایسا نہیں ہوا اور تم نے اسے بھی مار دیا۔"

لوسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہیری نے سیلینا سے کہا۔ ''یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ تم اپنی بھتیجی کی کیوں مدد کر رہی تھیں۔ کیا یہ تمہارے بھائی کی بیٹی نہیں ہے؟''

میں نے اس پر غور ہی نہیں کیا۔ لوسی کا اصلی نام الزبتھ سائمن تھا جبکہ سیلینا کے نام کے ساتھ بھی سائمن لگا ہوا تھا۔

''الزبتھ کو میری مدد کی ضرورت تھی۔ کیا خاندان کے لوگ ایک دوسرے کے کام نہیں آتے؟''

وہ جھوٹ بول رہی تھی۔ اس کا مقصد الزبتھ کی مدد کرنا نہیں بلکہ پینٹنگ کی فروخت سے بھاری منافع کمانا تھا۔ بہرحال میں نے خاموش رہنا مناسب سمجھا۔

ہیری نے لوسی سے پوچھا۔ ''تم نے پال کی وصیت میں جعل سازی کیوں کی؟''

''ہم اپنا دباؤ بڑھانا چاہتے تھے۔ تاکہ یوں لگے جیسے گروگن نے ہی پال کو قتل کیا ہے۔ اس طرح ملی سینٹ کی عمارتوں کی فروخت کا معاملہ کھٹائی میں پڑ جاتا اور وہ اونے پونے داموں پینٹنگ فروخت کرنے پر مجبور ہو جاتی۔''

میں تھوڑا سا آگے بڑھا تاکہ ان تینوں کو اچھی طرح دیکھ سکوں۔ جیسے ہی مارلو نے لوسی کو دیکھا اس نے چھلانگ لگائی اور لوسی پر حملہ کیا۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور ایک جھاڑو اٹھا کر سیلینا کے ہاتھ پر دے ماری۔ اس کے ہاتھ سے چاقو گر گیا۔ ہیری پیچھے کی طرف بھاگا اور اس نے عقبی دروازہ کھول دیا۔ چند لمحوں میں کئی پولیس والے اسٹور میں داخل ہو گئے۔

''اب لوسی کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے پوچھا۔ ہم ہیری کی اسٹڈی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے ایک ہاتھ میں کافی کا کپ اور نظریں براؤنی کی پلیٹ پر تھیں جو مسز گرفن بنا کر لائی تھی۔

''مجھے نہیں معلوم۔'' ہیری نے کہا۔ ''اس کی ماں قاتلہ تھی۔ اس نے بیٹی کو بھی یہ فن سکھا دیا کہ کس طرح درد دور کرنے والی دوا کی زیادہ مقدار دے کر کسی شخص کو ہمیشہ کی نیند سلایا جا سکتا ہے۔ لوسی پر قتل کا الزام ہے۔ پولیس نے اس کے کمرے سے آکسی کوڈون کی خالی شیشیاں برآمد کی ہیں۔''

''کیا تم سمجھتے ہو کہ لوسی نے ہی کسی ذریعے سے وان چیلٹ کو قتل کروایا اور اس کا الزام ملی سینٹ پر رکھ دیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ مقدمے کے اخراجات پورے کرنے کے لیے کم قیمت پر پینٹنگ فروخت کر دے گی۔''

''ہاں اور اس نے سیلینا کو [illegible] سینٹ سے تصویر حاصل کرنے میں کامیاب ہو [illegible] بھاری منافع کے ساتھ دوبارہ فروخت کر دیں گے۔ [illegible] بھی لالچ میں آگئی اور دونوں نے مل کر یہ منصوبہ بنایا۔''

''لیکن اس نے پال کو کیوں قتل کیا۔ وہ تو اس [illegible] کا کزن تھا۔''

''اس کے بغیر اس کا منصوبہ مکمل نہ ہوتا۔ اس نے ایک تیر سے کئی شکار کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ پہلے اس نے پال کی وصیت میں جعل سازی کر کے اس کی جائیداد گروگن کے نام کر دی تاکہ اس پر پال کے قتل کا الزام آ جائے۔ اس طرح ملی سینٹ کی عمارتوں کا سودا کھٹائی میں پڑ جاتا اور وہ مجبور ہو کر سیلینا کے ہاتھ تصویر فروخت کر دیتی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ گروگن کے جیل جانے کے بعد لوسی ہی پال کی جائز اور قانونی وارث ہوتی اور پال کا سب کچھ اسے مل جاتا۔''

''تمہیں اس پر کیسے شک ہوا؟''

''سب سے پہلی بات یہ کہ پال کی وصیت میں نے لکھی تھی۔ اس لیے اس میں ہونے والی تبدیلی دیکھ کر میں چونک گیا۔ پھر مسز ریٹا پکچر نے اسے دکان کے عقبی دروازے سے باہر نکلتے دیکھا اور اس سے بھی زیادہ اہم یہ کہ تم پر حملہ ہوا۔ کیونکہ تم قاتل کی کھوج میں تھے۔ اس لیے تمہیں خوف زدہ کرنا ضروری تھا۔ جب میں نے ان سب کڑیوں کو جوڑا تو میرے دماغ کی سوئی لوسی پر آ کر رک گئی۔''

''تمہیں تو وکیل کے بجائے سراغ رساں ہونا چاہیے تھا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''وہ تو میں اب بھی ہوں۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''لیکن اس کیس کو حل کرنے کا سہرا تمہارے سر جاتا ہے۔ تم نے ہی پال کے رشتے داروں کا کھوج لگایا اور ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ سارا فساد اس تصویر کا ہے۔''

''اب پال کا وارث کون ہو گا؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں، میں یہ تو بتانا بھول ہی گیا کہ لوسی کے اپارٹمنٹ کی تلاشی کے دوران پال کی لکھی ہوئی اصلی وصیت بھی مل گئی ہے جس کی رو سے مسز گرفن ہی پال کی دکان اور جائیداد کی وارث ہے اور یہ بلی بھی اب یہیں رہے گی۔''

میں مارلو کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ چھلانگیں مارتی ہوئی آئی اور میری گود میں بیٹھ گئی۔ اب مجھے اس سے کوئی خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

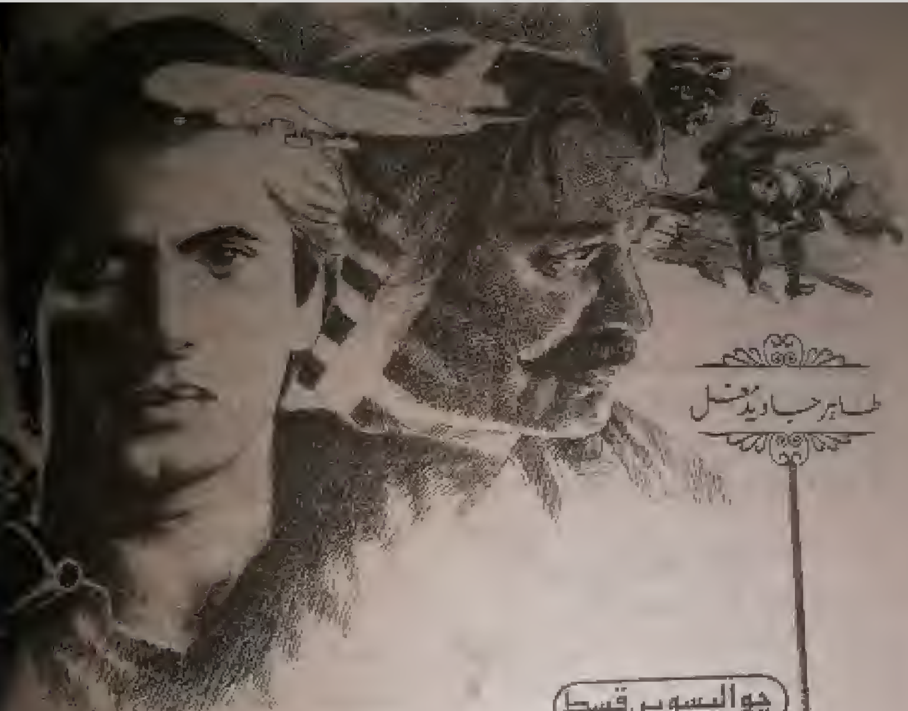

طاہر جاوید مغل

انگارے

چوالیسویں قسط

نیکی کر دریا میں ڈال... بات محاورے کی حد تک ٹھیک ہو سکتی ہے لیکن خود غرضی اور سفاکی کے اس دور میں نیکی کرنے والے کو ہی کمر میں پتھر باندھ کر دریا میں ڈال دیا جاتا ہے۔ انسان بے لوث ہو اور سینے میں دردمند دل رکھتا ہو تو اس کے لیے قدم قدم پر ہولناک آسیب منہ پھاڑے انتظار کررہے ہوتے ہیں۔ بستیوں کے سرخیل اور جاگیرداری کے بے رحم سرغنہ اہو کے پیاسے ہو جاتے ہیں... اپنوں کی نگاہوں سے نفرت کے انگارے برسنے لگتے ہیں... امتحان در امتحان کے ایسے کڑے مراحل پیش آتے ہیں کہ عزم کمزور پڑ جائے تو مقابلہ کرنے والا خود ہی اندر سے ریزہ ریزہ ہو کر بکھرتا چلا جاتا ہے لیکن حوصلہ جوان ہو تو پھر ہر سازش کی کوکھ سے دلیری اور ذہانت کی نئی کہانی ابھرتی ہے۔ وطن کی مٹی سے پیار کرنے والے ایک بے خوف نوجوان کی داستان جسے ہر طرف سے وحشت و بربریت کے خون آشام سایوں نے گھیر لیا تھا مگر وہ ان پیاسی دلدلوں میں رکے بغیر دوڑتا ہی چلا گیا... اثر و رسوخ اور درندگی کی زنجیریں بھی اس کے بڑھتے ہوئے قدم نہیں روک سکیں۔ وقت کی میزان کو اس کے خونخوار حریفوں نے اپنے قدموں میں جھکا لیا تھا مگر وہ ہار مان کر پسپا ہونے والوں میں سے نہیں تھا...

سطر سطر رنگ بدلتی... ایک لہو رنگ اور دل گداز داستان...

میں انگلینڈ سے پاکستان آیا تو عالمگیر اور تاجور سے میری ملاقات ہوئی۔ شروع ہونے سے پہلے ہی ایک حادثہ پیش آیا… مقامی پولیس نے مددگار کے بجائے مجرم ٹھہرایا اور تھانے میں… ادا کر رہا تھا۔ میں نے سرراہ ایک زخمی کو اسپتال پہنچایا۔ مقامی پولیس نے مددگار کے بجائے مجرم ٹھہرایا اور خطرناک لوگوں کے سامنے کھڑا کردیا۔ یہ لوگ ایک طرح کی… شروع ہوا جس نے مجھے شکیل داراب اور لالہ نظام جیسے خطرناک لوگوں کے سامنے کھڑا کردیا۔ زمینداروں اور کاشت کاروں کو ان کی زمینوں سے محروم کررہا تھا۔ میرے بچپن کے دوست… بچانے کے لیے مجھے وڈیروں کی ہاری کی جا رہی تھی۔ بچپن کا دوست ولید اس جبر کو برداشت نہ کرسکا اور شکیل داراب کے… ان کی آبائی زمین چھینے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اس جرأت کی سزا اسے یہ ملی کہ ان کی حویلی کو اس کی ماں اور بہن… مرنے کے لیے بیستان پر کھڑا ہوگیا۔ انسپکٹر قیصر اور لالہ نظام جیسے سفاک لوگ میرے تعاقب میں تھے۔ وہ میرے… اور وحشت گرد قرار پا کر جیل بھیج دیا گیا۔ انسپکٹر قیصر اور لالہ نظام جیسے بڑے بڑے گینگسٹر میرے ہاتھوں الٹ الٹ چکے تھے… جانتے تھے۔ میں MMA کا ورلڈ چیمپئن تھا۔ وسطی یورپ کے کئی بڑے بڑے گینگسٹر میرے ہاتھوں الٹ چکے تھے… زندگی سے بھاگ آیا تھا لیکن وطن پہنچتے ہی یہ زندگی پھر مجھے آواز دینے لگی۔ میں یہاں سے بیزار ہو کے واپس انگلینڈ… جسوال اور… بے دولت حسن رکھنے والی لڑکی مجھے نظر آگئی جس کی تلاش میں، میں یہاں پہنچا تھا۔ اس کا نام تاجور تھا اور وہ… گاؤں میں نہایت پریشان کن حالات کا شکار تھی۔ میں اس کے گاؤں جا پہنچا اور ایک ٹریکٹر ڈرائیور کی حیثیت سے اس کے… ملازم ہوگیا۔ انیق بطور مددگار میرے ساتھ تھا۔ تاجور کا منگیتر اسحاق اپنے ہمنواؤں زمیندار عالمگیر اور پیر دلاور… تاجور اور اس کے والد دین محمد کے گرد گھیرا تنگ کررہا تھا۔ مقامی مسجد کے امام مولوی فدا کی موت میں بھی اسی زمین دار کا ہاتھ تھا… بچی زینب ایک عجیب بیماری کا شکار تھی۔ وہ زمیندار عالمگیر کے گھر میں ٹھیک رہتی لیکن جب اسے وہاں سے لایا جاتا تو اس کی حالت بگڑ… تھی۔ اسی دوران میں ایک خطرناک ڈاکو سجاول نے گاؤں پر حملہ کیا۔ حملے میں عالمگیر کا چھوٹا بھائی مارا گیا۔ میں تاجور کو حملہ آوروں… ایک محفوظ جگہ لے گیا۔ ہم دونوں نے کچھ اچھا وقت گزارا۔ واپس آنے کے بعد میں نے بھیس بدل کر مولوی فدا سے ملاقات کی اور… پر پہنچا کہ عالمگیر وغیرہ نے زینب کو جان بوجھ کر بیمار کر رکھا ہے اور یوں مولوی صاحب کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی بچی کی جان بچانے کے لیے اسحاق کی حمایت کریں۔ مولوی صاحب کو قتل کردیا گیا۔ ایک گستاخی درگاہ کے خاتمے کے بعد ہم گھروں کی جانب گامزن تھے کہ… تاجور سجاول (ڈاکو) کے ڈیرے پر جا پہنچے۔ یہاں سجاول کی ماں (ماؤ جی نے) مجھے اپنا ہونے والا جوائی سمجھا۔ جس کی پوتی مہناز عرف… میری بات طے تھی۔ یوں سجاول سے ہماری جان بچ گئی۔ سجاول کے ساتھ میرا مقابلہ طے پا چکا تھا کہ میرا ذہن ماضی میں بھٹک گیا۔ جب میں… انگلینڈ میں تھا اور ایک کمزور پاکستانی کو گورے اور انڈین غنڈوں سے بچاتے ہوئے خود ایک طوفان کی لپیٹ میں آگیا۔ وہ غنڈے فیکر… گینگ کے لوگ تھے جس کا سرغنہ جان ڈیرک تھا۔ مجھ سے بدلہ لینے کے لیے انہوں نے میری یونیورسٹی دوست ڈیزی کے ساتھ اجتماعی… کیا، پھر ڈیزی غائب ہوگئی۔ اس واقعے کے بعد میری زندگی میں ایک انقلاب آگیا پھر میرا رجحان مارشل آرٹ کی طرف ہوگیا اور ایمیچر… کی حیثیت سے MMA کی فائٹس میں تہلکہ مچاتا رہا اور دوسری طرف اسکائی مارک کی آوٹ میں ٹیکساری گینگ کے غنڈوں سے بدلہ… لیتا رہا۔ اسی مارشل آرٹ کی بدولت میں نے سجاول سے مقابلہ کیا اور سخت مقابلے کے بعد برابری کی بنیاد پر ہار مان کے سجاول کا دل جیت… لیا۔ سجاول سے کہہ کر میں نے انیق کو بلوا لیا۔ سجاول ایک حسین دوشیزہ سنبل کو دلہن کی طرح سجا سنوار کر ریان فردوس (وڈے… صاحب) کی خدمت میں تحفے کے طور پر پیش کرنا چاہتا تھا۔ میں، انیق اور جانال ساتھ تھے۔ ہم ریان فردوس کے محل نما بنگلے پارا ہاؤس… پہنچے۔ وڈا صاحب اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ برونائی سے پاکستان شفٹ ہوا تھا۔ برونائی میں اس کی خاندانی دشمنی چل رہی تھی۔ سجاول کو پارا… ہاؤس میں قیدی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ پارا ہاؤس میں کوئی بڑا چکر چل رہا تھا۔ کھوج لگانے پر پتا چلا کہ بڑے صاحب کے دونوں بیٹوں… میں زہریلا عنصر پایا جاتا ہے۔ زینب والا معاملہ بھی اسی طرف اشارہ کررہا تھا۔ اسی وجہ سے زینب کو بھی اغوا کرلیا گیا۔ ابراہیم اور کمال… کے لیے جو لڑکیاں تیار کی گئی تھیں، وہ پارا ہاؤس پہنچ چکی تھیں۔ ایک تقریب میں دونوں لڑکیوں کی رونمائی کی گئی تو ان میں ایک زینب بھی… ابراہیم نے مجھ پر اور سجاول پر اعتماد کا اظہار کیا تھا۔ ابراہیم نے بتایا کہ دونوں بھائیوں میں زہریلا پن موجود ہے اسی لیے ان کے لیے ایسی… لڑکیاں ڈھونڈی گئی ہیں۔ میں نے ابراہیم کو آگاہ کیا کہ زینب پوری طرح محفوظ نہیں ہے اور شادی کی صورت میں اسے نقصان پہنچ سکتا ہے… یہ سن کر ابراہیم پریشان ہوگیا۔ ادھر آقا جان جو پارا ہاؤس کا کرتا دھرتا تھا، دھماکے کی گونج اٹھے۔ میرے کہنے پر ابراہیم نے زینب کا… ٹیسٹ کرایا تو حقیقت کھل کر سامنے آگئی۔ اس تمام قتل و غارت میں آقا جان ملوث تھا مگر کوئی اس پر شک کرنے کو تیار نہ تھا۔ ناقب کی موت… کے بعد برونائی میں مخالفین نے بڑی کارروائی کرکے وڈے صاحب کے برادر نسبتی کو مار ڈالا تھا۔ بڑی بیگم صاحب کا رو رو کر برا حال تھا… حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے میں اور سجاول وڈے صاحب کے ساتھ برونائی جانے کے لیے تیار تھے۔ برونائی جانے سے پہلے… ایک نظر تاجور کو دیکھنا چاہتا تھا۔ ایک طویل فاصلہ طے کرکے میں تاجور کی ایک جھلک ہی دیکھ پایا تھا کہ گاؤں کے چند لڑکوں نے مجھے… پہچان لیا۔ اپنے وہ بچے تھے۔ ان کی ہار کے بعد ایک دلیر لڑکا میرے گلے کا ہار بن گیا اور میرا پیچھا کرتا ہوا پارا ہاؤس تک آگیا۔ سیف عرف… کی جان نکالنے کے لیے ہم اسے اپنے ساتھ برونائی لے آئے تھے۔ یہاں حالات بہت خراب تھے۔ ریان فردوس کا بیٹا راجے ذرا… پارٹی بن چکا تھا۔ امریکی ایجنسی کے ساتھ مل کے پورے علاقے پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ فردوس بھی فسطینا کا غدار اور تخت دار افسر…

جنگ کے نتیجے میں بیٹے سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا... سیٹھ کی جان گئی تھی۔ جس گاؤں میں اس کے ہمراہ رہا۔ [illegible] بدلہ لینا چاہتی تھی۔ مجھے شروع ہی سے آتو جان پر شک تھا۔ اور اس کی سرگرمیاں دھیمی جاری تھیں۔ [illegible] [illegible] پہ حکومت کا ہاتھ تھا۔ افراتفری اور قتل و غارت گری نے اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ [illegible] چکا تھا۔ ریاست پر مکمل طور پر راجے زل کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ہم سب بڑی مشکل سے جان بچانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ [illegible] کے کارندے ہماری تلاش میں تھے۔ ابراہیم اور زینب کا برا حال تھا۔ میری حالت ان سے [illegible] بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ ہم زیر زمین مقید تھے۔ مگر انتقام رگوں میں دوڑ رہا تھا۔ جس [illegible] موجود تھا۔ آتو جان کے آدمیوں سے بچنے کے لیے اسے ٹھکانے لگانا ضروری تھا۔ [illegible] سے بھرا تھا... تیار کر چھپ کر ایک کھائی میں گر جاتا ہے۔ میں اور سیف اسے ڈھونڈنے جاتے ہیں مگر [illegible] تمام تر تشدد سہنے کے باوجود ہم قسطینا اور ابراہیم کا پتا نہیں بتاتے... سیف کی حالت بری تھی۔ مجھے اس کو اپنے ہاتھ سے [illegible] کم کرنا پڑی۔ مگر میرا اپنا حال بہت برا تھا۔ امریکی لونگ نے تشدد کی انتہا کر دی تھی۔ جاما کی کے حالات روز بروز بدتر ہو رہے تھے۔ ہم راجے زل کی قید سے رہائی پا چکا تھا۔ عوام کا سمندر میرے لیے بے چین تھا۔ وہ مجھے اپنا سربراہ مان چکے تھے۔ وہ آس لگائے بیٹھے تھے۔ ہمارا قافلے کا رخ اب ڈی پیلس کی جانب تھا۔ پال کی مدد سے پوری ٹیم اور عوام کا سمندر ڈی پیلس کی جانب گامزن تھا۔ ہر طرف گولیاں... شیلنگ اور دھواں دھار لڑائی تھی۔ بالآخر بیسی ہوئی عوام نے اپنے جوش، جذبے اور جنون سے کام لے کر راجے زل کے ساتھیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اب تخت کے حق دار قسطینا اور ابراہیم تھے۔ وطن آنے کے بعد تاجور اپنے گھر چلی گئی اور میں اور بجاؤ کے پاس تھا لیکن وطن آتے ہی اس دشمن نے مجھے ڈھونڈ ہی لیا جس سے میں چھپتا پھر رہا تھا۔ ٹیکساری گینگ پاکستان آچکا تھا۔ ہر طرف قتل و غارت گری پھیلا رہے تھے... ڈیتھ اسکواڈ کے کارندے میری تلاش میں کئی معصوم لوگوں کی جان لے چکے تھے۔ اب ان کا خاتمہ ضروری ہو گیا تھا۔ عزیز اور دیتی نے ان کے ٹھکانے کا کھوج لگایا اور بہت ہوشیاری سے ان کے جشن والے دن رنگ میں بھنگ ڈال دیا۔ ادھر جامانی سے خود سے آچکی تھی اور سجاول کو اپنا حتمی فیصلہ سنانا چاہتی تھی۔ ڈیتھ اسکواڈ کا خاتمہ بے حد ضروری تھا۔ میں نے اینق کے ساتھ مل کر ان کے ٹھکانے کو تباہ کر دیا اور خود بھی بمشکل یعنی جان بچا پایا۔ اس مقام پر زبردست بلاسٹ ہوا اور مجھے بھی مردہ سمجھ لیا گیا۔ ٹیکساری گینگ سے بچنے کا ایک ہی طریقہ سمجھ میں آیا کہ میں سب کی نظروں میں مردہ رہوں۔ اپنے چہرے پر سرجری کے ذریعے تبدیلیاں کروا کے میں ابھی ان میں اجنبی بن گیا تھا۔ سیف کے گھر اور تاجور تک رسائی کے بعد میں مطمئن تھا مگر تاجور کی شادی دارا سے فیملی میں طے پا چکی تھی۔ تاجور کے بغیر میری زندگی ادھوری تھی۔ میں اسے ساتھ لے آیا تھا مگر اچانک اینق کی آمد ہوئی۔ اس نے سیف کے حوالے سے غلط باتیں کر کے تاجور کا دل متنفر کر دیا۔ وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ میں اینق کی اس حرکت پر مشتعل تھا۔ وہ دیاوہ کے دار اب ہاؤس جا چکی تھی۔ بالآخر ہم نے اینق کی دشمنی کا کھوج لگا لیا۔ وہ ہاما وانی کے کالے علم کی زد میں تھا۔ ہاما وانی اپنے بیٹے کی موت کا بدلہ ہم سب سے لینا چاہتی تھی۔ اس نے سجاول کے ہاتھوں اینق کا قتل کروایا۔ سجاول نے اس کی انتقامی کارروائی سے بچنے کے لیے اپنی آنکھوں اور کانوں کو قربان کر دیا تھا۔ ہاما وانی کے دہشت ناک حملے جاری تھے۔ اب وہ پرندوں کے ذریعے ہمیں نیست و نابود کر دینا چاہتی تھی۔ ہاما وانی کا اگلا شکار تاجور تھی۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ شہر کے باہر جا رہی تھی۔ حملے کا شدید خطرہ تھا۔ وہی ہوا راستے میں پرندوں کی یلغار نے گاڑیوں کو تباہ کر دیا۔ میں اپنے ساتھیوں اور تاجور کے ہمراہ ایک گھر میں پناہ لے چکا تھا۔ ٹیکساری گینگ کے متواتر حملے جاری تھے۔ دراج کی والدہ اس صورت حال سے گھبرا کے ٹیکساری گینگ کے پڑاؤ کا رخ کر چکی تھیں۔ مگر نتیجہ انتہائی ہولناک موت کی صورت میں نکلا تھا۔ بالآخر ہم اس کھوہ سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس بار داؤد بجاؤ ہمارے کام آیا تھا۔ اب نخر کی تلاش جاری تھی۔ ایک دن ہمیں نخر کا پیغام ملا اور میں اس سے ملاقات کے لیے چل پڑا۔ نخر سے ملاقات بہت مہنگی پڑی۔ اصل میں نخر اور کمانڈر فارس ہاما وانی کی گرفت میں آچکے تھے۔ اب میں بھی اس جادوگرنی کے شکنجے میں آچکا تھا۔ مگر ڈاکٹر حاذق کا تعویذ میرے کام آرہا تھا۔ ہاما وانی کے ٹرانس سے بچنے کا یہی ذریعہ تھا۔ اس نے داؤد بجاؤ کا ٹارگٹ مجھے دیا کہ وہ میرا دشمن ہے اور مجھے اس کی جان لینی ہے۔ یہ ہدف پورا کیا۔ پھر تاجور کے والد کا نمبر آیا۔ ان کی بھی جان لینی تھی۔ مگر میرے پہنچنے سے پہلے ہی وہ خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اب ہاما وانی مجھ پر بھروسا کرنے لگی تھی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ فرمائیے

بڑی خوفناک صورت حال تھی۔ میں گاڑی کے شیشے بھی نہیں اتار سکتا تھا۔ میں ان خونی طوطوں پر فائر نہیں کر سکتا تھا۔ میں کسی کو مدد کے لیے نہیں بلا سکتا تھا۔ وہ سیکڑوں کی تعداد میں تھے اور میری نگاہوں کے سامنے لوگوں کی جان لے رہے تھے۔

میں نے گاڑی کے اندر بیٹھے بیٹھے چند لمحوں کے لیے اپنی آنکھیں بند کر لیں... میں جیسے خود کو یقین دلانے کی کوشش کرنے لگا کہ آنکھیں بند کرنے سے پہلے جو کچھ میں نے دیکھا ہے، وہ اور کچھ بھی نہیں، بس میری جاگتی آنکھوں کا ایک خواب ہے لیکن یہ خواب نہیں تھا۔ یہ ایک حقیقت تھی۔ !!

بڑی ہی لرزہ خیز۔ کم از کم چار افراد جان کنی کے عالم میں تھے۔ ان کے چلّانے کی دردناک صدائیں بند گاڑی کے اندر بھی میرے کانوں تک پہنچ رہی تھیں اور پھر میں نے آنکھیں کھول دیں۔ ایک بار پھر الٹی ہوئی گاڑی کی عقبی اسکرین میں سے مولوی حبیب اللہ کو دیکھا۔ وہ بالکل بے حرکت تھے۔ پیشانی کا ایک حصہ زوردار تصادم سے اندر کی طرف پچک چکا تھا۔ یقین سے تو کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا مگر لگتا یہی تھا کہ وہ زندہ نہیں ہیں۔

پندرہ بیس سیکنڈ مزید گزرے اور پھر یکایک میں نے محسوس کیا کہ پرندے فضا میں بلند ہو رہے ہیں۔ وہ چار پانچ ٹولیوں کی صورت میں چکرائے پھر ان کی بلندی میں اضافہ ہوا۔ انہوں نے ایک بڑے جھنڈ کی شکل اختیار کی اور وہ مزید اوپر اٹھنے لگے۔ ہاں..... وہ جا رہے تھے..... وہ ”شکار افراد“ کو چھوڑ کر جا رہے تھے لیکن ان کے شکار زندہ کہاں تھے۔ وہ تو لاشوں کی شکل اختیار کرچکے تھے۔

میں نے پرندوں کا رخ دیکھا اور اس سنگین ترین صورتِ حال میں بھی اطمینان کی ایک لہر سی محسوس ہوئی۔ پرندوں کا رخ سکھیرا گاؤں کی طرف نہیں تھا۔ وہ مشرقی رخ پر تھے۔ اسی طرف جا رہے تھے، جدھر سے آئے تھے۔

میں نے اپنی شناخت چھپانے کے لیے چہرے پر چھوٹے سائز کی گرم چادر ایک ڈھاٹے کی طرح لپیٹ لی۔ کورے کار کا دروازہ کھولا اور الٹی ہوئی ٹویوٹا کار کی طرف لپکا۔ سفید ٹویوٹا اپنے پہلو کے بل تھی۔ میں نے اوپر والا... دروازے کھولنے کی کوشش کی لیکن ناکامی ہوئی۔ وہ بری طرح پھنس چکے تھے۔ میں نے کورے کے پیچھے سے آہنی جیک نکالا اور اس کی ضربوں سے ٹویوٹا کار کی عقبی اسکرین توڑ دی۔

گاڑی میں مولوی حبیب سمیت کُل چار فراد تھے۔ ان میں سے فقط ایک ہوش میں تھا۔ یہ باریش نوجوان ڈرائیور کے ساتھ والی نشست پر بیٹھا تھا۔ اس کی ناک بھی سخت زخمی تھی۔ ”مولوی صاحب..... مولوی صاحب۔“ اس نے حبیب صاحب کا کندھا پکڑ کے بری طرح جھنجوڑا۔

”ان کو باہر نکالنے کی کوشش کرو۔“ میں نے چلا کر کہا۔

ہم نے مولوی حبیب صاحب کو باہر کھینچنا چاہا۔ باریش شخص نے بھی اس میں ہاتھ بٹایا لیکن پھر اس نے ایک دم اپنے ہاتھ پیچھے ہٹا لیے اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ مولوی جی! یہ کیا ہو گیا؟ اے میرے مولا..... اے میرے

مولا۔“ وہ کہتا چلا گیا۔
میں نے اندازہ لگایا کہ اس ...
کی طرف کوئی گہرا زخم دیکھا جب ...
نکلا۔ میں نے اپنا اگلا دھڑ تھوڑا سا ...
میری نگاہ مولوی حبیب اللہ صاحب کی ...
کے درمیان پڑی۔ وہاں گاڑی کی نشست ...
نوک دار حصہ ٹوٹ کر لگا تھا اور جان لیوا ...
رہا تھا۔ میں نے قریب سے مولوی صاحب ...
جھانکا اور مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ...
ساری ضرورتوں سے بے نیاز ہو چکے ہیں۔ ...
گاڑھا دھواں بھر گیا۔ میں نے ان کی خو...
داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ ان کے کندھے پر ...
ہٹ گیا۔

میں نے دیکھ لیا تھا کہ مولوی حبیب اللہ ...
جو طوطوں کے حملے سے بچ گئے ہیں، وہ واپس آ رہے ...
الٹی ہوئی ”ٹویوٹا“ کی طرف لپک رہے ہیں۔ میں ...
سامنے آنا نہیں چاہتا تھا۔ میں جلدی سے واپس ...
میں بیٹھ گیا۔ آنسوؤں کے سبب نظر دھندلا رہی تھی۔ ...
گاڑی اسٹارٹ کی اور سرعت کے ساتھ اسے ...
سے نکل آیا۔ ہموار جگہ سے گزرتے ہوئے میری نگ...
لاشوں پر پڑی جنہیں طوطوں نے نوچا تھا۔ وہ ایک ...
منظر تھا۔ نہر کے عین کنارے پر گرے شخص کا چہرہ ...
لتھڑ کر ناقابلِ شناخت ہو چکا تھا۔ اس کی شہ رگ کی جگہ ...
گہرا خونی گھاؤ نظر آ رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں پر بھی ان گنت ...
تھے۔ قریب ہی پولیس کا باوردی حوالدار خوشی محمد ...
اس کے جسم پر بھی بے شمار زخم تھے مگر سب سے بڑا زخم ...
گھاؤ کہنا چاہیے اس کے پیٹ پر تھا۔ اس کا پیٹ ...
تھا۔ میں زیادہ دیر ان مناظر پر نگاہ نہیں جما سکا اور ...
کے ساتھ وہاں سے نکل آیا۔

سنسنی کی ایک ہولناک لہر تھی جو ہوا میں، فضا میں ...
گرد و پیش کی ہر شے میں دوڑ رہی تھی۔ نانا وانی کے حوالے ...
سے جو بدترین خدشات موجود تھے، وہ حقیقت کا روپ ...
دھار رہے تھے۔ وہ ہر طرف مار کر رہی تھی۔ انتقام ...
اندھی ہو کر اپنی ”ہٹ لسٹ“ میں موجود ہر شخص پر حملہ ...
ہو رہی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے جو واقعہ رونما ہوا تھا، اس ...
پرندوں کی تعداد نے بھی مجھے ششدر کیا تھا۔ پہلے ...
میں جس میں بھاؤ کا اہم ساتھی عاشق جٹ ہلاک ہوا تھا ...
پرندوں کی تعداد تین چار درجن سے زائد نہیں تھی لیکن ...

کچھ دن بعد یہ پرندے دارث کے قافلے پر حملہ آور ہوئے تو یہ ڈھائی تین سو کے لگ بھگ تھے مگر اب اس تازہ واقعے میں، یہ کم و بیش دگنی تعداد میں دکھائی دے رہے تھے۔ یہ عجیب "دشمن" تھے۔ انہیں شوٹ نہیں کیا جاسکتا تھا، انہیں پکڑا نہیں جاسکتا تھا، کسی دھماکے میں نہیں اُڑایا جاسکتا تھا۔ یہ ہر جگہ پہنچ رہے تھے، ہر نشانے پر آزادانہ حملہ کر رہے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا قاتل جھنڈ تھا۔ اس سے دفاع ناممکن دکھائی دے رہا تھا۔

گوجرانوالا کے قریب ایک ہوٹل کے اندرونی احاطے میں، میں نے گاڑی روک دی اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ مولوی حبیب اللہ کی نورانی صورت مسلسل نگاہوں میں گھوم رہی تھی۔ وہ اپنے بہنوئی (دین محمد صاحب) کے انتقال کی اطلاع پر سکھیرا گاؤں کی طرف جا رہے تھے اور جان لیوا حادثے کا شکار ہوئے تھے۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے تھے۔ میرے اندازے کے مطابق ان کے کم از کم تین ساتھی بھی اس سانحے میں لقمۂ اجل بنے تھے۔ پرندوں کی یلغار سے جان ہارنے والے پولیس اہلکاروں کی تعداد بھی تین کے لگ بھگ تھی۔

میں نے نشست کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کیں اور سوچنے لگا۔ مجھے سب سے پہلے تاجور کی والدہ اور بھائیوں کا سوچنا چاہیے تھا۔ وہ کسی بھی وقت ہاناوانی کے قہر کا شکار ہوسکتے تھے۔ اگر پرندے آج یہاں تک آئے تھے تو کل سکھیرا گاؤں کے اندر بھی پہنچ سکتے تھے لیکن میرا مسئلہ یہ تھا کہ میری طنابیں ہاناوانی کے ہاتھ میں تھیں۔ کم از کم وہ بھی سمجھ رہی تھی کہ طنابیں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ میں سکھیرا نہیں جاسکتا تھا۔ مجھے ہاناوانی کے پاس پہنچنا تھا۔

یہاں ہوٹل کے احاطے میں آتے ہی میں نے موبائل فون سامنے والی پان شاپ پر چارجنگ کے لیے دے دیا تھا۔ موبائل اب چارج ہوچکا تھا۔ خوش قسمتی تھی کہ ابھی سم بند نہیں ہوئی تھی۔ میرے پاس سیف کی بہن شازیہ کا نمبر موجود تھا۔ میں نے اس سے کال ملائی۔ کچھ دیر بعد اس کی پژمردہ آواز سنائی دی۔ "ہیلو کون؟" پس منظر میں عورتوں کے رونے کی بلند آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

میں نے تیز لہجے میں کہا۔ "شازیہ! میں شاہ زیب بول رہا ہوں۔ تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ تم کسی کمرے میں چلی جاؤ جہاں شور نہ ہو۔"

قدموں کی چاپ سنائی دی پھر دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔ تب شازیہ جیسے پھٹ پڑی۔ "یہ کیا ہو رہا ہے [illegible]... یہ سب کیا ہو رہا ہے [illegible] ہم پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ [illegible] رہے۔ لوگ جو باتیں بتا رہے ہیں، وہ [illegible] ہچکیوں سے رونے لگی۔

"کیا باتیں بتا رہے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

وہ پہلے چپ رہی، پھر ہمت جمع [illegible] کیا بتاؤں۔ میری ہمت نہیں ہو رہی... وہ [illegible] چاچے دین محمد کو آپ نے مارا ہے۔ گاؤں [illegible] بندے نے آپ کو اندھیرے میں چاچے کے گھر سے نکلتے دیکھا ہے۔ آپ والی گاڑی کو بھی دیکھا گیا ہے۔" [illegible] آواز میں رنج اور غم و غصے کا دریا سا بہہ رہا تھا۔

میں سناٹے میں رہ گیا۔ یہ سب اسی سازش کا حصہ [illegible] لگ رہا تھا جس کے تحت مجھے سکھیرا گاؤں جانا پڑا تھا۔ شازیہ کی اٹکتی ہوئی صدا پھر میرے کانوں سے ٹکرائی۔ "تاجور کے بڑے ماموں بھی نہیں رہے۔ ان کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ لوگ پرندوں کی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ پرندے جو چلتی گاڑی پر حملہ کر دیتے ہیں۔ یہاں گاؤں میں ہر کوئی ڈرا ہوا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ ایکسیڈنٹ والی جگہ پر بھی کچھ لوگوں نے آپ کو دیکھا ہے...." وہ روتی چلی جا رہی تھی۔

میں نے کہا۔ "شازیہ! دین محمد صاحب والی خبر مجھ تک پہنچ گئی ہے۔ تم لوگوں کی باتوں کو چھوڑو۔ تم صرف اپنے دل سے پوچھو.... کیا میں ایسا ہوسکتا ہوں؟ کیا میں دین محمد صاحب کی جان لے سکتا ہوں؟"

"مجھے کچھ پتا نہیں۔ سب عجیب باتیں کر رہے ہیں۔ یا اللہ.... یا اللہ۔" وہ بے قراری میں بولتی چلی گئی۔

"میری بات سنو شازیہ۔" میں نے اسے بیچ میں روکا۔ "میں نے فی الوقت تمہیں صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ جن لوگوں نے چاچے دین محمد اور مولوی حبیب صاحب کو مارا ہے، وہ مزید نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ سب سے زیادہ خطرہ تاجور کے گھر والوں کو ہے۔ دشمن پرندوں کی مدد لے رہا ہے، وہ عام پرندے نہیں ہیں۔ وہ کسی بھی وقت سکھیرا گاؤں میں بھی پہنچ سکتے ہیں۔ تم [illegible] کے چھوٹے ماموں یا گھر کے کسی اور بڑے سے میری بات کرا دو۔ میں ان کو کچھ سمجھانا چاہتا ہوں۔"

وہ بھیگے لہجے میں عجیب دکھائی کے ساتھ بولی۔ "مجھے نہیں لگتا کہ ان لوگوں میں سے کوئی آپ سے بات کرنا پسند کرے گا... ابھی بہت... مجھے [illegible]

میں نے چند لمحے کے توقف کے بعد کہا۔ ''میں نازک صورتِ حال دیکھ رہا ہوں۔ چاچا دین محمد کے مرنے کی خبر یقیناً تاجور تک بھی پہنچ گئی ہوگی۔ وہ بھی کچھ دیر میں گاؤں آجائے گی۔ اسے بھی بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہوگی۔ یہ پرندے کھلی جگہ پر کسی بھی وقت حملہ کرسکتے ہیں۔ تم خود بھی خطرے سے باہر نہیں ہو شازیہ۔ تم سب کو بھی بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اگر کسی بڑے سے میری بات ہو جاتی تو......''

میں بول رہا تھا لیکن پھر مجھے اندازہ ہوا کہ شازیہ فون بند کرچکی ہے۔ اس کا ''ردِعمل'' سمجھ میں آنے والی بات تھی۔ دین محمد صاحب کے حوالے سے وہ مجھے ذمے دار سمجھنے پر مجبور ہورہی تھی۔

صورتِ حال نے بے حد غیر متوقع پلٹا کھایا تھا۔ سوال بار بار ذہن میں ابھر رہا تھا، کیا یہ ہاناوانی ہی ہے جو مجھے عام لوگوں کی نظر میں دین محمد صاحب کا قاتل دیکھنا چاہتی ہے؟

میں نے قسطینا کا نمبر پریس کیا اور پہلی کوشش میں ہی اس سے رابطہ ہوگیا۔ وہ یہ نمبر پہچانتی تھی۔ اس نے فوراً کال ریسیو کرلی تھی۔

''یہ کیا ہورہا ہے شاہ زائب؟'' وہ چھوٹتے ہی بولی۔ ''پہلے دین محمد صاحب کے بارے میں خبر ملی اور پھر مولانا حبیب کے بارے میں۔''

''ہاں قسطینا! یہ دونوں واقعات ہوچکے ہیں مگر دین محمد صاحب کے سلسلے میں ایک زبردست اتفاق ہوا ہے۔ وہ میرے پہنچنے سے پہلے ہی اپنی سانسیں پوری کرچکے تھے۔''

یقیناً وہ حیران ہوئی تھی۔ توقف کے بعد بولی۔ ''لیکن کہا تو یہ جارہا ہے کہ انہیں شوٹ کیا گیا ہے۔''

میں نے مختصر ترین الفاظ میں قسطینا کو ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ وہ حیرت سے سنتی رہی۔ مجھے بیک گراؤنڈ میں پہلوان جی کے کھانسنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے اس بارے میں پوچھا تو قسطینا نے بتایا کہ وہ پہلوان حشمت اور وارث لودھی کے ساتھ اسی وقت سکھیرا گاؤں روانہ ہورہی ہے۔

''وہ کیوں؟'' میں نے پوچھا۔

''میں یہاں اس طرح چوہے کی طرح دبک کر نہیں بیٹھ سکتی۔ وہ باسٹرڈ خونخوار ہورہی ہے، لوگوں کی جانیں لے رہی ہے اور میرے خیال میں اس وقت سب سے زیادہ خطرہ تاجور اور اس کی فیملی کو ہے۔ وہ ان کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتی ہے۔''

''آپ کا یہ خیال تو سو فیصد درست ہے۔''

''اور میں یہ بھی جانتی ہوں شاہ زائب [illegible] حفاظت کے لیے کچھ نہیں کرسکتے اور تمہیں [illegible] چاہیے۔ یہ تمہاری مجبوری ہے۔ تم خود کو ہاناوانی [illegible] میں ظاہر کررہے ہو۔ دین محمد صاحب کی موت [illegible] ٹرانس پر ہاناوانی کا یقین پختہ تر ہوگیا ہوگا۔ کیا [illegible] تمہارا؟''

''آپ بات کی تہ تک پہنچی ہوئی ہیں۔''

وہ گہری سانس لے کر بولی۔ ''ہم سب [illegible] بہتر ہے کہ تم اپنا یہ روپ برقرار رکھو۔ تم ہاناوانی [illegible] میں واپس چلے جاؤ...... اور موقع ڈھونڈو شاہ زائب [illegible] عورت مرے گی تو یہ تباہی ختم ہوگی۔''

میں نے ہنکارا بھرا۔ وہ ذرا توقف سے بولی۔ ''ان پرندوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ان کی تعداد مسلسل [illegible] رہی ہے۔ وہ جہاں اور جب چاہتے ہیں حملہ کرتے ہیں۔ ہمیں ان کی بنیاد کو ختم کرنا ہوگا۔ اس فتنہ زادی کی کمر توڑنا ہوگی۔'' قسطینا کے لہجے میں شعلوں کی چمک تھی۔

قسطینا کی باتوں سے پتا چلا کہ اس کے ذہن میں خطرہ بھی موجود ہے کہ سکھیرا گاؤں میں جنازے پر پرندوں کا حملہ ہوسکتا ہے...... اس کے علاوہ بھی کچھ فکریں اور اندیشے اس کے ذہن میں گھوم رہے تھے۔

میں نے کہا۔ ''قسطینا! میں آپ کو کسی طرح کی ہدایت جاری کرنے کا اہل تو نہیں ہوں مگر مجھے یہی لگتا ہے کہ آپ کو اس طرح اس محفوظ ٹھکانے سے باہر نہیں نکلنا چاہیے...... میں ہوں ناں باہر...... میں ہینڈل کرلوں گا ان معاملات کو۔''

''شاہ زائب! تم ان معاملات کو اپنے معاملے کیوں سمجھ رہے ہو، یہ میرے بھی معاملے ہیں۔ فارس جان کا ابھی تک کچھ پتا نہیں۔ نوے فیصد امکان اس بات کا ہے کہ وہ بھی ہاناوانی کے قبضے میں ہے۔ ہاناوانی سے ٹکرائیں گے نہیں تو کیا کریں گے؟''

''قسطینا! آپ یہاں پاکستان میں میرے لیے مہمان کی طرح ہیں۔ آپ کو کوئی نقصان پہنچا تو میرے لیے جھیلنا بہت مشکل ہوگا۔''

وہ خاموش رہی۔ چند سیکنڈ بعد اس کی آواز ابھری۔ ''جو نقصان پہنچنا تھا، وہ تو بہت پہلے پہنچ چکا شاہ زائب اب تو ہر نقصان چھوٹا ہی محسوس ہوتا ہے۔''

اس کے لہجے کی معنی خیزی نے مجھے خجل کیا...... وہ جن واقعات کی طرف اشارہ کررہی تھی، وہ میرے ذہن میں ہنوز تازہ تھے۔ میرے کہنے پر ہی اس نے اپنے سینے کے اندر اپنی محبت کا گلا گھونٹا تھا اور میری ہی درخواست پر کمانڈر فارس جان سے شادی کر لی تھی۔ قسطینا اور فارس جان کی محبت یکطرفہ تھی۔ وہ اس پر فدا تھا اور قسطینا صرف رشتہ نبھا رہی تھی، خوش اسلوبی کے ساتھ۔

میں نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”قسطینا! میں جانتا ہوں آپ جو ارادہ کر لیتی ہیں، اس سے آپ کو باز رکھنا مشکل ہوتا ہے مگر میری بات پر غور ضرور کیجیے گا۔“

”مشورے کا شکریہ شاہ زائب! تم بھی اپنا خیال رکھنا۔“

قسطینا سے بات ختم کرنے کے بعد میں آئندہ کا لائحہ عمل سوچنے لگا۔ یہ بات تو اچھی طرح سمجھ میں آرہی تھی کہ اب مجھے یہ کورے کار چھوڑ دینی چاہیے۔ علاقے میں دو سنگین ترین واقعات رونما ہو چکے تھے اور دونوں واقعات میں اس گرے کورے گاڑی کا نام آرہا تھا۔

یہی وقت تھا جب میری نگاہ تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑے ایک سوزوکی ڈبے پر پڑی، اس کی پچھلی نشست پر غالباً گیس ہیٹرز کے پرزہ جات وغیرہ رکھے تھے۔ مجھے شک گزرا کہ اس کا ایک دروازہ لاک نہیں ہے۔ اردگرد کوئی موجود نہیں تھا۔ تسلی کرنے کے بعد میں نے کورے کی نشست کے نیچے سے مشین پسٹل نکال کر اپنی پتلون کے پائنچے کے نیچے جراب میں گھسیڑ لیا۔ بریٹا پسٹل جیکٹ کی اندرونی نشست پر پہنچ گیا۔ ہر کوئی اپنے حال میں مگن تھا۔ میں نے ڈیش بورڈ کے نیچے ہاتھ گھسایا اور تاروں کو جوڑ کر گاڑی اسٹارٹ کر لی۔ یہ سب کچھ دو منٹ کے اندر اندر ہو گیا۔ میں سوزوکی سمیت ہوٹل کے احاطے سے باہر تھا۔

اب دن کے دس بجنے والے تھے۔ یہ ایک سرد اور جزوی طور پر ابر آلود دن تھا۔ سورج کافی اوپر آچکا ہوگا مگر سڑکوں پر دھند موجود تھی۔

میں گوجرانوالہ کے اندرونی حصے سے نکل کر مین روڈ پر پہنچا ہی تھا کہ پولیس کا ایک بڑا ناکا نظر آگیا۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ میں گاڑی کو بغلی سڑک پر موڑ لیتا۔ میں نے رفتار تھوڑی سی بڑھائی اور نکل جانا چاہا۔ وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ دو باوردی اہل کاروں نے سڑک کے درمیان کھڑے ہو کر مجھے روک لیا۔ دو چار مزید گاڑیاں بھی رکی ہوئی تھیں۔ ایک بارونق گنجان علاقہ تھا۔ یہاں کسی طرح کا ایڈونچر میرے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اہلکاروں سے کچھ دور رائفل بردار بالکل الرٹ کھڑے تھے۔ ناچار میں نے گاڑی روک دی۔ ایک کرخت صورت اہلکار نے گاڑی کے اندر جھانکا۔ گاڑی کی حالت خستہ تھی۔ میرا حلیہ بھی اجڑا ہوا تھا۔ اس نے درشتی سے پوچھا۔ ”کہاں سے آرہے ہو جوان؟“

”گجرات سے جی ۔۔۔ لاہور جا رہا ہوں سامان لے کر۔“

”کاغذ دکھاؤ گاڑی کے۔“ درشت لہجے میں کہا گیا۔

میری جانے بلا کہ کاغذ کہاں ہیں اور ہیں بھی یا نہیں۔ میں نے ڈیش بورڈ کے خانے میں دائیں بائیں ہاتھ مارا، کچھ نہیں ملا۔

”رجسٹریشن تو گھر بھول آیا ہوں جی۔“ میں نے بند بند عذر پیش کیا۔

”باہر آجاؤ۔“ حکم صادر ہوا۔

کچھ پس و پیش کے بعد میں باہر نکل آیا۔ انسپکٹر نے ایک حوالدار کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”تلاشی لو اس کی۔“

یہ خطرناک مرحلہ تھا۔ دونوں ہتھیار میرے لباس میں موجود تھے۔ مشین پسٹل پنڈلی کے ساتھ اور چھوٹا بریٹا پسٹل چرمی جیکٹ کی اندرونی جیب میں۔ میں نازک صورت حال کے لیے تیار ہو گیا۔ مگر آفرین ہے تلاشی لینے والے پر۔ اس نے گھسے پٹے انداز میں میرے جسم اور ٹانگوں پر ہاتھ چلایا...... چھپتے ہوئے موبائل اور تھوڑی سی نقدی کے سوا اور کچھ نہیں ملا۔ انسپکٹر کو دکھا کر اس نے یہ چیزیں دوبارہ میری جیب میں ڈال دیں۔ انسپکٹر ہی کے حکم پر ایک کانسٹیبل گاڑی کے سامان کو بھی الٹ پلٹ کر رہا تھا۔

تان آکر اس بات پر ٹوٹی کہ میرے پاس گاڑی کا کوئی کاغذ نہیں ہے اور شناختی کارڈ یا اس کی کاپی وغیرہ بھی اپنے پاس موجود نہیں رکھتا۔ ”میری گاڑی“ تھانے میں بند ہونے کا حکم جاری ہوا۔

دستور کے مطابق میں نے تھوڑا سا منت ترلا کیا لیکن بے سود۔ حوالدار کو میرے ساتھ بٹھا دیا گیا اور گاڑی تھانے روانہ کر دی گئی۔ اندھا کیا چاہے، دو آنکھیں۔ میری تو خود یہی منشا تھی کہ میں اس بارونق جگہ سے نکلوں جہاں درجن بھر پولیس اہلکاروں کے علاوہ ناکے کا تماشا دیکھنے کے لیے بھی دس بیس لوگ موجود تھے۔

ناکے کے انچارج انسپکٹر نے غالباً ... حوالدار کو میرے ساتھ روانہ کر کے اپنے میں سمجھا

کے تمام راستے مسدود کر دیے ہیں اور اب میں قانونی تقاضے پورے کر کے ہی تھانے سے نکل پاؤں گا۔ تلاشی لینے والے حوالدار کی طرح انسپکٹر کی اہلیت اور ہوشیاری بھی ''قابلِ صد تحسین'' تھی۔ حسبِ رواج اور موقع میں نے راستے میں حوالدار کی تھوڑی سی منت سماجت بھی کی کہ وہ کچھ لے دے کر مجھے تھانے پہنچنے سے پہلے ہی سرخرو کر دے مگر ایسے موقعوں پر ماتحت اہلکار عموماً شکار کو تھانے پہنچا کر ہی چھوڑتے ہیں۔

اسی دوران میں حوالدار کے فون پر کال آگئی۔ اس نے اپنے تنومند جسم کو بمشکل ہلا جلا کر خاکی پتلون کی جیب میں سے موبائل نکالا اور بولا۔ ''ہیلو رانا! کیا بات ہے؟ کہاں سے بول رہے ہو؟''

''یار وہیں پھنسا ہوا ہوں مولوی والے پنجے میں۔ چھ موتیں ہوئی ہیں۔ دو بندے سخت زخمی ہیں۔ مرنے والوں میں دو ملازم بھی ہیں۔ وہ حوالدار خوشی محمد نارووال والا ..... وہ بھی لگ گیا ہے۔'' بولنے والے کی آواز میں غم و غصہ تھا۔ اس کی آواز موبائل فون کے اسپیکر سے نکل کر صاف مجھ تک پہنچ رہی تھی۔

میرے ساتھ بیٹھے تنومند حوالدار نے کہا۔ ''ہاں، ہمیں بھی پتا چلا ہے خوشی محمد کے بارے میں۔ پر یارا یہ پرندوں اور پکھیرو ..... کی باتیں کیا ہو رہی ہیں۔ ایسی ہی باتیں پہلے دو تین دفعہ اخباروں میں بھی چھپی ہیں .....''

دوسری جانب سے دانش مندانہ لہجے میں کہا گیا۔ ''یہ سب کچھ یہاں ہوا ہے یار کرامت ..... سب کچھ ہوا ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اللہ معاف کرے۔ لاشوں کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔ وہ حرامی طوطے نوچ نوچ کر کھا گئے ہیں سارا ماس ..... گردنیں ادھیڑ دی ہیں ..... پیٹ پھاڑ دیے ہیں۔ یہ پکا ..... بالکل پکی بات ہے کہ یہ سکھائے ہوئے طوطے ہیں۔ جیسے لوگ دوسرے جناوروں کو سکھاتے ہیں، شکاری کتوں کو اور بازوں کو .....''

''پر رانا، یہ سب کچھ کر کون رہا ہے؟''

''اندر کی بات کا تو وڈے افسروں کو ہی پتا ہوگا۔ مگر اتنی بات تو ہم جیسے جاہلوں کی سمجھ میں بھی آ رہی ہے کہ جادو ٹونے والی ساری باتیں بیکار ہیں، یہ کوئی بہت کھوچل قسم کا بدمعاش ٹولا ہے جو ان ''جناوروں'' کے ذریعے وارداتیں ڈال رہا ہے۔ ہمارے گجرات والے ڈی ایس پی صاحب کا تو یہ خیال ہے کہ یہ لوگ باندروں، چمگادڑوں اور طوطوں وغیرہ کے ذریعے بارڈر ایریا میں کام کرتے ہیں۔ اِدھر کا مال اُدھر پہنچاتے ہیں۔ تمہیں پتا ہی ہے پچھلے دنوں سدھایا ہوا باندر گلر کہار کے قریب مارا گیا تھا ..... ''باندر نہیں رانا ..... باندری تھی ..... نے لاہور میں بھی ایک ہوٹل میں وڑ کر ..... تھے۔''

''چلو جو بھی ہے لیکن یار ..... آج تو یہ لاشیں ..... کلیجا، دل، پھیپھڑے سب کچھ منہ کو آ گیا ہے۔ ..... کیا کر رہے ہو یہاں؟''

''ہم نے بھی جی ٹی روڈ کے ساتھ ہی ناکا لگایا ہے، گرے رنگ کی گڈیوں کو خاص طور پر روک رہے ہیں ..... ایک گرے کورے بھی روکی تھی لیکن ..... نکلی .....''

''اچھا ایک اور بات نوٹ کرا دوں اپنے انسپکٹر کو۔'' ..... جلدی سے بولا۔ ''کورے گاڑی میں جو بندہ دونوں ..... دیکھا گیا ہے اس کے ایک ہتھ پر پلستر بھی چڑھا ہوا ہے۔ اس کے بارے میں اور بھی بہت سی باتیں کی جا رہی ہیں ..... کنفرم کچھ نہیں ہے۔ کچھ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ وہی داؤد بھاؤ کا ساتھی اور نامی گرامی بھگوڑا شاہ زیب ہے مگر سوچنے کی گل یہ ہے کہ .....''

رانا اپنی روانی میں بولتا چلا جا رہا تھا مگر میرے ساتھ بیٹھے حوالدار کرامت صاحب کی سوئی، ہاتھ پر چڑھے پلاستر پر اٹک گئی تھی۔ تلاشی کے دوران میں یہ لوگ میرے ہاتھ کا مختصر پلاستر دیکھ چکے تھے۔ حوالدار کرامت نے بات سنتے سنتے اپنا سر گھمایا اور اس کی ترچھی نظر میرے ہاتھ پر پڑی۔ اب چھپانے سے کچھ حاصل نہیں تھا۔ رانا سے ہونے والی گفتگو کو یکسر فراموش کر کے اس نے دہشت زدہ نظروں سے میری طرف دیکھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتا یا کر پاتا، میں نے اپنا بازو اس کی توانا گردن کے گرد حمائل کر دیا۔ گرفت اتنی سخت تھی کہ اس کا منہ کھلا رہ گیا۔ میں نے دوسرے ہاتھ سے سوزوکی کا اسٹیئرنگ تھام رکھا تھا۔ اور وہ سڑک پر رواں تھی۔

میں نے اس کا چہرہ دیکھا تو وہ کسی لاش کا چہرہ دکھائی دینے لگا تھا۔ میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''کرامت جی تلاشی کا یہی طریقہ جاری رکھو گے تو کسی دن آپ بھی آپ کی ناک کے نیچے سے نکل جائے گی، آئندہ احتیاط کرنا۔''

اس کے ساتھ ہی میں نے اس کی گردن کا کڑاکا نکال دیا لیکن یہ ایسا کڑاکا نہیں تھا جو اس کی جان ہی لے جاتا۔ یہ بڑا اسپیشل قسم کا دھچکا تھا۔ وہ آدھ پون گھنٹے کے لیے .....

ہوا تھا۔

اس کا موبائل فون اس کی جھولی میں گر گیا۔ وہ مسلسل آن تھا اور رانا صاحب (جو کوئی حوالدار یا اے ایس آئی تھے) مسلسل بولتے چلے جا رہے تھے۔ ان کی بھاری لیکن مدھم آواز اسپیکر سے ابھر رہی تھی۔ ''یار! اب پتا چلا ہے کہ وہ سکھیرا گاؤں کا زمیندار ہی نہیں، داراب تیلکی کا قریبی رشتے دار بھی ہے۔ دین محمد نام ہے اس کا۔ یہ وہی بندہ ہے جس کی بیٹی سے داراب کے پتر نے بڑا گج وج کے ویاہ کیا تھا۔ اس کے قتل نے سارے علاقے میں پسوڑی ڈال دی ہے۔ افسروں کی دوڑیں لگی ہوئی ہیں۔ اسلام آباد سے کئی وڈے لوگ ان دونوں جنازوں پر آ رہے ہیں..... اوئے سن رہا ہے ناں کرامت؟''

رانا نے ذرا چونک کر پوچھا۔ میں نے فون آف کر دیا۔

کچھ ہی دیر بعد میں نے یہ سوزوکی ڈبا ایک مارکیٹ کے عقب میں اس طرح کھڑا کر دیا کہ فوری طور پر کسی کی نگاہ بے ہوش حوالدار پر نہ پڑ سکے۔ ڈبے سے اتر کر میں سڑک پر آیا۔ ایک مسافر ویگن کو ہاتھ کے اشارے سے روکا اور اس میں سوار ہو گیا۔ ویگن لاہور جا رہی تھی۔ ویگن میں سوار ہونے سے پہلے میں نے گرم چادر کی بُکل مار لی تھی۔

☆☆☆

قریباً تین گھنٹے بعد میں ایک بار پھر ایک معمول کی حیثیت سے اپنی عامل یعنی ہانا دانی کے ''آستانے'' پر موجود تھا۔ یہاں پہنچنے سے پہلے ہی میں نے چھینا ہوا موبائل فون ایک کھیت کے کنارے پانی کے گڑھے میں پھینک دیا تھا۔ بلند و بالا چھتوں والے اس وسیع مینشن میں داخل ہوتے ہی میرا استقبال شاردا نے کیا جیسے میں بطور ہیرو کوئی بڑا کارنامہ انجام دے کر واپس لوٹا ہوں۔

''آپ کی کامیابی کی خبر یہاں پہنچ چکی ہے شاہ زیب، ویل ڈن۔ آپ نے اس دھرتی کو اپنے ایک بڑے دردوگی کے بوجھ سے پاک کر دیا ہے۔ یہی شخص تھا جس نے باپ ہونے کے حق کو ہٹ دھرمی کے ساتھ استعمال کیا اور اپنی بیٹی کو وارث جیسے بےرحم کے سپرد کر دیا۔''

مبارک دیتے ہوئے وہ مجھ سے چپکنے کی کوشش بھی کر رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ''تمہیں اتنی خوشی کیوں ہو رہی ہے اور اس خوشی کی آڑ میں تم مجھ پر لدنے کی کوشش کیوں کر رہی ہو۔ تمہیں پتا ہے کہ میں کتنا لمبا سفر کر کے پہنچا ہوں، بہت تھکا ہوا ہوں۔''

وہ اچھل کر بیٹھ گئی ... لباس ایک ... لیں، بالکل فریش ہو جائیں گے۔'' اس ... ہوئی بوتل کی طرف اپنے ... سرہانا ... ''تم واقعی بے وقوف ... ہے کہ وہ بار ... شروع ہوتا ہے۔''

وہ گہری نظروں سے ... بولی۔ ''کسی وقت تو اپنی خوب صورتی پہ ... ہے...... اور اس کا کارن یہ ہے کہ مجھے آپ کی نیت ... ہے۔''

''نیت؟'' میں اندر سے بُری طرح چونک گیا۔

وہ ہونٹوں سے مسکرائی۔ ''شاید آپ مجھ سے دور رہنے کی کوشش فرما رہے ہیں اور اس کے لیے اپنی صحت کو بہانہ بنا رہے ہیں۔''

''میں تمہارے شک پر لعنت بھیجتا ہوں..... اور فی الوقت تم پر بھی۔ جاؤ یہاں سے۔ میں ابھی سونا چاہتا ہوں۔'' میں نے اس کی پنڈلی پر ہلکی سی ٹھوکر لگائی۔

''اُف۔'' وہ پنڈلی کو سہلانے کے لیے جھک گئی۔ اس کا جسم کچھ اور بھی نمایاں ہو گیا۔

وہ مصنوعی غصے کے انداز میں مجھے ترچھی نظروں سے دیکھتے ہوئے باہر چلی گئی۔

شاردا جو بھی کہہ کر گئی تھی، وہ بالکل درست تھا۔ میں نے درد کا بہانہ بنایا تھا اور اس درد کے لیے مے نوشی کو جواز بنایا تھا۔ یوں میں خود کو وقتی طور پر شراب اور شاردا دونوں سے دور رکھنے میں کامیاب تھا مگر مجھے مسلسل خطرہ بھی محسوس ہو رہا تھا۔ میری یہ عذر تراشی ہانا دانی اور اس کے ساتھیوں کو کسی طرح کے شک میں بھی مبتلا کر سکتی تھی۔ اسی شک سے محفوظ رہنے کے لیے میں گریے فوری کی آفیسر ''فرزدہ'' میں تھوڑی بہت دلچسپی ظاہر کر رہا تھا۔ مجھے پتا تھا کہ فرزدہ شاردا کی طرح مجھے آسانی سے ''مہیا'' نہیں ہو سکے گی۔ یوں بھرم برقرار رہے گا۔

شاردا کو گئے ابھی پانچ دس منٹ ہی ہوئے تھے کہ میرے کمرے کے دروازے پر پھر ''ناک'' ہوئی۔ اس مرتبہ اندر آنے والی گریے فوری کی جنین فرزدہ ہی تھی۔ رسمی کلمات کے بعد وہ اپنی شستہ انگلش میں بولی۔ ''میں آپ کے انگوٹھے کے معائنے کے لیے آئی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اب آپ کا پلاستر اتار دینا چاہیے۔''

میں نے کہا۔ ''میرا یہ زخمی انگوٹھا بلکہ پورے کا پورا میں خود آپ کے حوالے ہوں...... آپ کا حسنِ کرشمہ ساز جو کرنا چاہتا ہے، وہ کرلے۔''

اس نے پیشانی پر ہلکی سی تیوری ڈال کر ایک نگاہِ غلط انداز مجھ پر ڈالی اور میرے انگوٹھے کی طرف متوجہ ہوگئی۔ وہ صرف کیپٹن نہیں، کیپٹن ڈاکٹر تھی اور گریے فورس میں میڈیکل ٹریٹ منٹ کی خدمات انجام دیتی تھی۔ مجھے ہر دوسرے روز دو یا تین ٹرینکولائزر بھی دیے جاتے تھے۔ حواس کو دھندلانے والی یہ میڈیسنز کیپٹن فرزہ مجھے اپنے سامنے کھلاتی تھی کیونکہ یہی ہاناوانی کا حکم تھا۔ یقیناً یہ میڈیسنز ہاناوانی کے شکار پر ہاناوانی کے ٹرانس کو مستحکم رکھنے میں مدد دیتی تھیں۔ ان دواؤں کے اثر سے میری آنکھیں متورم اور حواس میں ایک بے حسی سی رہتی تھی۔ فرزہ ایک چھوٹا سا الیکٹرک کٹر بھی لے کر آئی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے کٹر کو آن کیا اور بڑی احتیاط سے میرے انگوٹھے کو پلاستر کی قید سے آزاد کردیا۔ اس عمل کے دوران میں، میں ہلکے پھلکے فقرے اس کی طرف اچھالتا رہا۔ ان فقروں کا جواب اس نے مکمل خاموشی سے ہی دیا مگر جب میں نے اس کے جادوئی لمس کی تعریف کرتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تو اس کی پیشانی پر بے ساختہ ناگواری کی شکن ابھری اور وہ بولی۔ ''مسٹر ایسٹرن آپ کو یہاں کس چیز کی کمی ہے جو مجھے زچ کرنے پر تلے ہوئے ہیں؟''

میں نے کہا۔ ''بس تمہاری ہی کمی ہے اگر تم آجاؤ تو یہ کمرا جگمگا جائے۔''

''وہ انڈین حسینہ شاروا آپ کو روشنی فراہم نہیں کررہی؟''

''وہ زیرو کا بلب ہے...... بلکہ بلب بھی کیا موم بتی ہے...... اور مجھے سو واٹ کی چمک چاہیے۔'' میں نے اس کے سیاہ بالوں کو چھوتے ہوئے کہا۔

اس نے میرے ہاتھ کو پیچھے ہٹایا اور پوری توجہ میرے انگوٹھے پر مرکوز کرتے ہوئے بولی۔ ''انگوٹھے کو حرکت دیں۔''

میں نے حرکت دی۔ وہ انگوٹھے کو الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی۔ پھر اپنے بیگ میں سے انگوٹھے کے پرانے ایکسرے نکال کر دیکھے، بولی۔ ''پتا نہیں کیوں، لگتا ہے کہ ہڈی فریکچر ہونے کے بعد بھی انگوٹھے کے ساتھ کھینچا تانی ہوئی ہے۔ ہڈی کی جو گُتھی نے دو تین ہفتے کو چھیڑا ہے......''

وہ ایک نازک موضوع کی طرف جارہی تھی۔ میں اسے پھر نرم گرم فقروں کی طرف لے آیا۔ مجھ اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ چھیڑ چھاڑ اسے واقعی بُری لگ رہی ہے [illegible] صرف ظاہر کررہی ہے۔ جاتے ہوئے اس نے مجھے [illegible] کہ میں انگوٹھے کے سلسلے میں ابھی احتیاط کروں۔

شام کو شاروا میرے کمرے میں آئی تو اس نے [illegible] سے کہا۔ ''ایسٹرن! آپ کو جانکاری دے دوں بلکہ یاد [illegible] کرادوں آج اٹھارہ تاریخ ہے۔''

''تو کیا؟''

''شاید آپ بھول گئے، مدر مادام (ہاناوانی) نے [illegible] تھا کہ آپ کے پرانے دوست اور موجودہ دشمن فخر زمان کے ساتھ پھر آپ کا مقابلہ ہوگا۔ ایسی فائٹس مدر مادام کو اچھی لگتی ہیں۔''

مجھے یاد آیا اور اس کے ساتھ ہی سینے میں دکھ اور پریشانی کی لہر سی دوڑ گئی۔

فخر کے ساتھ اپنی پچھلی خونی لڑائی مجھے بھولی نہیں تھی (میں نے دانستہ اپنا تیز دھار خنجر اس کے قبضے میں دے دیا تھا ورنہ اس ''مارا ماری'' میں فخر کا مرنا طے تھا)

میری فکرمندی کو نوٹ کرتے ہوئے شاروا جلدی سے بولی۔ ''لیکن آپ کے لیے ایک اچھی خبر ہے۔ شاید مدر مادام چاہتی ہیں کہ آپ کے ہاتھ کی چوٹ پوری طرح ٹھیک ہوجائے لہٰذا آپ...... کو اس یدھ (لڑائی) سے استثنیٰ مل گیا ہے۔''

''استثنیٰ؟''

''جی، آپ کی جگہ ایک اور بندے سے فخر زمان کا مقابلہ کرایا جارہا ہے۔''

''وہ کون ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں اس بارے میں جانکاری نہیں رکھتی۔ مگر میرا وچار ہے کہ آپ جلد ہی خود بھی اس تفریح سے لطف اندوز ہو سکیں گے۔'' اس نے کمرے میں موجود ایل سی ڈی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اس کا کہنا درست تھا۔ قریباً دو گھنٹے بعد میں اسی اسکرین پر ایک بار پھر فخر کو دیکھ رہا تھا۔ یہ وہی ہال کمرا تھا جہاں بلند چھت پر درجنوں چمگادڑیں الٹی لٹکی رہتی تھیں۔ یہیں پر میرا اور فخر کا جوڑ پڑا تھا۔ لیکن اب مجھے فخر ایک اور روپ میں دکھائی دے رہا تھا۔ بلکہ دکھائی بھی کیا دے رہا تھا میرا اندازہ تھا کہ یہ فخر ہی ہے۔ وہ سرتاپا لوہے میں ڈوبا ہوا تھا۔ بالکل جیسے قدیم زمانے کے جنگجو ہوتے تھے۔ سر پر آہنی خود، سینے اور پشت پر زرہ بکتر، کلائیوں اور پنڈلیوں

پر آہنی خول۔ اس کا تند مقابل بھی اسی اہتمام کے ساتھ رنگ میں موجود تھا۔ دونوں کے ہاتھوں میں بھاری شکل کی ڈھالیں اور کناروں تیز دھار آلے تھے۔

"یہ سب کیا ہے شاروا؟" میں نے اپنے پہلو میں بیٹھی انڈین حسینہ سے پوچھا۔

"جو کچھ ہے، آپ کے سامنے ہے۔ مدر مادام کو ایسے باؤٹس دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ مادام کی طرح سورگ باشی جناب رائے زل کا بھی یہ محبوب مشغلہ تھا۔"

میں دانت پیس کر رہ گیا۔ جاماجی میں ایسے تماشے ہم نے بہت دیکھے تھے۔ اس ماں بیٹے کی سفاکی کی ان گنت یادیں ان شب و روز میں بکھری ہوئی تھیں۔

"مادام یہ منظر براہِ راست دیکھ رہی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں سب کچھ ویسا ہی ہے جیسا آپ کی باری میں تھا، وہ کلوز سرکٹ پر ملاحظہ کر رہی ہیں۔"

لڑائی شروع ہوئی۔ دونوں ایک دوسرے پر وحشیانہ حملے کرنے لگے۔ پہلے پندرہ بیس سیکنڈ میں ہی پتا چل گیا کہ دونوں تلوار بازی کے ہنر سے ناواقف ہیں...... اور اس طرز لڑائی کی الف ب سے بھی واقف نہیں...... مگر اصل بات ان کی ہنرمندی یا مشاقی نہیں تھی، اصل بات وہ شدت اور وحشت تھی جو دونوں میں نظر آرہی تھی۔ وہ چنگھاڑ رہے تھے اور ایک دوسرے کو جان سے مارنے کی کوشش کررہے تھے۔ لوہے سے لوہا ٹکرا رہا تھا اور ایک زبردست جھنکار پیدا ہورہی تھی۔ ایک مرتبہ کیمرے نے دونوں کو کلوز اپ میں دکھایا تو مجھے فخر کی آنکھیں اور ناک کا بالائی حصہ واضح دکھائی دیا۔ ہاں یہ فخر ہی تھا، میرا یار، میرا غمگسار، میرا مدتوں کا ساتھی، لیکن اس وقت وہ موت کے گھیرے میں تھا۔ وہ فخر لگتا ہی نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک قاتل چمک اور وحشت لہریں مار رہی تھی۔

وہ اپنے مقابل کو دھکیلتا ہوا رنگ کی آخری حد تک لے گیا اور پھر اسے اڑنگا لگا کر گرانے کی کوشش کی۔ قدیم طرز کی لڑائی میں اس نے یہ جدید مارشل آرٹ کا داؤ کامیابی سے آزمایا تھا۔ تند مقابل پشت کے بل گرا۔ فخر نے اس کی زرہ بکتر اور خود کے درمیانی خلا کو نشانہ بنانے کی کوشش کی مگر وہ بجلی کی طرح حرکت کر کے پلٹ گیا اور اس کی تلوار اس کے فولادی بازو بند سے ٹکرا کر رہ گئی۔ حریف نے لیٹے لیٹے اپنی دونوں ٹانگیں اچھال کر فخر کے سینے پر ماریں۔ فخر لڑکھڑا کر پیچھے گیا اور حریف کو اٹھنے کا موقع مل گیا اور وہ کوئی معمولی حریف نہیں تھا۔ اس کے جسم میں زبردست [illegible] تھی۔ اس نے کنارے فخر پر پے در پے [illegible] یہی لگا کہ اس کی تلوار فخر کے جسم [illegible] نشانہ بنانے میں کامیاب ہوجائے گی اور کھیل ختم ہو جائے گا۔ تاہم اسی دوران میں فخر کو ایک موقع ملا۔ اس نے [illegible] دونوں ہاتھوں میں تھام رکھی تھی۔ دونوں ہاتھوں سے پورا زور لگاتے ہوئے اس نے حریف کے [illegible] اس کے آہنی خود کو دو ٹکڑے کردینا چاہتا ہو۔ خود دو ٹکڑے نہیں ہوا مگر اس کا ٹھوڑی کا تسمہ ٹوٹ گیا اور وہ حریف کے سر سے اتر گیا۔ میں فخر کے حریف کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ کوئی اور نہیں کمانڈر فارس جان تھا...... اسے ہم کئی دن سے مسلسل ڈھونڈ رہے تھے۔ اس کا کوئی سراغ نہ ملا تھا، نہ اس کے حوالے سے کوئی اطلاع ہم حاصل کر سکے تھے۔ اب وہ یہاں طیش میں ڈوبا اور وحشت میں لتھڑا ہوا فخر کے مقابل موجود تھا۔ میں کرب کے عالم میں ایک آتشیں سانس لے کر رہ گیا۔ آخر میرا اور قسطینا کا یہ شک درست ثابت ہوا تھا کہ فارس جان بھی فخر کی طرح ہاتاوائی کے بے رحم شکنجے میں کسا جاچکا ہے۔

شاروا میرے پہلو میں بیٹھی میرے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ شاید جاننا چاہتی تھی کہ اپنے دو قریبی ساتھیوں کو ایک دوسرے سے زندگی موت کی لڑائی لڑتے دیکھ کر میں کیا محسوس کررہا ہوں۔ میں بھی جانتا تھا کہ مجھے اپنے تاثرات سے اپنے اندرونی احساسات کو ظاہر نہیں ہونے دینا ہے۔

وہ اٹھلا کر بولی۔ "ایسٹرن! یہ سرپرائز کیسا رہا آپ کے لیے؟"

"اچھا رہا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "بے وفا دوستوں کی لسٹ میں اس باسٹرڈ فارس کا نام کافی اوپر ہے۔ یہ آستین کا سانپ ثابت ہوا...... یہ تاجور پر گندی نگاہ رکھنے کا مجرم ہے۔ دل تو یہی چاہتا ہے کہ اسے اپنے ہاتھوں سے جہنم واصل کروں لیکن آج اسے اس طرح بھی مرتا دیکھ لوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔"

وہ میرے کندھے سے کندھا ٹکراتے ہوئے بولی۔ "میرے وچار کے مطابق تو آج کی اس لڑائی میں کوئی بھی نتیجہ نکلے آپ کے لیے خوشی کا کارن ہی ہوگا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور نگاہیں اسکرین پر مرکوز رکھیں جہاں دونوں بڑھ بڑھ کر ایک دوسرے پر مہلک حملے کررہے تھے۔ فارس جان خود کے بغیر تھا۔ میرے کانوں میں ہاتاوائی کے منحوس قسم کے الفاظ گونج

رہے تھے..... میں تم کو نہیں ماروں گی۔ تم خود ایک دوسرے کی گردنیں کاٹو گے۔

شارزدا نے پوری دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''ایک کا ''خود'' گر چکا ہے لیکن اس کے باوجود لگتا ہے کہ لڑائی لمبی چلے گی۔''

شارزدا کے آخری الفاظ شور میں دب کر رہ گئے۔ اس کا اندازہ غلط ثابت ہوا تھا، لڑائی لمبی نہیں چلی تھی۔ اس کا فیصلہ ہو گیا تھا۔ فخر نے اچانک ہی سینے پر کمانڈر فارس کی ایک زوردار لات کھائی تھی اور پشت کے بل گر گیا تھا۔ گرتے ہوئے اس کا آہنی خود ایک ستون سے ٹکرایا اور اس نے آگے کی طرف کھسک کر فخر کی آنکھیں ڈھانپ لیں۔ اس سے پہلے کہ فخر اس صورتِ حال کو ہینڈل کر پاتا، کمانڈر فارس برق کی طرح تڑپ کر اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔ کٹار فخر کی گرفت سے نکل چکی تھی۔ اس نے چمکیلی کٹار دونوں ہاتھوں میں بلند کی اور اس کا نکیلا حصہ پورے زور سے فخر کے آہنی خود اور زرہ کے درمیانی خلا میں مارا۔ یہ وار یقیناً فخر کی گردن پر تھا۔ فخر کا جسم بری طرح اچھلا۔ اس نے دوسرے وار سے بچنے کے لیے اپنی کہنی موڑی اور آہنی بازوبند اپنی گردن کے سامنے کر لیا۔

فارس چنگھاڑا۔ ''مار دوں گا..... ٹکڑے کر ڈالوں گا۔''

اس نے دو تین بار فخر کی گردن پر مزید وار کرنے کی کوشش کی پھر اس کے آہنی پیراہن میں کوئی اور رخنہ ڈھونڈنے لگا۔ اس نے دو وار فخر کے پہلو میں پسلیوں کے آس پاس کیے۔ اس کی کٹار لہولہان ہو گئی۔ تب وہ فخر کی ٹانگوں پر پل پڑا۔ پنڈلیوں سے اوپر اس نے کٹار نما آلے کی نوک سے فخر کی ٹانگوں کو چھلنی کر ڈالا۔ مجھ سے یہ مناظر دیکھے نہیں گئے۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

چند سیکنڈ بعد دوبارہ کھولیں تو گرے فورس کے گارڈز مشتعل فارس جان کو نہتا کرنے کے بعد اسے کھینچ کر باہر لے جا رہے تھے۔ تین چار گارڈز خون چکاں فخر پر جھکے ہوئے تھے پھر انہوں نے اسے ٹانگوں اور بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور کیمروں کی آنکھ سے دور لے گئے۔ وہ شدید زخمی لگتا تھا، مگر یہ بھی ممکن تھا کہ ختم ہو چکا ہو۔ اس کی گردن والا زخم کاری محسوس ہوتا تھا۔ یہ زخم کھانے کے بعد اس کی مزاحمت بالکل ختم ہو کر رہ گئی تھی۔

میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا مگر ستم بالائے ستم یہ تھا کہ مجھے اپنے تاثرات بھی چھپانے تھے۔

شارزدا حیران لہجے میں بولی۔ ''آپ [illegible] ٹورنسٹ تو حیران کن ہے۔ [illegible] کے سر سے گرا تھا مگر تیار یا تجارا سٹرفخر [illegible] کھیلوں کی یادگار [illegible] ہو گیا [illegible] دو ایکسائنڈ [illegible] تھی۔ آپ کے دانت [illegible]

اور میرا دل چاہ رہا تھا کہ [illegible] اس کے گلے کے اندر اس کی خوراک [illegible] میں فی الوقت تنہائی چاہتا تھا مگر تنہائی [illegible] تیز لڑائی پر تبصرہ کرنے میں مصروف تھی۔ میں نے [illegible] اسے اپنے کمرے سے باہر کیا اور آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ نگاہوں میں فخر کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ پتا نہیں کہ وہ کس حالت میں تھا؟ آج میں نے فخر اور فارس جان کو جس عالم میں دیکھا تھا، اس کے بعد میرے ذہن میں ایک عجیب سا اندیشہ بھی جاگ گیا تھا۔ کہیں میں بھی تو کسی وقت سچ مچ ہاناوانی کے ٹرانس کا شکار نہیں ہو جاؤں گا۔ اس کے ٹرانس میں نہیں چلا جاؤں گا؟ یہ سوچ بڑی تکلیف دہ تھی۔ وہ مسلسل زخم لگا رہی تھی اور ہر زخم پہلے سے بڑا تھا اور وہ خود پتا نہیں کہاں تھی۔ کن دیواروں کے پیچھے چھپی ہوئی تھی؟ میں مچھلی کی طرح تڑپ کر رہ گیا۔ ''ہاناوانی۔ ہاناوانی۔'' میرے سینے سے ایک ہی پکار اٹھ رہی تھی۔

☆☆☆

اگلے قریباً چوبیس گھنٹے میں نے شدید کرب کے عالم میں گزارے۔ مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ اس مینشن سے باہر حالات کیا ہیں؟ تاجور اور اس کے اہلِ خانہ کس حال میں ہیں؟ قسطینا اور پہلوان حشمت کہاں ہیں اور ان کے لیے کیا کر رہے ہیں۔ داؤد بھاؤ کے ''قتل'' نے کیا رنگ اختیار کیا ہے..... اور پرندوں کے حملے میں پولیس اہلکاروں کی موت کو کس تناظر میں دیکھا جا رہا ہے؟ اور تو اور مجھے ابھی تک یہ پتا بھی نہیں چل سکا تھا کہ کل والے خونی تماشے کے بعد فخر کس حال میں ہے.....؟ کل والے مناظر میرے لیے سوہانِ روح ثابت ہوئے تھے۔ اب میرا دل فخر کے لیے رو رہا تھا لیکن اگر فارس جان کو نقصان پہنچ جاتا تو بھی یہ ایک جانکاہ صدمہ ہی ہوتا۔ قسطینا ہر پل اس کی راہ دیکھ رہی تھی اور وہ یہاں زندگی موت کی جنگ میں مصروف تھا۔ کیا پتا تھا کہ کل کلاں ہاناوانی کی خباثت فارس جان کو میرے مقابل ہی لا کھڑا کرتی۔

میرا اندازہ تھا کہ اب ہاناوانی ایک بار پھر میرے اوپر اپنے ٹرانس کو ''ری نیو'' کرنا چاہے گی۔ اور اپنا اثر

ہوا۔ اسی وقت چھریرے بدن والی سبک گام کیپٹن فرزہ نے آکر مجھے بتایا کہ ایک گھنٹے بعد ہاناوائی مجھے شرفِ ملاقات بخشیں گی۔

قریباً ایک گھنٹے بعد مجھے دو مسلح گارڈز نے میرے کمرے سے لیا اور ایک طویل کوریڈور سے گزار کر اسی ہال کمرے میں پہنچا دیا جہاں کل تحر اور قارس کی المناک ''ملاقات'' ہوئی تھی۔ تاہم آج اس ہال کا ماحول بالکل مختلف تھا۔ روشنیوں کے زاویے مختلف تھے۔

ایک بات میرے لیے بڑی سنسنی کا باعث تھی۔ آج پہلی بار مجھے ہاناوائی کے سامنے لاتے ہوئے میرے ہاتھ پشت پر نہیں باندھے گئے تھے۔

میں نے بے زبانِ خاموشی خود سے کہا۔ ''کیا قدرت کوئی خاص موقع تو فراہم نہیں کرنے والی؟ آج تمہارے ہاتھ باندھے نہیں گئے۔ اگر اسی حالت میں جاباجی کی وہ بدذات فرمانروا تمہارے رُوبرو آجاتی ہے تو تم اپنی قسمت آزما سکتے ہو۔ اس حرافہ کی شہ رگ تک پہنچ سکتے ہو۔ اگر تم خالی ہاتھ بھی ہوئے تو تمہارا فن کام آئے گا۔ تم پلک جھپکتے میں اس کی گردن توڑ دو گے۔ بعد میں جو کچھ بھی ہوگا، دیکھا جائے گا۔ تمہیں اسی جگہ چھلنی بھی کر دیا گیا تو تمہاری یہ موت بہت سے لوگوں کو اس حرافہ کی قاتل زد سے بچا لے گی......''

میں یہی کچھ سوچتا ہوا اپنی مخصوص کرسی پر جا بیٹھا جہاں سے سرخ مخملی کپڑے والا اسٹیج بس چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ اسی چبوترے پر رکھی کرسی پر براجمان ہو کر ہاناوائی مجھے جیجمن دیتی تھی۔

کیپٹن فرزہ کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''آپ انتظار کریں۔ مادام تشریف لانے والی ہیں......''

میری دھڑکنیں بڑھنا شروع ہو گئیں...... لیکن اس وقت میرے سارے ارادوں پر اوس پڑ گئی جب مجھ پر انکشاف ہوا کہ آج ہاناوائی براہِ راست میرے سامنے نہیں آئے گی۔

سامنے لگی ہوئی جہازی سائز کی اسکرین روشن ہوئی اور اس پر ہاناوائی کا منحوس چہرہ نمودار ہوا۔ وہ کسی اور جگہ موجود تھی اور اس وڈیو لنک کے ذریعے مجھ سے مخاطب ہو رہی تھی۔ اس کے چوڑے چپٹے چہرے پر خشونت اور تکبر کی وہی کیفیت تھی جو میرے تن بدن میں آگ لگاتی تھی۔ بدن پر بیش قیمت گہنے سجائے اور آنکھوں پر ''رے بین'' کا سیاہ چشمہ چڑھائے وہ کرے فورس کے کسی اہلکار سے مخاطب تھی۔ وہ دست بستہ کھڑا تھا اور تھر تھر کانپ رہا تھا۔ وہ اس پر گرج رہی تھی۔ ''میرے بیٹے کا قتل...... لیے...... میرے انتقام سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں، میری ذات بھی نہیں۔ تم نے بکواس کی تھی کہ تم یہاں کی مقامی زبان اچھی طرح سمجھتے ہو...... لیکن تمہاری کارکردگی صفر بٹا صفر ہے۔ یہاں کے ہمارے مقامی کارندے تمہیں کسی گدھے کی اولاد سمجھ رہے ہیں۔ دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔''

وہ اہلکار گھگھیانے لگا مگر گارڈز اسے کھینچ کر گھسیٹ باہر لے گئے۔ اندازہ ہوتا تھا کہ اسے کوئی کڑی سزا ملنے والی ہے۔ ہاناوائی نے چند سیکنڈ اپنے آپ کو نارمل کرنے میں صرف کیے پھر ایک عمیق سانس لے کر میری طرف متوجہ ہو گئی۔

ٹھہری آواز میں بولی۔ ''گڈ ایسٹرن! خوشی کی بات ہے کہ تمہاری آستینوں میں چھپے ہوئے سانپ باہر نکل رہے ہیں اور ایک ایک کر کے کچلے جا رہے ہیں۔''

''یہ سب کچھ آپ کی وجہ سے ممکن ہو سکا ہے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''میری وجہ سے ابھی اور بہت کچھ ممکن ہو جائے گا لیکن تم خود کو پُرسکون رکھو...... تمہیں جو سہولتیں دی گئی ہیں، ان سے لطف اٹھاؤ۔''

''سہولتیں؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں پر ابھی تک عینک موجود تھی۔

''ایک سہولت تو وہ انڈین بیوٹی ہے جس سے تم کوئی فائدہ نہیں اٹھا رہے...... اگر وہ پسند نہیں تو کوئی اور بھی آسکتی ہے......'' اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''نہیں مادام! ایسی بات نہیں ہے۔ میں فزیکلی کچھ آپ سیٹ تھا۔''

''تمہیں بہت کچھ کرنا ہے۔ تمہیں آپ سیٹ نہیں...... بالکل سیٹ ہونا چاہیے۔'' وہ بولی پھر اس نے اپنی عینک اتار دی۔ کیمرے نے زوم کیا اور اس کی آنکھیں اسکرین کے تین چوتھائی حصے پر دکھائی دینے لگیں۔

ہال کمرے کی تیز روشنیاں آف ہو گئیں، باقی روشنیوں نے کچھ خاص زاویے اختیار کر لیے اور تب ایک بار پھر وہی تنویمی عمل شروع ہوا جس میں سے میں پہلے بھی کئی بار گزر چکا تھا۔

کانوں میں ہلکی ہلکی گھنٹیاں بجنا شروع ہو گئیں اور پھر ہاناوائی کی جادوئی آواز سماعت میں گونجنے لگی۔ ''تم میری طرف متوجہ ہو ایسٹرن! تم مجھے دیکھ رہے ہو...... میری

واہموں میں جھانکو۔ گہرائی میں جاؤ..... مزید گہرائی میں ... مزید۔''

ایک بار پھر ہیجان کا وہی عمل شروع ہوا جو میرے جسم میں عجیب سی سنسناہٹ جگا دیتا تھا۔ وہ اپنے الفاظ کے ذریعے مجھ پر اپنے تسلط کی تجدید کر رہی تھی۔ وہ اسے مضبوط بنا رہی تھی۔ اسکرین کے ایک کارنر میں گاہے بگاہے وہ چہرے بھی دکھائی دے رہے تھے جن کے خلاف وہ میرے اندر کی نفرت کو مزید توانا بنانا چاہتی تھی۔ خورسند کا چہرہ، سجاول کا چہرہ، قسطینا اور فارس جان کے چہرے۔

میں سن رہا تھا اور غنودہ لہجے میں تائیدی الفاظ ادا کر رہا تھا..... اس بار ہاناوانی کا ہیجان زیادہ الارمنگ تھا۔ میری نگاہوں کے سامنے ایک بار پھر ست رنگے بھنور کے خدوخال ابھرنے لگے۔ میں اندر سے کانپ گیا..... کیا ایک بار پھر میں اس بھنور کی طرف کھنچا جا رہا ہوں؟ میری انگلیاں جیسے بے ساختہ میرے زخمی انگوٹھے تک پہنچ گئیں۔ میں نے انگوٹھے کو ہولے ہولے بھینچنا شروع کیا۔ درد کا سہارا لے کر خود کو ہاناوانی کے مقناطیسی بھنور سے دور رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

ہاناوانی کی آواز میری سماعت میں اتر رہی تھی۔ ''تم وہی کرو گے جو میں کہوں گی۔ تم ان لوگوں سے انتقام لو گے جنہوں نے تم سے دغا کیا۔ تمہارے لیے دشمنی کی آگ بھڑکائی۔ تم ان کو انہی کے سکوں میں جواب دو گے..... یادگار جواب۔''

ست رنگا بھنور نمایاں ہو رہا تھا۔ اس کے رنگ گہرے ہو رہے تھے۔ اس کی کشش بڑھ رہی تھی۔ اس کے اندر..... اس کے اندر تاجور تھی۔ اس کا سیماب بدن تھا۔ اس کا انداز رقص کرنے والا تھا، اس کے جسم سے گلاب جدا ہو رہے تھے۔ میں انگوٹھے پر دباؤ بڑھانے لگا۔ درد کی شدید لہریں میرے جسم میں پھیلنے لگیں۔ کیا ایک بار پھر مجھے اس انگوٹھے کو بُری طرح گھائل کرنا پڑے گا؟

یہ اذیت اور کشش کا مقابلہ تھا..... لیکن پھر اچانک بھنور کے رنگ پھیکے پڑنے لگے۔ تاجور کی شبیہ بھی دھندلا گئی..... مجھے اپنی طرف کھینچنے والی کشش کم ہونے لگی۔ میں ہپناٹائز کے اس عمل میں سنگین ترین صورت حال کی طرف جانے سے بچ گیا تھا۔

☆☆☆

اب میں ایک بار پھر اپنے پُرآسائش کمرے میں بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ میں خود کو غنودگی کی حالت میں ظاہر کر رہا تھا مگر حقیقتاً میرا ذہن پوری طرح بیدار تھا۔ میں اپنے تصور میں آئندہ کی صورت حال کا نقشہ کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ نقشہ بے حد بگڑا ہوا تھا۔ بظاہر میں نے ہاناوانی کے حکم پر دین محمد صاحب کو ''قتل'' کر دیا تھا اور اپنے اوپر ہاناوانی کے تسلط و قبضے پر مہر تصدیق ثبت کی تھی مگر پھر بھی لگتا تھا کہ ہاناوانی پوری طرح مطمئن نہیں ہے۔ وہ مسلسل مجھ پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اگلے روز دوپہر کے وقت ڈاکٹر فرزدہ میرے انگوٹھے کے معائنے کے لیے آئی تو اسے قدرے سوجا ہوا پایا۔ وہ اس سلسلے میں مجھے احتیاط برتنے کے مختلف مشورے دینے لگی۔

میں نے کہا۔ ''جی تو یہی چاہتا ہے کہ یہ انگوٹھا جلد اچھا نہ ہو..... تمہارا آنا جانا لگا رہے۔''

اس نے مجھے گھورا اور بولی۔ ''پھر تو آپ پر یہ شک بھی کیا جاسکتا ہے کہ آپ اس انگوٹھے کو جان بوجھ کر خراب کر رہے ہیں۔''

''تمہیں اس انگوٹھے کے خراب ہونے کی فکر ہے۔ ادھر یہ بندہ سارے کا سارا خراب ہو رہا ہے۔ آدھی رات تک کروٹیں بدلتا رہتا ہوں..... ایک صورت نظروں میں گھومتی رہتی ہے۔''

''وہاں جابانگی میں بھی تاجور سے آپ کی محبت کے بڑے چرچے رہے ہیں۔'' وہ اطمینان سے بات کو دوسری طرف لے گئی۔

''میں اس کی بات نہیں کر رہا۔ وہ تو کسی اور کی ہو گئی۔ اس کے بچے کی ماں بھی بننے والی ہے۔ اب کوئی اور راستہ نظر آ رہا ہے مجھے۔'' میں نے دل پھینک عاشقوں کا انداز اختیار کیا۔

وہ لاتعلقی سے میرے ہاتھ اور انگوٹھے کا ہلکا ہلکا مساج کرتی رہی۔ میں نے کہا۔ ''گریے فورس کی ملازمت بڑا خشک اور خشک کام ہے۔ کیا اس خشکی میں بھی کہیں تھوڑی بہت ہریالی دیکھی ہے تم نے؟''

''ہریالی؟'' وہ ہنسی۔ ''بہت دیکھی ہے..... بلکہ پورا ایک باغ دیکھا ہے۔'' اس کے لہجے میں بے باکی تھی۔ میں ششدر رہ گیا۔

''کون خوش نصیب تھا وہ؟''

''خوش نصیب تو وہ بڑے ٹھگ تھا۔ جابانگی اور لیونی میں اس سے بڑا خوش نصیب اور کون ہو گا۔'' فرزدہ نے ''فخر'' لہجے میں کہا۔

میں چونک گیا۔ ''رائے زل؟''

اس کی پلکیں جھک گئیں۔ یہ اثبات کا اشارہ تھا۔

میری نگاہوں میں ہاناوالی کے عیاش فرزند رائے زل کی شبیہ گھوم گئی۔ وہ چھوٹی چھوٹی آنکھوں کے ساتھ ایک بھاری بھرکم ریچھ ہی لگتا تھا۔ نجانے فرزہ جیسی کتنی تھیں جو اس ریچھ کے وزن اور اس کی بدبو سے دوچار ہوئی تھیں...... من مانیوں اور خباثت سے لتھڑی ہوئی ایسی زندگی عموماً زیادہ طویل ثابت نہیں ہوتی، رائے زل کی بھی نہیں ہوئی تھی۔ محل کی چھت پر سجاول سیالکوٹی نے اس فرعون صفت کا سر اس کے تن سے جدا کر دیا تھا۔

شاید میرے اور فرزہ کے درمیان گفتگو کچھ دیر مزید جاری رہتی مگر اسی دوران میں شاردا آن وارد ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں کچھ رول کیے ہوئے پیپرز تھے۔ وہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولی۔ ''شما کیجیے گا۔ آپ نے اخبار کی ڈیمانڈ کی تھی۔ آپ کی درخواست قبول ہوئی ہے۔ یہ آج کا تازہ اخبار ہے۔ پچھلے دو روز کے اخبار بھی ساتھ ہیں۔''

''شکریہ۔'' میں نے کہا اور اخبار اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''آپ پڑھ لیں گے یا میں آپ کو سناؤں؟'' شاردا بولی۔

''میں نے آنکھوں کا آپریشن نہیں کرا رکھا۔'' میں نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

وہ خجل ہوئے بغیر واپس چلی گئی۔ فرزہ بھی اس کے ساتھ ہی چلی گئی تھی۔

میری پوری توجہ اخبار پر مرکوز ہو گئی۔ آج کے تازہ اخبار میں تو کوئی خاص خبر نہیں ملی مگر ایک دن پہلے کے شمارے میں، پرندوں کے حملے، پولیس اہلکاروں کی ہلاکت اور دین محمد و مولانا حبیب کے حوالے سے سنسنی خیز خبریں موجود تھیں۔

اب پرندوں کے ان حملوں کو باقاعدہ ایک سوچی سمجھی سازش قرار دیا جا رہا تھا...... تاہم ہپناٹزم وغیرہ کی بات اب بھی کہیں نہیں کی گئی تھی۔ یہی کہا جا رہا تھا کہ یہ چھوٹے طوطوں کی ایک خاص جنگلی نسل ہے جس میں جارحیت ہوتی ہے۔ کچھ لوگوں نے انہیں ''ٹرینڈ'' کیا ہے اور اب ان کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ مولوی حبیب اللہ صاحب والے سانحے پر لوگ بے حد رنجیدہ تھے۔ وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ ان جیسی ہر دلعزیز شخصیت سے کسی کی کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔ دین محمد صاحب کی موت کے واقعے کو براہِ راست مجھ سے جوڑا جا رہا تھا۔ کچھ لوگ [illegible] اسے ناجائز رشتہ نہ دینے کا شاخسانہ قرار دے [illegible]

دین محمد صاحب کی پوسٹ مارٹم رپورٹ [illegible] کا اظہار کیا گیا تھا۔ کنفیوژن یہی تھا کہ قتل [illegible] پہلے ہوا تھا یا انہیں گولیاں پہلے لگی تھیں۔ [illegible] پر سب ہی متفق تھے کہ چوہدری دین محمد کی موت [illegible] میں بھی سنگھیرا گاؤں کے آس پاس موجود تھا۔ [illegible] خبر میں بتایا گیا تھا کہ علاقے میں اور خاص طور [illegible] گاؤں میں زبردست ہراس پایا جاتا ہے۔ [illegible] ہے کہ خونی طوطے سنگھیرا گاؤں پر بھی حملہ آور ہو [illegible] سنگھیرا کے عام لوگ بھی گھروں کی کھڑکیوں [illegible] میں جالیاں لگوا رہے ہیں۔ بچوں کو کھلی جگہوں پر [illegible] پھرنے سے روک دیا گیا ہے۔ ایک مختصر خبر میں ایک معروف عامل نے بیان دیا تھا۔ ''جادو برحق ہے۔ [illegible] ہمارے اردگرد جو واقعات ہو رہے ہیں، یہ سب سفلی علم کا شاخسانہ ہیں۔ بردنالی سے یہاں آنے والی خطرناک بلا کے بارے میں خبریں موجود ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ عامل [illegible] جانوروں اور انسانوں پر مسلط ہو گئی ہے اور انہیں اپنی [illegible] کے مطابق چلا رہی ہے۔''

اس عامل کی بات حقیقت سے قریب تر تھی۔ تاہم اس نے بھی ہپناٹزم وغیرہ کا کہیں ذکر نہیں کیا تھا۔ غالباً ہپناٹزم یا ہپناٹزم کی یہ ایڈوانس شکل کسی کی سمجھ میں پوری طرح آ ہی نہیں رہی تھی۔

یہاں میرے گھومنے پھرنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ میں مینشن کے وسیع لان کی طرف بھی جا سکتا تھا۔ تاہم مقامی مسلح کارندے اور گرے فورس کے گارڈ ہر کونے کھدرے میں دکھائی دے جاتے تھے۔ یہ سہ پہر کا وقت تھا۔ میں ٹہلتا ہوا ایک طویل کوریڈور میں آ گیا۔ غالب امکان یہی تھا کہ ہاناوالی اس وسیع عمارت میں موجود نہیں ہے، پھر بھی ایک جستجو سی تھی۔ کبھی ذہن میں آتا تھا کہ ممکن ہے وہ بالائی منزلوں کے کسی الگ تھلگ پورشن میں براجمان ہو...... یا پھر یہاں بھی کوئی تہ خانہ ہو جو اس کا مسکن ہو۔

اطراف کو گہری نظروں سے دیکھتا ہوا میں لان کی طرف چلا آیا۔ اواخرِ نومبر کا سورج دھیرے دھیرے مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ مطلع صاف تھا۔ اچانک میں بری طرح چونک گیا۔ مینشن کی چھت کی طرف کوئی خلا موجود تھا اور اس خلا میں سے دلکش لیکن بہت خونخوار طوطے نکل نکل کر فضا میں بلند ہو رہے تھے۔ وہ سیکڑوں کی تعداد میں تھے۔

ایک موٹی جھنڈ کی شکل میں تھے اور اوپر اٹھتے جا رہے تھے۔ "یا اللہ خیر" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

شاردا میرے عقب میں آن کھڑی ہوئی۔ "کیا دیکھ رہے تھے؟"

میں نے لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ شکاری کدھر جا رہے ہیں؟"

"شکاری تو ظاہر ہے کسی شکار کی طرف ہی جاتا ہے۔" وہ بولی۔

"لگتا ہے یہ طوطے نہیں، چمگادڑیں ہیں جو کسی تاریک غار سے جھنڈ کی شکل میں نکلتی چلی جا رہی ہیں۔"

"چمگادڑیں بھی ہیں یہاں لیکن وہ رات کی شکاری ہیں۔"

"ہاں رات کے شکاری دن میں تو بیکار ہوتے ہیں۔" میں نے لاتعلق لہجے میں کہا۔

وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ "مگر کچھ شکاری دن اور رات دونوں میں بیکار ہوتے ہیں۔"

اس سے پہلے کہ میں کوئی تلخ ترش جملہ کہتا وہ وہاں سے کھسک گئی۔ میں ایک بار پھر نیلے آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ طوطوں کا جھنڈ فضا میں بلند ہونے کے بعد بڑی تیزی سے شمال کی جانب رواں ہو گیا تھا۔ سورج کی ترچھی کرنیں ان بے شمار پرندوں پر پڑتی تھیں تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے روشنی کے بہت سے نقطے جھلملا رہے ہوں۔

یہ طوفانِ بلاخیز کس طرف جا رہا ہے؟ یہ سوال میرے سینے کے اندر ایک خاموش پکار کی طرح تھا۔

وہ جاتو اسی رخ پر رہے تھے جدھر چاند گڑھی اور سکھیرا وغیرہ تھے...... یہ بات بعید از قیاس نہیں تھی کہ لالہ موسیٰ کے قریب سکھیرا گاؤں ہی ان کا ٹارگٹ ہو۔ سکھیرا جہاں سیف کی فیملی تھی اور تاجور کی فیملی تھی۔ میرے لیے تسلی کی صرف ایک ہی بات تھی۔ قسطینا، پہلوان حشمت اور لودھی سمیت سکھیرا گاؤں کے آس پاس موجود تھی۔ وہ وہاں ان لوگوں کے تحفظ کا عزم کیے ہوئے تھی اور میں جانتا تھا وہ کوئی عام لڑکی نہیں ہے۔ وہ جاما جی میں گرین فورس کی چیف تھی۔ باپ کی موت اور بعد کے سنگلاخ حالات نے اسے کم عمری میں ہی ایک بہترین سالار بنا دیا تھا۔ وہ ہر قسم کی صورتِ حال سے نمٹنے کی خداداد صلاحیت رکھتی تھی۔

میں نے سوچا، کاش میرے پاس رابطے کا کوئی ذریعہ ہو اور میں قسطینا یا پہلوان جی کو آگاہ کر سکوں کہ موت کی سوغات بانٹنے والا یہ ٹڈی دل یہاں سے پرواز کر کے کس سمت رواں دواں ہے۔

تھا بظاہر سکون سے لیکن حقیقتاً دل [illegible] گردش ایام میں ٹھنڈا رہا اور سوچتا رہا کہ [illegible] والا ہے۔

شام سات آٹھ بجے تک کا وقت دل ہی دل [illegible] سے گزرا۔ اس دوران میں سات بجے کے لگ بھگ مجھے اندازہ بھی ہوا کہ خونی پرندے سیفٹن میں واپس آ چکے ہیں۔ مجھے وہ مدھم شور سنائی دیا جو سیکڑوں طوطوں [illegible] سے پیدا ہوتا تھا۔ یہ شور ایک طویل [illegible] سامنے سنا جا سکتا تھا۔

مجھے ٹی وی کیبل یا ڈش وغیرہ کی سہولت مہیا نہیں کی گئی تھی لیکن اس سیفٹن کے کئی کمروں میں یہ سہولت موجود تھی۔ میں ٹہلتا ہوا ایک ایسے لابی نما لاؤنج میں پہنچ گیا جہاں ٹی وی موجود تھا۔ مجھے وہاں بیٹھے پانچ دس منٹ ہی ہوئے تھے کہ ایک نیوز چینل پر مجھے وہ خبر مل گئی جس کا اندیشہ میرے سینے میں مسلسل دھواں بھر رہا تھا۔

یہ کسی پیٹرول پمپ کا منظر تھا۔ یہاں بہت سے شیشے ٹوٹے ہوئے تھے، فرش پر پرندوں کے بہت سے بے حرکت جسم نظر آ رہے تھے۔ ٹی وی کیمرا "زوم ان" کر کے ان مرے ہوئے رنگین طوطوں کو دکھا رہا تھا۔ اس کے بعد ایک ایسے چہرے کی شبیہ اسکرین پر ابھری جس نے میری رگوں میں خون جما دیا۔ میں نے ایک بار پھر آنکھیں سکیڑ کر دیکھا۔ یہ ایک مردہ چہرہ تھا اور میں اس کو پہچاننے میں شاید غلطی نہیں کر رہا تھا۔

میں نے سر تھام لیا۔ چند سیکنڈ بعد منظر مزید واضح ہو گیا۔ کیمرے نے مرنے والے کے چہرے پر مزید زوم کیا تھا۔ ہاں...... یہ وہی تھے...... یہ وہ بے مثال ڈاکٹر تھے جنہوں نے جاما جی میں اور پھر پاکستان میں مجھ سے بے لوث دوستی کا رشتہ نبھایا تھا...... یہ کرنل ڈاکٹر احرار صاحب تھے۔ انہوں نے کاسمیٹک سرجری کے ذریعے ایک نہایت نازک موقع پر میری شباہت تبدیل کی تھی اور مجھے ان گنت خطروں سے بچایا تھا۔

رپورٹر ہیجانی انداز میں بول رہا تھا۔ "اور ناظرین! دیکھیں، یہ ہے وہ گاڑی جو اس پمپ پر فیول لینے کے لیے رکی اور ان خونی پرندوں کو اس پر حملہ کرنے کا موقع ملا۔ جونہی گاڑی سوار نے پمپ بوائے سے بات کرنے کے لیے کھڑکی کا شیشہ نیچے اتارا اور جنونی طوطے گاڑی میں گھس گئے اور ڈاکٹر صاحب سے چمٹ گئے۔ ڈاکٹر صاحب کی [illegible]

گاڑی سے نکل کر بھاگی اور پیٹرول پمپ کے اس سامنے والے کمرے میں گھس گئی۔ وہ بھی زخمی ہے اور اسے اسپتال روانہ کیا گیا ہے۔''

اسٹوڈیو میں موجود نیوز کاسٹر نے پوچھا۔ ''اس بارے میں کیا پتا چلا ہے کہ یہ غیر ملکی سرجن ڈاکٹر احرار احمد لاہور سے روانہ ہو کر کہاں جا رہے تھے؟''

''جی اب اس بات کی تصدیق ہو چکی ہے کہ مسز قسطینا ان دنوں خفیہ طور پر سکھیرا گاؤں میں ہی ٹھہری ہوئی تھیں۔ مسز قسطینا کا شمار جاماجی کی اہم ترین شخصیات میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر احرار کا تعلق بھی جاماجی سے ہے۔ جب انہیں پتا چلا کہ مسز قسطینا یہاں ایک مضافاتی علاقے میں موجود ہیں تو وہ ان سے ملنے کے لیے روانہ ہوئے مگر یہاں وزیر آباد کے قریب انہیں یہ حادثہ پیش آ گیا۔''

کیمرے نے ایک بار پھر ڈاکٹر احرار کا چہرہ دکھایا۔ اب اسے کچھ دھندلا کر دیا گیا تھا۔ تاہم ان کی شہ رگ پر اک گھاؤ تھا وہ اب بھی جھلک دکھا رہا تھا۔

میرا دل غم و اندوہ سے لبریز ہو گیا۔ یہ کیا ہو رہا تھا ہمارے ساتھ۔ بانا وانی میرے قریبی ساتھیوں میں سے ایک اور شکار اچک کر لے گئی تھی۔

فیلڈ رپورٹر بتا رہا تھا..... مسز قسطینا کے حوالے سے جو باتیں مشہور ہیں، وہ کچھ ایسی غلط نہیں ہیں۔ وہ بلا جھجک خطرات میں کود پڑتی ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اچانک حملہ کر کے شاہ زیب اور اس کے دوستوں کو پولیس کی حراست سے چھڑایا تھا۔ اب انہوں نے اچانک نمودار ہو کر ڈاکٹر احرار اور ان کی بیٹی ایمان کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ سکھیرا گاؤں سے آٹھ دس کلو میٹر کا فاصلہ طے کر کے بہت تیزی سے یہاں پہنچیں۔ تب تک ڈاکٹر احرار جان کی بازی ہار چکے تھے اور ایمان نے خود کو پمپ کے کمرے میں بند کر رکھا تھا۔ خونی طوطوں نے چاروں طرف سے اس کمرے کو گھیرا ہوا تھا۔ وہ جالیوں میں چھید کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔''

نیوز کاسٹر نے پوچھا۔ ''کیا مس ایمان کی مدد کے لیے اور کوئی موجود نہیں تھا؟''

''جی ہاں، یہی تو افسوس کی بات ہے۔ پمپ پر پرندوں کے حملے سے لوگ اتنے خوف زدہ ہوئے کہ جس کا جدھر منہ تھا ادھر بھاگ گیا۔ درحقیقت علاقے میں ایک زبردست قسم کا ہراس موجود ہے۔ یہ دیکھیے، یہ کیمرا آپ کو دکھا رہا ہے، یہاں زمین پر تیس چالیس لیٹر پیٹرول بہہ کر ضائع ہوا ہے وجہ یہی ہے کہ فیول بھرنے والا نوزل سے پیٹرول نکلتا چھوڑ کر پناہ کی تلاش میں بھاگ گیا۔ لوگ قریبی کھیتوں میں چھپ گئے اور دکانوں میں گھس کر شٹر گرا دیے۔''

نیوز روم سے نیوز کاسٹر نے کہا۔ ''آپ مسز قسطینا کے بارے میں بتا رہے تھے؟''

''بالکل جی، درحقیقت ایمان احرار کی جان اگر بچ سکی ہے تو مسز قسطینا کی وجہ سے۔ ان کے ساتھ ایک اور بھی تھا..... اور خیال یہ ہے کہ وہ داؤد بھاؤ گینگ کا گینگسٹر وارث لودھی تھا۔ عینی شاہدوں نے بتایا ہے کہ مسز قسطینا کار پر یہاں پہنچی تھیں مگر انہوں نے ہیلمٹ پہن رکھا تھا اور ایک طویل برساتی نما چیز بھی ان کے جسم پر تھی۔ ان کے پاس شاٹ گن تھی جو چھرے ہمیں یہاں ملے ہیں وہ سیمی آٹومیٹک شاٹ گنز کے 16 اور 20 بور کے کارتوسوں کے ہیں..... اس کا مطلب ہے کہ مسز قسطینا صورتِ حال کے لیے طرح تیار ہو کر آئی تھیں۔ انہوں نے پرندوں پر اندھا دھند فائرنگ کی، مبینہ طور پر لودھی نے بھی ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ اس کا ثبوت یہ پچاس ساٹھ پرندے ہیں جو یہاں مرے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ مسز قسطینا نے کمرے میں گھس کر زخمی لڑکی کو نکالا اور ایک ایمبولینس میں ڈال دیا.....'' ذرا توقف کر کے فیلڈ رپورٹر نے ایک بار پھر کیمرا مین کے ذریعے مرے ہوئے پرندوں اور ٹوٹی ہوئی کھڑکیوں کی جھلک ناظرین کو دکھائی۔

نیوز کاسٹر نے پوچھا۔ ''کیا یہ درست ہے کہ پولیس کے موقع پر پہنچنے سے پہلے ہی مسز قسطینا اور لودھی وہاں سے نکل چکے تھے؟''

''جی ہاں، عینی شاہدوں سے یہی پتا چلا ہے۔ پولیس حسبِ معمول اس وقت پہنچی جب یہ واقعہ تقریباً اختتام کو پہنچ چکا تھا۔ تب تک قسطینا صاحبہ والی گاڑی وہاں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ غالب امکان یہی ہے کہ اس پر لگی نمبر پلیٹ بھی اصلی نہیں ہو گی۔''

رپورٹر سے بات ختم کرنے کے بعد نیوز کاسٹر نے ایک اسٹیپ شاٹ اپنے ناظرین کو دکھایا۔ یہ قسطینا ہی کی تصویر تھی۔ یہ تصویر کسی سستے موبائل سے لی گئی تھی اور غیر واضح تھی۔ قسطینا کے سر پر ہیلمٹ تھا اور ہاتھ میں ایک جدید شاٹ گن تھی۔ وہ اس تصویر میں پہچانی جا رہی تھی۔ پھر اس کی ایک اور تصویر اسکرین پر نمودار ہوئی۔ یہ مزید واضح تھی اور اس میں قسطینا کے خدوخال صاف نظر آ رہے تھے

تصویر میں اور می کے چہرے کا تھوڑا سا حصہ بھی نظر آتا تھا۔
میں کمرے میں واپس آگیا۔ ڈاکٹر احرار کی اندوہناک موت میرے لیے بے حد تکلیف دہ تھی۔ میری آخری اطلاعات کے مطابق ڈاکٹر احرار آسٹریا میں تھے اور وہاں کا سمیک سرجری پر کوئی ریفریشر کورس کر رہے تھے۔ شاید ان کی موت انہیں بیٹی سمیت یہاں کھینچ لائی تھی۔ ان سے اپنی آخری ملاقات یاد آئی جو کراچی میں ہوئی تھی۔ دل درد سے بھر گیا۔

اسی دوران میں دروازے پر مدھم "ناک" ہوئی اور شاروا کی آواز آئی۔ "مے آئی کم ان؟"

مجھے اس سے چڑ سی ہو گئی تھی مگر فی الوقت میں اس سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے اندر آنے دیا۔ مجھے ثمر کے حوالے سے بے حد تشویش تھی۔ میں نے اسے سخت زخمی حالت میں دیکھا تھا۔ پتا نہیں کہ وہ "سروائیو" بھی کر سکا تھا یا نہیں۔

میں نے شاروا سے ثمر کا ذکر کیا اور اس سے پوچھا۔ "وہ بدبخت مرا ہے یا نہیں؟"

وہ بولی۔ "کافی ڈھیٹ نکلا ہے۔ شاید اس کو آپ نے ہی مارنا ہے۔"

"مطلب کہ بچ گیا ہے؟"

"ہاں، اس کی گردن پر زخم تو کافی گہرا آیا تھا، سانس اور خوراک کی دونوں نالیاں کٹنے سے بچ گئیں۔ علاج ہو رہا ہے۔ لگتا ہے کہ دو چار دن میں اٹھ کر بیٹھ جائے گا۔"

میں نے اس خبر کو بظاہر رنج لیکن درحقیقت بے حد خوشی سے سنا۔ میں نے شاروا سے پوچھا۔ "کیا وہ اور افغانی (فارس جان) دونوں یہیں پر ہیں؟"

شاروا نے اس کا جواب اثبات میں دیا پھر بولی۔ "ایک اور سہا چارہ ہے آپ کے لیے، اور میرا خیال ہے یہ آپ کو خوشی دے گی۔"

میں سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔ اس نے وزیر آباد کے قریب پیش آنے والے اس سنگین واقعے کے بارے میں بتایا جس میں ڈاکٹر احرار جان سے گئے تھے اور ان کی بیٹی زخمی ہوئی تھی۔ میں نے شاروا سے کہا کہ یہ "خوش خبری" مجھے مل چکی ہے۔

☆☆☆

اگلے چار پانچ روز میں کوئی خاص واقعہ رونما نہیں ہوا، سوائے اس کے کہ ایک روز میں نے شازیہ کے شوہر

خوب صورت دھوکا
عشق کی فسوں گری اور عاشقوں کے درمیان دلچسپ معرکہ آرائی آخری صفحات پر **نشور ھادی** کا پرلطف انداز
روایت گزیدہ
ماضی کے پوشیدہ گوشوں اور بدرو بیچوں میں پنہاں راز و نیاز... تاریخی صفحات پر **زویا اعجاز** کے قلم کی روانی
ہنگ آسماں
زہریلے سانپوں اور گہری چالوں پر مشتمل خوفناک اور عبرت ناک واقعات کا سنگم **ایم آر راجپوت** کے خیالات کی روانی
وقت
خوشگوار مستقبل کی آس اور کربناک ماضی کی بھول بھلیوں میں گم شدہ لمحات کا احاطہ کرتے وقت کی سرگوشیاں۔ **حسام بٹ** کے قلم سے

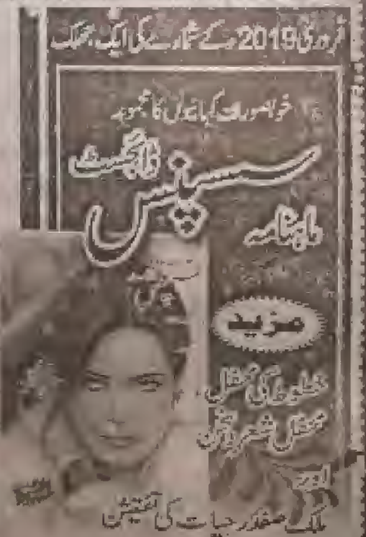

بیس بائیس سالہ اکبر کو دیکھا۔ وہ اسی ہال کمرے سے نکل رہا تھا جہاں ہاناوانی مجھے بھی گاہے بگاہے، اپنا ٹرانس "ری نیو" کرنے کے لیے بلاتی تھی۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ اکبر پر "ٹرانس" کے غیر معمولی اثرات ہیں۔ اس کی حرکات و سکنات سے یوں لگتا تھا جیسے وہ نیند کی حالت میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کی آنکھوں کا رنگ بالکل تبدیل ہو چکا تھا۔ آنکھوں کے اندر جیسے سنگ مرمر کی پتلیاں فٹ کر دی گئی تھیں۔ وہ بالکل برہنہ تھا اور اردگرد کی ہر شے سے بیگانہ دکھائی دیتا تھا۔ ایک گارڈ کے ساتھ چلتا ہوا وہ عمارت کے اس پورشن کی طرف چلا گیا جہاں سیکڑوں پرندے اس کے زیر اثر تھے۔ وہ جیسے ہاناوانی کا نمائندہ بن کر ان پرندوں کو ہپناٹزم کے عمل سے گزار رہا تھا۔ اکبر کو دیکھ کر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ کیا وہ کبھی نارمل حالت میں واپس آ بھی سکے گا؟ شاذیہ کے ہاتھوں کی مہندی ابھی پھیکی بھی نہیں پڑی تھی اور وہ اس سے کوسوں دور کسی اور ہی دنیا میں چلا آیا تھا۔ اسے برہنہ کیوں رکھا جاتا تھا، یہ بھی میری سمجھ سے باہر تھا۔

چھٹے ساتویں روز کی بات ہے جب پھر ایک اندوہناک واقعہ ہوا اور اس نے مجھے اندر تک ہلا ڈالا۔ شاردا نے اپنی دانست میں مجھے یہ "خوش خبری" سنائی کہ آج ہم پھر افغانی فارس جان کو مار امار کرتے ہوئے دیکھ پائیں گے۔

"کس کے ساتھ مار اماری؟" میں نے پوچھا۔

"اس کا تو مجھے پتا نہیں..... آپ بھی تو ہو سکتے ہیں..... آپ ایم ایم اے کے چیمپئن ہیں۔ آپ کے لیے فارس جان جیسے حریف کو قبر میں پہنچانا کون سا دشوار کام ہے۔"

"لیکن میرا تو ہاتھ ابھی پوری طرح ٹھیک نہیں؟"

وہ مسکرائی۔ "ایسے عذر یہاں نہیں چلتے جناب! آنجہانی رائے زل کی طرح مادام کے پاس ان کا حل موجود ہوتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ آپ کو اور مدمقابل کو یکساں مواقع فراہم کرنے کے لیے مدمقابل کا انگوٹھا بھی آپ ہی کی طرح گھائل کر دیا جائے۔" پھر ذرا توقف کر کے بولی۔ "ویسے میں مذاق کر رہی ہوں۔ مجھے نہیں لگتا کہ مادام ہاناوانی بالفعل آپ کو کسی "مقابلے" میں اتاریں گی۔"

شاردا نے درست ہی کہا تھا۔ اس رات فارس جان کے ساتھ جس کا مقابلہ ہوا وہ میں نہیں تھا۔ وہ اسی روز کی خبر زمان تھا۔ بہت دکھ ہوا یہ سب دیکھ کر۔ اس کی گردن پر ابھی تک فولادی پٹا بندھا ہوا تھا۔ ٹانگوں پر بھی کئی جگہ پٹیاں موجود تھیں۔ یہ غیر معمولی بے رحمی کی مثال تھی لیکن اس سے بڑھ کر ایک اور بات تھی۔ دوسری طرف فارس جان کے جسم پر بھی چند گہرے زخم نظر آ رہے تھے۔ یقیناً یہ زخم اسے جان بوجھ کر لگائے گئے تھے تاکہ دونوں حریفوں کا پلڑا برابر ہو سکے۔ شاردا کی کہی ہوئی بات درست ثابت ہوئی تھی۔

اس مرتبہ خضر اور فارس کا کاسٹیوم مختلف تھا۔ وہ دونوں پتھر کے زمانے کے بندے نظر آتے تھے۔ ستر پوشی کے لیے ان کے جسموں پر صرف کسی کھال کے ٹکڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں لکڑی کی مضبوط شاخوں سے بنے ہوئے ایسے نیزے تھے جن کے پھل لوہے کے بجائے تیز دھار نکیلے پتھروں کے تھے۔ اسی طرح کی کلہاڑیاں بھی ان کے قریب موجود تھیں۔ ان کی داڑھیاں بڑھی ہوئی تھیں۔ وہ ننگے پاؤں، ننگے سر ایک دوسرے کے روبرو تھے۔ چہروں پر قاتلانہ چمک، آنکھوں میں وحشت اور درندگی کے لشکارے۔ انہیں دیکھ کر ہی پتا چل جاتا تھا کہ وہ ایک دوسرے پر درندوں کی طرح جھپٹنے کے لیے تیار ہیں۔

میری دھڑکنیں زیر و زبر ہو رہی تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی مرتا میرا کلیجا شق ہو جاتا..... لیکن مجھے یہ سب دیکھنا تھا اور اپنے حقیقی تاثرات چھپا کر دیکھنا تھا۔ شاردا چہکی۔ "میرا وشواس ہے، آج ان میں سے ایک یقیناً یہیں پر دم توڑے گا۔ ویسے آپ کس کے مرنے کو زیادہ پسند کریں گے؟"

"جو بھی مر جائے۔" میں نے مختصر جواب دیا۔

اور پھر لڑائی شروع ہو گئی۔ دونوں بے دریغ ایک دوسرے پر جھپٹنے لگے۔ ان کی چنگھاڑیں ایل سی ڈی کے اسپیکرز سے نکل کر کمرے میں گونجنے لگیں۔ میں نے سوچا، یہ کیسی شیطانی قوت ہے جس نے ان دو افراد کو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنایا ہے جو ایک دوسرے پر جان چھڑکنے والے تھے۔

لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی دونوں زخموں سے چور تھے..... لڑائی کے بعد ان کو مزید زخم لگنے لگے۔ شروع میں فارس کا پلڑا بھاری لگا مگر پھر خضر کی ایم ایم اے کی بے پایاں صلاحیت کام دکھانے لگی۔ وہ اپنا کامیاب دفاع کرنے لگا۔ دونوں لہولہان ہوتے جا رہے تھے۔ ہر زخم جیسے میرے اپنے جسم پر لگ رہا تھا۔ میں دیکھ نہیں سکتا تھا مگر آنکھیں بھی بند نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے نظر کا زاویہ بدل لیا۔ اسکرین سے نگاہ ہٹالی لیکن دردناک آوازوں اور چیخ چنگھاڑوں سے کان کیسے بند ہو سکتے تھے۔ وہ بڑا اذیت ناک دورانیہ

تھا۔ اچانک فخر کا ایک داؤ چل گیا۔ فخر کا پھینکا نیزہ قریباً نو انچ تک فارس کے پیٹ میں گھس گیا۔ فخر نے فارس کے سینے پر ٹانگ رسید کر کے نیزہ اس کے پیٹ میں سے نکالا۔ وہ جوانِ رعنا پشت کے بل گرا۔ فخر وحشت میں اس کے سینے پر چڑھ گیا۔ اس نے خون آلود نیزہ اب دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ جب چند سیکنڈ بعد کھولیں تو کھیل ختم ہو رہا تھا۔ فخر کا نیزہ فارس کی چھاتی میں عین دل کے مقام پر اتر گیا تھا اور اندر ہی ٹوٹ گیا تھا مگر اس نے دوسرا نیزہ اٹھا لیا تھا اور دیوانگی کے عالم میں بار بار فارس کا سینہ چھلنی کر رہا تھا۔ فارس، ایک حریت پسند، جاماتی کا سرفروش کمانڈر، قسطینا کا شوہر...... ایک لاش میں بدل چکا تھا...... ہاں، وہ زندگی کی سرحد پار کر گیا تھا مگر فخر کی وحشت ابھی باقی تھی۔ مسلح گارڈز فخر کو کھینچتے ہوئے خونچکاں لاش سے دور لے گئے۔

☆☆☆

یہ کیسی زندگی تھی؟ یہ موت سے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ میرے اپنے ایک ایک کر کے اس عفریت کے منہ میں جا رہے تھے جس کا نام ہاناوانی تھا۔ وہ انہیں نگل رہی تھی، ناپید کر رہی تھی۔ آج فارس جان بھی چلا گیا تھا۔ وہ قسطینا کے ساتھ یہاں یہ عزم لے کر آیا تھا کہ نیوشی کی اس قاتلہ کو انجام تک پہنچائے گا اور ہمیں اس کے شر سے محفوظ رکھنے میں قسطینا کی مدد کرے گا لیکن آج وہ میرے ہی ایک قریبی ساتھی کے نیزے سے چھلنی ہو کر رہ گیا تھا۔

میں نے بڑے کرب کے ساتھ سوچا...... ہاناوانی! کہاں ہو تم...... میرے سامنے آؤ۔ میں دو چیزوں میں سے صرف ایک چیز برداشت کر سکتا ہوں۔ اپنا وجود یا تمہاری زندگی۔

میں رات آخری پہر تک جاگتا رہا۔ میری آنکھوں میں انگارے سلگتے رہے اور سینے میں بار بار پتھر کے زمانے کا ایک نیزہ گزرتا رہا۔ میں قسطینا کو کیا شکل دکھاؤں گا۔ میں اسے کیا جواب دوں گا؟ وہ شب و روز فارس کی راہ دیکھ رہی تھی جو بھی تھا، وہ اس کی زندگی کا ساتھی تھا۔

اگلے روز شام کے وقت ایک عجیب صورتِ حال کا سامنا ہوا۔ مجھے کیپٹن ڈاکٹر فرزہ نظر آئی۔ میں نے سمجھا کہ وہ میرے انگوٹھے کے معائنے کے لیے آئی ہے لیکن یہ اندازہ غلط ثابت ہوا۔ آج اس کا لباس بھی مختلف تھا۔ وہ اکثر یونیفارم میں ہوتی تھی مگر آج کریم کلر کی پینٹ اور سفید رنگ کی پھولدار شرٹ میں تھی۔ ہاں ایک خوشنما جوڑے کی صورت میں بندش ہوئے تھے۔ ایک ہم رنگ شال اس کے کندھوں پر تھی۔ اس نے مناسب سا میک اپ بھی کر رکھا تھا۔ میں اسے یوں دیکھ کر چونکا۔

اپنے اندرونی اندیشوں کو چھپاتے ہوئے میں نے مسکراتے لہجے میں کہا۔ ''اماوس کی راتوں میں یہ چاند کہاں سے نکل آیا اور وہ بھی سرِ شام؟''

وہ بولی۔ ''اگر یہ چاند ہے...... تو بھی یہ ڈھلا نہیں ڈھلا گیا ہے۔ آپ کو موم بتی وغیرہ کی روشنی کم معلوم ہوتی تھی ناں۔''

میں ایک بار پھر چونکا۔ وہ [illegible] لہجے میں حوالہ دے رہی تھی اور اس سے میری بے رغبتی کا ذکر کر رہی تھی لیکن ان باتوں سے اس کی یوں آمد کا کیا تعلق تھا؟

اندر آ کر اس نے اپنی انگلیاں مروڑیں اور پھر صوفے پر بیٹھ گئی۔ آج اس کے اسٹائل اور چال ڈھال میں وہ امین شین والی کیفیت نہیں تھی۔ اگلے چار پانچ منٹ میں ہمارے درمیان جو گفتگو ہوئی، اس سے ایک سنسنی خیز انکشاف ہوا۔ وہ یہاں میرے پاس شاردا کی جگہ لینے آئی تھی...... اور یقیناً یہ سب کچھ ہاناوانی کے حکم پر ہی ہوا تھا۔ ہاناوانی کے وہ الفاظ میرے کانوں میں گونجنے لگے جو اس نے پچھلی نشست میں مجھ سے کہے تھے۔ ''خود کو پرسکون رکھو لیسٹرن۔ ان سہولتوں سے فائدہ اٹھاؤ جو تمہیں یہاں مہیا ہیں۔ اگر ساتھی لڑکی تمہیں پسند نہیں تو کوئی اور مہیا ہو سکتی ہے...... کوئی بھی۔''

ہاناوانی جانتی ہو گی کہ میں شاردا کے بجائے کیپٹن فرزہ میں دلچسپی ظاہر کر رہا ہوں، لہٰذا فرزہ کو میری طرف روانہ کر دیا گیا۔

ہاناوانی اس حوالے سے اتنی متفکر کیوں ہو رہی تھی؟ کیا میرا یہ اندیشہ درست تھا کہ وہ میری کیفیت کی طرف سے پوری طرح مطمئن نہیں ہے؟ وہ ہر طرح تسلی کرنا چاہتی ہے کہ میں واقعی مکمل طور پر اس کے ٹرانس میں آ چکا ہوں۔ درحقیقت میں نے دل پر بہت جبر کر کے شراب کو تو ہاتھ لگا لیا تھا مگر عورت سے اب بھی دور تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ میرا یہی گریز ہاناوانی کو شک میں مبتلا کر رہا ہو؟ چند ہی لمحوں میں مجھے اپنی پیشانی پر پسینے کی نمی محسوس ہونے لگی۔ میں ہاناوانی کا اعتماد کھونا نہیں چاہتا تھا...... کسی صورت کھونا نہیں چاہتا تھا۔ جانے کیوں چار پانچ روز سے میرا دل یہ گواہی دے رہا تھا کہ ہاناوانی کے خاتمے کی اگر کوئی صورت نکلے گی تو اسی اعتماد کے اندر سے نکلے گی۔ واز بچاؤ نے بھی کچھ ایسی ہی

بہت کہی تھی۔ اس نے کہا تھا۔ ''شاہ زیب! اگر تم پھانسز کے سلسلے میں ہانا وانی کو چکما دینے میں کامیاب ہو گئے ہو تو یہ تمہاری ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔ اسے برقرار رکھو۔''

اور اسے برقرار رکھنے کے لیے میں نے اب تک ہر ممکن کوشش کی تھی۔ دین محمد صاحب کا خون تک اپنی گردن پر لے لیا تھا۔ تو کیا اب میں اس ایک کمی کی وجہ سے ہانا وانی کا اعتماد کھو دوں گا؟ مجھے صاف محسوس ہوا کہ وہ میرا امتحان لے رہی ہے اور اسی امتحان کے لیے اب اس نے شاردا کے بجائے کیپٹن فرزہ کو میری خلوت میں بھیجا ہے۔

میرے سینے میں ایک ہولناک اتھل پتھل ہو رہی تھی۔ اس اتھل پتھل کا تعلق اس نئی آزمائش اور نئے حالات سے تھا۔ مجھے واضح پتا چل رہا تھا کہ مجھے اس آزمائش سے سرخرو ہونے کے لیے ایک دیوانی کوشش کرنا ہو گی۔ شاید اپنی قائم کی ہوئی خاص حدود سے آگے نکلنا ہو گا۔ یہ میرے لیے بہت کٹھن کام تھا بلکہ سوہان روح تھا۔ میں جس قسم کے حالات سے گزر رہا تھا، کسی عورت کے لیے میرے اندر ایک ذرا سی رغبت بھی موجود نہیں تھی اور پھر میرے وہ وعدے جو میں نے خود سے کر رکھے تھے۔

محترم حاذق ذکری کے ایک بار کہے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونجنے لگے۔ انہوں نے ایک مرتبہ گرین فورس کے ایک ایسے سرفروش کا ذکر کیا تھا جسے جاسوسی کے لیے نیوٹی بھیجا گیا تھا۔ وہ ایک دین دار شخص تھا مگر نیوٹی میں اپنا بہروپ برقرار رکھنے کے لیے اس نے حشیش کھائی تھی، جوا کھیلا تھا اور نائٹ کلبوں میں راتیں گزاری تھیں۔ وہ اپنے ٹارگٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا تاہم بعد ازاں اسے رائے زل کے وفادار گارڈز نے شوٹ کر دیا تھا۔ حاذق ذکری نے اس کے کردار کو سراہا تھا اور کہا تھا کہ اس سرفروش نے جو کچھ کیا، اپنے فرض کی انجام دہی میں کیا۔ اس کی پارسائی اور پاک دامنی ہر شک و شبہ سے بالا تھی اور افضل تر تھی۔

مجھے بھی یہاں اپنا بہروپ بچانا تھا اور ہر صورت بچانا تھا۔ مولانا حبیب اللہ اور ڈاکٹر احرار کے بعد اب فارس جانو کی موت دیکھنے کے بعد میرے اندر کی کیفیت عجیب ہو چکی تھی۔ ایک آگ تھی جو میرے سینے کو جھلسا رہی تھی۔ یہ انگارے نہیں تھے، اب یہ شعلے تھے۔ یہ میرے چاروں طرف چنگا رہے تھے۔ ڈنر کے بعد میں نے کیپٹن فرزہ سے کہا کہ وہ ہسکی لائے۔ وہ لے آئی۔ میں نے اوپر تلے کئی پیگ چڑھائے ... بدبودار تلخ سیال نے وہ کچھ کیا جو وہ کرتا ہے۔ یہ ایک سیال تھا مگر اس نے آگ بھڑکانے کے بجائے اور بھڑکا دی۔

کیپٹن فرزہ گہری نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ رات آہستہ آہستہ آگے کو سرک رہی تھی۔ کمرے میں خوشگوار حرارت تھی مگر سیال کی گرمی نے حرارت کو خوشگوار سے کچھ زیادہ کر دیا تھا۔

''کیا سوچ رہی ہو کیپٹن فرزہ؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ سوچ رہی ہوں کہ آپ کیا سوچ رہے تھے اور..... کیا چاہ رہے ہیں؟''

''تم کیا چاہ رہی ہو؟''

''میری چاہ آپ کی چاہ سے منسلک ہے۔'' وہ انگلش میں بولی۔

''لیکن میں جانتا ہوں، تمہاری ''چاہ'' وہ نہیں جو تم ظاہر کر رہی ہو۔ شاید تمہاری مجبوری تمہیں میرے پہلو میں لائی ہے۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' وہ مجھ سے نظریں ملائے بغیر سپاٹ لہجے میں بولی اور شال جو اب تک اس کے کندھوں پر تھی اتار کر ایک طرف رکھ دی۔ اس کا سڈول، پُرشباب جسم نمایاں ہو گیا۔

میں نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ سوئیاں اب رات گیارہ بجے کا وقت بتا رہی تھیں..... سینٹر میں خاموشی کا راج تھا۔ بس طوطوں کا مدھم سا شور تھا جو ایک ہلکی بھنبھناہٹ کی صورت سنائی دیتا تھا۔ (ان کی تعداد اب یقیناً سیکڑوں سے اوپر ہو چکی تھی)

میں نے ایک اور تلخ جام اپنے اندر انڈیلا اور فرزہ کے قریب چلا گیا۔ اس نے جو شال اپنے کندھوں سے اتاری تھی، سائڈ ٹیبل پر پڑی تھی۔ میں نے وہ اٹھائی اور دوبارہ اس کے کندھوں پر ڈال دی۔ وہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگی۔ میں نے کہا۔ ''نہیں فرزہ! آج کی رات میں ذرا مختلف انداز میں گزارنا چاہتا ہوں۔''

''مختلف انداز؟''

''شاردا۔'' میں نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ وہ چند سیکنڈ میری آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ جیسے جاننے کی کوشش کر رہی ہو کہ میرا جواب کہاں تک درست ہے۔

میں نے کہا۔ ''تم خوب صورت ہو، کوئی بھی تمہاری قربت چاہے گا..... لیکن..... میرے ذہن میں فی الوقت شاردا ہے۔''

اس نے اپنے ڈھیلے جوڑے کو دوبارہ باندھا اور صوفے پر بیٹھ کر اپنے سینڈل پہنے، پھر کھڑے ہو کر ایک عجیب نظر مجھ پر ڈالی۔ اس نظر میں شکریے کی جھلک صاف نظر آتی تھی۔

وہ چلی گئی تو میں نے تلخ بدبودار سیال کا ایک اور جام چڑھایا اور شاردا کو بلا لیا...... وہ شب میرے لیے بہت تکلیف دہ تھی۔ میں وہ سب نہیں چاہتا تھا جو کر رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں اپنے اندر مسلسل وہ آتشیں سیال انڈیل رہا تھا جو حواس کو مختل کر دیتا ہے۔ شاردا میرے قریب تھی۔ وہ بیک وقت خوش بھی تھی اور خوف زدہ بھی۔ کسی وقت اس کی آنکھوں کے اندر حیرت امڈ آتی تھی۔ میں شعلوں میں گھرا ہوا تھا۔ بانہوں میں تو شاردا تھی مگر نگاہوں میں نکو شہزادے انیق کی لاش تھی، سجاول کی بے نور آنکھیں تھیں، مولانا حبیب اللہ کا خون آلود چہرہ تھا، ڈاکٹر احرار اور فارس جان کے بے جان جسم تھے۔ ذہن میں صرف ایک ہی بات تھی۔ مجھے اپنا بہروپ ہر صورت برقرار رکھنا ہے...... ہاں بہروپ برقرار رکھنا ہے کیونکہ اسی میں سے باناوانی تک پہنچنے کا راستہ نکلے گا۔

☆☆☆

اگلے روز میں دوپہر گیارہ بارہ بجے کے قریب بیدار ہوا۔ سر بھاری تھا، طبیعت بہت بوجھل ہو رہی تھی۔ شاردا کمرے سے جا چکی تھی۔ رات کے واقعات نگاہوں کے سامنے گھومے تو طبیعت اور دل و دماغ کی کثافت بڑھ گئی۔ پھر فارس جان کی موت کے مناظر پردۂ تصور پر ابھرے اور جسم چٹخنے لگا۔ میں واش روم چلا گیا اور لباس سمیت شاور کے سرد پانی کے نیچے کھڑا ہو گیا۔

یوں لگتا تھا کہ گناہ کی ایک گٹھڑی سر پر رکھی گئی ہے۔ رات ہوئی اور پھر صبح ہو گئی۔ گھڑی کی سوئیاں آگے کو سرکتی رہتی ہیں اور وہ سرکتی رہیں۔ مستقل حرکت کرنے والی یہ سوئیاں بھی عجب ہیں...... یہ علی الصباح پھانسی پانے والے کے لیے اپنی رفتار سست نہیں کرتیں اور نہ ایک حسین شام میں وصال یار میں تڑپنے والے کے لیے رفتار تیز کرتی ہیں۔ وہ میری زندگی کے بڑے یاس انگیز اور تاریک شب و روز تھے۔ دماغ میں ہر وقت ایک دھند سی بھری رہتی تھی۔ اس دھند کی ایک وجہ شاید وہ میڈیسنز بھی تھیں جو مجھے باقاعدگی سے کھلائی جاتی تھیں۔ مجھے باہر کے حالات کا کچھ علم نہیں تھا۔ نہ یہ پتا تھا کہ قسطینا اور پہلوان حشمت وغیرہ اب کہاں ہیں۔ یقینی بات تھی کہ وہ کھلے عام تو سکھیرا کے گاؤں میں نہیں رہ سکتے تھے لیکن میں جانتا تھا کہ وہ سکھیرا کے آس

[illegible] فارس جان [illegible]

اس کی [illegible]

میں سوچ کر [illegible]

تھوڑی بہت [illegible]

پھاڑ کی "موت" [illegible]

کے "قتل" کے حوالے سے [illegible]

کی وجہ پوسٹ مارٹم [illegible]

کہ دین محمد صاحب کو گولیاں لگنے [illegible]

ہوا ہے۔

میں نے ہفتے کے روز [illegible]

واپس بھیجا تھا اور اس واقعے [illegible]

اس دوران میں وہ مجھے میڈیسن [illegible]

تھی۔ ہر دفعہ مجھے اس کی آنکھوں [illegible]

نظر آیا تھا...... تیسرے روز شام کے [illegible]

ہال کمرے میں لے جایا گیا جہاں [illegible]

تھی اور اپنے پینٹرز کی تجدید کر رہی [illegible]

باندھے نہیں گئے تھے۔ وہی کرسی [illegible]

تھا وہی سازوں کی پُراسرار دھن تھی لیکن [illegible]

نظر آئی۔ ہال کی بلند و بالا چھت [illegible]

تھی جو الٹی لٹکی ہوئی چمگادڑوں کی [illegible]

تھیں۔

اسکرین پر باناوانی کا منحوس چہرہ [illegible]

سیاہ عینک آنکھوں پر موجود تھی۔ وہ بولی۔ "مجھے [illegible]

انجوائے کر رہے ہو۔ ویسے بھی جب جانی دشمن [illegible]

کے جہنم واصل ہو رہے ہوں تو جشن منانا [illegible]"

"آپ بالکل درست [illegible]"

فدویانہ لہجے میں کہا۔

وہ کچھ دیر مجھے گہری نظروں سے [illegible]

ذرا توقف سے بولی۔ "تم [illegible]

درست کرو۔ تمہارے بال الجھے ہوئے ہیں [illegible]

ہے......"

"میں خیال رکھوں گا مادام۔"

"اپنے لیے اچھا لباس منتخب کرو [illegible]

خیال رکھو۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم کھانے کے [illegible]

بے پروا ہو۔"

"میں آئندہ احتیاط کروں گا مادام۔"

"تاجور تمہیں ملے گی اور ضرور ملے گی۔ وہ آرام کی بیٹی قسطینا اور تمہارے باقی بدخواہ مل کر بھی تمہارا اور تاجور کا راستہ نہیں روک سکتے۔"

"آپ میری پشت پناہ ہیں تو پھر مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔"

اس گفتگو کے بعد ہاناوانی اپنی اصل کارروائی کی طرف آگئی۔ اس نے اپنی منحوس سیاہ عینک اتار دی اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنی آنکھیں اس کی آنکھوں میں پیوست کر دوں۔ وہ اپنی پیشتر تازہ کرنے میں مصروف ہو گئی..... ایک بار پھر کشش اور مزاحمت کا وہی کھیل شروع ہو گیا۔ (اطمینان کی بات یہ تھی کہ اس کھیل میں مجھے مسلسل کامیابی مل رہی تھی)

تیس چالیس منٹ بعد میں اپنے کمرے میں واپس آگیا اور خود کو نڈھال سا ظاہر کرتے ہوئے بستر پر دراز ہو گیا۔ ہر سیشن کے بعد مجھے ایسا ہی کرنا پڑتا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور شاردا اپنی لمبی نرم انگلیوں سے میری پیشانی دبا رہی تھی۔ مجھے اپنے دل میں ایک کھٹکا سا محسوس ہو رہا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ہال کمرے کی بلند چھت سے الٹی لٹکی ہوئی درجنوں چمگادڑیں نظر نہیں آئی تھیں۔ وہ کہاں تھیں؟ کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ وہ بھی کسی جگہ حملے کے لیے روانہ ہوئی ہوں۔ دیر تک یہ سوچ مجھے پریشان کرتی رہی پھر اس اندیشے کو ذہن سے دھکیل کر میں سو گیا۔

اگلے روز شاردا اپنی تھنی نظر آ رہی تھی۔ وہ جیسے اپنی اداؤں سے مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پچھلے تین چار روز سے میں نے اس پر کوئی خصوصی توجہ نہیں دی تھی۔ دوپہر کو اس نے خود میری شیو بنائی تھی اور اب میرے لیے درجنوں جوڑے لے کر آئی تھی۔ چاہتی تھی کہ پسندیدہ لباس منتخب کرنے میں میری مدد کرے۔ مجھے اس کی موجودگی زہر لگ رہی تھی تاہم میں نے کوئی تلخ ترش بات اس سے نہیں کہی...... میں چاہتا تھا کہ مجھے کوئی باہر کی خبر اس سے مل سکے (میں نے آج ٹی وی لاؤنج کی طرف جا کر کچھ سن گن لینے کی کوشش کی تھی مگر وہاں کسی نیوز چینل کے بجائے HBO لگا ہوا تھا)

اس سے پہلے کہ میں شاردا سے کچھ پوچھتا، وہ خود ہی بول اٹھی۔ "رات بہت ہنگامہ رہا۔"

"کہاں؟"

"آپ کے بیڈروم میں۔"

"کیا بکواس ہے۔" میں نے [illegible] پوچھا۔

وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ "نہیں، مذاق کر رہی ہوں۔ وہاں سکھیرا گاؤں میں بہت ہنگامہ رہا۔ بڑی [illegible]"

"پہیلیاں مت بجھواؤ، کیا ہوا؟" میں نے [illegible] ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ایک اور فضائی حملہ۔" اس نے کہا۔ "پھر [illegible] توقف سے بولی۔ "چمگادڑوں کی یورش۔ مادام ہانا کے دشمنوں کا صفایا کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔"

میری رگوں میں خون جیسے منجمد ہو گیا۔ نگاہوں میں راحیل، اسفند، شازیہ اور اس کی بہنوں کے چہرے گھوم گئے۔ میں نے اپنے اندرونی اضطراب کو بمشکل چھپایا اور سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ "کیا بنا؟"

"لگتا ہے کہ موت کے خوف نے سکھیرا کے لوگوں کو بہت چوکنا کر دیا ہے جو سماچار میں نے ٹی وی پر دیکھی ہیں ان سے تو یہی پتا چلا ہے کہ گاؤں کے لوگ گھروں میں بند تھے۔ کھڑکیوں اور روزنوں وغیرہ پر جالیاں لگی ہوئی تھیں۔ خاص طور سے جو دو گھر اصل ٹارگٹ تھے، وہاں بہت احتیاط کی گئی تھی۔"

"کوئی جانی نقصان؟" میں نے پوچھا۔ اندر سے دل کانپ رہا تھا۔

"کوئی خاص نہیں۔ سماچار میں بتایا گیا ہے کہ کھیتوں میں کام کرتے ہوئے دو بندے ہلاک اور چار پانچ زخمی ہوئے ہیں۔ کھلی جگہوں پر بندھے ہوئے کچھ مویشیوں کے مرنے اور گھائل ہونے کی بھی اطلاع ہے..... ویسے ایک اور بات بھی کنفرم ہوتی نظر آ رہی ہے۔ آپ کی وہ نمبر ایک بدخواہ اور ورودھی قسطینا بھی سکھیرا کے آس پاس ہی کہیں موجود ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"کل رات جب چمگادڑوں نے کھیتوں میں کام کرتے لوگوں اور مویشیوں پر حملہ کیا تو کچھ نامعلوم لوگوں نے ان پر شکاری گنز سے کارتوسوں کی بوچھاڑ کی۔ انہوں نے اپنے چہرے کپڑوں میں چھپا رکھے تھے۔ اس سے پہلے ایسا ہی کچھ "باغی ڈاکٹر احراز" والے واقعے میں ہوا تھا۔ وہ واقعہ بھی تو سکھیرا گاؤں سے کوئی آٹھ دس کلومیٹر کی دوری پر ہوا تھا۔"

میں سناٹے کی کیفیت میں یہ ساری باتیں سن رہا تھا

... سے اس سے کہا کہ وہ مجھے آج کا اخبار فراہم کرے۔
اس نے کہا۔ "میں نے آپ کو بتایا تھا کہ اخبار کی [illegible] آ گیا (اجازت) سے ہی ہو سکتی ہے اور آ گیا [illegible] سکتی تھی۔"
"تو پہلی فرصت تک میرا یہ مطالبہ پہنچا دو۔" میں نے کہا۔

اس روز تو مجھے اخبار نہیں مل سکا لیکن اگلے روز مل گیا۔ چمگادڑوں کے تازہ حملے والا واقعہ چونکہ ایک دور دراز گاؤں میں ہوا تھا لہٰذا اسے اتنی زیادہ پروجیکشن تو نہیں مل سکی تھی پھر بھی ایک دو خبریں موجود تھیں۔ ان مویشیوں کی تصویریں بھی تھیں جو اس حملے میں جان سے گئے تھے۔ ایک تصویر میں گاؤں سے ملحقہ ایک کھیت دکھایا گیا تھا جس میں سات آٹھ مردہ چمگادڑیں پڑی تھیں۔ خبر میں اس زبردست خوف و ہراس کا ذکر بھی کیا گیا تھا جو علاقے کے لوگوں میں موجود تھا۔

اسی اخبار میں اندر کے صفحے پر "ایک کالمی" ایک اور خبر موجود تھی جس نے مجھے بُری طرح چونکا دیا۔ میں نے رکی ہوئی سانسوں کے ساتھ پڑھا۔ اس خبر میں گوٹھ سوراتاں کے قبرستان کا ذکر تھا...... ہاں وہی سوراتاں کلاں جہاں انیق کا آبائی گھر تھا۔ اس مختصر خبر کا متن عجیب تھا۔ اوپر سرخی تھی۔ "قبرستان میں انوکھی واردات" نیچے متن میں لکھا تھا۔ جانوروں نے قبر کھود کر لاش نکالنے کی کوشش کی۔ خیال ظاہر کیا جا رہا ہے کہ یہ قبریں کھودنے والے بجو تھے جنہوں نے ایک قبر کی بے حرمتی کی۔ وہ قبر میں دو تین بڑے سوراخ کرنے میں کامیاب ہوئے اور میت تک پہنچ گئے۔ انہوں نے میت کا ایک ہاتھ چبا ڈالا۔ اتفاقاً قبرستان کا چوکیدار جو گورکن بھی تھا، موقع پر پہنچ گیا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی میں یہ منظر دیکھا اور لاٹھی سے جانوروں کو بھگانے کی کوشش کی۔ بجوؤں نے پلٹ کر گورکن پر حملہ کیا اور اس کی پنڈلیاں زخمی کر دیں۔ گورکن کا شور سن کر ایک مسلح چوکیدار وہاں پہنچ گیا۔ اس نے چند فائر کیے جس کے بعد یہ آوارہ جانور روپوش ہو گئے۔ گورکن کا کہنا ہے کہ اس لحاظ سے یہ انوکھا واقعہ ہے کہ بجو اس طرح پلٹ کر حملہ نہیں کرتے...... اس کے علاوہ گورکن کا یہ بھی کہنا ہے کہ مذکورہ قبرستان میں یہ جانور [illegible] دیکھا جاتا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ قبر داؤد بھاؤ [illegible] کے نوجوان ساتھی کی تھی جسے کچھ عرصہ پہلے نامی گرامی [illegible] سیالکوٹی نے قبائلی علاقے میں قتل کیا تھا۔

[illegible] سر گھومنے لگا۔ اخبار ایک طرف پھینکا اور دیوار

[illegible] ٹھیک ہو [illegible] کم از کم میرے [illegible] پیچھے اس [illegible] انتقام کی کوئی حد بھی [illegible] کو بھی معاف نہیں کر رہی تھی [illegible] مضافاتی علاقے [illegible] والا وہ واقعہ [illegible] قبرستان میں اسی ہاناوالی کے کارندوں نے [illegible] اندھا دھند برسٹ مارے تھے۔ قبر کے [illegible] چھلنی کیا تھا اور اب انیق؟

انیق...... میرا لنگوٹیا شہزادہ...... اس کو مر کر بھی چین نصیب نہیں ہو پا رہا تھا۔ موذی جانوروں نے اس کا ہاتھ چبا ڈالا تھا۔ اگر اتفاقاً گورکن وہاں نہ پہنچ جاتا تو وہ جانور نجانے اس جواں مرگ کی لاش کا کیا حال کرتے...... [illegible] امکان اسی بات کا تھا کہ طوطوں، چمگادڑوں اور گدھوں کی طرح یہ بھی ہاناوالی کے ٹرینڈ جانور تھے۔ غالباً انہیں کسی گاڑی میں اس قبرستان تک پہنچایا گیا ہوگا...... ہاناوالی سے کیا ممکن نہیں تھا؟

بہت عرصے بعد میری آنکھوں میں نمی آ گئی۔ میں نے دل ہی دل میں کہا۔ "معاف کرنا یار! میری وجہ سے بہت دکھ اٹھائے تم نے...... اپنی زندگی تک گنوا دی۔ چھوٹی عمر میں اپنی ساری حسرتوں سمیت قبر میں جا سوئے...... اور میرے دشمن تمہیں وہاں بھی چین سے رہنے نہیں دے رہے...... مجھے معاف کر دینا انیق...... لیکن میرا وعدہ ہے تم سے کہ...... تمہارے مجرم تک ضرور پہنچوں گا۔ جب تک سینے میں سانس ہے، جب تک آنکھ میں روشنی ہے...... جب تک جسم میں زندگی کی حرارت ہے، میں پیچھے نہیں ہٹوں گا......

کامیابی کس طرف سے آتی ہے؟ کہاں سے آتی ہے؟ کب آتی ہے؟ کچھ پتا نہیں ہوتا لیکن معلوم نہیں کیوں مجھے یقین سا تھا کہ ہاناوالی تک پہنچنے کا کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکلے گا۔ بے شک وہ سات دروازوں کے پیچھے تھی لیکن یہ دروازے کھل سکتے تھے۔ اس کا بے رحم انتقام اب قبروں تک پہنچ رہا تھا۔ وہ ظلم اور تکبر میں فرعونیت کو چھو رہی تھی اور اس کے لیے کسی نہ کسی دریائے نیل میں تو طغیانی آنا تھی۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے...... اب بھی جو کچھ ہو رہا تھا، میرے سامنے تھا...... قانون شکن پولیس آفیسر تیمور [illegible] اپنے انجام کو پہنچا تھا، لالہ ودے رام مکافات عمل کا شکار ہوا تھا اور اس سے پہلے رانا نزل اور آقا جان جیسے جابر [illegible]

لوگ جیسے جلاد اذیت ناک موت کے منہ میں گئے تھے۔

بے شک ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ عیاشیوں، بد انتظامیوں اور ناانصافیوں والی زندگی زیادہ طویل نہیں ہوتی اگر ہو بھی تو وہ طویل زندگی نہیں طویل عذاب ہوتا ہے۔

میرا ذہن کچھ عرصہ پیچھے چلا گیا۔ اپنی سفاک بہن ہاناوانی کے ستم کا شکار ہونے والے محترم حاذق ذکری نے ایک بار کہا تھا۔ ''اکثر جو نظر آرہا ہوتا ہے، وہ ہوتا نہیں، اگر کوئی شخص خدا کے قانونوں کو توڑتا ہے اور خوش بھی نظر آتا ہے تو وہ خوش نہیں ہے۔ وہ شادماں نہیں ہے۔ خوشی کا اصل پیمانہ اندر کی خوشی ہے، ظاہری اسباب نہیں۔''

انہوں نے ذرا توقف کیا تھا اور پھر سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے کہا تھا۔ ''دوستو! میں تمہیں مثال دیتا ہوں۔ عین ممکن ہے کہ نمک کے ساتھ سوکھی روٹی کھا کر ٹھنڈا پانی پینے والا...... فائیو اسٹار ہوٹل کے بوفے سے زیادہ مزہ لے رہا ہو اور عین ممکن ہے کہ پیٹ سے گھٹنے جوڑ کر پھٹے پرانے لحاف میں سخت بستر پر سونے والا، ائرکنڈیشنڈ گرم روم میں گداز گدوں پر استراحت کرنے والوں سے زیادہ آرام میں ہو اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ کسی راجا اندر کی طرح حسیناؤں کے جھرمٹ میں گھرے ہوئے شہزادے سے، وہ عام شخص زندگی سے زیادہ حظ اٹھا رہا ہو جسے معمولی صورت والی باوفا شریکِ حیات نصیب ہے......''

سہ پہر کے وقت فرزو مجھے وہ مخصوص سکون بخش دوا بھی کھلانے آئی، جو وہ ہر دوسرے روز باقاعدگی سے دیتی تھی۔ اس میڈیکیشن کے بعد دماغ سن سا ہو جاتا تھا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد ساڑی میں لپٹی ہوئی شاروا آگئی۔ اس نے مجھے بتایا کہ ابھی کچھ ہی لمحوں میں مجھے ہال کمرے میں ہاناوانی کے رُوبرو جانا ہوگا۔ ہپناسز کو ''ری نیو'' کرنے کا یہ وہی عمل تھا جو پہلے بھی کئی بار ہو چکا تھا۔ تاہم میں جانتا نہیں تھا کہ آج اس میں بہت کچھ مختلف ہے۔

دس منٹ بعد میں پُراسرار روشنیوں اور ناقابلِ فہم موسیقی والے اسی ہال میں موجود تھا۔ بلند و بالا چھت پر سیاہ چمگادڑوں کی طویل قطار تھی۔ آج اس ہال کمرے میں میرے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ وہ دو گارڈز بھی نہیں تھے جو ہپناسز کے عمل کے وقت بھی ہال میں موجود رہتے تھے۔ میرے دل میں ہر وقت یہ ڈر موجود رہتا تھا کہ کہیں ہاناوانی اپنی طاقتور سجیشن کے ذریعے مجھ پر حاوی نہ ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ اس ہال کمرے میں آکر مخصوص کرسی پر بیٹھتے ہی میں اپنے ذہنی انگوٹھے پر اپنی انگلیوں کی گرفت مضبوط کر دیتا تھا اور خود کو زیادہ سے زیادہ الرٹ [illegible] جاتا تھا۔ میرا پختہ ارادہ ہوتا تھا کہ [illegible] چنگل سے بچانے کے لیے مجھے اپنی [illegible] لوں گا۔ بہرحال اب تک اس کی [illegible] درحقیقت پہلے شدید ترین حملے کے بعد ہاناوانی [illegible] شدت سے حملے نہیں کیے تھے۔ وہ صرف [illegible] تجدید کرتی تھی اور میں کسی نہ کسی طرح اپنا [illegible] کامیاب ہو جاتا تھا۔

اب بھی میں کرسی پر اسکرین کے سامنے [illegible] میں نے عام سے انداز میں اپنے دونوں ہاتھ [illegible] رکھے تھے۔ اس انداز کے سبب میرا ذہنی انگوٹھا میرے بازو کی اوٹ میں آگیا تھا۔ اب میں اس کے ساتھ کچھ بھی کرتا، دیکھنے والوں کی نظر سے او[illegible] رہتا۔

آج ہاناوانی کے فربہ جسم پر کھلا لبادہ نہیں [illegible] قدرے بہتر لباس میں نظر آرہی تھی۔ اس کے جسم پر جڑاؤ زیورات جگمگا رہے تھے۔ پکوڑی باتوں کے [illegible] کی سیاہ عینک اس کے چہرے سے جدا ہو گئی اور سجیشن کا شروع ہوا۔ وہ پہلے چند جملوں کے ساتھ میرے اندر غنودگی کی حالت میں لاتی تھی اور پھر اصل سجیشن شروع کرتی تھی۔ آج سجیشن شروع ہوئی تو میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ یہ خلافِ معمول سجیشن تھی۔ یہ کچھ اس طرح سے آگے بڑھ رہی تھی۔

''ایسٹرن کنگ، تم نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔ کسی سے نہیں...... تم صرف ایک کو چاہتے ہو...... صرف ایک کو...... تمہارے اندر صدیوں کی پیاس ہے اور وہ صرف ایک کے لیے ہے۔''

''جی مادام۔'' میں نے حسبِ معمول غنودہ لہجے میں کہا۔

''تم اسی کی چاہ میں دیوانے ہو۔ وہ جب تم کو ملے گی تو تم اپنی ساری محبتیں، تمام شدتوں کے ساتھ اس پر نچھاور کر دو گے۔''

''جی مادام۔''

اسکرین کے دائیں پورشن پر ایک تصویر نمودار ہوئی۔ یہ ہاناوانی کی تصویر تھی۔ وہ کسی پارٹی میں کھڑی تھی مگر یہ تصویر کوئی پچیس تیس سال پہلے کی تھی۔ وہ جوان تھی اور کسی حد تک خوش شکل بھی۔ وہ اسی لباس میں نظر آرہی تھی جو لباس ہاناوانی نے آج پہن رکھا تھا۔ گہرے سرخ پھولوں والا

بنک جیسی گاؤن، اسی رنگ کا لیس دار دوپٹا کندھے پر
اور ایک ننگی نما لباس جسم کے زیریں حصے پر۔
ہاناوانی اپنے سحر انگیز لہجے میں بولی۔ ''یہ میں ہوں
ایسٹرن..... اور یہ بھی میں ہوں جو تم سے مخاطب ہوں۔
تمہاری ساری چاہتوں، ساری خواہشوں اور زندگی کی
راتوں کا رخ میری طرف ہے..... صرف میری طرف
ہے۔ تم اس بات کو محسوس کرو۔ اس کی گہرائی میں جاؤ.....
اور گہرائی میں..... کچھ اور گہرائی میں..... کیا تم محسوس
کر رہے ہو؟ بولو کیا تم محسوس کر رہے ہو؟''

میں خاموش رہا۔ ست رنگا بھنور نمودار ہونے لگا۔
آج اس میں تاجور نہیں تھی۔ کوئی بھی نہیں تھا۔ فقط ہاناوانی
تھی۔ وہی پچیس تیس سال پہلے کی ہاناوانی۔ میں نے
انگوٹھے کو دبا کر اپنی اذیت میں اضافہ کیا۔ اذیت کی لہریں،
کشش کی لہروں پر غالب آنے لگیں۔ اس بھنور کے رنگ
مدھم پڑنے لگے۔

ہاناوانی نے پھر پوچھا۔ ''بولو ایسٹرن، تم اس چاہت
کو محسوس کر رہے ہو؟ بولو محسوس کر رہے ہو؟''

''ہاں ہاناوانی میں کر رہا ہوں.....''

''میں اسی طرح جوان ہوں..... اسی طرح خوشنما۔ تم
مجھے چھونے کے لیے بے قرار ہو۔ میرے قریب آنے کے
لیے مضطرب ہو..... میں جانتی ہوں، تم کیا چاہتے ہو.....
تمہاری ہر بات جانتی ہوں..... میں تمہاری اس صدیوں کی
پیاس کو سمجھتی ہوں۔ کیا تم بھی اس پیاس کو محسوس کرتے ہو؟''

''جی مادام! میں بھی محسوس کرتا ہوں۔''

وہ ایک عجیب سیشن تھی..... بالکل غیر متوقع۔ وہ کچھ
فقروں کو بار بار دہرا رہی تھی۔ اس کا لہجہ گمبھیر تر ہوتا جا رہا تھا
اور اس کے ساتھ میری دھڑکنیں بھی سر پٹ ہوتی جا رہی
تھیں۔ میرا دل گواہی دینے لگا تھا کہ اونچی دیواروں اور بند
دروازوں کے اندر سے راستہ نکلنے والا ہے۔ اس سفاک
ڈاکٹر تک پہنچنے کا راستہ نکلنے والا ہے۔

☆☆☆

اگلے دو روز زبردست اضطراب میں گزرے۔ ہر
گھڑی یہی لگتا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ شاید ہاناوانی کی
طرف سے مجھے بلاوا آنے والا ہے لیکن کچھ نہیں ہوا۔ نہ ہی
ہاناوانی نے دوبارہ کوئی رابطہ کیا۔

وہ کیا سوچ رہی ہے، کیا پلان کر رہی ہے۔ کچھ سمجھ
میں نہیں آ رہا تھا۔ یہ تو میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ ایک
بد اخلاق اور جنس زدہ عورت ہے۔ اس نے دو یا تین بار ابھی

[illegible]
تھی..... [illegible]
[illegible] تھا، پہلے [illegible]
اسے محسوس [illegible]
[illegible]
ریکولائزر [illegible]
انگوٹھا بھی [illegible]
میں نہیں آتا مسٹر [illegible]
کیوں نہیں؟ اب تم اسے [illegible]
سمجھا نے تھا۔'' بھی [illegible]
ہے۔ آسانی سے تو [illegible]
ٹھیک نہیں ہوتا۔''
''لگتا ہے کہ آپ بہت [illegible]
ایک تو اپنے ہاتھ کو زخمی کر رکھا ہے [illegible]
اسے چوٹ بھی لگوا لیتے ہیں [illegible]
سے یہ ساری جگہ سرخ ہو رہی ہے۔''
میں اسے کیا بتاتا کہ اس انگوٹھے [illegible]
گا ہے بگاہے خود ہی لے کر آتا ہوں۔ [illegible]
بتا بھی دیتا تو شاید وہ یقین نہ کرتی۔ [illegible]
ذریعے اپنے ذہن کو تحویل [illegible]
آسانی سے سمجھ میں آنے والی [illegible]
جسمانی اذیت ہی نہیں تھی۔ میری [illegible]
کردار ادا کر رہی تھی۔
سیشن کے گراؤنڈ فلور کے [illegible]
اکثر ملائیشین گارڈز ہی بیٹھے نظر آتے [illegible]
کوئی فلم یا ڈاکیومنٹری لگی ہوتی تھی [illegible]
دیکھا تو وہ چار مقامی گارڈ موجود [illegible]
ٹاک شو چل رہا تھا۔ [illegible]
اور اس سے متعلقہ باتیں تھیں۔
ایک دانشور [illegible]
پھر کہوں گا [illegible]
ہپناٹزم کی سائنسی حقیقت [illegible]
میں نہیں آئی کہ کوئی [illegible]
کو مطیع کرنے اور اپنی مرضی سے [illegible]

لوگ جیسے جلاد اذیت ناک موت کے منہ میں گئے تھے۔

بے شک ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ عیاشیوں، بداعمالیوں اور ناانصافیوں والی زندگی زیادہ طویل نہیں ہوتی اگر ہو بھی تو وہ طویل زندگی نہیں طویل عذاب ہوتا ہے۔

میرا ذہن کچھ عرصہ پیچھے چلا گیا۔ اپنی سفاک بہن ہاناوانی کے ستم کا شکار ہونے والے محترم حاذق ذکری نے ایک بار کہا تھا۔ ''اکثر جو نظر آ رہا ہوتا ہے، وہ ہوتا نہیں۔ اگر کوئی شخص خدا کے قانونوں کو توڑتا ہے اور خوش بھی نظر آتا ہے تو وہ خوش نہیں ہے۔ وہ شادماں نہیں ہے۔ خوشی کا اصل بیان اندر کی خوشی ہے، ظاہری اسباب نہیں۔''

انہوں نے ذرا توقف کیا تھا اور پھر سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے کہا تھا۔ ''دوستو! میں تمہیں مثال دیتا ہوں۔ عین ممکن ہے کہ نمک کے ساتھ سوکھی روٹی کھا کر ٹھنڈا پانی پینے والا...... فائیو اسٹار ہوٹل کے بوفے سے زیادہ مزہ لے رہا ہو اور عین ممکن ہے کہ پیٹ سے گھٹنے جوڑ کر پھٹے پرانے لحاف میں سخت بستر پر سونے والا، ائرکنڈیشنڈ گرم روم میں گداز گدوں پر استراحت کرنے والوں سے زیادہ آرام میں ہو اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ کسی راجا اندر کی طرح حسیناؤں کے جھرمٹ میں گھرے ہوئے شہزادے سے، وہ عام شخص زندگی سے زیادہ حظ اٹھا رہا ہو جسے معمولی صورت والی باوفا شریکِ حیات نصیب ہے......''

سہ پہر کے وقت فرزہ مجھے وہ مخصوص سکون بخش دوائیں کھلانے آئی، جو وہ ہر دوسرے روز باقاعدگی سے دیتی تھی۔ اس میڈیکیشن کے بعد دماغ سن سا ہو جاتا تھا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد ساڑی میں لپٹی ہوئی شاردا آ گئی۔ اس نے مجھے بتایا کہ ابھی کچھ ہی لمحوں میں مجھے ہال کمرے میں ہاناوانی کے رُوبرو جانا ہوگا۔ ہپناسز کو ''ری نیو'' کرنے کا یہ وہی عمل تھا جو پہلے بھی کئی بار ہو چکا تھا۔ تاہم میں جانتا نہیں تھا کہ آج اس میں بہت کچھ مختلف ہے۔

دس منٹ بعد میں پُراسرار روشنیوں اور ناقابلِ فہم موسیقی والے اسی ہال میں موجود تھا۔ بلند و بالا چھت پر سیاہ چمگادڑوں کی طویل قطار تھی۔ آج اس ہال کمرے میں میرے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ وہ دو گارڈز بھی نہیں تھے جو ہپناسز کے عمل کے وقت بھی ہال میں موجود رہتے تھے۔

میرے دل میں ہر وقت یہ ڈر موجود رہتا تھا کہ کہیں ہاناوانی اپنی طاقتور سیشن کے ذریعے مجھ پر حاوی نہ ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ اس ہال کمرے میں آ کر مخصوص کرسی پر بیٹھتے ہی میں اپنے زخمی انگوٹھے پر اپنی انگلیوں کی گرفت مضبوط کر دیتا تھا اور خود کو زیادہ سے زیادہ اذیت [illegible] جاتا تھا۔ میرا پختہ ارادہ ہوتا تھا کہ [illegible] چنگل سے بچانے کے لیے مجھے اپنا یہ انگوٹھا [illegible] لوں گا۔ بہرحال اب تک اس کی نوبت [illegible] درحقیقت پہلے شدید ترین حملے کے بعد ہاناوانی [illegible] شدت سے حملے نہیں کیے تھے۔ وہ صرف [illegible] تجدید کرتی تھی اور میں کسی نہ کسی طرح اپنا دفاع [illegible] کامیاب ہو جاتا تھا۔

اب بھی میں کرسی پر اسکرین کے سامنے [illegible] میں نے عام سے انداز میں اپنے دونوں ہاتھ [illegible] رکھے تھے۔ اس انداز کے سبب میرا زخمی انگوٹھا میرے بازو کی اوٹ میں آ گیا تھا۔ اب میں اس کے ساتھ کچھ بھی کرتا، دیکھنے والوں کی نظر سے اوجھل رہتا۔

آج ہاناوانی کے فربہ جسم پر کھلا لبادہ نہیں تھا۔ قدرے بہتر لباس میں نظر آ رہی تھی۔ اس کے جسم پر جڑاؤ زیورات جگمگا رہے تھے۔ چھوٹی باتوں کے بعد [illegible] کی سیاہ عینک اس کے چہرے سے جدا ہو گئی اور سیشن [illegible] شروع ہوا۔ وہ پہلے چند جملوں کے ساتھ میرے ذہن کو غنودگی کی حالت میں لاتی تھی اور پھر اصل سیشن شروع کرتی تھی۔ آج سیشن شروع ہوئی تو میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ یہ خلافِ معمول سیشن تھی۔ یہ کچھ اس طرح سے [illegible] بڑھ رہی تھی۔

''ایسٹرن کنگ، تم نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔ کسی سے نہیں...... تم صرف ایک کو چاہتے ہو...... صرف ایک کو...... تمہارے اندر صدیوں کی پیاس ہے اور وہ صرف ایک کے لیے ہے۔''

''جی مادام۔'' میں نے حسبِ معمول غنودہ لہجے میں کہا۔

''تم اسی کی چاہ میں دیوانے ہو۔ وہ جب تم کو ملے گی تو تم اپنی ساری محبتیں، تمام شدتوں کے ساتھ اس پر نچھاور کر دو گے۔''

''جی مادام۔''

اسکرین کے دائیں پورشن پر ایک تصویر نمودار ہوئی۔ یہ ہاناوانی کی تصویر تھی۔ وہ کسی باغ میں کھڑی تھی مگر یہ تصویر کوئی پچیس تیس سال پہلے کی تھی۔ وہ جوان تھی اور کسی حد تک خوش شکل بھی۔ وہ اسی لباس میں نظر آ رہی تھی جو لبادہ ہاناوانی نے آج پہن رکھا تھا۔ گہرے سرخ پھولوں وا

ایک پنک گاؤن، اسی رنگ کا لیس دار دوپٹا گلے میں۔
وہ ایک نئی تنا لباس جسم کے زیریں حصے پر۔
ہاناوانی اپنے سحر انگیز لہجے میں بولی۔ ”یہ میں ہوں ایسٹرن ...... اور یہ بھی میں ہوں جو تم سے مخاطب ہوں۔ تمہاری ساری چاہتوں، ساری خواہشوں اور زندگی کی دوڑوں کا رخ میری طرف ہے...... صرف میری طرف ہے۔ تم اس بات کو محسوس کرو۔ اس کی گہرائی میں جاؤ...... اور گہرائی میں...... کچھ اور گہرائی میں...... کیا تم محسوس کررہے ہو؟ بولو کیا تم محسوس کررہے ہو؟“

میں خاموش رہا۔ ست رنگا بھنور نمودار ہونے لگا۔ آج اس میں تاجور نہیں تھی۔ کوئی بھی نہیں تھا۔ فقط ہاناوانی تھی۔ وہی پچیس تیس سال پہلے کی ہاناوانی۔ میں نے انگوٹھے کو دبا کر اپنی اذیت میں اضافہ کیا۔ اذیت کی لہریں، کشش کی لہروں پر غالب آنے لگیں۔ اس بھنور کے رنگ مدھم پڑنے لگے۔

ہاناوانی نے پھر پوچھا۔ ”بولو ایسٹرن، تم اس چاہت کو محسوس کررہے ہو؟ بولو محسوس کررہے ہو؟“

”ہاں ہاناوانی میں کررہا ہوں......“

”میں اسی طرح جوان ہوں...... اسی طرح خوشنما۔ تم مجھے چھونے کے لیے بے قرار ہو۔ میرے قریب آنے کے لیے مضطرب ہو...... میں جانتی ہوں، تم کیا چاہتے ہو...... میں ہر بات جانتی ہوں...... میں تمہاری اس صدیوں کی دائمی پیاس کو سمجھتی ہوں۔ کیا تم بھی اس پیاس کو محسوس کرتے ہو؟“

”جی مادام میں بھی محسوس کرتا ہوں۔“

وہ ایک عجیب سیشن تھی...... بالکل غیر متوقع۔ وہ کچھ فقروں کو بار بار دہرا رہی تھی۔ اس کا لہجہ گمبھیر تر ہوتا جارہا تھا اور اس کے ساتھ میری دھڑکنیں بھی سرپٹ ہوتی جارہی تھیں۔ میرا دل گواہی دینے لگا تھا کہ اونچی دیواروں اور بند دروازوں کے اندر سے راستہ نکلنے والا ہے۔ اس سفاک چنگل تک پہنچنے کا راستہ نکلنے والا ہے۔

☆☆☆

اگلے دو روز زبردست اضطراب میں گزرے۔ ہر گھڑی یہی لگتا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ شاید ہاناوانی کی طرف سے مجھے بلاوا آنے والا ہے لیکن کچھ نہیں ہوا۔ نہ ہی ہاناوانی نے دوبارہ کوئی رابطہ کیا۔

وہ کیا سوچ رہی ہے، کیا پلان کررہی ہے۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ یہ تو میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ ایک ذہین اور شاطر عورت ہے۔ اس نے دو یا تین بیان بھی

[illegible]

اسے تم سے پیچھے ہٹایا ہوا تھا۔

بولے سے تو والی [illegible]

ٹریکولائزر دینے کے لیے آئی [illegible] انگوٹھا بھی دیکھی تھی۔ [illegible] میں نہیں آتا مسٹر ایسٹرن! آپ [illegible] کیوں نہیں؟ آپ تو اسے [illegible]

میں نے کہا۔ ”جی [illegible] ہے۔ آسانی سے نو ٹھا نہیں [illegible] ٹھیک نہیں ہوتا۔“

”لگتا ہے کہ آپ بہت [illegible] ایک تو اپنے ہاتھ کو ننگا کر رکھتے ہیں [illegible] اسے چوٹ بھی لگوا لیتے ہیں۔ اب [illegible] سے یہ ساری جگہ سرخ ہو رہی ہے۔“

میں اسے کیا بتاتا کہ اس انگوٹھے [illegible] گا ہے بگاہے خود ہی لے کر آتا ہوں۔ [illegible] بتا بھی دیتا تو شاید وہ یقین نہ کرتی۔ [illegible] ذریعے اپنے ذہن کو تحریک کا عمل ہے [illegible] آسانی سے سمجھ میں آنے والی نہیں [illegible] جسمانی اذیت ہی نہیں تھی۔ میری [illegible] کردار ادا کررہی تھی۔

سیشن کے گرد [illegible]

اکثر ملا سیشن کا وقت ہی جیسے [illegible] کوئی فلم یا ڈاکیومنٹری لگی ہوئی تھی [illegible] دیکھا تو دو چار مقامی عمارتوں [illegible] ہاک شو چل رہا تھا۔ [illegible]

اور اس سے مختلف [illegible]

ایک دانشور [illegible]

پھر کہوں [illegible]

پیناٹرم کی [illegible]

میں نہیں آتی کہ کوئی [illegible]

کو مطلع کرے اور [illegible]

انسان کا ذہن اور ہے، حیوانات کا اور۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ سب کچھ کسی جرائم پیشہ گروہ کی پلاننگ ہے۔ یہ ایک خاص نسل کے طوطے اور خاص نسل کی چمگادڑیں ہیں، ان کو دہشت پھیلانے کے لیے ''ٹرینڈ'' کیا گیا ہے، ہم اس میں خواہ مخواہ ہپناٹزم کو گھسیٹ رہے ہیں، اگر یہ فضولیات.....''

''یہ فضولیات نہیں ہیں۔'' سامنے بیٹھے ہوئے ماہر نے گرج کر اپنے مدِمقابل کی بات کاٹی۔ ''ہپناٹزم کو بکواس کہنے والے کی اپنی عقل پر سوالیہ نشان ہے۔ ہپناسز بے شمار شکلوں میں ہمارے سامنے ہے اور ہم ہر روز اسے دیکھتے ہیں۔ کسی کہانی میں جذب ہو جانا، رو پڑنا اور ہنس دینا..... فلم کے کسی منظر کو دیکھ کر سکتہ زدہ رہ جانا..... کسی پُراثر مقرر کی جوشیلی تقریر کو سننا اور سینے پر گولی کھانے کے لیے تیار ہو جانا، ہپناسز نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اور اب تو ہپناسز کو باقاعدہ نفسیاتی بحالی اور دیگر علاج معالجے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔''

اینکر پرسن نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ''میرا خیال ہے ہماری گفتگو دوسرے رخ پر چل گئی ہے..... ہم اس پُراسرار خاتون کی بات کر رہے تھے جو جزیرہ جاماجی سے یہاں پہنچی ہے اور کہا جا رہا ہے کہ وہ وہاں اہم سیاسی اور انتظامی حیثیت رکھتی ہے۔''

ایک شریکِ گفتگو نے بڑی ٹھہری آواز میں کہا۔ ''فوزیہ! اہم سیاسی حیثیت کوئی نہیں۔ میرے پاس ساری معلومات موجود ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے جاماجی میں جو زبردست اکھاڑ پچھاڑ ہوئی، اس کے بعد بانا وانی نامی اس عورت کا اقتدار، جاماجی کے ایک چھوٹے سے علاقے پر باقی رہ گیا ہے۔ اس عورت اور اس کے بیٹے رائے زل کی اخلاقیات پر ہمیشہ سے سوال اٹھائے جاتے رہے ہیں۔''

اینکر پرسن نے پھر مداخلت کی۔ ''یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بانا وانی نے طویل چلے کاٹے ہیں اور وہ پُراسرار علوم میں مہارت رکھتی ہے۔''

''آپ کی چلوں والی بات درست ہے فوزیہ! یہ بات تصدیق شدہ ہے کہ یہ عورت اپنی طویل چلہ کشی کے دوران میں ایک کھلی قبر کے اندر بیٹھ کر راتیں گزارتی رہی ہے۔ جہاں تک پُراسرار علوم کی بات ہے تو اس میں افواہیں زیادہ ہیں، میری ذاتی رائے میں حقیقت صرف یہ ہے کہ وہ ہپناسز میں غیر معمولی مہارت رکھتی ہے، دیکھیں، میں ''غیر معمولی'' کا لفظ استعمال کر رہا ہوں۔ ہر فن، ہنر اور صلاحیت کے میدان میں کچھ لوگ ''ایکسٹرا آرڈینری'' ہوتے ہیں..... یہ عورت.....''

اینکر پرسن نے پھر مداخلت کی کوشش کی..... بات اچک کر بولی۔ ''یہ عورت جو کچھ کر رہی ہے اس کے پیچھے انتقام کا جذبہ ہے۔ ہمارے پاس وقت کم ہے پروفیسر صاحب، آخری دو منٹ میں آپ اس کے رویے کے بارے میں کچھ بتا دیں۔''

پروفیسر صاحب کافی دیر سے اپنے بولنے کی باری کا انتظار کر رہے تھے فوراً بولے۔ ''میں جس نتیجے تک میں پہنچ پایا ہوں یہ عورت فطرتاً ظالم ہے۔ ماضی میں اس نے اپنے ایک خاوند کو مارا۔ ایک مقامی صحافی کو جھوٹے مقدمے میں پھنسا کر اس لیے پھانسی پر چڑھایا کہ وہ اس کے میاں کے کرتوتوں پر انگلی اٹھاتا تھا۔ اس نے کئی موقعوں پر اپنی غیر معمولی صلاحیت کو اپنے حریفوں کو مارنے کے لیے استعمال کیا، اس کی ایک حالیہ مثال اس کے اپنے بھائی حاذق ذکری کا قتل ہے۔''

شاید یہ بحث کچھ دیر مزید جاری رہتی مگر ایک منٹ بعد ٹاک شو کا ٹائم ختم ہو گیا اور اینکر پرسن نے بات لپیٹ کر اجازت طلب کر لی۔

دو گارڈز کی عقابی نگاہیں مسلسل مجھ سے چپکی ہوئی تھیں۔ میں اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ آج کل مجھے پُرتکلف اور مرغن کھانا دیا جا رہا تھا مگر اخبار اور فاریہ کی موت دیکھنے کے بعد میری بھوک جیسے مر کر رہ گئی تھی۔ پھر بھی دکھانے کے لیے کچھ نہ کچھ تو اندر ٹھونسنا ہی پڑتا تھا۔ آج کا میرا ڈنر، روسٹ چکن، سبزی پلاؤ اور جاماجی کے خاص کباب پر مشتمل تھا۔ ڈنر کے بعد میں ذرا چہل قدمی کے لیے لان کی طرف نکل آیا۔ یکایک ایک چھناکا سنائی دیا اور کسی نے عقب سے مجھے دبوچ لیا۔

میرے سر پر جیسے کسی نے بم پھوڑ دیا تھا۔ یہ گھرو تھا جو مجھ پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس نے مجھے یوں جکڑا تھا کہ میرے دونوں بازو بھی اس کی گرفت میں آ گئے تھے۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں پلک جھپکنے میں اس کا شکنجہ توڑ دیتا مگر گھرو تھا اور وہ جنونی کیفیت میں تھا۔

اس نے مجھے اٹھا کر دیوار سے پٹخا..... مگر اپنے بازوؤں کا شکنجہ ڈھیلا نہیں ہونے دیا۔ وہ دہاڑ رہا تھا۔ ''تم نے مارا تھا میری بیوی کو اور بچے کو۔ تم قاتل ہو، میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ قبر تک تمہارا پیچھا کروں گا۔''

میرا سر پھٹ گیا تھا۔ ٹرینکولائزرز کے سبب

تو یہ مزاحمت پہلے ہی بہتر نہیں تھی۔ فخر جیسے فائٹر کو زیادہ وقت دینا ٹھیک نہیں تھا۔ میں تیزی سے الٹے قدموں پیچھے ہٹا اور فخر کو ایک ستون سے ٹکرا دیا۔ اس کی گرفت ڈھیلی پڑی۔ میں نے نیچے جھک کر اس کی ٹانگ پکڑ لی اور اسے پشت کے بل گرا دیا۔ میں بھی پشت کے بل اس کے اوپر تھا۔ پلٹنا مشکل تھا مگر میں کسی طرح پلٹ گیا۔ میرا سخت مُکا اس کے جبڑے پر پڑا۔ اس نے نیچے پڑے پڑے مجھے سر کی ضرب لگانے کی کوشش کی مگر ناکام ہوا۔ میں نے دیکھا اس کی گردن پر لگے ہوئے دو تین ٹانکے کھل گئے تھے..... پھر بھی اس کا جوش و خروش غیر معمولی تھا۔

یونیفارم میں ملبوس کیپٹن فرزہ چلاتی ہوئی آگے بڑھی۔ اس کے ساتھ تین چار مسلح گارڈز بھی تھے۔ فرزہ میرے اور فخر کے درمیان آگئی۔ گارڈز نے فخر کو جکڑ لیا۔ میں پیچھے ہٹنے میں کامیاب ہو گیا۔ فخر کی آنکھوں میں شعلے رقص کر رہے تھے۔ ویسے ہی شعلے جو فارس کی جان لیتے وقت اس کی آنکھوں میں رقصاں تھے۔ ”تم قاتل ہو..... تم قاتل ہو۔“ وہ دہاڑ رہا تھا۔

گارڈز جونکوں کی طرح اس سے چمٹ گئے اور اسے کھینچ کر اندر لے گئے۔

”یہ پتا نہیں کیسے باہر نکل آیا۔“ فرزہ بڑبڑائی اور میرے سر کی چوٹ کو دیکھنے لگی۔ چوٹ تو آئی تھی مگر زخم زیادہ نہیں تھا۔ کمرے میں میرے سر پر بینڈیج چپکاتے ہوئے بھی وہ ترحم آمیز نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ کر نہیں سکتی تھی لیکن بڑی اچھی طرح جانتی تھی کہ اس سینٹر میں اپنے بدترین دشمن کے نرغے میں ہوں۔

کیپٹن فرزہ کے جانے کے بعد میں بستر پر لیٹ گیا اور فخر کی بدترین حالت پر کڑھنے لگا۔ یہ سامنے کی بات تھی کہ جس طرح میرے ذہن میں میرے ساتھیوں کے خلاف زہر بھرنے کی کوشش کی گئی تھی اسی طرح فخر اور فارس وغیرہ کے ذہنوں میں بھی زہر بھرا گیا تھا۔ فخر کی بیوی اور دو ماہ کا بچہ برسوں پہلے ڈنمارک میں ایک کار ایکسیڈنٹ میں جان سے گئے تھے اور وہ واقعی ایک کار ایکسیڈنٹ تھا لیکن آج فخر بالکل بے بنیاد طریقے سے ان دو اموات کا ذمے دار مجھے قرار دے رہا تھا۔

آہ..... پتا نہیں کہ ستم گر حالات کی زبان سے ابھی مجھے کیا کیا سننا تھا اور کیا کیا دیکھنا تھا۔

اس سے اگلے روز کیپٹن فرزہ کی زبانی ہی مجھے پتا چلا کہ ایک گارڈ کی غلطی کی وجہ سے گراؤنڈ فلور کے اس پورشن کا

دروازہ کھلا رہ گیا تھا جہاں فخر کو رکھا گیا تھا..... وہ باہر آیا اور مجھے دیکھ کر اس کا طیش عروج کو پہنچ گیا تھا۔ اسی روز شام کے وقت ہاناوانی نے پھر مجھے سیشن کے لیے ہال میں طلب کر لیا۔ اس مرتبہ بھی وہاں میرے اور ہاناوانی کے سوا اور کوئی نہیں تھا (ہاناوانی LIVE موجود نہیں تھی، پہلے کی طرح لارج سائز کی ایل سی ڈی پر تھی)۔ وہ اسی لباس اور گیٹ اپ میں تھی جو پچھلی مرتبہ نظر آیا تھا۔ اس کی گفتگو کا انداز بھی وہی تھا۔ کچھ اس طرح کے فقرے تھے جو وہ دہرا رہی تھی۔

”تم مجھے چھونے کے لیے بے قرار ہو..... میرے قریب آنے کے لیے مضطرب ہو۔“

”میں جانتی ہوں تم کیا چاہتے ہو اور تم جانتے ہو میں کیا چاہتی ہوں۔“

”میں تمہاری مدتوں کی پیاس کو سمجھتی ہوں۔ تم بھی اس پیاس کو محسوس کرو۔ گہرائی میں جا کر مزید گہرائی میں.....“

میرے جسم پر چیونٹیاں سی رینگتی رہیں..... میں کشش کے حصار میں تھا۔ تاہم اس کشش کی شدت پچھلی دفعہ سے کچھ کم تھی۔ میں اس کا مقابلہ کرنے میں کامیاب رہا اور اپنے لگژری روم میں واپس پلٹ آیا۔ خود کو نڈھال سا ظاہر کرتے ہوئے بستر پر دراز ہو گیا۔ میری نقاہت کی یہ کیفیت بالکل مصنوعی بھی نہیں تھی۔ جب میں ہاناوانی کے اسرار کا سامنا کر کے آتا تھا تو وقتی طور پر رگ و پے میں ایک ناتوانی سی محسوس ہوتی تھی۔ اس میں کچھ عمل دخل ان نشہ آور دواؤں کا بھی تھا جو ہر دوسرے روز باقاعدگی سے مجھے دی جاتی تھیں۔

وہ ہفتے کی شام تھی۔ میرے کمرے کی کھڑکی سے باہر مغربی افق پر سرخی پھیلی ہوئی تھی اور دسمبر کا سورج اپنا مختصر سفر ختم کر کے چہرہ چھپا چکا تھا۔ بے شک میں مضافاتی علاقے میں تھا مگر یہ لاہور کے ہی مضافات تھے، یہ لاہور کا آسمان تھا، یہ لاہور کا موسم تھا۔ یہیں لاہور میں کہیں بھاؤ کی کسی پناہ گاہ میں ہی سجاول موجود تھا..... ولید اور رضوان بھی موجود تھے..... اور زینت بھی، پیاری سی گڑیا سی شہزادی، جو اب ہر ہائی نس کہلاتی تھی۔ وہ مجھ سے ملنے پاکستان آئی تھی اور اب پھنس گئی تھی۔ بہرحال مجھے وادو بھاؤ کی ذات پر اعتبار تھا۔ اس نے ان کی حفاظت کا بیڑا اٹھا رکھا تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ حفاظت کر کے دکھائے گا۔

اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ میں چونک گیا۔

کیپٹن فرزد نے آکر مجھے اطلاع دی کہ آج مجھے پھر بابا والی سے ملنا ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ یہ ملاقات ہال میں نہیں کسی اور جگہ ہوگی۔ میرے سینے میں میرا دل جیسے پسلیاں توڑ کر باہر نکلنے کے لیے بے تاب ہو گیا۔ شاید وہ وقت آ گیا تھا جس کا انتظار تھا۔ فرزد کی آنکھوں میں مجھے اپنے لیے افسردگی اور یاس کی جھلک دکھائی دی۔ پہلی دفعہ میری آنکھوں پر پٹی باندھی گئی۔ مجھے اس وسیع وعریض مینشن کے مختلف کوریڈورز سے گزار کر سیڑھیوں پر لایا گیا۔ سیڑھیاں چڑھ کر میں اس مینشن کی تیسری منزل پر آ گیا۔

یہاں مکمل خاموشی تھی اور یہ جگہ سینٹرلی ایئرکنڈیشنڈ تھی۔ قدموں کی چاپ بلند چھتوں کے نیچے گونجتی محسوس ہوتی تھی۔ پہرے دار بہت دھیمی آواز میں بات کرتے تھے۔ مجھے ایک قالین پوش راہداری میں پہنچایا گیا اور پھر کئی دروازوں سے گزار کر ایک کشادہ کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں مجھے بھاپ کی خوشگوار حرارت محسوس ہوئی۔ مجھے تھام کر یہاں لانے والے گارڈز نے میری آنکھوں کی پٹی کھول دی۔ میں نے اردگرد دیکھا اور حیران ہوا۔ یہ ایک حمام کی سی شکل تھی۔ یہاں ایک بھاپ مشین سے بھاپ نکلتی تھی اور پورے کمرے کو بھرتی تھی۔ یہاں چھوٹی چھوٹی آنکھوں اور چپٹی ناک والی چار چائنیز لڑکیاں موجود تھیں۔ ایک لڑکی جو انچارج نظر آتی تھی، میرے پاس آئی اور انگلش میں گویا ہوئی۔ "آپ اپنے بال ترشوا لیجیے۔"

میں نے اثبات میں جواب دینا ہی مناسب سمجھا۔ میں اس موقع پر ذرا سی غلطی کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ ایک مشاق لڑکی نے میری شیو کی اور دوسری نے میرے سر کے چھوٹے سے زخم سے میڈیکل ٹیپ اتار کر میرے سر کے بال تراش دیے۔ اس کے بعد مجھے غسل کا مشورہ دیا گیا۔ میں حمام کے اس حصے میں چلا گیا جو غسل کے لیے مخصوص تھا۔ اس واش روم کے اندر ہی ایک وسیع وارڈ روب بھی تھی جہاں میرے سائز کے قریباً ایک درجن لباس موجود تھے۔ یہ وہی لباس تھے جو چند دن پہلے میں نے شارووا کے ساتھ مل کر منتخب کیے تھے۔ میں نے ان میں سے ایک لباس پہن لیا۔ یہ ملائیشین طرز کا ایک دھاری دار گاؤن اور ٹراؤزر تھا۔ ایک ریک پر پیرس کی بہترین خوشبوئیں موجود تھیں۔ میں نے ایک پرفیوم WHITE MUSK کے چند اسپرے استعمال کیے۔ اس کے بعد میں ڈریسنگ روم سے باہر آ گیا۔

لڑکیاں بالکل خاموش تھیں مگر ان کی آنکھوں میں دبی دبی مسکراہٹ جھلک دکھائی دی۔ [illegible] کا اثر تھا یا یہاں موجود بھاپ میں کوئی [illegible] شامل تھی، میرا دماغ سنسنا رہا تھا۔

میں نے نیم باز آنکھوں سے انچارج [illegible] پوچھا۔ "مادام سے ملاقات کب ہوگی؟"

وہ دھیمے سے مسکرائی۔ "تھوڑا انتظار [illegible] یہاں بیٹھیں۔" اس نے ایک آرام دہ [illegible] طرف اشارہ کیا۔ میں وہاں گداز [illegible] یہاں بھاپ کے اثرات نہیں تھے۔ [illegible] وہی پورٹریٹ لگی ہوئی تھی جو اس مینشن [illegible] تھی۔ یہ ریچھ نما رانے زل کی تصویر تھی۔ [illegible] "دلخت جگر" انچارج لڑکی نے میرے سامنے [illegible] ایک سربمہر بوتل رکھ دی۔ یہ نہایت پرانی اور [illegible] میرے اشارے پر اس نے بوتل کھول کر ایک جام [illegible] ایک طرف ہٹ کر ادب سے کھڑی ہو گئی۔ میں [illegible] چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگا...... میری بے چینی [illegible] چھپ رہی تھی۔ گزرنے والی ہر ساعت ایک صدی [illegible] تھی۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ بالآخر وہ لمحات آ رہے ہیں جن کا انتظار میں شب و روز کر رہا تھا۔ [illegible] ایک ہی دھڑکا تھا۔ ان آخری لمحوں میں مجھ سے کوئی [illegible] ہو جائے...... میرے ظاہر اور باطن کا فرق آشکار [illegible] جائے۔

انتظار بڑا کٹھن تھا۔ یوں لگتا تھا کہ گھڑی کی چلنے والی سوئیاں آج تھم گئی ہیں۔ ایسا انتظار شاید میں نے کبھی کیا ہو۔ تب ایک مدھم بزر سنائی دیا۔ انچارج لڑکی گئی اور چند ہی سیکنڈ بعد واپس آ گئی۔ مجھے اندر جانے کا اذن مل چکا تھا۔

میں دبیز قالین پر ننگے پاؤں چلتا ایک بھاری چوبی دروازے کے سامنے پہنچا۔ [illegible] دروازہ ہولے سے دھکیلا تو وہ بے آواز کھلتا چلا گیا۔ یہ ایک ہیکساگونی کمرا تھا۔ یہاں [illegible] ہوئی بہت مدھم روشنی تھی۔ سب سے پہلے میری نگاہ بابا والی پر ہی پڑی۔ ایک بہت بڑے بیڈ پر بڑی تمکنت سے نیم دراز تھی۔ [illegible] کہ مجھے اس کے فربہ چہرے پر سیاہ چشمہ نظر [illegible] اس ہیکساگونی شکل کے کمرے میں اکثر چیزیں شفاف شیشے کی تھیں۔ شیشے کی تپائیاں، شیشے کی کرسیاں، ریکس حتیٰ کہ شیشے کا [illegible] بیڈ جس کا صرف [illegible]

"دروازہ بند کر دو اور ادھر آ جاؤ [illegible]۔"

دروازہ بولٹ کر کے میں اس کے قریب چلا گیا۔ پوری کی کرتا دھرتا، ایک بدنام ترین ہپناٹسٹ، کھلی قبر میں ٹانگیں لٹکا کر زندگی گزارنے والی عالمہ، ہاناوانی مجھ سے صرف تین چار فٹ کے فاصلے پر تھی۔ شیشے کے فرنیچر کے بعد اس کے کمرے میں مجھے جو دوسری خاص چیز دکھائی دی، وہ ہاناوانی کی تصویریں تھیں بلکہ یہ ایک ہی تصویر تھی جو سفید دیواروں پر مختلف جگہوں پر مختلف سائزوں میں آویزاں تھی۔ یہ وہی تصویر تھی جو ہاناوانی نے سیشن کے دوران میں مجھے دکھائی تھی۔ اس کی جوانی کی تصویر۔ بیڈ پر نیم دراز ہاناوانی نے اسی طرز کا لباس پہن رکھا تھا جو اس تصویر میں تھا...... بالوں کی بناوٹ اور زیورات کا انداز بھی وہی تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ تصویر اور سامنے لیٹی ہوئی ''بھدی بلا'' ہاناوانی کی عمروں میں پچیس تیس سال کا فرق تھا۔

''میرے لیے ڈرنک بناؤ ایسٹرن۔'' اس نے حاکمانہ انداز میں کہا اور شیشے کی تپائی کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے دیکھا، یہاں بھی شراب کی ویسی ہی بوتل تھی جو میں نے باہر کیبن میں دیکھی تھی۔ اس کے لیبل پر قریباً تیس سال پرانی تاریخ تھی۔ یعنی اسی وقت کی شراب جب یہ آتش خود بھی جوان تھی۔ میں نے ایک پیگ بنایا اور اسے پیش کیا۔

وہ میری طرف دھیان سے دیکھنے اور چسکیاں لینے لگی۔ اس کی آنکھیں کوئی عام آنکھیں نہیں تھیں۔ یہ ایک خطرناک ترین ساحرہ کی آنکھیں تھیں۔ میں نے گڑبڑا کر نظریں جھکالیں۔ یہ خدشہ سوہانِ روح تھا کہ کہیں اس ساحرہ کی جگر پاش نگاہیں میرے ''اندر'' سے آگاہ نہ ہو جائیں۔ اس نے مجھے کہیں بیٹھنے کے لیے نہیں کہا۔ میں کھڑا رہا اور وہ نیم دراز چسکیاں لیتی رہی۔ ''میری ٹانگیں دباؤ گے؟'' اس نے سوالیہ لیکن حقیقتاً حکمیہ لہجے میں کہا۔

میں اس کی پائنتی کی طرف بیٹھ کر اس کی پلپلی پنڈلیاں دبانے لگا۔ سینے میں شعلے رقصاں تھے۔ یہی عورت تھی..... ہاں یہی عورت تھی...... جس نے پچھلے چند ماہ میں مجھے ناقابلِ بیان زخم لگائے تھے۔ آج وہ میرے رُوبرو تھی، میں اسے چھو رہا تھا۔

اس نے اپنی ایک ٹانگ ذرا سا اٹھائی اور اپنے پاؤں سے میرے رخسار کو چھوا، جیسے وہ پاؤں نہ ہو اس کا ہاتھ ہو اور وہ میرے رخسار کو سہلا رہی ہو۔ میں اردگرد کا جائزہ لے چکا تھا اور شاید میرا اندیشہ کو بالائے طاق بھی رکھ چکا تھا۔ بعد میں کیا ہو جاتا ہے، یہ میں اپنے دماغ سے نکال چکا تھا۔ اس نے تکیے کی ٹیک چھوڑی اور ہاتھ آگے بڑھا کر میرے بالوں میں اپنی انگلیاں چلائیں۔ اس کی نگاہوں کی منتقمانہ تپش میں اپنے چہرے پر محسوس کر رہا تھا۔ قدرے جارحانہ انداز میں اس نے میرے بال مٹھی میں جکڑے اور مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ یہ تہلکہ خیز لمحے تھے۔ میں نے اس کے بھاری وجود کو اپنی بانہوں میں لے لیا۔ دایاں بازو اس کی گردن کے گرد حائل تھا۔ یہ قربت کی گرفت نہیں تھی، یہ نفرت کی گرفت تھی جو اس عورت کے لیے میرے روئیں روئیں میں سرایت کر چکی تھی۔ جب یہ گرفت سخت ہونا شروع ہوئی تو ہاناوانی کے چہرے کا رنگ بدلا — اس کی آنکھیں کچھ زیادہ کھل گئیں..... اگلے دو یا تین سیکنڈ شاید ہاناوانی کی زندگی کے حیرت ناک ترین سیکنڈ تھے۔ اس کی گردن میرے بازو کے بے رحم شکنجے میں کسی جا چکی تھی۔ وہ کسی بہت بڑی ڈولفن مچھلی کی طرح تڑپی۔

میں نے اس کے منہ پر تھوکا۔ ''حرام زادی! تو میرے انیق کی قاتل ہے، تو میرے ساتھیوں کی قاتل ہے..... اور آج تیرے حساب کی رات ہے۔''

میری گرفت سخت تر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ کوئی اور ہوتا تو اس کی گردن ٹوٹنے کے قریب ہوتی لیکن یہ گردن کسی درخت کے تنے جیسی تھی۔ اچانک وہ ہوا جس کی مجھے توقع نہیں تھی۔ یکا یک اس پُرفسوں کمرے کے ایک نیم تاریک گوشے میں تیز سرسراہٹ ہوئی پھر وہی جہازی سائز کی سیاہ بلی برآمد ہوئی جسے میں نے اکثر ہاناوانی کے پاؤں میں بیٹھے دیکھا تھا۔ وہ بلا مبالغہ کسی درمیانی سائز کے لیوپارڈ یا چیتے کی قامت رکھتی تھی۔ ایک کریہہ آواز کے ساتھ وہ مجھ پر جھپٹی۔ میں نے اس کے تیز پنجوں کی چبھن اپنی پشت پر محسوس کی۔ میں ہاناوانی کے بھاری جسم سمیت پلٹا۔ یوں پلٹنے سے میں ہاناوانی سمیت شیشے کی تپائی پر گرا۔ تپائی کے ٹکڑے ہو گئے۔ اب ہاناوانی ڈھال کی طرح میرے اوپر تھی اور میں پشت کے بل قالین پر تھا۔ بالشت بھر کھڑے کانوں والا یہ بلی نما خوفناک جانور میرے چاروں طرف گھوما اور پھر بائیں پہلو سے مجھ پر حملہ آور ہوا۔ میں نے اپنی پسلیوں سے اوپر کے گوشت پر اس کے نوکیلے دانتوں کی پکڑ محسوس کی۔ دوسری طرف ہاناوانی میری گرفت سے نکلنے کے لیے پورا زور لگا رہی تھی۔ میرے دائیں ہاتھ کی گرفت میں شیشے کی تپائی کا ایک ٹکڑا آ گیا۔ یہ ایک مضبوط پایہ تھا جس کے اگلے حصے نے ٹوٹ کر برچھی کی شکل اختیار کر لی تھی۔ میں نے پوری وحشت

سے یہ پایہ بدبودار سیاہ جانور کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ اس نے ایک بار پھر کریہہ آواز نکالی اور ایک طرف لڑھک کر تڑپنا شروع کر دیا۔ دہشت کے عالم میں، میں نے دوسرا وار ہاتاوانی پر کیا۔ سخت شیشے کا قریباً ڈھائی فٹ لمبا نکیلا ٹکڑا قریباً ایک فٹ تک ہاتاوانی کی انتڑیوں میں گھس گیا۔ وہ کسی بدروح کی طرح چلائی اور خون کا گرم فوارہ میرے سینے پر گرا۔ اس کا خون دیکھ کر میں جیسے دیوانہ سا ہو گیا۔ میں اسے پلٹ کر اس کے اوپر آ گیا۔ ایک اور وار میں نے اس کے سینے پر کیا جو اچٹتا ہوا اس کے کندھے کی طرف گیا اور شیشے کی برچھی اس کے جسم میں گھس گئی۔ ہاتاوانی کی آنکھوں میں تحیر جیسے منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کا سراپا خون میں لت پت ہو رہا تھا۔

یہی وقت تھا جب ہاتاوانی کی خاص خادمائیں چلاتی ہوئی اس بیڈ روم میں گھس آئیں، ان کے عقب میں مسلح گارڈز تھے۔ اب کسی بھی لمحے مجھ پر فائرنگ ہو سکتی تھی۔ میں اٹھ کر کھڑکیوں کی طرف دوڑا، اور تڑپتے پھڑکتے بلی نما جانور کو پھلانگتا ہوا ایک دیوار گیر شیشے سے ٹکرایا۔ شیشے کو توڑتا ہوا میں ایک بالکونی میں گرا۔ ایک ملائیشین شکل و صورت والا ہٹا کٹا گارڈ بھاگتا ہوا میری طرف آیا۔ ساتھ ساتھ وہ اپنے کندھے سے رائفل اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شیشے کا مضبوط پایہ ابھی تک میرے ہاتھ میں تھا۔ بس اس کا برچھی نما سرا آگے سے ٹوٹ گیا تھا۔ میں نے یہ پایہ گھما کر گارڈ کے چہرے پر رسید کیا۔ وہ تیسری منزل کی اس بالکونی سے الٹ کر نیچے گرا۔ اس کی آخری آواز بھیانک تھی۔

کسی پاس والے کمرے سے کوئی ملازمہ دہشت زدہ آواز میں چلا رہی تھی۔ ”سیکیورٹی سیکیورٹی۔“

میں مخالف سمت میں دوڑا اور ایک بلند دروازہ کھول کر ایک چھوٹے سے بیڈ روم میں گھس گیا۔ یہ کمرا غالباً سیکیورٹی گارڈز کے سونے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ فی الوقت یہاں صرف ایک گارڈ موجود تھا اور وہ بھی شاید شوروغل سن کر ابھی بیدار ہوا تھا۔ وہ افراتفری میں اپنا پسٹل اپنے ہولسٹر میں لگا رہا تھا۔ کچھ اور سوچنے کی مہلت نہیں تھی، میں سیدھا اس گارڈ پر جا پڑا اور ٹوٹا ہوا شیشہ اس کی گردن میں یوں گھونپا کہ وہ تقریباً آر پار ہو گیا۔ گارڈ کوئی آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو کر گرا۔ میں نے اسے ہاتھوں پر سنبھال لیا۔ اس کی گردن سے خون کی پچکاریاں سی نکل رہی تھیں اور آنکھیں الٹی ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔ میں گرے فورس کے اس گارڈ کو گھسیٹ کر ایک چھوٹے سے تاریک اسٹور میں لے گیا۔ یہاں گارڈز کی [illegible] وردیاں وغیرہ پڑی تھیں۔ ان [illegible] کام آسکتی تھی۔ میں نے تیزی [illegible] لی۔ سی زیڈ پسٹل کے علاوہ اس [illegible] ایک لائٹر، سگریٹ کا ایک پیکٹ [illegible] میں نے صرف موبائل اور پسٹل [illegible] ارادہ کوئی وردی ڈھونڈنے کا تھا [illegible] قریبی کوریڈور میں بھاگتے قدموں [illegible] کسی مقامی گارڈ نے بلند آواز میں [illegible] ابھی نیچے نہیں گیا۔“

دوسرا بولا۔ ”چھت کی طرف بھی [illegible] دروازہ بند ہے۔“

گرے فورس کے گارڈز ملازموں [illegible] کر رہے تھے۔ میرا دھیان اسٹور کے [illegible] سے گزر کر کمرے کے فرش کی طرف گیا۔ یہاں [illegible] خون آلود جسم کو گھسیٹے جانے کے نشانات واضح [illegible] رہے تھے۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ تلاش کرنے [illegible] کمرے میں پہنچتے تو پھر اس تاریک اسٹور [illegible] کھدروں میں بھی ضرور جھانکتے۔ فائنل رزلٹ [illegible] اسٹور روم مجھے مزید پناہ فراہم نہیں کر سکتا۔

وردی کا خیال چھوڑ کر میں اسٹور سے نکلا اور [illegible] سے گزر کر ایک قریبی بالکونی میں چلا گیا۔ یہاں سے مینشن کا سامنے والا احاطہ دکھائی دے رہا تھا۔ [illegible] بچھی ہوئی تھی۔ بالکونی کے عین نیچے تالاب تھا۔ میں [illegible] وقت بھی اسے کئی دفعہ دیکھ چکا تھا۔ کبھی یہ سوئمنگ [illegible] طور پر استعمال ہوتا ہوگا مگر اب اس میں ٹھہرا ہوا پانی [illegible] پر ہلکی ہلکی کائی بھی تھی۔

پہریدار میرے قریب تر پہنچ رہے تھے۔ [illegible] کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آیا کہ میں رسک لے کر تالاب [illegible] چھلانگ لگا دوں۔ بلندی پینتیس فٹ کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ میں نے پسٹل اور موبائل کو قریب پڑے ہوئے [illegible] شاپر میں لپیٹا اور پھر اس نیم تاریک ”پول“ میں پاؤں کے بل کود گیا۔ ایک زور کا چھپاکا ہوا۔ میں تین چار فٹ [illegible] جا کر پھر سطح آب پر ابھر آیا۔

یہ سامنے والا احاطہ کئی کینال پر مشتمل تھا۔ [illegible] فاصلے پر تھے پھر بھی چھپاکے کی آواز ایسی نہیں تھی کہ [illegible] نہ پہنچی۔ مجھے ایک پکارتی ہوئی سی آواز سنائی دی۔ [illegible] انگلش میں کہہ رہا تھا۔ ”اُدھر دیکھو.... جلدی کرو۔“

پالی بے حد سرد تھا لیکن اس وقت سردی اور درد وغیرہ کے احساسات دماغ سے بالکل نکل چکے تھے۔ سوئمنگ پول کا کنارہ زیادہ دور نہیں تھا۔ میں نے دو ہاتھ چلائے اور کنارہ پکڑ کر باہر نکل آیا۔ سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں تھا۔ کوئی نصف درجن افراد لپکتے ہوئے "پول" کی طرف آرہے تھے (انہوں نے ابھی کچھ بھی دیکھا نہیں تھا) اس کے سوا اور کوئی حل نہیں تھا کہ میں دوبارہ عمارت کے اندر گھس جاتا۔ ایک خم دار کوریڈور میں بھاگتے بھاگتے میں نے زیڈ پسٹل نکال کر اس کا سیفٹی کیچ ہٹالیا۔ کوریڈور میں پوری روشنی تھی اور اردگرد افراتفری مچی ہوئی تھی۔ چند سیکنڈ بعد میں نے خود کو اسی منحوس ہال کے سامنے پایا جہاں مجھ پر قاتلانہ عمل ہوتا رہا تھا۔ اس وقت ہال بالکل خالی تھا اور دروازہ چوپٹ کھلا تھا۔ میری نظر ہال کی بلند چھت پر پڑی۔ فی الوقت وہ چمگادڑیں بھی کہیں نظر نہیں آ رہی تھیں جو ایک جھالر کی سی شکل بناتی تھیں۔ ہال میں گھسنے کے بجائے میں بائیں جانب مڑ گیا۔ گرے فورس کا ایک باوردی اہلکار میرے سامنے آیا، میں نے تاک کر سیدھا اس کے دل پر فائر کیا، وہ اوندھے منہ گرا۔ میں اسے پھلانگ کر اس لابی میں آ گیا جہاں بائیں جانب وہ کشادہ کمرے تھے جن میں سیکڑوں طوطے بند تھے۔

لیکن لابی کی بائیں جانب ایک کاؤنٹر کے عقب سے پکارتی ہوئی نسوانی آواز ابھری۔ "رک جاؤ، گولی مار دوں گی۔"

میں نے پہچان لیا، یہ کیپٹن فرزہ کی آواز تھی۔

میں رک نہیں سکتا تھا۔ فائر بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ فرزہ کاؤنٹر کی آڑ میں تھی۔ میری سمجھ میں یہی آیا کہ بھاگتا رہوں۔

وہ پھر دہاڑی۔ "ہالٹ...... ہالٹ۔"

لگتا یہی تھا کہ وہ فائر کر دے گی لیکن اس نے نہیں کیا...... اور اگر کیا تو اس وقت جب میں دروازے سے تقریباً نکل چکا تھا۔ اس کی چلائی ہوئی دو تین گولیاں دروازے کے آس پاس ہی کہیں لگیں۔

میں دوڑتا ہوا پھر کھلی جگہ پر آ گیا۔ یہ سینٹر کا عقبی احاطہ تھا۔ یہ بھی کم و بیش چھ کینال جگہ ہوگی۔ یہاں گھاس کے قطعوں کے درمیان آم، جامن اور شہتوت وغیرہ کے درخت تھے۔ یہ نیم تاریک جگہ تھی۔ یہاں بھی ایک گیٹ موجود تھا۔ ایک مقامی پہریدار نے بلند آواز میں اپنے کسی ماتحت کو حکم دیا۔ "گیٹ بند کر دو لائٹس آن کر دو۔"

میرے دیکھتے ہی دیکھتے گیٹ بند کر دیا گیا۔ ایک ایک کر کے روشنیاں آن ہونا شروع ہو گئیں۔ عمارت کے سامنے والے احاطے میں بھاگ دوڑ جاری تھی۔ اب ہوائی فائر بھی کیے جا رہے تھے۔ میں جہاں کھڑا تھا، وہاں کسی وقت بھی گارڈز اور مقامی پہریداروں کی نظر میں آ سکتا تھا۔ مجھے فوری طور پر چھپنے کے لیے ایک قریبی درخت بہت موزوں نظر آیا۔ اس کی زیریں شاخیں کچھ ایسے رخ سے تھیں کہ میں آسانی سے اس کے اوپر چڑھ گیا۔ ایک دو شاخوں پر پاؤں رکھ کر میں کچھ مزید اوپر گیا۔ یہاں شاخیں پتلی تھیں اور پتے بہت گھنے تھے۔ یہ لونگ پیپر کا درخت تھا۔ شاخ در شاخ کافی اوپر تک چلا گیا تھا۔ میں تقریباً بیس فٹ کی بلندی پر محفوظ جگہ پر پہنچ گیا۔ نیچے زبردست افراتفری تھی۔ سامنے والے احاطے میں نسبتاً زیادہ شور تھا۔ اس تین منزلہ قدیم سینٹر کی تقریباً تمام روشنیاں آن ہو چکی تھیں۔ یہاں پچھلے احاطے میں بھی ٹارچیں اور سرچ لائٹس گردش کر رہی تھیں۔

تب ہی عقبی احاطے کا گیٹ کھلا اور ایک اسٹیشن کار تیزی سے احاطے میں داخل ہوئی۔ پھر وہ عقبی جانب

کے قریب رکی اور اس میں سے سفید کوٹ والا ایک بارعب شخص برآمد ہوا۔ یقیناً وہ کوئی سینئر ڈاکٹر یا سرجن ہی تھا۔ اپنے دو معاون کے ساتھ وہ بڑی عجلت میں اندر چلا گیا۔ یقیناً ہاناوانی کو اس مینشن کے اندر ہی طبی امداد دینے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

تین چار گارڈز اپنی ٹارچوں کے روشن دائروں کو گردش دیتے اس درخت کے بالکل قریب چلے آئے جہاں میں موجود تھا۔ انہوں نے روشن دائرے درختوں پر بھی ڈالے۔ میں پتوں میں چھپا ہوا تھا۔ اک دائرہ گردش کرتا ہوا میرے اوپر سے گزرا۔ چند سیکنڈ کے لیے میں سکتہ زدہ بیٹھا رہا۔ کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ میں دیکھا گیا ہوں یا نہیں؟

پہریداروں کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ وہ مجھے دیکھنے میں ناکام رہے ہیں۔ ان میں سے ایک مقامی تھا۔ باقی گرے فورس کے کمانڈوز تھے جو یہاں گارڈز کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ وہ درخت کے بالکل نیچے کھڑے تھے۔ ایک نے انگلش میں کہا۔ ”میں نے خود تو نہیں دیکھا لیکن کہا یہی جا رہا ہے کہ مادام سخت زخمی ہوئی ہیں۔ ان کی انتڑیاں کٹ گئی ہیں۔ سینے پر بھی زخم ہے...... سنگین سچویشن ہے۔“

”ایک سینئر گارڈ اوپر سے گر کر مرا ہے۔ کم از کم دو لاشیں میں خود دیکھ چکا ہوں۔ کچھ زخمی بھی ہیں۔“ دوسرے شخص نے قدرے ہراساں لہجے میں کہا۔

برآمدے کی طرف سے گرے فورس کے کسی آفیسر کی للکارتی ہوئی آواز آئی۔ ”یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو، باؤنڈری کے ساتھ ساتھ پوزیشن لو۔ وہ اندر ہی ہے باہر نہیں نکلا۔“

”یس سر...... یس سر......“ دو تین آوازیں ابھریں اور درخت کے نیچے کھڑے مسلح افراد اپنی ٹارچوں کی روشنی درختوں پر پھینکتے باؤنڈری وال کی طرف بڑھ گئے۔

میں نے وہیں گھنی شاخوں کے درمیان چھپے چھپے پسٹل کو چیک کیا۔ غیر متوقع طور پر اب اس میں صرف تین گولیاں تھیں۔ ان تین گولیوں کے ساتھ دو درجن کے قریب ایسے گارڈز کا مقابلہ کرنا جو جدید آٹومیٹک اسلحے سے لیس تھے، ممکن نہیں تھا۔

تو پھر کیا کیا جائے؟

مجھے کمک کی ضرورت تھی۔ فوری کمک کی ضرورت۔ میرا دھیان سیدھا داؤد بھاؤ کی طرف گیا۔ داؤد بھاؤ کے ہاتھ بہت لمبے تھے۔ خاص طور سے ادھر ادھر کے ... اس کا ایک طرح کا تسلط تھا۔ میں اپنی آخری ملاقات میں داؤد بھاؤ کو اس مینشن کا مکمل حدود اربعہ بتا چکا تھا۔ اس وقت مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ ہاناوانی واقعی اس مینشن میں ملے گی یا نہیں۔ اب یہ واضح ہو چکا تھا کہ وہ اس مینشن میں موجود ہے اور یہ بھی پتا چل چکا تھا کہ اس مینشن میں افراد اور اسلحے کی پوزیشن کیا ہے۔

میرے پاس مقتول گارڈ کا سیل فون موجود تھا۔ اس میں چارجنگ اور بیس پچیس روپے کا بیلنس بھی موجود تھا۔ میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ داؤد بھاؤ کے خاص نمبر پر کال کی۔ دوسری تیسری کوشش میں کال ریسیو ہوئی لیکن بولنے والا بھاؤ نہیں اس کا دست راست لودھی تھا۔

لودھی کی آواز پہچانتے ہی میں نے کہا۔ ”لودھی! شہزیب بول رہا ہوں۔ بہت اہم بات ہے، بھاؤ کو فون دو۔“

بھاؤ پاس ہی موجود تھا۔ دو سیکنڈ بعد اس کی بھاری بھرکم ”ہیلو“ سنائی دی۔

میں نے بغیر کسی تمہید کے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔ ”بھاؤ! میں مینشن میں موجود ہوں۔ ہاناوانی سخت زخمی ہو چکی ہے۔ وہ یہیں تیسری منزل پر موجود ہے......“

”کہاں موجود ہے؟ تم بہت آہستہ بول رہے ہو۔“ بھاؤ نے کہا۔

”بھاؤ میں اس وقت گرے فورس کے کمانڈوز اور مقامی گارڈز کے گھیرے میں ہوں۔ مینشن کے عقبی احاطے میں ایک درخت پر ہوں۔ آپ کی فوری مداخلت کی ضرورت ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ میں زیادہ دیر یہاں چھپا نہیں رہ سکوں گا......“

بھاؤ کے اندر کا مہم جو شخص بیدار ہو گیا۔ اس کی آواز میں ایک طنطنہ سا پیدا ہوا۔ تیزی سے بولا۔ ”کیا پوزیشن ہے وہاں کی؟ کمانڈوز کتنے ہیں اور کرائے کے مقامی ٹٹو کتنے ہیں؟“

میں نے اسے مختصراً مکمل سچویشن سے آگاہ کیا۔ باؤنڈری وال کی صورت حال اور اندر کمروں کے ماحول کے بارے میں معلومات دیں۔ آخر میں، میں نے کہا۔ ”بھاؤ! یہ سنہری موقع ہے۔ آپ جتنی جلدی پہنچ سکتے ہیں، آ جائیں...... پرندوں کی طرف سے کوئی رسک نہیں ہے۔ رات کے وقت حملہ نہیں کرتے۔ ابھی مجھے ہاناوانی کی چمگادڑیں بھی کہیں نظر نہیں آئیں۔ احتیاطاً کے طور پر

اور جیکٹ وغیرہ پہننا چاہتے ہیں تو
...ویسٹ اور...
"...یں، اس میں بہت دیر لگے گی۔ مجھے لگتا ہے کہ
...پاس نام زیادہ وقت نہیں ہے۔"
"...کے بھاؤ، فون بند کر رہا ہوں۔ دو تین بندے
اسی طرف آ رہے ہیں۔" اس کے ساتھ ہی میں نے کال
منقطع کر کے فون آف کر دیا۔

گارڈز ٹارچوں کی روشنی مختلف درختوں اور کونے کھدروں میں پھینکتے اسی لونگ پیپر (پیپل) کی جانب آ رہے تھے۔ میں نے دم سادھ لیا۔ گارڈز کی رائفلوں کے چمکتے ہوئے بیرل مجھے صاف نظر آ رہے تھے۔ ایک ذرا سی آہٹ مجھے گولیوں سے چھلنی کرنے کا سبب بن سکتا تھا۔ ٹارچ کا ایک روشن دائرہ حرکت کرتا ہوا مجھ پر آیا۔ چند سیکنڈ تک گھنی شاخوں اور پتوں کے اوپر رکا، پھر آگے بڑھ گیا۔ گارڈز بھی آگے بڑھ گئے۔

غنیمت تھا کہ اس عمارت میں رکھوالی کے کتے موجود نہیں تھے، ورنہ شاید میں اس درخت پر خود کو یوں کیموفلاج نہ رکھ سکتا۔ میرا لباس بھیگا ہوا تھا اور ہوا بڑی سرد تھی۔ مجھے یہاں ایک چھینک بھی آ جاتی تو میرے لیے موت کی سزا کا راستہ ہموار ہو سکتا تھا۔ یہ لوگ اتنے خوف زدہ تھے کہ شاید مجھے "ہینڈز اپ" کرنے کا رسک بھی نہ لیتے۔ پسلیوں سے اوپر جہاں بلی نما جانور نے اپنے دانت آزمائے تھے، میں شدید درد محسوس کر رہا تھا۔ درحقیقت یہ جانور ہی تھا جس کے سبب میں ہاناوانی کو موقع پر ختم نہیں کر سکا تھا۔ بہرطور وہ جان لیوا حد تک زخمی ہو چکی تھی۔

دفعتاً میں چونکا۔ وہی سفید اسٹیٹ کار جو کچھ دیر پہلے ایک دو ڈاکٹر صاحبان کو لے کر آئی تھی۔ ایک اوٹ سے ریورس ہو کر نکل رہی تھی۔ وہ مڑی اور گیٹ کی طرف بڑھی۔ باوردی مقامی گارڈز نے گیٹ پہلے ہی کھول دیا تھا۔ گاڑی سیدھی نکلتی چلی گئی۔

یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ گاڑی میں صرف ڈاکٹر صاحبان گئے ہیں یا پھر...... ہاناوانی بھی ہے۔ اس اسٹیٹ کار کے نکلنے کے دو منٹ بعد ایک مہران کار بھی احاطے سے باہر نکلی اور پھر فوراً ہی ایک جیپ اندر بھی داخل ہوئی۔ گیٹ پھر سے بند کر دیا گیا۔ فور وہیل سلور رنگ کی جیپ میں سے کچھ اور مقامی گارڈز اترے اور ادھر ادھر پھیل گئے۔

صورت حال واضح نہیں ہو رہی تھی۔ کمانڈوز اور گارڈز کے للکارے گویا بے ہنگم سناٹے کو چیر رہے تھے۔ ان لوگوں کو جیسے یقین تھا کہ میں ابھی یہیں پر موجود ہوں۔

یہی وقت تھا جب میری نگاہ ایک اور منظر پر پڑی۔ دو سرچ لائٹس کی روشنی میں مجھے نظر آیا کہ سیکڑوں طوطے فضا میں بلند ہو رہے ہیں...... وہ ایک طویل جھنڈ کی صورت میں مینشن کی چھت کے خلا سے نکلتے چلے جا رہے تھے۔ ان کا انداز جارحانہ نہیں تھا...... وہ سیدھا اوپر اٹھ رہے تھے۔ پھر جھنڈ کے اگلے حصے کا رخ شمال کی جانب ہو گیا۔ یوں محسوس ہوا کہ یہ پرندے اس عمارت کو چھوڑ کر کہیں اور جا رہے ہیں۔

تو کیا ہاناوانی بھی زخمی حالت میں یہاں سے نکل چکی تھی؟ ممکن تھا کہ اس کی حالت نازک ہو...... اور ڈاکٹر اسے یہاں سنبھال نہ سکے ہوں۔

یہ سوال ایک دہکی ہوئی سلاخ کی طرح میرے دماغ میں اتر گیا۔ میں نے ایک بار پھر موبائل آن کیا اور داؤد بھاؤ سے رابطہ کیا۔

"بھاؤ، آپ کہاں ہیں؟"

"ہم راستے میں ہیں، جلو پارک سے آگے نکل چکے ہیں۔" بھاؤ نے جواب دیا۔

"بھاؤ، مجھے شک ہو رہا ہے کہ ہاناوانی کو شدید زخمی حالت میں یہاں سے نکالا گیا ہے اگر یہ درست ہے تو پھر اسے کسی قریبی اسپتال میں لے جایا جائے گا۔ آپ اپنے بندوں کو قریبی اسپتالوں اور پرائیویٹ کلینکس کے حوالے سے الرٹ کریں۔"

"تم جانتے ہو، میں خود تو کسی سے رابطہ نہیں کر سکتا۔ ہاں میں لودھی سے کہتا ہوں۔"

"ابھی میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا...... ہو سکتا ہے کہ ہاناوانی ابھی مینشن میں ہی ہو۔ اگر ایسا نہیں تو پھر وہ ایک سفید اسٹیٹ کار میں نکلی ہے آپ راستے میں ایسی کار پر نظر رکھیں۔"

"تم بے فکر رہو۔" داؤد بھاؤ نے کہا۔

گارڈز مجھے اس مینشن کے چپے چپے پر ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ کسی بھی وقت مجھ تک پہنچ سکتے تھے۔ انچارج گارڈ نے للکارتی ہوئی آواز میں اپنے ماتحتوں سے کہا۔ "بڑی سرچ لائٹ لے کر آؤ۔ ان درختوں پر بھی اچھی طرح دیکھو۔"

فوراً ہی ایک سرچ لائٹ کے بجائے دو اضا...

آ گئیں۔ درختوں کے مختلف حصے روشنیوں میں نہانے لگے۔

میرے گرد خطرہ بڑھتا جا رہا تھا۔ میری نگاہ بار بار چار دیواری سے آگے تاریک میدان کی طرف اٹھ جاتی تھی۔

اور پھر مجھے دو روشنیاں نظر آ گئیں۔ یہ روشنیاں اچانک ہی نمودار ہوئی تھیں۔ شاید پہلے ان کو آف رکھا گیا تھا۔ یہ کسی بڑی گاڑی کی ہیڈ لائٹس تھیں۔ انجن کی آواز سے بھی پتا چلتا تھا کہ یہ کوئی بھاری گاڑی ہے۔ پھر یہ گاڑی سماعت شکن آواز کے ساتھ عقبی احاطے کے گیٹ سے ٹکرائی۔ تصادم شدید تھا۔ گیٹ کو تھامنے والے پلرز میں سے ایک ڈھے گیا اور ایک بھاری بھرکم "ڈمپر" گیٹ کو روندتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

اچانک ہی نیم تاریکی میں دھماکوں کے ساتھ شعلے لپکنے لگے۔ دو طرفہ فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ گیٹ کی قریبی روشنیوں میں، میں نے وارث لودھی اور رضوان ٹی کو صاف پہچانا۔ وہ "ڈمپر" کی آڑ لے کر تابڑ توڑ فائرنگ کر رہے تھے۔ ایک اور جیپ ٹوٹے ہوئے گیٹ کو روند کر اندر داخل ہو گئی، اس میں بھی بھاؤ کے ماہر شوٹرز تھے۔

درخت کے عین نیچے سے ایک مقامی گارڈ نے خوف زدہ آواز میں کہا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے، کون لوگ ہیں یہ؟ پولیس تو نہیں ہے۔"

دوسرا بولا۔ "بھاؤ گینگ کے لوگ ہو سکتے ہیں۔"

"بیڑا غرق۔" پہلے نے مزید خوف زدہ ہو کر کہا۔

شاید وہ کچھ اور بھی کہتا مگر ایک گولی اس کے جسم میں کہیں لگی اور وہ پہلو کے بل گر گیا۔ میں درخت پر ہی تھا مگر تھوڑا سا نیچے آ گیا تھا۔ دس بارہ فٹ کی بلندی سے میں نے دوسرے گارڈ پر چھلانگ لگائی۔ وہ اوندھے منہ میرے نیچے گرا۔ اس کی کنپٹی پر لگنے والی پسٹل کی ایک شدید ضرب نے اسے نیم بے ہوشی میں دھکیل دیا۔ میں نے اس کی ٹرپل فور رائفل تھامی اور فائرنگ کرتا ہوا برآمدے کی طرف نکل گیا۔

داؤد بھاؤ نے قریباً چالیس شوٹرز کے ساتھ ایک زبردست حملہ بولا تھا۔ (حسبِ دستور داؤد بھاؤ خود اس کارروائی میں شریک نہیں تھا۔ جیسا کہ بعد میں پتا چلا وہ کوئی 400 میٹر پیچھے ایک بھاری سیکیورٹی ویگن میں موجود تھا)

قریباً چار پانچ منٹ کی نہایت تیز رفتار کارروائی کے بعد نتیجہ سامنے آ گیا۔ اس مینشن میں گرے فورس کے اتنے گارڈز موجود نہیں تھے جتنے ہم سمجھ رہے تھے۔ یہاں صرف سات گارڈز تھے۔ باقی کرائے کے مقامی ٹٹو تھے۔

ان میں سے کچھ تو شدید حملے سے [illegible] مینشن میں کاؤنٹر فائرنگ کرنے والوں [illegible] لگ بھگ تھی۔ ان میں سے تین جان [illegible] ہوئے اور باقیوں نے ہتھیار ڈال کر [illegible] گرے فورس کے لوگوں میں سے بھی [illegible] میں مارے گئے اور باقیوں نے سرنڈر [illegible]

وارث لودھی دوڑتا ہوا میرے پاس [illegible] گیا۔ "آپ خیریت سے ہیں جناب؟"

"میں تو خیریت سے ہوں مگر فخر اور [illegible] سے نہیں ہیں۔"

رضوان ٹی حیرت سے میرے لباس کو دیکھ [illegible] میں حیرت سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ [illegible] ابھی پوری طرح صحت یاب نہیں ہوا تھا مگر "میری [illegible] میں اس لڑائی کا حصہ بن گیا تھا۔ اسے ایک جوان [illegible] طرح رائفل بدست دیکھ کر مجھے مسرت ہوئی۔ رضوان [illegible] پوچھا۔ "فخر اور فارس جان مینشن پر ہیں؟"

"ہاں فخر مینشن پر ہے اور سب سے پہلے ہمیں اس [illegible] دیکھنا چاہیے۔"

"اور وہ حرام زادی؟" رضوان اور لودھی تقریباً ساتھ ہی بولے۔

میں نے گہری سانس لے کر مینشن کی تیسری منزل [illegible] نگاہ دوڑائی۔ "مجھے اندیشہ ہے کہ وہ یہاں سے نکل چکی۔ لیکن حتمی بات تو گرے فورس کے یہ اہلکار ہی بتا سکیں گے۔" میں نے ان چار پانچ اہلکاروں کی طرف اشارہ کیا جن کو [illegible] گینگ کے شوٹرز نے ٹھنڈی گھاس پر اوندھا لٹا رکھا تھا۔ ان پر رائفلیں تانی رکھی تھیں۔

مجھے امید تھی کہ فخر کے علاوہ شاززیہ کا محبوب شاہ [illegible] بھی مینشن پر ہوں گے۔ میں وارث لودھی کو ساتھ لے [illegible] عمارت کے اندرونی حصے کی طرف لپکا۔ یہاں جگہ [illegible] گولیوں کے خول بکھرے تھے اور ٹوٹے ہوئے شیشوں کے ٹکڑے تھے۔ ہم اندرونی کمروں میں پہنچے تو پرندوں کے پنجرے خالی تھے۔ اکبر بھی آس پاس کہیں نظر نہیں آیا۔ ہمارے نزدیک سب سے اہم سوال یہ تھا کہ ہانا رانی [illegible] موجود ہے یا نہیں.....؟

خونریزی اور بربریت کے خلاف
صف آرا نوجوان کی کھلی جنگ
باقی واقعات آئندہ ماہ پڑھیے

کارِ زیاں

ماہ رخ ارباب

ہر کہانی کسی نہ کسی انسانی جذبے کی ترجمانی کرتی ہے... کہیں دوستی کے جذبے کو سراہا جاتا ہے... کہیں انسان کے اندر زہر کی طرح پھیلتے لالچ کی عکاسی ہوتی ہے... کہیں محبت میں شک... بے وفائی کی دیمک دکھائی گئی ہو... جو عاشق کی جان لے لیتی ہے... کہیں عملی اور بے عملی کے بھنور میں گھرے انسان کا قصہ ہوتا ہے... جسے انتقام ہر پل پریشان رکھتا ہے... لیکن جب انتقام لینے کا موقع آتا ہے تو اس کا ہاتھ نہیں اٹھتا... انسان کے باطن اور ظاہر کے تضادات کے مختلف پہلوئوں کو عیاں کرتی دلچسپ تحریر...

نفع و نقصان کا سود و زیاں...... جذبات و عداوت کا کارِ زیاں

مسلسل جھٹکوں سے بُری طرح ڈولتا سر بار بار ایک کھردری بدبودار مگر نرم سطح سے ٹکرا رہا تھا۔ ناقابلِ برداشت بو اس کے گمشدہ حواس کو لوٹانے میں مددگار ثابت ہوئی اور وہ بوجھل ہوتی آنکھوں کو کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ اسے کندھے پر لادے کسی سرنگ نما جگہ پر چلا جا رہا تھا۔ اس کی رفتار اور طاقت حیرت انگیز تھی۔ مہرینہ کوئی نازک اندام لڑکی بھی نہیں رہی تھی اچھی خاصی قدوقامت کے ساتھ باقاعدہ ورزش نے جسم کے پٹھوں کو جو مضبوطی دی تھی، اس نے وزن میں بھی کوہ گوں اضافہ کیا تھا مگر وہ درندہ اسے بہ آسانی اس پتھریلی راہ گزر پر لادے محوِ سفر تھا۔

اس کے حواس ٹھکانے پر آئے تو بے ہوشی سے پہلے کے واقعات دھیرے دھیرے ذہن میں جگہ بنانے لگے۔

وہ اس وقت ایک اونچی سی چٹان پر بمشکل توازن برقرار رکھے تیز ہواؤں اور غروبِ آفتاب کے سرخی مائل سنہرے پن کو نگاہوں میں سمو رہی تھی۔ نیچے بھوری پتھریلی زمین پر کسی نزدیکی گاؤں کے بچے اپنی بھیڑ بکریوں کو ہانکتے ہوئے اس کی

طرف اشارہ کر رہے تھے۔ وہ ان کا تجسس بجھتی تھی۔ اس دور دراز علاقے میں کسی ماڈرن لباس میں ملبوس لڑکی کا یوں پتا کسی مرد کے نظر آنا بذاتِ خود ایک اچنبھے کی بات تھی لیکن مسلسل ایک ہفتے سے ایک ہی روٹین اس جیسی متلون مزاج لڑکی کے لیے انتہائی بیزار کن ثابت ہوئی تھی اور اسے مجبوراً یوں باہر نکلنا پڑا تھا۔

اس منظر کی خوبصورتی نے اس جیسی رومان پرور لڑکی کو مسحور کر دیا تھا۔ دونوں بازو سینے پر لپیٹے وہ انتہائی دلچسپی سے محو نظارہ تھی۔ نباتات اور بارش سے بھیگی چٹانوں کی خوشبوؤں پر ایک عجیب سی بُو حاوی آتی محسوس ہوئی۔ پلٹ کر دیکھنے سے پہلے ہی ایک کھردرے بالوں بھرے ہاتھ نے اس کا چہرہ آ دبوچا تھا۔ دماغ تیزی سے اندھیروں میں ڈوبنے لگا۔ آخری چیز جو اس نے محسوس کی، وہ بدبودار سانسوں کے ساتھ برآمد ہوتی غراہٹ تھی۔

☆☆☆

وہ اس وقت یونیورسٹی سے نکل رہا تھا جب وہ جان سوز اطلاع موصول ہوئی۔ وہ کسی جہاز کی طرح اڑتا ہوا تیز ٹریفک میں عملاً موت کے منہ سے بچتا ہوا وہاں پہنچا تھا لیکن دیر ہو چکی تھی۔ اس نے جو کہا تھا، وہ کر دکھایا۔ کٹی ہوئی کلائی سے بہتا ہوا خون بازو سے ہوتا ہوا کچھ زمین پر تو کچھ گدے میں جذب ہو چکا تھا۔

اس نے ناک کے نیچے ہاتھ رکھ کر سانسوں کی آمد و رفت محسوس کرنے کی کوشش کی۔ ہر قسم کی حرارت مفقود تھی۔ وہ بیڈ کے سامنے رکھے صوفے پر گر سا گیا۔ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے جانے اسے کتنا وقت گزر گیا۔ یادوں کی یورش میں ہر احساس مفقود تھا۔ نثار اس کا چھوٹا بھائی تھا۔ عمر کے لحاظ سے کچھ زیادہ ہی بے پروا اور رنگینیوں کا دلدادہ۔ وہ خود جتنا ذمے دار تھا نثار اتنا ہی لاابالی۔ کالج جانے کے بعد اس کی دوستیاں اور دلچسپیاں دونوں ہی لڑکیوں کے گرد گھومنے لگی تھیں۔ حالانکہ گھر کا ماحول اور والدین کی دی گئی آزادی کا کبھی دونوں نے ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ وہ بہت سادہ اور معصوم نوجوان تھا۔ نثار کے پیدا ہونے سے پہلے وہ کافی عرصہ اکلوتا رہا تھا۔ لہٰذا جب نثار پیدا ہوا تو والدین کے ساتھ ساتھ نصر کو بھی جیسے ایک کھلونا مل گیا اور شاید۔۔۔ لاڈ پیار نے ہی اسے اس درجہ نازک مزاج بنا دیا کہ آج کسی معمولی سی بات پر زندگی سے کھیل گیا۔ اس کا ذہن اپنی والدہ کی طرف گیا اور ذہن میں گھٹن کا احساس یکلخت بڑھ گیا۔ انھوں نے زندگی میں انہیں ہر چیز کی فراوانی دے رکھی تھی یہاں تک کہ نثار نے ہاسٹل کے بجائے ایک الگ فلیٹ میں رہنا پسند کیا۔

"کاش وہ کسی ہاسٹل میں ہوتا تو کوئی اسے ..." دل گرفتگی سے سوچا۔ اسے دیکھ کر نصر کو کبھی اس کا پریشان یا کسی قسم کے ذہنی تناؤ کا شکار ... اتنا بڑا قدم اٹھالیا۔ لیکن نپٹنے کے لیے کوئی بھی جان ... کے پیچھے کوئی وجہ تھی اور اسے وہی وجہ تلاش کرنی تھی۔ ... دھندلائی ہوئی نگاہوں سے پھر سے نثار کی طرف دیکھا ... روشنی کا انعکاس کسی چیز کو اس کی نظر میں روشن کر گیا ... وہ نثار کی تصویر تھی مگر قابلِ توجہ ساتھ میں کھڑا ... لڑکی کا تھا، اس کے جسمانی خطوط بتاتے تھے۔ ... بُرے طریقے سے مسخ کر چھوڑا تھا۔

اس نے تصویر کو اپنی بیک پاکٹ میں اڑس لیا ... چاہتا تھا یہ پولیس کے ہاتھ لگے۔ اسے یقین تھا اس لڑکی کی ... تصاویر بھی کسی نہ کسی البم میں یا نثار کے فون میں موجود ... جو بعد میں دیکھی جاسکتی تھیں۔ اس نے سیل فون نکالا اور پولیس ... کال ملانے لگا۔

☆☆☆

مشہور مغنیہ کے صوفی کلام کی خوبصورتی میں کھوئی ... حدود سے باہر نکلنے تک سبرینہ کو زمرد کی خاموشی محسوس نہ ... ہوئی۔ آخر وہ اس کی مسلسل چپ سے بیزار ہونے لگی۔ یہ ایک شہر سے دوسرے شہر کا سفر نہیں تھا کہ چند گھنٹوں میں تمام ہو ... انہیں ایک صوبے کے دارالحکومت سے دوسرے صوبے کے ... دور دراز شہر تک جانا تھا۔ دونوں پچھلے دو سال سے ساتھ تھیں۔ سبرینہ کے والد شہر کے ایک مایہ ناز صنعت کار تھے تو زمرد قبائلی علاقے کے بظاہر روشن خیال کی اکلوتی لاڈلی جسے تمام روایات اور خاندانی اختلافات کے باوجود گھر سے دور جدید تعلیم دلوائی جارہی تھی۔ اسے گھر سے جتنی سہولت اور آزادی حاصل تھی اس سے کئی گنا زیادہ آزاد روش اس نے خود اختیار کی تھی۔ دونوں کے مزاجوں کا تضاد اکثر دیکھنے والوں کو حیران کر دیا کرتا ... کی مثال اگر بھڑکتی ہوئی آگ سے دی جاتی تو سبرینہ کسی ٹھہرے ہوئے تالاب کی طرح ٹھنڈی اور پُرسکون شخصیت کی مالک تھی مگر شاید یہی مزاجوں کا تضاد ان کو مقناطیس کی ... جوڑے ہوئے تھا۔

"کم آن زمرد اب موڈ ٹھیک بھی کر دو۔ ... لفٹ لے کر واپس جانے لگی ہوں۔ تم مجھے اتنی ... جارہی ہو یا بوریت سے مارنے۔"

"مجھے زمرد مت پکارا کرو یار سخت ... ہے مجھے اس ... سے جیسے کوئی سو سال پرانی روح ہو۔" ...

زویا کو ہبرینہ کا بے ساختہ قہقہہ پھوٹ پڑا۔

"ایسے یہ تو بتاؤ بقول تمہارے انکل علاقے کے لارڈ ہیں تو اس لحاظ سے تو تمہارے خوب مزے ہوں گے لوگ جھک جھک سلام کرتے ہوں گے؟" ہبرینہ کچھ تجسس سے بولی۔ زمرد سے دو سال پرانی دوستی ہونے کے باوجود وہ شدید اصرار کے ساتھ پہلی بار اس کے گھر جا رہی تھی جو کسی دور دراز علاقے میں واقع تھا۔ وہ خود بغرضِ تعلیم دوسرے صوبے کے دارالحکومت کے ایک ہاسٹل میں رہائش پذیر تھی۔

"ہاہاہا تم جل رہی ہو، آ ہی تو خود دیکھ لینا۔" زمرد نے ایک آنکھ میچی اور پھر سے گاڑی سے باہر دیکھنے لگی۔ وہ بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھی اور یہی بات ہبرینہ کے لیے باعثِ حیرت تھی کیونکہ وہ کسی مسئلے کو زیادہ دیر سر پر سوار رکھنے کی قائل نہیں تھی۔

☆☆☆

بڑے سے کمرے میں لوگوں کی غیر معمولی تعداد کسی خاص صورتِ حال کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ چاروں دیواروں کے ساتھ لوگ براجمان تھے۔ خوش لباسی ظاہر کرتی تھی کہ علاقے کے صاحبِ حیثیت افراد میں شمار ہوتے ہیں۔ مستطیل ہال نما کمرے کی تمام آرائش فرشی رکھی گئی تھی۔ دبیز قالین پر دیواروں کے ساتھ سجائے گئے گاؤ تکیے۔ دیواریں خوبصورت طغروں سے مزین تھیں اخروٹ کی لکڑی کی بنی خوبصورت بڑی بڑی کھڑکیوں سے دور نظر آتے صنوبر کے قدیم درخت کئی رازوں کی امانت کا بوجھ اٹھائے کھڑے تھے۔ لیکن یہ پُرسکون ماحول بھی مہمانوں کے درمیان موجود اضطراب کی کیفیت کو کم کرنے میں ناکام تھا۔ کمرا ہلکی ہلکی سرگوشیوں سے گونج رہا تھا۔ جب ایک نوجوان تیزی سے اندر داخل ہوا اور ہال کے وسط میں براجمان بارعب بزرگ کے کان میں کچھ بد بدانے لگا۔

"ہم لے آئے انہیں۔" نو وارد بارعب شخصیت کا مالک تھا بظاہر عام سادہ لباس میں ہونے کے باوجود اس کی چال ڈھال اور انداز و اطوار یہ بتانے کے لیے کافی تھے کہ اس کا تعلق ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے ذمے دار کسی ادارے سے ہے۔ بزرگ سردار موسیٰ سے گرم جوش معانقے کے بعد چیدہ چیدہ اہم شخصیات سے نو وارد کو متعارف کروایا گیا۔

"جنابِ شاہد ملک دارالحکومت کے نمائندے کی حیثیت سے ہمارے درمیان موجود ہیں اور یہاں کے موجودہ حالات کے بارے میں دارالحکومت سے پیغام لائے ہیں۔ آپ سب حضرات کی یہاں موجودگی اسی لیے ضروری تھی کہ ہم اس اہم معاملے پر اکیلے کسی فیصلے کی ذمے داری نہیں لینا چاہتے۔" سردار موسیٰ حاضرین سے مخاطب ہوا۔ وہ ہمیشہ سے علاقے کا بلا شرکتِ غیرے حکمران رہا تھا۔ حکومتی مداخلت وہاں کم سے کم رہتی تھی مگر اب حالات کنٹرول سے باہر ہوتے جا رہے تھے۔

نو وارد سرکاری اہلکار نے انتہائی نرم الفاظ میں تمام حاضرین پر یہ واضح کر دیا کہ اگر شر پسندی پھیلانے والے عناصر کو جلد ہی سبوتاژ نہ کیا گیا تو حکومتی مداخلت ضروری ہو جائے گی۔ یہ اعلان کچھ لوگوں کے سر پر بم کی طرح پھٹا تھا اب وہ سردار موسیٰ کی پریشانی کا صحیح طور پر اندازہ کر سکتے تھے۔ شاہد ملک کے اعلان کے ساتھ ہی کمرے میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ وہ بارڈر کے نزدیک کا علاقہ تھا۔ حکومتی مداخلت کا مطلب تھا ایسے بہت سے معاملات کے لیے پریشان ہو جانا جنہیں اس سے پہلے حکومت نظر انداز کرتی رہی تھی۔

☆☆☆

"بابا جان ان کے سامنے اس طرح کا نرم رویہ دکھانے سے وہ اور شیر ہو جائیں گے۔ یہ ہماری زمین ہے، یہاں ہمارا قانون چلے گا، وہ کون ہوتے ہیں ہمیں دھمکانے والے۔" وہ غصے سے تلملا رہا تھا۔ عیسیٰ جان نے بغور اپنے اکلوتے بیٹے کے تیور ملاحظہ کیے۔ وہ ایک غصیل اور کرخت مزاج نوجوان تھا۔ موسیٰ جان اس کا بڑا بھائی پہلے ہی اسے ناپسند کرتا تھا۔ انہی جذباتی حرکتوں کی وجہ سے وہ کبھی ایسے اکھڑ انسان کو اپنا کاروباری جانشین نہ بناتا۔ اس کا دل چاہا اسے ایک زور کا تھپڑ لگائے، اس کی انہی حرکتوں کی وجہ سے وہ بڑے بھائی کی نظر میں ذلیل و خوار ہو کر رہ گیا تھا۔ ایک گہری سانس لے کر خود کو پُرسکون کر کے وہ بولا تو صرف اتنا۔

"جو بھی فیصلہ ہوگا، سب کی رضامندی سے ہوگا۔ حکومت سے ہم لڑ نہیں سکتے۔" کچھ توقف کے بعد وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔

"اپنے دوستوں پر نگاہ رکھو۔ ہو سکے تو انہیں غلط معاملات میں الجھنے سے روکو یا ان سے قطع تعلق کرو۔ ان کی تمام مالی امداد روک دو جس کے لیے آج کل بڑی بڑی رقمیں اکاؤنٹ سے نکلوا رہے ہو۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں، اس کے نتائج سے بے خبر ہیں۔ سب کے اپنے اپنے مفادات ہیں اور تم ان سب سے دور رہو۔ اسی میں ہماری بھلائی ہے ابھی تک تم تیل والا کانٹریکٹ بھی پورا نہیں کر پائے۔ وہ مسلسل موسیٰ بھائی سے رابطے میں ہیں۔ بہتر ہوگا پہلے اس کام کو پورا کرو۔ ہم کچھ بھی نہیں لڑ سکتے۔" وہ کہتا ہوا باہر نکل گیا اور شیق ماتھے پر بل لیے اس کی گفتگو میں چھپے رمز کو سمجھنے لگا۔

☆☆☆

پچھلی سیٹ پر آنکھیں موندے لیٹی سبرینہ اچانک گاڑی رکنے کے احساس کے تحت اٹھ کر بیٹھ گئی۔ گاڑی سڑک سے اتار کر سائڈ پر کھڑی کر دی گئی تھی۔ زمرد فون کان سے لگائے کسی سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ ایک کھلا علاقہ تھا دور دور واقع چٹانوں پر کہیں کہیں اگا سبزہ شام کے ڈھلتے سایوں میں سرخ اور کاہی رنگت اختیار کر گیا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے شاید بادل وہاں سے برس کر گزرے تھے جو چٹانیں بھیگ کر خوشنما سرخ رنگت اختیار کر گئی تھیں۔ دوسری طرف سے شاید رابطہ منقطع کر دیا گیا تھا۔ زمرد نے ایک نظر اسکرین کو دیکھا اور فون ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔ اسی وقت نزدیکی چٹان کے عقب سے دو ہیولے برآمد ہوئے۔

”یہ کیا ہو رہا ہے۔ زمی تم نے گاڑی کیوں روکی؟“ سبرینہ کی آواز سے اضطراب مترشح تھا۔

”پُرسکون رہو، یہ گاڑی ڈرائیو کریں گے۔“

زمرد نے اطمینان سے جواب دیا اور وہ اس کا پُرسکون چہرہ دیکھ کر رہ گئی۔ دونوں نو وارد سفید گھیردار شلواروں اور بڑی بڑی پگڑیوں کے ساتھ کاندھے پر ہتھیار لٹکائے مکمل طور پر وہاں کی ثقافت کے علمبردار لگ رہے تھے۔ سبرینہ نے دلچسپی سے ان کے حلیے ملاحظہ کیے۔ زمرد اب بیگ کھنگال رہی تھی۔

”یہ لو چادر لپیٹ لو ویسے تو ہماری گاڑی ٹنٹڈ ہے مگر بابا کو بھی میری یہ ڈریسنگ کچھ پسند نہیں۔“ وہ انگلش میں بولی پھر ایک آنکھ دبا کر بڑی سی خوبصورت چادر اس کی طرف اچھالی اور خود بھی لپیٹ لی۔ سبرینہ جو نہ سمجھ آنے والے انداز میں سب دیکھ رہی تھی، چادر گود میں لیے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”اُفوہ بابا ہم شہر میں جس طرح بھی رہیں، ہمیں کم از کم گھر سے باہر یہاں کے رسم و رواج فالو کرنے پڑتے ہیں کیونکہ بابا سردار ہیں اور عورتوں کا پردہ ہماری ثقافت کا حصہ ہے اور ہم لوگ اپنی ثقافت کے متعلق بہت حساس ہوتے ہیں باقی رہی ڈرائیورز کی بات یہ ڈرائیور نہیں دراصل گارڈ ہیں اصولاً انہیں مجھے شہر سے لانا چاہیے تھا کیونکہ حالات کچھ نامناسب چل رہے ہیں مگر مجھے پرائیویسی اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے اب سمجھیں کچھ۔“

”ہمم...... تمہارے ہاں قیام دلچسپ رہے گا۔“ اس نے ترودسے زمرد کے ہاتھ پر ہاتھ مارا تو اگلی سیٹ پر بیٹھے گارڈ نے مڑ کر اسے گھورا۔ وہ مسکرا کر گاڑی سے باہر دیکھنے لگی۔

☆☆☆

سر کے مسلسل [illegible] کی طرف [illegible] بحال ہونے لگے تھے۔ مگر پردہ عمل ظاہر [illegible] تھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا، وہ زمرد کے [illegible] تنہا ہی ایک ہلکی سی شال سے چہرہ ڈھانپ [illegible] تھی۔ اور اب وہ شال اس کے کندھے پر [illegible] لمبی سی سرنگ کا اختتام ایک نیچا کھلی جگہ [illegible] ہی اس نے سبرینہ کو بے رحمی سے زمین پر [illegible] طور پر بتایا گیا ایک بستر پہلے سے موجود [illegible] سے ہوتی ہوئی سرنگ پہنچی۔ شاید نیچے کوئی چھر موجود [illegible]

تھوڑی دیر کے لیے وہ بے ہوشی کا نائک [illegible]

اب وہ اس کے سامنے موجود تھا۔ دیواروں میں [illegible] مشعلوں کی دھندلی سی روشنی میں وہ اسے واضح طور پر [illegible] تھی۔ سات فٹ کے قریب قد کی حامل اس مخلوق کی بڑی بڑی خوفناک آنکھوں سے کسی قسم کا تاثر اخذ کرنا مشکل تھا وہ [illegible] اسے گھورے جا رہا تھا۔ بظاہر انسانی قد و قامت اور نقوش کے باوجود وہ انسانوں سے بالکل الگ لگ رہا تھا۔

سبرینہ ابتدائی شاک سے سنبھل کر اب کھڑک کر [illegible] کے کونے پر پہنچ چکی تھی۔ ذہن تیزی سے اپنا دفاع سوچنے میں مصروف تھا۔ ظاہر ہے اسے اس طرح یہاں لانے والے اس درندے کو اس کے ساتھ شطرنج تو نہیں کھیلنی تھی۔ مگر عافیت رہی اور کچھ دیر اسے گھورتے رہنے کے بعد وہ باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی وہ کمرے نما غار کا جائزہ لینے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

سردار موسیٰ کی حویلی میں کہرام مچا ہوا تھا۔ علاقے میں کافی عرصے سے جاری کچھ پُراسرار سرگرمیوں نے ویسے ہی لوگوں میں بے چینی پھیلا رکھی تھی۔ نئے نئے چہروں کی آمد و رفت اور طویل قیام لوگوں کو کچھ خاص پسند نہیں آ رہا تھا سردار عیسیٰ اور شفیق کی پوری کوشش کے باوجود یہ سلسلہ رکنے میں نہیں آ رہا تھا۔ بقول ان کے پڑوسی ملک سے وہ کچھ ایسے حوالوں کے ساتھ یہاں آتے کہ ان پر ہاتھ ڈالنے سے بات دور تک جاتی۔ ان حوالوں سے بگاڑنا کسی بھی طرح سردار موسیٰ کے کاروباری مفاد میں نہیں تھا۔ اب بات بڑھتے بڑھتے قتل و غارت کے واقعات تک پہنچ گئی تھی۔ حکومتی دباؤ الگ پریشان کن تھا۔ گھر آئے مہمان کا اٹھوا انتہائی ذلت کی بات تھی کوئی [illegible] سے بڑا دشمن بھی خواتین پر ہاتھ ڈالنا کمینگی سمجھتا تھا۔ یہاں کی روایات کے خلاف تھا۔ مردوں کی لڑائی مردوں تک رہتی [illegible] حویلی کے مہمان خانے میں ہنگامی میٹنگ جاری [illegible] شفیق تلملایا ہوا تھا کیونکہ یہ رپورٹ اسی کی تھی کہ علاقے [illegible]

مداخلت سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔

"یہ ہے تمہاری کارکردگی۔ اس طرح بنو گے تم میرے جانشین، یوں میری بیٹی کی حفاظت کرو گے۔ کوئی ہماری ناک کے نیچے سے ایک لڑکی کو اٹھا کر لے گیا اور تم سب خواب خرگوش کے مزے لیتے رہے۔ وہاں وہ ناصر اور صغیر کیل کی سپلائی مکمل نہ ہونے پر چراغ پا ہے، خطرناک نتائج کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ لوگ ہمیں جھک کر سلام کرتے ہیں اور تمہاری وجہ سے وہ دو ٹکے کا اسمگلر ہمیں دھمکیاں دینے لگا۔" سردار موسیٰ کا غضبناک لہجہ شفیق کا رواں رواں جھلسا رہا تھا لیکن وہ اس کا سامنا کرنے پر مجبور تھا۔ زمرد نہ صرف اس کی کزن بلکہ منگیتر بھی تھی۔ تایا کے بعد اس کی گدی کا اہل ثابت کرنے میں وہ اکثر ناکام رہتا تھا۔ تایا کی توقعات زیادہ اور اس کی اہلیت بہت کم تھی۔ زمرد اس سے شادی کے لیے تیار ہو گئی یہ ہی بڑی بات تھی۔ اور اب وہ اس کی سہیلی کی حفاظت میں ناکام رہا تھا۔ سبرینہ کی جگہ وہ خود بھی ہو سکتی تھی، یہی بات تشویشناک تھی۔

"تایا جان وہ اس وقت گھر سے باہر تھی جس وقت یہ واقعہ پیش آیا۔ کسی کی مجال نہیں کہ حویلی میں گھس سکے۔ اسے گارڈز نے روکا بھی لیکن وہ بھی زمرد کی طرح ہی ضدی ہے۔" آخری الفاظ اس نے دانتوں تلے چباتے ہوئے ادا کیے۔

"واہ واہ کیا بات ہے یعنی کہ اب ہم گھروں میں قید ہو کر بیٹھیں گے کہ کوئی ہمیں اغوا نہ کر لے۔" موسیٰ جان کی آواز یکدم بلند ہوئی۔ شفیق کی گردن مزید کندھوں کے درمیان دھنس گئی۔ عیسیٰ جان نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"آہم آہم۔" عیسیٰ جان نے کچھ کہنے کے لیے کھنکار کر گلا صاف کیا۔ سردار نے محض ایک بھوں اچکا کر اس کی جانب دیکھا۔

"برادرم میرے خیال سے یہ کام ہمارے کسی دشمن کا نہیں ہو سکتا۔ ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ اس بچی کا کوئی ذاتی مسئلہ تو نہیں؟" سردار عیسیٰ نے تو شاید محض شفیق کی گلوخلاصی کرانے کی کوشش کی تھی مگر موسیٰ جان کا ذہن ایک نئی رخ پر چل نکلا۔

"ٹھیک ہے۔ میں نے عبداللہ کے بیٹے کو بلوایا ہے اب یہ معاملات وہی دیکھے گا۔ مجھے تم پر بالکل بھروسا نہیں رہا۔" موسیٰ نے شفیق کو پھر سے ایک نئی پریشانی دی۔ نادر اس کا چچا زاد تھا۔ بچپن سے ہر معاملے میں اس سے چلتی مسابقت اور نادر کا ہمیشہ دو قدم آگے رہنا شفیق کو جتائے ہزیمت رکھتا تھا۔ اور اب اس کی یہاں آمد، اس نے لفرت سے ہونٹ سکیڑے۔ زمرد کا اس کی طرف واضح جھکاؤ اس کے لیے خطرے کی گھنٹی تھا۔ وہ اسی وقت دروازے پر کھڑے کارندوں کو ہدایات دینے میں مصروف تھا جس وقت نادر کی گاڑی اور سے دھول اڑاتی ہوئی نظر آئی۔ چوکیدار نے پہچان کر فوراً دروازہ کھول دیا۔ لینڈ روور اندر جا کر صحن کے درمیان رک گئی۔ وہ آہستہ قدموں سے چلتا اس کے نزدیک جا پہنچا۔ "کیسے ہو نادر جاناں؟" اس نے گرم جوشی سے مصافحہ کیا لیکن اس معانقے کی تہ میں چھپی مسابقت سے نادر اچھی طرح واقف تھا۔

"میں بخیر ہوں شفیق جان۔ سنا ہے علاقے میں چور بہت بڑھ گئے ہیں اور ادھر کچھ لوگ انہیں باقاعدہ خود اکسا رہے ہیں۔" اس نے شفیق کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کی بات سن کر ایک پل کو وہ سن سا رہ گیا۔ "شفیق جان ایک بات سمجھنے کی ہے، چوہے پالنے کی مخلوق نہیں ہے یہ جہاں رہتے ہیں وہاں بنیادیں کھوکھلی کر ڈالتے ہیں، انہیں جتنا ہو سکے گھر سے دور رکھو۔" وہ آہستگی سے اس کا کندھا تھپکتا ہوا بہت کچھ کہہ گیا۔

☆☆☆

غار میں جلتی مشعلوں سے اٹھتی بساند نے تھوڑی ہی دیر میں اس کی طبیعت بوجھل کر دی۔ غار کا جائزہ لیتے لیتے اسے بھوک کا احساس ستانے لگا تھا لیکن وہاں کھانے پینے کو کچھ نہیں تھا۔ پہلے پہل وہ اس کے واپس آنے کا انتظار کرتی رہی لیکن باہر چھائی خاموشی اور سناٹا اس کی غیر موجودگی کا پتا دے رہا تھا۔ اس نے اسنو مین کے متعلق بہت کچھ سن اور پڑھ رکھا تھا لیکن پہاڑوں میں پائی جانے والی اس مخلوق سے یہاں سامنا ہو جائے گا، یہ کبھی نہ سوچا تھا۔ وہ چونکنے انداز میں چلتی ہوئی سرنگ میں داخل ہوئی۔ ہاتھ میں تھامی مشعل کے لرزتے شعلے اسی کے عکس کو ہیبت ناک روپ دے رہے تھے۔ وہ بار بار اپنے ہی سایوں سے بھڑک رہی تھی۔ وہ خود ہی میں الجھی اندھیرے اجالے میں لڑکھڑاتی چلی جا رہی تھی جب اچانک وہ دیوار کی طرح اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ مشعل والا ہاتھ درندے کی بال دار کھال سے ٹچ ہوا تو بالوں نے تیزی سے آگ پکڑی، وہ چیخ مار کر پیچھے ہٹی۔

☆☆☆

دستر خوان پر چھایا سناٹا وہاں موجود افراد کے ذہنی اضطراب کا غماز تھا۔ خاموش فضا میں صرف برتن رکھنے اور اٹھانے کی آواز گونج رہی تھی۔ اچانک شفیق کا موبائل تھرتھرایا اس نے جلدی سے نکال کر نمبر چیک کیا۔ نظر اٹھائی تو سامنے نادر کو خود کو گھورتے پا کر وہ کچھ بوکھلا سا گیا۔ "ایک ضروری کال ہے میں ابھی آیا۔" وہ تیزی سے کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ نادر نے اس کی بوکھلاہٹ بغور مشاہدہ کی۔

ادھر زمرد نے رو رو کر اپنی حالت غیر کر رکھی تھی۔ مسلسل

اپنی والدہ کے سر پر سوار اسے یوں لگ رہا تھا سبرینہ کو ڈھونڈنے کے لیے کوئی مناسب قدم نہیں اٹھایا گیا ورنہ وہ مل چکی ہوتی۔

''اگر آج بھی سبرینہ نہیں ملی تو میں خود اسے ڈھونڈنے جاؤں گی۔'' وہ ضدی انداز میں بولی۔

''زمرد تم اچھی طرح جانتی ہو یہ اتنا آسان نہیں، شفیق اور نادر دونوں ایک پیر پر کھڑے ہیں اسے ڈھونڈنے کے لیے۔''

''ہنہ اگر واقعی کوشش کر رہے ہوتے تو وہ مل چکی ہوتی۔ یہ اتنی بڑی جگہ تو نہیں کہ جیتی جاگتی لڑکی غائب ہو جائے۔'' پھر جیسے اسے کوئی دہلاتا ہوا خیال آیا۔ ''ماساں کہیں اسے بارڈر کے پار نہ بھیج دیا گیا ہو؟''

''کیا بولے جا رہی ہو لڑکی۔ خدا سے خیر مانگو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا اور تم کھانا کھا لو۔'' وہ اسے جھاڑتی ہوئی باہر نکل گئی تو اس نے رونے کا سلسلہ وہیں سے شروع کر دیا جہاں سے منقطع کیا تھا۔

☆☆☆

کافی دیر تک رونے کے بعد اسے بمشکل نیند کی دوا دے کر سلایا گیا تھا۔ ایسی غفلت کی نیند میں اگر زلزلہ بھی آ جاتا ہے تو شاید وہ نہ جاگتی تو کر بہ پائی سے چلتے اس ہیولے کو کیسے محسوس کرتی۔ وہ بہت خاموشی سے اس کے بستر کے نزدیک پہنچا تھا۔ اپنی لمبے ناخن والی بال دار انگلی اس کی پیشانی پر رکھے وہ کچھ دیر یونہی گھورتا رہا شاید ممکنہ ردعمل کا منتظر تھا مگر وہ کسمسائی تک نہیں۔ کھیلتی انگلی گال پر ایک قوس بناتی ہوئی ٹھوڑی تک پہنچی تھی اب وہ ہاتھ اس کی گردن پر رینگ رہا تھا۔ اچانک اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا دبانا شروع کر دیا۔ زمرد کی آنکھیں پوری طرح کھل گئی تھیں۔ اس نے پورا زور لگا کر چیخنا چاہا کھڑکی کے شیشوں سے چھن چھن کر آتی چاندنی میں وہ واضح طور پر اس غیر انسانی مخلوق کو دیکھ سکتی تھی جو ایک گھٹنا اس کے پیٹ پر اور دوسرا پیر زمین پر رکھے پوری قوت سے اس کا گلا دبا رہا تھا۔ اچانک اس کی گرفت ہلکی ہوئی اور زمرد کو چیخنے کا موقع مل گیا۔ گھر میں ہلچل مچ گئی۔ دوڑتے قدموں کی آوازیں آنے لگیں، اس بلا نے تیزی سے چھلانگ لگائی اور کھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔ یکدم فضا میں فائر تک کی تڑتڑاہٹ گونجی ''مارو پکڑو'' کا شور سنائی دیا اور پھر خاموشی چھا گئی۔

کچھ ہی دیر میں تمام اہلِ خانہ زمرد کے کمرے میں جمع ہو چکے تھے۔ وہ جو کوئی بھی تھا بچ کر نکل چکا تھا۔ نادر اور شفیق

کے کافی دور تک پیچھا کرنے کے باوجود وہ کسی طرح غائب ہو گیا۔ لیکن زمرد کی سنائی گئی کہانی نے سب کو درجے کی تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ اور یہ سوہانِ روح تھا کہ وہ اتنی سخت سیکیورٹی کے باوجود اندر داخل ہوا اس کے بعد اس نے زمرد کے کمرے تک رسائی حاصل کی، یہ تمام باتیں اس معاملے کو ... دے رہی تھیں۔ اس پر مستزاد اس کا حلیہ ایک ... دے رہا تھا۔

''ہم'' اس علاقے کا ایک قدیم ... بوڑھوں کے بقول عورتوں کو اٹھا کر لے جاتا تھا لیکن ... کسی نے آج تک اسے دیکھا نہیں تھا۔ وہ ... زندہ تھا۔ لیکن زمرد کی بات کو وہم کہہ کر نظر انداز ... تھا۔ اس کی گردن پر بنے نشانات کسی بھی ... ہاتھوں کے نشانات کے مقابلے میں بڑے تھے۔ ... انگوٹھوں کے ناخنوں سے ٹھوڑی پر گہرے گھاؤ پڑے تھے۔

شفیق اس وقت تین طرف سے سوالات کی ... میں تھا۔ اسے یہ وضاحت دینی مشکل ہو رہی تھی کہ ... ایک طرف سے گارڈ غائب کیوں تھے۔ یہ حویلی کے جاں نثار تھے یہ سوچنا بھی محال تھا کہ وہ بنا کسی کے حکم کے ... جاتے اور ڈیوٹی میں کوتاہی کرتے۔ جبکہ بقول اس کے وہ ... اس بات سے لاعلم تھا سیکیورٹی کا انچارج اس وقت سر ... ان کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ بھی اپنے کارندوں کی اس حرکت کا جواز پیش کرنے میں ناکام رہا تھا۔ موسیٰ جان نے فوری طور پر اسے برخاست کرتے ہوئے ایک اور شخص کو سیکیورٹی کی ذمے داری سونپی تھی اور کسی کوتاہی کی صورت میں برطرفی نہیں بلکہ ... مار دینے کی دھمکی کے ساتھ اسے وہاں سے رخصت کر دیا گیا۔ اس رات حویلی کے تمام افراد نے ہیرونی برآمدے میں بیٹھے ہی سورج کو طلوع ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ نیند سب کی آنکھوں سے روٹھ چکی تھی۔

☆☆☆

اسے وہاں قید ہوئے چوبیس گھنٹے گزر چکے تھے اور ابھی تک اس انجان مخلوق سے سوائے قید و بند کے اسے اور کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی۔ کھانے کے لیے پھلوں کے ساتھ تازہ دودھ مہیا کر دیا گیا تھا۔ اشاروں سے پانی مانگنے پر ایک منرل واٹر کی بوتل بھی مل گئی۔ اب وہ اس سے خوفزدہ بھی نہیں تھی۔ اسے لاشعوری طور پر یہ اندازہ تھا کہ اسے کسی مقصد کے تحت قید کیا گیا ہے اور مقصد پورا ہوتے ہی وہ آزاد ہو جائے گی۔ پچھلی بار جب وہ گئے تو اسے ... ہو گیا تھا کہ وہ باہر جاتے ہوئے غار کا دہانہ ایک پتھر سے ...

بند کرہا تا بے جیسے بلانا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔
لہٰذا اب وہ اطمینان سے معاملات کے نمٹنے کی منتظر تھی۔ ویسے بھی وہ پُر امید تھی جلد یا بدیر زمرد کے طاقتور والد اسے بازیاب کروالیں گے۔

☆☆☆

وہ رات میں کس وقت واپس آیا تھا، وہ بے خبر رہی تھی نہ ہی اس کی آمد و رفت کا کوئی مخصوص وقت مقرر تھا۔ نہ ہی وہ کچھ بتانے پر تیار تھا۔ بات کرنے کی تمام کوششیں وہ ناکام کرچکا تھا۔ اس کے پاس سوائے انتظار کے کوئی چارہ نہیں تھا اور اب وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ گھونٹ گھونٹ منرل واٹر پیتے ہوئے وہ کسی انرجی ڈرنک کے کمرشل کا حصہ لگ رہا تھا۔

''سنو! تم نے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے یہ واہیات گیٹ اپ کیوں چنا؟''

وہ اچانک بولی تو وہ کچھ دیر اسے خاموشی سے گھورتا رہا پھر ایک غراہٹ بھرے ہنکارے کے ساتھ دوبارہ پہلے والے شغل میں مصروف ہو گیا۔

☆☆☆

''آقائی! قریبی گاؤں سے پوچھ گچھ کے دوران دو بچے ملے ہیں جو کچھ عجیب سی بات بتا رہے ہیں۔ آخری بار بی بی کو ایک چٹان پر دیکھا تھا انہوں نے بھیڑیں چرانے کے دوران۔ گاؤں والوں میں ان کی باتوں سے بہت خوف پھیل گیا ہے اجازت ہو تو انہیں یہاں لے آؤں؟''

گاؤں میں تلاشی کے لیے بھیجی گئی پارٹی کے رکن کی بات سن کر گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگائے فون سے الجھتا ہوا نادر خان جلدی سے سیدھا ہوا۔

''ہاں فوراً لاؤ انہیں۔''

☆☆☆

غار میں چھائے اندھیرے میں وقت کا فرق کرنا بہت مشکل تھا۔ ذہن پر چھائے خوف کے بادل چھٹے تو اکتاہٹ کا دورہ سا پڑا وہاں اس چھوٹے سے مکعب نما کمرے میں کرنے کے لیے کچھ نہیں تھا بس دن کو رات اور رات کو دن کرنا تھا اب اس میں عجیب طرح کا غصہ اور جارحیت پیدا ہونے لگی تھی ابتدا میں پیدا ہوا اطمینان کافور ہونے لگا تھا۔ اس درندے نما کی سنکی اور نا سمجھ آنے والی حرکات و سکنات کا بغور مشاہدہ کرتے کرتے وہ اس عمل سے بھی اکتانے لگی تھی اور اس اکتاہٹ کا نتیجہ جلد ہی سامنے آیا۔

وہ اس وقت باہر اپنے چھپائے گئے ذخیرے میں سے نمٹنے کے لیے کچھ ڈبا بند خوراک کا بندوبست کرنے گیا تھا۔ واپسی میں ایک غیر متوقع سرپرائز اس کا منتظر تھا۔ جوں ہی اس نے سرنگ سے ہال نما غار میں قدم رکھا، وہ کسی اسپرنگ کی طرح اچھل کر اس کی پشت پر سوار ہو گئی۔ درندے کے دونوں ہاتھوں میں تھامے ڈبے ایک ایک کرکے زمین بوس ہوتے۔ وہ سبرینہ کی مضبوط گرفت چھڑانے کی کوشش میں عملاً کمرے میں ناچ رہا تھا اور وہ کسی بندریا کی طرح اس کی پشت سے چمٹی مسلسل مکے اور تھپڑوں سے اس کی تواضع کر رہی تھی۔ بمشکل وہ اسے کھینچ کھانچ کر نیچے پٹخنے میں کامیاب ہو سکا لیکن اس طرح کہ اس کا وہ درندے کی صورت والا ماسک سبرینہ کے ہاتھ میں تھا۔

☆☆☆

وہ زور زور سے ہانپتے ہوئے فاتحانہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے جیسے سبرینہ کو کچا چبا جانا چاہتا تھا۔ وہ ایک خوش رو نوجوان تھا لیکن مسلسل اس غار میں رہتے ہوئے اس وقت اس کا حال واقعی کسی درندے سے مشابہ تھا۔

''تو تم مجھے شروع سے بتاؤ کہ مجھے یہاں کیوں لائے؟ کیا میں تمہیں جانتی ہوں؟'' ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر نمودار ہوئی۔

''میں جانتا ہوں یہ گیٹ اپ اتنا اچھا نہیں ہے لیکن پھر بھی تمہیں کیسے اندازہ ہوا کہ میں انسان ہوں۔'' اس کا سوال سن کر سبرینہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''اوہ کم آن یہاں تم نے مشعلیں ٹنک بوتلیں اور کلپس کی مدد سے ٹائٹ کی ہوئی ہیں۔ تمہاری فر کے بال واضح طور پر مصنوعی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ٹن پیکس اور بتاؤں کیا؟''

''اوکے اوکے ٹھیک ہے۔'' وہ کسی مقرر کی طرح دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولا۔ ''میں نثار کا بھائی نصر ہوں۔''

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ شاید سبرینہ کے چہرے پر کسی قسم کے تغیرات کا مشاہدہ کرنا چاہتا تھا مگر وہاں صرف تجسس تھا۔

''تم پوچھو گی نہیں کون نثار؟''

''نہیں، میں اسے جانتی ہوں لیکن غائبانہ کیونکہ ہمیشہ زمرد سے اس کا ذکر سنا۔ سو تو مسٹر آپ یہاں کیوں اور کس لیے ہیں؟''

''تم مجھے یہ بتاؤ تم لڑکیاں ہمیں کیا سمجھتی ہو، کوئی کھلونا کہ جب تک نیا نئے طلے پرانے سے کھیلو اور نیا ملتے ہی پرانے کو مسخ کردو؟'' وہ اچانک اس کے نزدیک آ بیٹھا..... اس کی آنکھوں میں شدید نفرت اور غصہ تھا۔ سبرینہ لرز کر رہ گئی۔ اسے پہلی بار اس جنونی سے خوف محسوس ہوا۔ وہ بے ساختہ پیچھے ہٹی

تیزی سے دیوار سے ٹکرا کر رہ گئی۔

"میرا بھائی مر چکا ہے۔ اس نے خودکشی کرلی ہے اور اس کی ذمے دار تمہاری دوست ہے۔ میں آیا تو یہاں اسے مارنے کے لیے تھا۔ کل وہ میرے ہاتھوں تقریباً مرتی مرتی بچی تھی۔" اس کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی۔ "لیکن ابھی تم لوگوں جتنی بے رحمی مجھ میں پیدا نہیں ہوئی ہے۔ تم لوگ تو شخص اپنے لفظوں سے قتل کر دیتے ہو۔" اس کے لہجے کی لرزش اس کے اندرونی کرب کی غماز تھی۔

"میں نہیں جانتی کہ ان کے درمیان کیا بات ہوئی۔ میں بتاتی ہوں اس دن کیا ہوا..."

"میں گاڑی میں بیٹھی میوزک سنتے ہوئے زہرہ کی منتظر تھی۔ ہمیں کہیں ایک طویل سفر کرنا تھا۔ جب وہ تیز تیز چلتی ہوئی باہر آئی۔ چہرے کی سرخی بتا رہی تھی کہ اندر کا ماحول کافی گرمی لیے ہوئے ہے۔

"چلو۔" گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے زور سے دروازہ بند کیا۔

"کیا ہوا خیریت؟ تم تو اسے الوداع کرنے گئی تھیں؟" میں نے بغور اس کو دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"میں نے سوچا تھا وہ ایک سمجھ دار انسان ہے۔ ہم نے ساتھ میں بہت اچھا وقت گزارا اب طریقے سے الگ ہو جائیں گے مگر نہیں وہ مرد ہی کیا جو لیس کی طرح چپک نہ جائے۔" وہ تیز تیز بولتے ہوئے بالوں کو کیچر میں لپیٹنے لگی۔

میں نے ایک گہری سانس لی۔ میں اس کے اسٹائل سے اچھی طرح واقف تھی۔ لڑکوں سے دوستی کرنے میں وہ جتنی جلد باز تھی، انہیں چھوڑنے میں اس سے بھی زیادہ برق رفتار۔ اور ان رشتوں کی توڑ پھوڑ اگلے فریق کے ذہن و دل پر کیا اثرات مرتب کرتی ہے، وہ کبھی نہیں سوچتی تھی۔ ابھی بھی نثار نامی اس نوجوان کے فلیٹ سے جس غصے میں وہ نکلی تھی، یقیناً اس کی طبیعت صاف کر کے آئی تھی۔

"بیچارہ نثار۔" میں نے سوچا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

اس کے بعد تقریباً ایک ہفتہ میں نے یہاں سکون سے گزارا اور پھر یہاں آ گئی۔"

وہ آنکھوں میں درد کی گہری کیفیت لیے خاموشی سے سنتا رہا۔

"میرا بھائی ایک حساس انسان تھا۔ وہ جو رشتے بناتا تھا، انہیں پوری طرح نبھاتا تھا مگر اب تو یہ سب فضول ہی ہے۔ میں اپنی گاڑی میں یہاں سے نکل جاؤں گا، تم یہاں سے پیدل ہی..."

ابھی اس کی بات ادھوری ہی تھی کہ کوئی عجیب سی آواز غار میں گونجنے لگی۔ سنتے ہی وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ بے ہوش ملک ابھی تک سہریت کی گود میں دھرا تھا۔ وہ سر پر چڑھتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆☆☆

بچے وہاں سے بچوں سے ہی معلومات انہیں یہاں لے آئی تھیں جہاں سے سہریت کو اٹھایا گیا تھا۔ آس پاس کی حویلی اور اس کے آس پاس کا جائزہ لیا جا چکا تھا۔

"بچوں کے کہنے کے مطابق وہ جو کوئی بھی تھا، اسے یہاں سے پیدل ہی لے گیا ہے اور یقیناً اسے کہیں آس پاس ہی چھپایا گیا ہے۔ ممکنہ طور پر کسی کھوہ یا غار میں۔ ہمیں اسے تلاش کرنا ہے۔"

کندھوں پر بندوقیں سنبھالے موتی جان کے تمام وفادار بغور اس کی ہدایات ذہن نشین کر رہے تھے۔

سہریت کی تلاش میں نکلی ہوئی پارٹی کی کمان مکمل طور پر نادر کے ہاتھ میں تھی اور شفیق نہ چاہتے ہوئے بھی زہر کا گھونٹ بھرنے پر مجبور تھا۔

☆☆☆

اس نے غار سے باہر ایک وسیع رقبے میں بیرونی مداخلت سے بچنے کے لیے خاطر خواہ بندوبست کر رکھا تھا۔ وہ ایک تار تھا جو غار کے چاروں طرف زمین سے چھ انچ اوپر اس طرح تنا ہوا تھا کہ بالفرض ہر مداخلت کار کا پیر اس سے ضرور مس ہوتا اور اس کے ساتھ ہی تیز بیپ بجنے لگتی۔ اس وقت بھی وہ بیپ کی آواز سن کر ہی باہر آیا تھا۔ وہ ایک ڈبل کیبن پک اپ تھی جس کے پچھلے حصے میں سوار ڈھاٹا پوش کندھے پر لدی بندوقیں سنبھالے تیزی سے نیچے اترے تھے۔ ان کی حرکات و سکنات میں ایک میکانکی ترتیب تھی جیسے اس قسم کی مہموں کے عادی ہوں۔ پسنجر سیٹ سے ایک اور شخص چہرہ ڈھانپا ہوا نمودار ہوا اور وہ اس کا چہرہ دیکھ کر چونک اٹھا۔ ان کے انداز سے ہی خطرناک عزائم ہویدا تھے۔

صبح کے اس جھٹپٹے میں وہ کسی مداخلت کا گمان تک نہیں رکھتے تھے اور اب تیز بیپ کی آواز سے بھڑک کر وہ کسی درندے کی طرح چوکنا ہو کر گرد و پیش کا جائزہ لے رہے تھے۔

غار کے دہانے پر دبکا ہوا وہ بغور ان کی حرکات کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ "ممی" نامی مخلوق کا وہ لباس کسی عام آدمی کو تو ڈرا سکتا تھا لیکن یہ ہتھیار بدست لوگ دیکھتے ہی بھون ڈالتے۔ یہ تو تھا کہ وہ کرائے کے آدمی ان کے ارادے جانچ جاتے۔

نامعلوم صورت ڈھاٹا پوش جو شاید ان اجنبیوں کا سرغنہ تھا، اب تیز آواز میں انہیں کچھ ہدایات دینے میں مصروف تھا۔ ان کی

بہت ہی کم وقت میں کسی مشن کی تکمیل ان کا پہلا فریضہ تھی بعد میں ہی اس مشن کے خدوخال واضح ہونے لگے۔ گاڑی سے ذرا بعد ہی پیچھے بیٹھے ہوئے کو لیے ہوئے دو افراد حویلی کی سمت اور دو اپنی گنیں سنبھالتے ہوئے دائیں بائیں دوڑ گئے۔ اب گاڑی میں شاید صرف ڈرائیور موجود تھا۔ وہ دبے قدموں چلتا ہوا پک اپ کی طرف بڑھا تب ہی پک اپ کی نزدیکی چٹان کے پیچھے اسے کسی کے سفید لباس کی جھلک نظر آئی۔

☆☆☆

وہ سب دو دو کی ٹولی میں بٹ کر میل بھر کے علاقے میں پھیل گئے تھے۔ یہاں چٹانوں کی بہتات تھی مگر غاروں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی۔ یہ ایک اکتا دینے والا کام تھا۔ وہ سب بے دلی سے چٹانوں کے گرد گھوم گھوم کر دیکھ رہے تھے۔ تب ہی شفیق کے ساتھ موجود حسن علی نے آواز لگائی۔

"واجا! یہ دیکھیں۔"

وہ تیزی سے اُدھر لپکا۔ ایک چٹانی چھجے کے پیچھے موجود کھوہ تھی جو اتنی چوڑی تھی کہ اندر ایک گاڑی بہ آسانی چھپائی جا سکتی۔ بونٹ پر خشک جھاڑیاں ڈالی گئی تھیں۔ جو گاڑی کو چھپانے کی ایک دانستہ کوشش تھی۔ یہ دو دن کے بعد ملنے والی ایک غیر متوقع کامیابی تھی وہ ابھی اس کی اطلاع نادر کو دینے کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ فضا میں تیز بیپ کی آواز گونجنے لگی۔

☆☆☆

پک اپ کچھ اس زاویے سے کھڑی کی گئی تھی کہ چٹان کے عقب سے برآمد ہونے والے کسی بھی طرح ڈرائیور کی نگاہ میں آنے سے محفوظ رہ ہی نہیں سکتے تھے۔ ڈرائیور کا ہاتھ سیٹ پر رکھی گن پر رینگا۔ خودکار مشین گن کا ایک ہی برسٹ ان کے بخیے ادھیڑ دیتا۔ تیزی سے حرکت کرنے کا وقت تھا۔ اس نے بھاری بھرکم لباس کے باوجود اپنی پوری جسمانی قوت کے ساتھ ایک جست لگائی تھی اور تقریباً اڑتا ہوا ڈرائیور کی کھڑکی سے باہر لٹکے ہوئے گن بردار ہاتھ پر جا پڑا۔ ڈرائیور کی ٹریگر پر جمی ہوئی انگلی ایک خوفناک صورت کو یوں اپنی طرف لپکتے دیکھ کر بے ارادہ ہی دب گئی۔ گن کی نال لہرائی اور کئی گولیاں چٹانوں کے ریزے اڑاتی ہوئی فضا میں گم ہو گئیں۔

☆☆☆

وہ چٹانوں کے پیچھے سے آنے والی فائرنگ کی آواز سن کر فوراً چٹانوں کے پیچھے مورچا بند ہو گئے تھے۔ ڈرائیور پہلی بار کی بدحواسی کے بعد فوراً سنبھلا تھا۔ اس کے خیال میں سر نیچے کیے آگے رینگتا ہوا باہر نکلا جا سکتا تھا حالانکہ اس طرف ایک انوکھی مخلوق موجود تھی جس کے متعلق اس نے ہمیشہ صرف کہانیوں میں سنا تھا لیکن اب وہ مخلوق شاید اس کی اندھا دھند چلائی گئی گولی سے زخمی ہو چکی تھی۔ اور اس سے زیادہ خطرناک درندے چٹان کے پیچھے اس کے منتظر تھے۔ دوسرے ہی والے سے نکلتا تو سیدھا ان کے نشانے پر ہوتا۔ بہتر یہی تھا زخمی درندے کو ہی کر دیا جاتا۔ اس نے بھاری گن کو موجود جگہ میں سیدھا کرتے نشانہ لینے میں جو وقت ضائع کیا وہی ڈھمر کی نجات کا ذریعہ بن گیا۔ ڈھمر کو نشانہ بنانے وہ غیر محسوس انداز میں ونڈ شیلڈ کے حفاظتی کور سے باہر نکل گیا۔ بھاری ہتھیار سے کیا گیا اکلوتا فائر ڈرائیور کے سر کے پرخچے اڑا گیا تھا۔ اس نے بہتر سمجھا کہ چہرے پر چڑھا ماسک کا ماسک اتار پھینکے ورنہ کچھ بعید نہیں تھا، نو وارد بھی اسے خطرہ سمجھ کر نشانہ بنا ڈالتے۔

پہلو میں اٹھتی درد کی ٹیسیں نظر انداز کرتا وہ گاڑی سے ٹیک لگاتا ہوا سیدھا ہو بیٹھا۔ ماسک اتارتے ہی پہاڑی کے پیچھے سے ایک سے زائد ہتھیار بدست نمودار ہوئے۔ شاید وہ بھی اس سے خوفزدہ تھے یہ خیال اس گمبھیر صورت حال میں بھی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ لے آیا۔

"اٹھاؤ اسے، اس نے ہماری جان بچائی ہے۔ فوراً حویلی پہنچاؤ۔"

بھانت بھانت کی بولیوں کے درمیان بہ مشکل وہ انہیں حویلی کی طرف گئے بقیہ نقاب پوشوں کے بارے میں بتا پایا۔ آخری منظر جو اس نے دیکھا۔ وہ ان کے بدحواس ہو کر حویلی کی طرف دوڑنے کا تھا۔

☆☆☆

بیپ بجنے کے ساتھ ہی وہ جس طرح بے تاب ہو کر باہر نکلا تھا، ناممکن تھا کہ غار کے دہانے کو بند کر پاتا۔ بہر بیٹ کے لیے بہت اچھا موقع تھا باہر نکلنے کا۔ ویسے بھی شاید وہ اسے آزاد ہی کر دینے والا تھا اس کی ادھوری بات کا کچھ یہی مفہوم نکلتا تھا۔ اس نے چند منٹ انتظار کیا اور گرتے قدموں سے پچھلی سرنگ میں نکل آئی۔ یہاں سے نکلنے کی پہلی کوشش بری طرح ناکامی سے دوچار ہوئی تھی مگر اس بار حالات کچھ مختلف تھے۔ اور جلد ہی اسے وہ پتھر نظر آ گیا جس سے وہ غار کا دہانہ بند کیا کرتا تھا مگر درحقیقت وہ غار کا دہانہ تھا ہی نہیں بلکہ سرنگ اس کے بعد بھی آگے چلی گئی تھی۔ عین غار کے دہانے سے وہ دو حصوں میں بٹ رہی تھی۔ سرنگ کی ایک دیوار میں موجود دوسری سرنگ کا دہانہ اسے کسی اور حصے میں لے جاتا اور دو قدم اندر جاتے ہی اسے علم ہو گیا کہ وہ اپنا خوراک کا ذخیرہ کہاں محفوظ رکھتا تھا۔ اس نے تیزی سے قدم باہر نکالا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ باہر نکلتی، فضا فائرنگ کی آوازوں سے گونج اٹھی۔ وہ بے ساختہ کانوں پر ہاتھ

رکھے زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

☆☆☆

اس نے بہت دھیرے سے آنکھیں کھولی تھیں۔ سفید رنگ آنکھوں میں روشنی بن کر اترا۔ اس نے پلکیں موند لیں۔ ذہن کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا مگر خیالات خودبخود ذہن میں آتے تھے۔ گولیاں، زخم اور نثار اس کی یاد آتے ہی سکون کا عارضی احساس نابود ہوا اب ذہن پر کرب کی اجارہ داری تھی مگر تسکین کی طرح کرب کے لمحات بھی فنا ہو جاتے ہیں۔ خیالات کے بہاؤ پر کسی کی موجودگی کے احساس نے بند باندھا تو گردن گھما کر دیکھنے کی کوشش کی۔ درد کش دواؤں کا اثر شاید ختم ہونے لگا تھا۔ ایک لہر سی پہلو سے اٹھی اور اسے کراہنے پر مجبور کر گئی۔

وہ اس کے داہنی طرف کھڑی گلدان میں پھول سجا رہی تھی۔ یہ خواب تھا یا حقیقت۔ کھڑکی سے آتی ہوئی دھوپ میں سنہری مائل براؤن بالوں سے ہوتے روشنی کے انعکاس نے اسے کوئی ماورائی سا روپ بخش دیا تھا۔ اس نے آنکھیں میچ کر دوبارہ دیکھا اور تب ہی نظر سامنے صوفے پر براجمان اس نوجوان پر پڑی جسے وہ حویلی کے ایک فرد کی حیثیت سے جانتا تھا۔ آہ اس کا مطلب پری کے ساتھ جن بھی ہے۔

”کیسا محسوس کر رہے ہو؟“

”اوہ کمال، ایسا چاق و چوبند تو میں کبھی بھی نہ تھا آہ۔“

”واہ لگتا تو نہیں ہے ورنہ منہ سے پھول نہ جھڑ رہے ہوتے۔“ وہ اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔

”کم آن مسٹر نادر اسے تنگ نہ کریں۔ یہ پہلے ہی کافی تکلیف جھیل چکا ہے۔“

سبرینہ نے مسکرا کر کہا۔ وہ اس کے ہاسپٹلائز ہونے کے بعد سے بار بار اس کی خبر گیری کر رہی تھی۔

”معمولی سی خراش ہے۔ اسے تو اس زخم کا شکر گزار ہونا چاہیے ورنہ جس حالت میں یہ ہمارے ہاتھ لگا تھا شاید......“

”میرے خیال سے نصر کی وجہ سے آج حویلی ایک بہت بڑے نقصان سے محفوظ رہی ورنہ جانے کیا ہو جاتا۔“ گزرے وقت کا تصور کر کے اسے جھرجھری سی آ گئی۔

”بس یہی تو بات ہے جو میں یہاں موجود ہوں اور مسٹر نصر بھی اس وقت ایک بہترین ہاسپٹل میں بہترین ٹریٹمنٹ لے رہے تھے۔ میں اس بات پر آپ کا شکریہ تو ادا نہیں کر سکتا اعر صاحب بس یہ کہوں گا اب آپ حویلی سے دور رہیے گا کیونکہ بابا موسیٰ گھر کی خواتین کے معاملے میں بہت حساس ہیں۔“

”اسی لیے اپنی اکلوتی بیٹی کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں انہوں نے۔“ بات بہت تلخ تھی مگر ... برداشت کافی تھی یا شاید سچ تھا اس لیے اسے سننا پڑا۔

”اس کی تم فکر نہ کرو۔ شفیق سے شادی کا ہو جانا ... تمام گناہوں کی سزا ہے۔“ اب کی بار وہ مسکرایا تھا شاید ... ممکنہ حالت کا تصور کر کے۔

نادر ہلکے پھلکے لہجے میں بات مکمل کرتا ہوا ... جانے کے لیے پر تولنے لگا۔

”اپنا خیال رکھیے اپنے والدین کے لیے۔ زندگی ... معمولی شے نہیں کہ تجربات کی نذر کر دی جائے۔“ وہ ... باہر نکل گیا تو سبرینہ خالی صوفے پر جا بیٹھی۔

”مس سبرینہ کیا میں پوچھ سکتا ہوں، وہ حملہ آور کون ... اور کیا کر رہے تھے جنہوں نے مجھ پر گولی چلائی؟“ وہ ... اسے دیکھتی رہی جیسے الفاظ کو ذہن میں مجتمع کر رہی ہو۔

”وہ حویلی کی بیرونی دیوار کے ساتھ دھماکا خیز مواد ... کر رہے تھے تاکہ بڑا جانی نقصان اٹھائے اسے دہشت گردی کے کھاتے میں ڈالا جائے۔ ایک بلے میں سب ختم ہو جاتا۔“

اس نے ہاتھ گردن کے گرد پھیر کر ختم کا اشارہ کیا۔

”زمرد کے قادر بارڈر سے کچھ ایسی اشیاء کے کاروبار میں ملوث تھے جن پر کسٹم ڈیوٹی نہیں دی جاتی۔ عرف عام میں اسے اسمگلنگ کہتے ہیں۔ انہی سے لین دین کا تنازع تھا۔ حویلی کا کوئی سیکیورٹی انچارج اس حملے میں ان کا مددگار تھا۔“ وہ ایک سانس میں بے تاثر لہجے کے ساتھ بولتی چلی گئی وہ حیرت سے اس کا بے پروا انداز دیکھ رہا تھا۔ ظاہر ہے اسے پروا ہوتی بھی کیوں، وہ حویلی کا حصہ نہیں تھی۔ جبکہ وہ یہ سب سن کر ساکت رہ گیا اب وہ سمجھا کہ موسیٰ جان نے اس کی جاں بخشی کیوں کر دی۔ اس نے نہ صرف اس کے بچوں کی جان بچائی بلکہ اس کے بچاتے ہوئے ٹریپ کی وجہ سے وہ حملہ آور بھی ان کی نگاہ میں آ گئے۔

”مس سبرینہ کیا میں پوچھ سکتا ہوں آپ یہاں کیوں ہیں؟“ وہ اسی انداز میں بولا جیسے جواب سے پہلے سے واقف ہو۔

وہ مسکرائی۔ ”آپ کا خیال رکھنے کے لیے، آپ کے والدین جو یہاں نہیں۔“

”اوہ مطلب یہ سہولت عارضی طور پر دستیاب ہے۔“ وہ مصنوعی افسردگی سے بولا۔

”اگر آپ چاہیں تو مستقل بنیادوں پر بھی فراہم کی جا سکتی ہے۔“ سبرینہ نے ایک قہقہہ لگایا تو وہ بھی دکھتی ہوئی پسلیوں کے ساتھ مسکرانے کی کوشش کرنے لگا۔

زندگی اور موت کا کھیل سنسنی خیز ہونے کے ساتھ ہوش ربا بھی ہوتا ہے... جیتنے والے کے ہوش تو اڑتے ہی ہیں... اور ہارنے والا بھی اسے دیکھنے کی سکت نہیں رکھتا... جیت اور ہار کا منفرد کھیل... ایک محبوبہ کے دو امیدوار تھے... ہر کھلاڑی اس بازی کو جیتنا چاہتا تھا... فاتح وہی ہوتا جو موت کو شکست دینے میں کامیاب ہو جاتا...

بے حسی..... بے وفائی..... کج روی اور انتقامی جذبات کا قصہ محبت.....

ہدف

عمران قریشی

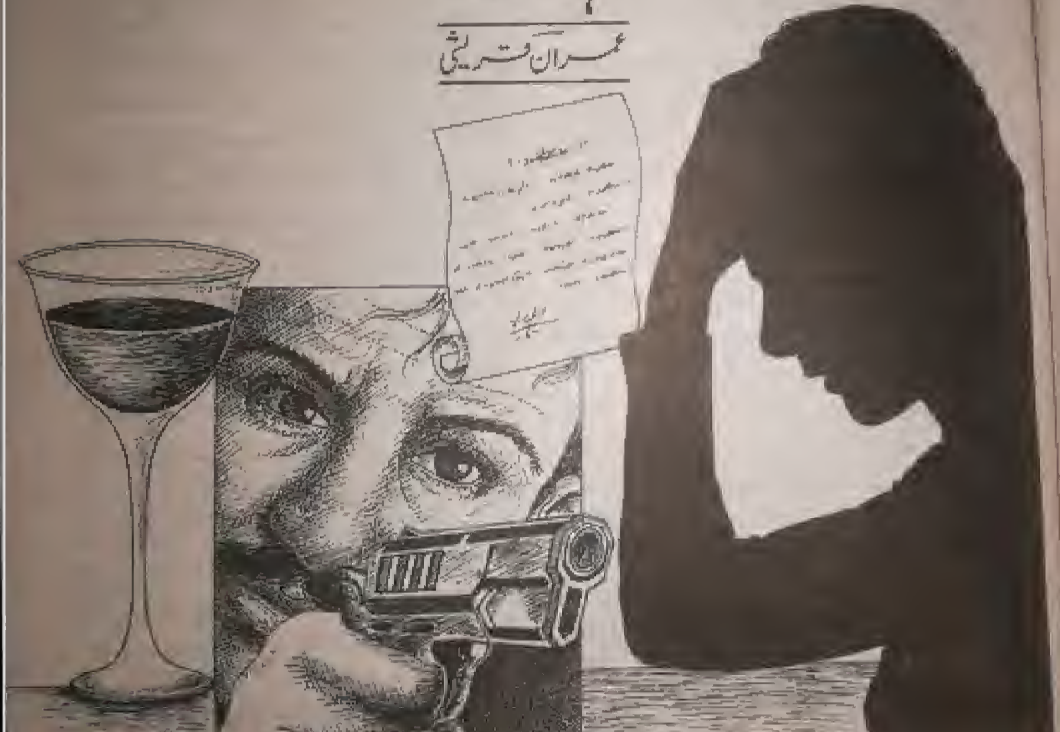

"یہ حقیر سا تحفہ میری طرف سے تمہارے لیے۔"

اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر سلور کلر کا ڈبا مدھو کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ ڈبے کے اوپری حصے میں سے سیاہ رنگ کا ریوالور جھانک رہا تھا۔ مدھو نے حیرت بھرے چہرے کے ساتھ ڈبا تھام لیا۔ وہ دوبارہ بولا۔

"میں اب تک چھ قتل کر چکا ہوں۔ چار لڑکیوں اور دو لڑکوں کے..... پولیس آج بھی میری تلاش میں سرگرداں ہے لیکن میں ان کی دسترس سے باہر ہوں۔ درحقیقت میرا

طریقہ کار ہمیشہ ایک ہی رہا ہے۔ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے لائحہ عمل پر ذہنی یکسوئی کے ساتھ غور وفکر کرتا۔ جلد بازی سے کام نہیں لیتا اور کام کے دوران اپنے آپ کو مکمل طور پر پُرسکون رکھتا۔'' اس نے وہسکی کا گھونٹ بھرتے ہوئے سامنے بیٹھے دونوں افراد کی طرف داد طلب نگاہوں سے دیکھا۔ ان میں سے ایک جوان العمر مدیحہ عرف مدحو تھی جس سے عنقریب وہ شادی کرنے والا تھا۔ مدحو کے ساتھ والی کرسی پر شاہ جہان براجمان تھا۔ عمر پینتالیس سے پچاس کے درمیان لیکن قابلِ رشک صحت اور بہترین رکھ رکھاؤ کی وجہ سے پینتالیس سے بھی کم کا دکھائی دیتا تھا۔ ان دونوں کے سامنے بیٹھے ہوئے وکی کا تعلق انڈر ورلڈ کی خفیہ تنظیم سے تھا۔ چہرے کے نقش ونگار کرخت، جسم ورزشی، بال کالے سیاہ اور قد لمبا تھا۔ صنفِ نازک کو اپنی جانب متوجہ کرنا پھر ان کی عزتوں سے کھیلنا، اس کے محبوب مشغلوں میں سے ایک تھا۔ مدحو اور شاہ جہاں اس وقت مضافات میں واقع وکی کی رہائش گاہ پر مدعو تھے۔ رہائش گاہ کا نام میلانو ہال تھا اس کا نچلا حصہ وسیع وعریض ہال پر مشتمل تھا۔ یہ بہت بڑے میٹنگ ہال سے مشابہت رکھتا تھا۔ ہال کے درمیان کرسیاں اور وسیع وعریض میز لگا کر اسے تنظیم کے افراد کے بیٹھنے کے لیے محدود کر دیا گیا تھا اور مخالف جانب اسنوکر کی میز اور تاش کھیلنے کے لیے الگ انتظام کیا گیا تھا۔ یہاں نہ صرف بڑے پیمانے پر جوا کھیلا جاتا بلکہ شراب وشباب کے سلسلوں کے لیے بھی خصوصی اہتمام کیا جاتا تھا۔ یہ ہال حکومت کے چند سرکردہ افراد کا منظورِ نظر تھا۔ وہ نہ صرف اسے اپنی عیاشیوں کے لیے استعمال کرتے تھے بلکہ اس کے تحفظ کے لیے پشت پناہی بھی کرتے تھے اور ان عیاشیوں کا سامان انہیں وکی مہیا کرتا تھا۔

''مجھے تمہاری کہی ہوئی باتوں سے مکمل اتفاق ہے لیکن ان میں سے ایک پر بھی تم خود عمل پیرا نہیں ہوئے ہو۔ چھ کے چھ قتل تم نے تنظیم کی پشت پناہی کی وجہ سے کیے تھے۔ ان میں سے دو تمہارے گلے کا پھندا بنتے بنتے رہ گئے تھے۔ اگر تنظیم کے سرکردہ افراد تم کو ملک سے فرار ہونے میں مدد نہ دیتے تو آج تم ہمارے سامنے نہ بیٹھے ہوتے۔'' شاہ جہان نے گویا اس کی پول کھول کے رکھ دی۔

وکی کے چہرے پر غصے کے تاثرات پیدا ہوئے اور وہ ... لہجے میں مدحو سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

''حضرت کی تعریف...... کیا تمہارے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ معاف کرنا لیکن تم ہمارے گیرے کو وقار کر میلانو ہال لے آتی ہو۔ مجھے تمہاری یہ حرکت بالکل بھی ... شاہ جہان کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

مدحو نے مستحکم لہجے میں جواب دیا۔ ''یہ کوئی ایرا غیرا نہیں ہے۔ تمہاری طرح اس کا تعلق بھی انڈر ورلڈ کی ایک ابھرتی ہوئی تنظیم سے ہے۔ مجھے امید ہے کہ جلد ہی اس کی حیثیت تم سے کم نہیں ہوگی۔''

شاہ جہان سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''ماہ نور کے قتل نے تمام شہر میں کھلبلی مچا کر رکھ دی تھی۔ تمہارا اور اس کا معاشقہ بچے بچے کی زبان پر گردش کر رہا تھا۔ اس معاشقے کے دوران تم نے نہ صرف اسے پریگننٹ کیا بلکہ بعد ازاں اس کے پیٹ میں چاقو گھسیڑ کر اسے قتل بھی کر دیا۔ تم اس قتل کے بعد عجلت کے عالم میں اپنا چاقو جس پر تمہارا نام بھی کندہ تھا، چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد تمہیں گرفتار کر لیا گیا۔ تمہاری گرفتاری کے بعد پشت پناہی کرنے والی تنظیم نے نہ صرف چاقو کی گمشدگی کی رپورٹ درج کروائی بلکہ تاریخ بھی قتل سے ایک دن قبل کی لکھوائی۔ تب تمہاری جان خلاصی ہو سکی۔''

وکی کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا اور وہ پریشان لہجے میں بولا۔ ''میں اسے قتل نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن پریگننٹ ہونے کے بعد اس نے مجھ پر شادی کے لیے زور دینا شروع کر دیا تھا۔ تب مجبوراً مجھے حالات سے سمجھوتا کرتے ہوئے اسے ہلاک کرنا پڑا۔''

شاہ جہان کا چہرہ جذبات کی شدت سے سرخ ہونے لگا۔ تاہم تحمل مزاجی سے کام لیتے ہوئے وہ بولا۔ ''اگر کوئی بھی لڑکی تم سے شادی کا مطالبہ کرے تو کیا تم اسے قتل کرو گے؟''

وکی نے ڈھٹائی کے ساتھ سر اثبات میں ہلایا۔ ''یہ میری مجبوری ہے۔ میں کتنی شادیاں کر سکتا ہوں۔ لڑکیاں تو زندگی میں آتی اور جاتی رہتی ہیں۔ سب سے شادی کرنا ممکن نہیں ہے۔''

شاہ جہان نے اپنے ساتھ بیٹھی ہوئی مدحو کی طرف دیکھا پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ ''اور اگر وہ لڑکی مدحو ہو پھر......؟''

''مدحو کی بات غلط ہو رہے۔ اسے محبت کے سبب میں نے کیا تھا اور شادی کا فیصلہ بھی میرا تھا۔''

''لیکن ماہ نور کو بھی محبت کے لیے مجبور تم نے کیا ہاں شادی کا فیصلہ صرف ماہ نور کا تھا اس لیے تم نے ...

وکی جھلاتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''تم ماہ نور والے معاملے کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟ وہ ایک گزری ہوئی داستان تھی جو گزر گئی، اسے دہرانے کا کیا فائدہ؟''

''دیکھو مدھو۔ سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔ یہ بہت بڑا فراڈ ہے۔ چار لڑکیوں کا قتل کر چکا ہے۔ پانچویں تم ہو۔''

وکی غصیلے لہجے میں چلاتے ہوئے بولا۔ ''زبان سنبھال کر بات کرو۔ تم اس کے دل میں بدگمانی پیدا کرنا چاہتے ہو لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ میں اور مدھو جلد شادی کرنے والے ہیں۔''

مدھو نے اس کی بات کاٹتے ہوئے تلخ لہجے میں پوچھا۔ ''ماہ نور کون تھی؟ تم نے مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ کیا واقعی تم اس سے محبت کرتے تھے یا پھر صرف یہ ایک ڈراما تھا؟''

وکی نے پریشان لہجے میں جواب دیا۔ ''محبت کتنی ہی دفعہ کی جاسکتی ہے لیکن شادی ایک دفعہ ہی ہوتی ہے اور وہ میں تمہارے ساتھ کروں گا۔ ماہ نور ایک گزری ہوئی محبت تھی جسے میں نے نہ صرف دھتکار دیا تھا بلکہ دھتکارنے کے بعد قتل بھی کر دیا تھا۔''

شاہ جہاں کا ناپا تلا مکا اس کے چہرے پر پڑا۔ وہ تیورا کر چاروں شانے چت زمین پر گر گیا۔ مدھو چند لمحے حیرت بھری نگاہوں سے وکی کے بے سدھ وجود کو دیکھتی رہی۔ اس کے بعد پوچھا۔

''کیا یہ مر گیا ہے؟''

''نہیں، ایسے ڈھیٹ اور مفاد پرست لوگ اتنی جلدی نہیں مرتے۔ ابھی تھوڑی دیر لیٹے رہنے کے بعد اٹھ جائے گا۔''

''لیکن تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تمہارے لیے غصہ بہتر نہیں ہے۔'' شاہ جہاں نے میز پر رکھے ہوئے پانی کے گلاس کو اٹھایا اور تمام پانی وکی کے چہرے پر انڈیل دیا۔ اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ پھر چند لمحے فراموشی کے عالم میں ہال کی چھت کو گھورتے رہنے کے بعد وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور جبڑے کو سہلاتے ہوئے مدھو سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

''میں اس بوڑھے کا تمہاری وجہ سے لحاظ کر رہا تھا۔ ورنہ اس حرکت کے بعد اس کی لاش زمین پر پڑی ہوتی۔''

مدھو مسکراتے ہوئے بولی۔ ''کون بوڑھا آرہا.... یہ مجھ سے شادی کا خواہش مند ہے۔ ایک گزری ہوئی داستان کی طرح یا پھر گزشتہ محبت کی طرح..... میرے خیال میں معاملہ برابری کا ہونا چاہیے۔ ماہ نور اور مدھو۔ دوسری جانب شاہ جہاں یا پھر وکی۔ تم نے دونوں میں سے ایک کا انتخاب کر لیا لیکن میرا ابھی باقی ہے۔ اگر سچ کہوں تو میں فیصلہ نہیں کر پا رہی کہ تم دونوں میں سے کسے منتخب کروں، اب اگر میرے لیے کچھ بہتر کر سکو تو شاید فیصلے میں آسانی پیدا ہو جائے۔''

شاہ جہاں بولا۔ ''ہم دونوں تمہارے حصول کے لیے جان کی بازی لگانے کے لیے تیار ہیں۔ اصول کی خلاف ورزی کرنے والا ہار جائے گا۔ تم ہار اور جیت کے بعد کسی کے بھی حق میں فیصلہ سنا سکتی ہو۔''

وکی قہقہہ لگاتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں بولا۔ ''تم میرے ساتھ مقابلہ کرو گے۔ مجھے یقین نہیں آرہا۔ اگر دورانِ مقابلہ تمہارا انتقال ہو گیا۔ تو ساتواں قتل مفت میں میرے گلے پڑ جائے گا۔''

مدھو بولی۔ ''مرغوں کی طرح لڑنا مجھے پسند نہیں۔ مقابلہ ہو تو مکمل اہتمام کے ساتھ ہو۔ پتا بھی چلے کہ کسی لڑکی کے لیے جان کی بازی لگائی جارہی ہے۔'' مدھو نے فخریہ انداز میں کہا۔

شاہ جہاں اور وکی نے استفہامیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی کرسی کو چھوڑ کر کھڑی ہوئی اور کمرے میں ٹہلتے ہوئے بولی۔ ''اس معاملے میں جدت تو نہیں ہے۔ ہاں وقار کی موت ضرور ہے۔ ریوالور کے اندر سے تمام گولیاں نکال کر صرف ایک چھوڑ دی جائے گی۔ چیمبر کو گھمانے کے بعد اس بات کا اندازہ لگانا ممکن نہیں ہوگا کہ اکلوتی گولی کس خانے میں چلی گئی ہے۔ پھر تم دونوں باری باری ٹریگر دباؤ گے۔ گولی تم میں سے ایک کا خاتمہ کر دے گی اور زندہ بچ جانے والا میرا منظورِ نظر ہوگا۔''

وکی کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔ وہ لڑنے مارنے کے لیے بخوشی تیار تھا۔ درحقیقت اسے یقین تھا کہ وہ شاہ جہاں کو پلک جھپکنے میں چاروں شانے چت کر ڈالے گا۔ لیکن ریوالور کی اکلوتی گولی والے اس کھیل میں طاقت سے زیادہ قسمت کا عمل دخل زیادہ تھا اور وہ قسمت کے ہاتھوں کھلونا نہیں بننا چاہتا تھا اس لیے اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

شاہ جہاں اس کی طرف توجہ دیے بغیر بولا۔ ''مجھے منظور ہے لیکن یہاں ایک قباحت ہے۔ ہم دونوں کا تعلق

انڈر ورلڈ کی دنیا سے ہے۔ دونوں میں سے ایک کی موت کے بعد نہ ختم ہونے والی اموات کا سلسلہ چل نکلے گا۔ میرے خیال میں ہم دونوں کو اپنی تنظیموں سے بات چیت کرنے کے بعد انہیں معاملہ گوش گزار کر دینا چاہیے کہ موت کی صورت میں تمام ذمے داری مرنے والے کے اوپر ہوگی اور زندہ بچ جانے والے وجود کو ذمے دار نہیں ٹھہرایا جائے گا۔"

مدھو نے پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا۔ "میں تمہارے خیال کی تائید کرتی ہوں اور اس میں مزید اضافہ کرتی ہوں کہ مقابلہ شروع ہونے سے قبل تم دونوں اپنے ہاتھوں سے لکھا ہوا ایک خط میرے حوالے کرو گے جس کے مطابق منگیتر کی بے وفائی کے بعد اپنے ہاتھوں سے گولی مار کر خودکشی کر رہے ہو اس لیے پولیس کارروائی سے بچنے کے معاملے کو رفع دفع کر دیا جائے۔"

وکی حیرت بھری نگاہوں سے دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ چلاتے ہوئے بولا۔ "یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ میں اس کے لیے بالکل بھی آمادہ نہیں ہوں۔ لڑائی جھگڑے تک کی بات علیحدہ تھی لیکن پستول کا معاملہ مجھے بالکل بھی پسند نہیں ہے۔"

شاہ جہان طنزیہ لہجے میں بولا۔ "یعنی تم مقابلہ شروع ہونے سے پہلے ہی دستبردار ہو رہے ہو۔ تب پھر میری اور مدھو کی شادی میلا نو ہال میں منعقد کی جائے گی تاکہ تمہارے جاننے والے اس بات سے آگاہ ہو سکیں کہ مقابلہ جیتنے کے بعد میں تمہاری منگیتر سے شادی کر رہا ہوں۔"

مدھو بولی۔ "اس شادی کے کارڈ وکی کے رشتے داروں کو بھی ارسال کیے جائیں گے۔ تاکہ بے عزتی ٹھیک ہو۔"

وکی تلملا کر رہ گیا۔ "مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ ان باتوں کی کیا ضرورت ہے۔ اگر تم اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھیں تب تمہیں میرے ساتھ معاملے کو آگے بڑھانے کی کیا ضرورت تھی۔ پہلے ہی اس سے کر لیتیں۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں کل منگنی کے کارڈ احباب میں تقسیم کر چکا ہوں۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا، ہماری منگنی ضرور ہوگی۔"

مدھو طنزیہ لہجے میں بولی۔ "یہ سب تمہیں ماہ نور کو دھتکارتے ہوئے سوچنا چاہیے تھا۔ تمہارے انکار کے بعد اس کی کتنی بے عزتی ہوئی۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ اگر کچھ تم برداشت کر لو تو میرے خیال میں حساب برابر ہو جائے گا۔ بصورت دیگر تمہیں شاہ جہان سے مقابلہ کرنا ہوگا۔ یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔"

وکی نے خونخوار نگاہوں سے شاہ جہان [illegible] دیکھا۔ یہ سب کیا دھرا اسی کا تھا۔ مقابلے [illegible] مدھو کو اکسایا تھا۔ ورنہ وہ منگنی کے لیے خوشی خوشی تیار [illegible]

"ٹھیک ہے، مجھے منظور ہے۔" وہ دانت [illegible] بولا۔ "لیکن میری چند شرائط ہیں۔ مقابلے [illegible] ہونے والا ریوالور میرا ہوگا اور مقابلہ شروع ہو[illegible] میں اسے آخری دفعہ چیک کروں گا۔ شاہ جہان [illegible] مشتمل خط بھی میں پڑھوں گا اور تنظیم کے ساتھ ہو[illegible] بات چیت کو ریکارڈر پر سنوں گا۔"

مدھو مطمئن لہجے میں بولی۔ "مجھے تمہاری شرائط منظور ہیں۔ فون اٹھاؤ اور اپنی تنظیموں کو مقابلے کے متعلق [illegible] کرو، خط لکھنے کا معاملہ بعد میں طے کر لیں گے۔"

☆☆☆

آدھے گھنٹے کے بعد وہ دونوں فون سے فارغ ہو چکے تھے اور ان کے تحریر کردہ خط مدھو کے ہاتھوں میں تھے۔ وہ تنقیدی نگاہوں سے خطوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ تحریر حسب رائے کے مطابق مختصر تھی لیکن پیغام واضح تھا کہ دونوں نے اس بات کا اظہار کیا تھا کہ منگیتر کی بے وفائی اور شادی کر لینے کی وجہ سے دلبرداشتہ ہو کر اپنے ہی پستول سے خودکشی کر رہے ہیں۔ اس لیے کسی کو مورد الزام نہ ٹھہرایا جائے اور معاملے کو طول دینے کے بجائے جلد از جلد ختم کر دیا جائے۔

مدھو نے مطالعہ کرنے کے بعد دونوں خطوں کو میز پر رکھ دیا اور وکی سے مخاطب ہوتے ہوئے بولی۔ "تمہارا ریوالور کہاں ہے؟"

اس نے ریوالور جیب سے نکال کر مدھو کے حوالے کر دیا۔ مدھو نے اس کا جائزہ لیا اور چیمبر کھول کر تمام گولیاں باہر نکال دیں پھر ان میں سے ایک گولی شاہ جہان کو تھماتے ہوئے بولی۔ "اسے اپنے ہاتھوں سے ریوالور میں ڈالنے کے بعد ریوالور وکی کے ہاتھوں میں تھما دو۔ وہ اس کا معائنہ کرنے کے بعد چیمبر کو مقفل کرے گا۔"

شاہ جہان نے اس کے ہاتھوں سے گولی لی پھر اسے چیمبر میں ڈال کر ریوالور وکی کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ وکی نے معائنہ کیا۔ وہاں ایک گولی موجود تھی۔ اس نے چیمبر بند کیا اور مقفل کرنے کے بعد ریوالور کی نال کا رخ شاہ جہان کی طرف کر دیا۔

مدھو بولی۔ "ابھی نہیں۔ تم دونوں [illegible]

ہٹ کر اسنوکر کی میز کے پاس کھلی جگہ پر آمنے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔ تاکہ چلنے والی گولی مجھے نقصان نہ پہنچا سکے۔" وہ دونوں حکم کی تعمیل کرتے ہوئے میز کے پاس سے ہٹ کر کھلے حصے میں آ کھڑے ہوئے۔ وہ خود اسنوکر کی میز کے قریب کھڑی ہو گئی۔ اس کی نگاہیں شاہ جہان اور وکی کے چہروں پر مرکوز تھیں۔

"پہلی باری وکی کی ہو گی۔" وہ بولی۔ "اور قسمت آزمانے کے بعد وہ ریوالور شاہ جہان کو دے دے گا۔ ٹریگر دو دفعہ دبانے کی صورت میں اگلے دو راؤنڈ دوسرے حریف کو دے دیے جائیں گے۔" وہ خاموش ہو گئی۔

وکی نے ریوالور کی نال کو سیدھا کیا۔ شاہ جہان نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ وکی استہزائیہ لہجے میں بولا۔ "حقیقت سے چشم پوشی کرنے والے بزدل ہوتے ہیں۔ مجھے تمہارے ماتھے پر پسینے کے قطرے دکھائی دے رہے ہیں۔ تمہارے لیے بہتر ہے کہ میرے حق میں دستبردار ہو جاؤ۔"

شاہ جہان آنکھیں کھولے بغیر سپاٹ لہجے میں بولا۔ "گولی چلاؤ، مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا۔"

وکی نے کاندھے اچکائے اور ٹریگر پر دباؤ ڈالنے لگا۔ ٹرچ کی آواز سے ہال کا ماحول گونجا۔ وکی کے چہرے پر اندھیرے کی چادر تنی چلی گئی۔ مدھو کا رکا ہوا سانس بھی بحال ہو گیا۔

شاہ جہان نے جھٹکے کے ساتھ آنکھیں کھول دیں۔ پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ "تم جوئے میں پہلی بازی ہار چکے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں اگلی بازی کھیلنے کا موقع نہ مل سکے۔" اس نے آگے بڑھ کر ریوالور وکی کے ہاتھوں سے چھین لیا پھر اس کی نال کا رخ اس کے چہرے کی طرف کرتے ہوئے زہرخند لہجے میں بولا۔ "میری زندگی اور موت کی یہ بازی... مدھو کے نام...... جو تمہاری خودغرض فطرت اور بے وفا محبت پر قربان ہو گئی۔" اس کے لہجے میں نہ جانے ایسی کیا بات تھی کہ وکی کے ساتھ ساتھ مدھو بھی کانپ کر رہ گئی۔ اس دفعہ وکی نے خوف کے عالم میں آنکھیں بند کر لیں۔

شاہ جہان طنزیہ لہجے میں بولا۔ "حقیقت سے چشم پوشی کرنے والے بزدل ہوتے ہیں۔ آنکھیں کھول کر زندگی اور موت کا سامنا کرو۔"

مدھو بولی۔ "فضول باتوں کے بجائے کھیل پر دھیان دینے کی کوشش کرو۔"

ٹرچ کی آواز سے ماحول گونجا۔ اس کے ساتھ ہی ہال کا ماحول وکی کے قہقہوں سے گونج اٹھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ سر کے بال ماتھے پر چپک گئے تھے۔ آنکھیں حلقوں سے باہر نکل آئی تھیں اور زرد دانت صاف دکھائی دے رہے تھے۔ مدھو کو اس سے کراہیت محسوس ہونے لگی۔ وہ چند لمحے پہلے تک اس کی محبت میں شدت کے ساتھ گرفتار تھی لیکن اچانک ہی نہ جانے کیوں اس کی محبت نفرت میں بدل گئی۔ شاید وہ اس کا اصل چہرہ دیکھ رہی تھی۔ وکی نے ریوالور شاہ جہان کے ہاتھوں سے اچک لیا اور نال کا رخ اس کے سینے کی طرف کرتے ہوئے بولا۔

"میری زندگی اور موت میرے وجود کے نام۔ جس سے مجھے محبت ہے اور جس کے دم سے زندگی ہے۔ آنکھیں بند کر لو۔" اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ چیمبر میں لگی ہوئی اکلوتی گولی کسی بھی وقت ٹریگر کے ہدف پر آسکتی تھی۔ اگر ہدف شاہ جہان ہوتا تو اس کے حق میں بہتر تھا۔ بصورت دیگر ہو سکتا تھا کہ اسے اگلا موقع میسر نہ آتا۔ وہ شدت کے ساتھ اس وقت کو کوس رہا تھا جب اس نے مقابلے کے لیے ہامی بھری تھی۔

ٹرچ کی آواز کے ساتھ وہ اپنی باری گنوا بیٹھا۔ اس کے چہرے پر حسرت و یاس کے بادل چھاتے چلے گئے۔ موت کا رخ ایک دفعہ پھر اس کی جانب ہو گیا تھا۔ اس نے غصے کے عالم میں ریوالور شاہ جہان کی جانب اچھال دیا۔

مدھو کی غصیلی آواز سنائی دی۔ "یہ اصول کے خلاف ہے، تمہیں ریوالور مدمقابل کے ہاتھوں میں تھمانا چاہیے۔ ریوالور میں ایک گولی موجود ہے اور وہ چل بھی سکتی ہے۔"

شاہ جہان نے ریوالور کو ہاتھوں میں تھاما اور دانت پیستے ہوئے بولا۔ "ریوالور کا رخ ایک دفعہ پھر تمہاری طرف ہے۔ اگر کوئی آخری خواہش ہے تو بیان کر سکتے ہو۔ میں پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"گولی چلاؤ۔ لعنت ہو اس زندگی پر جس کے پیچھے ہمیشہ بھاگتا رہا ہوں۔"

"یہ سب صرف ایک کھیل ہے۔" مدھو بولی۔ "دل کو بہلانے کا اور موت کو گلے لگانے کا۔ اگر تحمل مزاجی سے کام لو گے تب یقیناً کامیاب ہو جاؤ گے۔"

وکی تلخ لہجے میں بولا۔ "دل بہلانے والا کھیل تمہارے لیے ہو گا۔ ہم دونوں کی جان پر بنی ہوئی ہے۔ صرف ایک انگلی کی حرکت اور زندگی موت [illegible] اس کی بات درمیان میں رہ گئی۔ ٹرچ کی آواز کے ساتھ مدھو [illegible] نے جھٹکے کے ساتھ آنکھیں کھول دیں۔ پھر اس نے [illegible]

ہوئے دو تین گالیاں دیں اور ریوالور شاہ جہان کے ہاتھ سے چھین کر نال کا رخ اس کے چہرے کی طرف کرتے ہوئے بولا۔ ”میں اس وقت پر لعنت بھیجتا ہوں جب میں نے شادی کا ارادہ کیا تھا۔ اس دنیا میں اس سے بڑی اور کوئی حماقت نہیں کہ انسان شادی کر کے ذلیل و خوار ہوتا رہے۔“

مدھو کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات پیدا ہوئے۔ تاہم وہ بولی کچھ نہیں۔

شاہ جہان مسکراتے ہوئے بولا۔ ”میرے خیال میں تمہیں چند منٹ کے لیے آرام کی ضرورت ہے۔ ہر چند کہ یہ کھیل کے اصولوں کے خلاف ہے لیکن میرے خیال میں مضائقہ نہیں۔“

وکی نے میز پر رکھی ہوئی وہسکی کی بوتل کو کپکپاتے ہاتھوں کے ساتھ اٹھایا اور کیپ کھولنے کے بعد ایک ہی سانس میں آدھی سے کچھ کم بوتل حلق میں انڈیل لی پھر آستین سے منہ پونچھتے ہوئے نفرت بھرے لہجے میں بولا۔ ”مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر سچ پوچھو تو زندگی کی بھی نہیں۔“ نشہ اس کے حواسوں پر چھانے لگا۔ وہ مقابلے سے قبل بھی مے نوشی کر چکا تھا۔

شاہ جہان نے مدھو سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ میرا مدِمقابل اب ہوش و حواس میں نہیں ہے۔ وہ کھیل کی خلاف ورزی بھی کر سکتا ہے۔“

وکی نے چلاتے ہوئے کھیل کی ماں بہن کو گالیوں سے نوازا۔ پھر ریوالور کا رخ شاہ جہان کی طرف کر دیا۔ اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے اور ٹریگر پر گرفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ ٹرچ کی آواز سنائی دی۔ اس کی باری ضائع ہو گئی۔ تاہم اس نے اس پر توقف نہیں کیا اور ریوالور کے ٹریگر کو مزید دباتا چلا گیا۔ ٹرچ، ٹرچ، ٹرچ۔ زوردار دھماکا ہوا۔ ریوالور اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گرا۔ چند لمحوں کے لیے اس کا جسم ساکت ہوا۔ آنکھیں پتھرا گئیں۔ پھر وہ زمین پر گرتا چلا گیا۔

شاہ جہان نے مدھو کی طرف دیکھا۔ وہ ریوالور ہاتھوں میں تھامے کھڑی تھی۔ ریوالور کی نال سے دھواں نکل رہا تھا۔ یہ وہی ریوالور تھا جو وکی نے اسے تحفے میں دیا تھا۔ اس میں وکی کے ریوالور کی گولیاں تھیں۔ مدھو نے وہ اس وقت ڈالی تھیں جب وکی شراب کی بوتل کو حلق میں انڈیل رہا تھا۔ شاہ جہان نے اس کے ریوالور سے گولیاں... نکال کر زمین پر پڑے ہوئے وکی کے ریوالور میں ڈالیں اور رومال

کے ذریعے ہاتھوں کے نشانات صاف کر کے فرش پر بے سدھ پڑے وکی کی لاش کے ہاتھوں میں تھما... نے جیب سے وہ خط... نکالا۔ جو وکی کے ہاتھوں... کردہ تھا اور جس میں اس نے اعتراف کیا تھا کہ... بے وفائی سے دلبرداشتہ ہونے کے بعد خودکشی... کسی دوسرے شخص کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا... اس نے شراب کی بوتل کے نیچے رکھا۔ پھر شاہ... تہہ خانے سے باہر نکل آئی۔ میلا نوال... حصے میں چہل پہل تھی۔ نوکر چاکر اپنے کاموں... تھے۔ وہ مدھو کی حیثیت سے واقف تھے۔ اس نے... نے اسے روکنے کی کوشش نہیں اور وہ دونوں عمارت سے... نکل کر پورچ میں کھڑی اپنی گاڑی میں آ بیٹھے۔ گاڑی... سے باہر نکالتے ہوئے شاہ جہان افسردہ لہجے میں بولا۔

”آج میری بیٹی کی سالگرہ ہے۔ مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ میں نے اس کے مجرم کو کیفر کردار تک پہنچا... ہے۔ اگر آج وہ زندہ ہوتی تو شاید تمہاری ہم عمر ہوتی۔ اس بات سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ تم بھی ماہ نور جیسی ہو۔ میں تمہارا احسان زندگی بھر بھلا نہیں سکوں گا۔ تم نے وکی کو ختم کرنے میں میری بہت مدد کی۔“

مدھو بولی۔ ”احسان تو تم نے مجھ پر کیا ہے اس درندے سے بچا کر...... ورنہ میں نادانستگی میں تمہاری بیٹی کی طرح اس کے شکنجے میں پھنس جاتی اور مجھے بچانے والا کوئی نہیں ہوتا۔“ شاہ جہان نے گاڑی کو عمارت سے باہر نکالنے کے بعد قریبی نہر کی طرف موڑ دیا۔ نہر پر سے ایک پل شہر کی طرف جاتا تھا۔ پل کے قریب اس نے گاڑی روک دی اور جیب میں سے پھنسی پھنسی گولی باہر نکالی۔ جو زندگی اور موت کے کھیل میں اہم کردار ادا کر چکی تھی۔ اس نے اسے نہر کے پانیوں میں اچھال دیا اور مدھو کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ ”وہ اس خالی گولی کی وجہ سے زندگی ہار بیٹھا ہے۔ میں نے ہاتھ کی صفائی سے ریوالور میں یہ گولی ڈال دی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ہار دیکھ کر حد سے تجاوز کرنے کی کوشش کرے گا۔ میری جیب میں بھرا ہوا ریوالور بھی رکھا تھا اور میں اسے خط لکھنے کے بعد بآسانی قتل کر سکتا تھا لیکن میں اس کے گھناؤنے روپ کو تمہارے سامنے اجاگر کرنا چاہتا تھا تاکہ تم اس کے جال سے باہر نکل سکو۔“

مدھو نے سر جھکا لیا اور شاہ جہان نے کچھ لمحوں کے بعد گاڑی کا رخ شہر کی طرف کر دیا۔

وہ عورت مجھے ایک ویران رات میں ملی تھی۔

اس رات کو ویران اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ایک تو اتوار کا دن تھا پھر شام کو اچھی خاصی بارش بھی ہو چکی تھی اسی لیے سڑکوں پر ٹریفک بھی بہت کم تھا اور مجھے اس دن پسنجر بھی کم ملے تھے۔

میں ایک ٹیکسی ڈرائیور تھا۔ گاڑی میری اپنی تھی۔ کوئی جاب نہیں تھی اسی لیے میں نے اپنی گاڑی ہی کو ٹیکسی بنا لیا تھا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب آج کی طرح اوبر یا کریم وغیرہ کی

تماشا

منظر امام

یخ بستہ رات میں اچانک ہی کوئی مل جائے... وہ راستوں کا راہی تھا... اسے ہر روز کوئی نہ کوئی مسافر ملتا تھا... وہ کسی ایک جگہ ٹھہرتا نہیں تھا... مگر ایک مسافر ایسا تھا جس سے اتفاقاً اس کا ٹکراؤ مسلسل ہونے لگا... اس کے دکھ درد... جذبات... سکھ چین اسے بے چین کرنے لگے... کیونکہ وہ اس کا اسیر ہوتا جا رہا تھا...

سرِ راہ ہونے والی اتفاقی ملاقات جو زندگی پر محیط ہوتی گئی

سہولت نہیں تھی۔ بس پسنجر جہاں ہاتھ کے اشارے سے روک لیتا وہیں اس کو بٹھا لیتا۔

تو اس رات مجھے وہ عورت مل گئی۔ وہ ایک رکشے کو روکنے کا اشارہ کر رہی تھی لیکن وہ نہیں رکا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا تھیلا بھی تھا جس کو اس نے بڑی دشواری سے اٹھا رکھا تھا۔

میں اس رکشے کے پیچھے تھا۔ میں نے ٹیکسی اس کے پاس جا کر روک دی۔ میں نے دیکھا کہ وہ اچھی خاصی عمر کی عورت تھی۔ میرے اندازے کے مطابق پچاس پچپن کے لگ بھگ ہوگی۔ ”کہاں جائیں گی؟“ میں نے پوچھا۔

”کریم آباد۔“ اس نے بتایا۔

”چلیں بیٹھ جائیں۔“ میں نے کہا۔

”بھیا پہلے کرایہ تو بتا دو۔“ اس نے کہا۔

”آپ بیٹھ تو جائیں۔ راستے میں بات کر لیں گے۔ بارش پھر شروع ہونے والی ہے۔“

میں نے پچھلا دروازہ کھول دیا۔ اس نے بڑی مشکلوں سے اس تھیلے کو سیٹ پر رکھا اور خود بھی بیٹھ گئی۔ میں نے ٹیکسی اسٹارٹ کر دی۔ راستہ بارش کی وجہ سے بہت خراب ہو رہا تھا۔ جگہ جگہ پانی کھڑا تھا۔ نہ جانے اس شہر کے حالات کب بدلیں گے۔

”بھیا کرایہ تو بتاؤ؟“ اس نے پوچھا۔

”جو آپ کی مرضی ہو، دے دیجیے گا۔“ میں نے کہا۔

”سو روپے دوں گی۔“ اس نے بتایا پھر رک کر بولی۔ ”اس وقت سو ہی روپے ہیں۔“

”کوئی بات نہیں۔“ میں نے کہا۔

حالانکہ میں نے جہاں سے اس عورت کو اٹھایا تھا۔ وہاں سے کریم آباد کا کرایہ کم از کم دو ڈھائی سو ہوتا تھا لیکن میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ اس کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ آدھ گھنٹے کے بعد ہم کریم آباد پہنچ چکے تھے۔ اس نے ایک فلیٹ کی عمارت کے گیٹ پر گاڑی رکوا دی۔ ”بس بھیا تمہاری مہربانی۔“ اس نے سو کا نوٹ دے دیا تھا۔

وہ ٹیکسی سے اتری۔ اس نے اپنا تھیلا اٹھایا لیکن میں نے دیکھ لیا کہ وہ تھیلا اس سے اٹھ بھی نہیں رہا تھا۔ نہ جانے کس فلور پر جانا تھا۔ ”کہاں جائیں گی؟“

”بھیا تیسری منزل پر۔“ اس نے بتایا۔ ”کم بخت لفٹ بھی تو کام نہیں کرتی ہے۔“

”چلیں میں پہنچا دیتا ہوں۔“ میں نے آفر کی۔

”ارے نہیں بھیا، تم کہاں تکلیف کرو گے؟“

”ارے اس میں تکلیف کی کیا بات ہے [illegible] بتائیں۔“

اسی وقت ایک کڑاکا ہوا اور بارش [illegible] خیر۔“ وہ گھبرا کر بولی۔

”چلیں جلدی چلیں۔“ میں نے [illegible]

وہ بلڈنگ میں داخل ہو گئی۔ میں نے [illegible] لیا تھا۔ وہ اچھا خاصا وزنی تھا۔ نہ جانے اس [illegible] تیسری منزل تک جاتے جاتے خود میرا برا حال [illegible] بے چاری کیسے اٹھا کر لے جاتی۔ تیسری منزل [illegible] کے دروازے پر رک کر اس نے چابی نکالی [illegible] دیا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ اکیلی ہی تھی۔

”بس بھیا، تھوڑی سی زحمت اور [illegible] اس نے کہا۔ ”یہ تھیلا اندر کمرے میں آ کر رکھ دو [illegible] بھلا کرے۔“

میں اس تھیلے کو اندر لے آیا۔ وہ ایک چھوٹا سا ڈرائنگ روم تھا۔ میں نے وہ تھیلا ایک طرف رکھ دیا۔ ”اچھا۔ اجازت دیں، خدا حافظ۔“

ابھی میں باہر جانے کے لیے دروازے ہی تک پہنچا تھا کہ ایک لڑکی باہر سے اندر آ گئی۔ بارش شروع ہو چکی تھی اس لیے وہ بھیگی ہوئی تھی۔ اس نے اندر آتے ہی اس عورت سے کہا۔ ”لگا دیا ہے ٹھکانے۔“ پھر مجھ پر نظر ڈال کر خاموش ہو گئی۔ اس نے پہلے میرا نوٹس نہیں لیا تھا۔

”ریشما یہ بے چارے ٹیکسی والے ہیں۔“ اس عورت نے اس لڑکی کو بتایا۔ ”بھلے آدمی ہیں۔ میرا تھیلا اٹھا کر یہاں تک لے آئے ہیں۔“

”شکریہ آپ کا۔“ لڑکی نے میری طرف دیکھا پھر اپنی ماں سے پوچھا۔ ”امی یہ ابو کہاں رہ گئے؟ اب تک تو واپس آ جانا چاہیے تھا۔“

میں اس فلیٹ سے باہر آ گیا۔ بارش اب اچھی خاصی ہونے لگی تھی۔ مجھے ابھی بھی فاصلہ طے کر کے گھر کی طرف جانا تھا۔ میں اپنی ٹیکسی کے پاس پہنچا جس کو میں گیٹ کے پاس کھڑی کر گیا تھا اور اس ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔

ایک انسان کی لاش۔

وہ پہلے ایک جیتا جاگتا انسان ہوگا لیکن اب [illegible] لاش کی صورت تھا۔ اس نے جو قمیص پہن رکھی تھی [illegible] سے بھری ہوئی سرخ ہو رہی تھی۔ اس کے سر پر زخم [illegible] سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔

وہ ایک ادھیڑ عمر انسان تھا۔ اس کے گال پر بھی ایک تل کا نشان تھا۔ جو پرانا معلوم ہوتا تھا۔ میں سکتے کے عالم میں اس کو دیکھتا ہی رہا تھا۔ میرے تو ہوش ہی غائب ہو گئے تھے۔ اسی وقت کسی پولیس گاڑی کے سائرن نے مجھے موقع کی نزاکت کا احساس دلا دیا۔

اگر پولیس نے اس حال میں مجھے پکڑ لیا کہ ٹیکسی میں ایک لاش رکھی ہے اور میں ٹیکسی کے پاس کھڑا ہوں تو نہ جانے کیا ہوتا۔ میری حماقت تھی کہ میں ٹیکسی کو لاک کیے بغیر ہی اس عورت کے ساتھ اوپر چلا گیا تھا۔ اچانک پولیس موبائل کا سائرن سنائی دیا۔ میں بُت بنا کھڑا رہ گیا۔

ایک پولیس موبائل ٹیکسی سے کچھ فاصلے پر آ کر رک گئی۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔ پولیس والے کسی بھی وقت میرے پاس آ سکتے تھے۔ میرے پاس دو راستے تھے یا تو میں ٹیکسی چھوڑ کر فرار ہو جاؤں۔ یا پھر پولیس کا سامنا کر لوں لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔

پولیس کی وہ موبائل کچھ دیر رک کر سائرن بجاتی ہوئی تیزی سے میری ٹیکسی کے برابر سے گزرتی چلی گئی۔

شاید وہ لوگ کسی کام سے رکے ہوں گے۔

اس سرد موسم میں بھی میرے ماتھے پر ٹھنڈے پسینے آ گئے تھے۔ اب میرا وہاں زیادہ دیر تک کھڑا رہنا مناسب نہیں تھا۔ میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور ٹیکسی اسٹارٹ کر دی۔

سوال یہ تھا کہ میں اس لاش کا کیا کروں کہاں لے جاؤں اس کو؟

ایک حماقت یہ ہوتی کہ میں اس لاش کو لے کر کسی پولیس اسٹیشن چلا جاؤں اور ان سے کہوں کہ جناب میں ایک ٹیکسی ڈرائیور ہوں اور کوئی شخص میری ٹیکسی میں ایک لاش ڈال گیا ہے، کون اس پر یقین کرتا؟ کوئی نہیں۔ سب سے پہلے تو وہ خود مجھ ہی کو گھیر لیتے۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ میں اس لاش سے جان چھڑانے کے لیے اسے کسی ویرانے میں پھینک دوں۔

یہی بہتر تھا۔ ورنہ دوسری صورت آ بیل مجھے مار والی بات ہو جاتی۔ جہاں میں رہتا تھا وہاں راستے میں ایک میدان تھا۔ وہ میدان دن میں بھی ویران ہی رہتا تھا اور اس بارش والی رات میں تو وہ یقیناً ویران ہی ہوتا۔ بس وہی ایک جگہ تھی۔

میں نے ٹیکسی اسی راستے کی طرف دوڑا دی لیکن اچانک کچھ اور ہو گیا۔

ٹیکسی نے اچانک جھٹکے لینے شروع کر دیے۔ [illegible] خدایا یہ کیا مصیبت ہو گئی۔ ٹیکسی کا پیٹرول ختم ہو چکا تھا۔

ٹیکسی پیٹرول کے بغیر آگے نہیں جا سکتی تھی۔ اس جگہ ٹیکسی آ کر رکی تھی وہ ویرانہ تو نہیں تھا۔ لیکن وہاں سے کچھ [illegible] لیے میں ٹیکسی روک کر پیٹرول لینے جا سکتا تھا۔ [illegible] تھیں لیکن اس موسم میں وہ بند ہو چکی تھیں۔ صرف ان کے بلب جلتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

میں نے ٹیکسی میں سے وہ بوتل نکالی جس میں پیٹرول پمپ سے پیٹرول بھر کر لا سکتا تھا۔ عام طور پر بوتل اس طرح کھلا ہوا دیا نہیں جاتا۔ لیکن ایمرجنسی کی صورت میں پیٹرول پمپ والے خیال کر جاتے ہیں۔

میں بوتل لے کر پیٹرول پمپ کی طرف چل دیا۔ میری واپسی پندرہ بیس منٹ کے اندر ہی ہو گئی تھی لیکن اب کچھ اور بھی تھا۔ ٹیکسی سے وہ لاش غائب ہو چکی تھی۔

ٹیکسی کی پچھلی سیٹ خالی تھی۔

لاش کا کوئی پتا نہیں تھا۔ وہ لاش خود سے تو جا نہیں سکتی تھی۔ اسے کوئی اٹھا کر ہی لے گیا ہوگا لیکن کون؟ کیوں؟

سوچتے سوچتے میرے دماغ کی رگیں جیسے پھٹنے لگی تھیں۔ ذرا سی دیر میں کتنے واقعات گزر گئے تھے۔ جیسے برسوں گزر رہے ہوں... لیکن یہی کر سکتا تھا کہ اب یہاں سے نکل لوں۔

میرے سر سے اس لاش کا بوجھ اتر گیا تھا۔ مجھے ان معاملات سے کیا لینا دینا تھا۔ میرا گھر اب زیادہ فاصلے پر نہیں رہا تھا۔ میں نے ٹیکسی میں پیٹرول ڈالا اور گھر کی طرف چل پڑا۔

میں ایک اکیلا انسان ہوں۔ اکیلے سے مراد یہ ہے کہ گھر والے کسی اور شہر میں رہتے ہیں۔ شادی نہیں ہوئی ہے۔ میں اس شہر میں جاب کے لیے آیا تھا۔ میں نے اچھی خاصی تعلیم بھی حاصل کی ہے لیکن جاب نہیں مل سکی۔ شہر میں بھی کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔

میں اپنے ساتھ اپنی گاڑی بھی لے آیا تھا۔ گاؤں میں ہماری کچھ زمینیں بھی ہیں۔ اگر میں کچھ نہیں بھی کرتا تو بھی زندگی کسی طرح بسر ہو ہی جاتی۔ لیکن میرا مزاج شروع ہی سے کچھ اور رہا ہے، بالکل مختلف۔

میری دلچسپی شاعری اور ادب سے رہی ہے اسی لیے میں نے ماسٹرز بھی ادب میں کیا ہے۔

والد صاحب کا یہ اصرار تھا کہ میں گاؤں میں رہ کر ان کی زمینداری سنبھال لوں لیکن میں شہر آ کر [illegible]

چاہتا تھا اور وہ بھی تعلیم کے شعبے میں۔ میں نے اعزاز کے ساتھ ماسٹر کیا تھا۔ امید تھی کہ کسی نہ کسی کالج میں لیکچرر کی جاب مل جائے گی لیکن ایسا نہیں ہوسکا اسی لیے میں نے اپنی گاڑی کو ٹیکسی بنا کر چلانی شروع کر دی۔ فوری طور پر رہنے کا ٹھکانا میرے ایک دوست تو قیر کے یہاں ہو گیا تھا۔ وہ شادی کے بعد شہر آ کر بس گیا تھا۔

اس نے فوراً مجھے اپنے گھر کی پیشکش کر دی تھی۔ اس دوران میں جاب کی تلاش میں رہا۔ پھر میں نے اپنی گاڑی کو ٹیکسی کے طور پر رجسٹر کروالیا۔ کچھ دنوں کے بعد میں نے اپنا فلیٹ کرائے پر لے لیا تھا۔

میرے دوست اور اس کی بیوی نے سامان وغیرہ سیٹ کروانے میں بہت مدد کی تھی۔

میں کچھ دیر بعد اپنے فلیٹ میں بیٹھا حالات پر غور کر رہا تھا۔ میں نے اپنے لیے چائے بنائی اور چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے اچانک مجھے کچھ یاد آ گیا۔ اس لڑکی نے اپنے فلیٹ میں داخل ہوتے ہی کہا تھا۔ ''لگا دیا ہے ٹھکانے۔'' یہی کہا تھا اس نے۔

کیا ٹھکانے لگا دیا تھا؟ اس لاش کو؟ ہو سکتا ہے کہ اسی نے وہ لاش میری ٹیکسی میں ڈالی ہو۔ وہ کچھ اور بھی بتاتی لیکن ایک اجنبی کو یعنی مجھے اچانک دیکھ کر خاموش ہو گئی تھی۔ اس کا یہ جملہ ہی پُراسرار تھا۔

معاملہ بالکل صاف تھا۔ اس لڑکی کو لاش ٹھکانے لگانی تھی۔ بارش ہو رہی تھی۔ اندھیرا تھا۔ وہ لاش لے کر کہیں جا نہیں سکتی تھی۔ اسے میری ٹیکسی کھڑی ہوئی دکھائی دے گئی۔ اتفاق سے اس کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ اس نے وہ لاش اسی گاڑی میں ٹھونس دی اور واپس آ کر لاش کو ٹھکانے لگانے کی خبر سنا دی۔

رات ہو چکی تھی ورنہ میں اسی وقت اس فلیٹ کی طرف نکل جاتا۔ مجھے غصہ آ رہا تھا۔ کیا بعید تھا کہ وہاں جا کر ہی پتا چل سکتا تھا۔

میں دس بجے گھر سے نکلا۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اس بلڈنگ تک... پہنچ گیا جہاں رات کو آیا تھا۔

بارش کے بعد موسم بہت خوش گوار ہو گیا تھا لیکن میرے اندر ایک ہلچل سی تھی۔ فلیٹ کے دروازے پر پہنچ کر میں نے گھنٹی بجا دی۔ ایک بار دو بار تین بار۔ لیکن دروازہ نہیں کھلا۔ برابر کے فلیٹ سے ایک عورت باہر نکلی۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''بھائی اس وقت گھر میں کوئی نہیں ہے۔ یہ لوگ صبح سویرے کہیں گئے ہیں۔''

''کیا بتا سکتی ہیں کہاں گئے ہوں گے؟'' [illegible] پوچھا۔

''نہیں بھائی، ہم پڑوسیوں کے معاملات میں [illegible] نہیں دیتے۔ ہم نے تو یہ بھی نہیں پوچھا کہ آتی جاتی [illegible] میں کیوں ڈال رکھا ہے۔ شادی کیوں نہیں کر [illegible] کی گزر بسر کہاں سے ہوتی ہے؟ اور ان کی [illegible] ہیں۔ کہاں سے آتی ہیں؟ خود وہ لڑکی رات گئے [illegible] کیوں آتی ہے؟ نہیں بھائی اپنا تو یہ کام ہی نہیں ہے۔ [illegible] کی اپنی زندگی ہوتی ہے۔ پڑوسیوں کے معاملات میں [illegible] کیوں دیں؟''

''کیا ان دونوں کے سوا یہاں کوئی نہیں رہتا؟'' میں نے پوچھا۔

''کیوں نہیں رہتا؟ لیکن مجھے کیا ضرورت ہے کرید کرنے کی۔ میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ ایک بڑے میاں رہتے ہیں جو اس لڑکی ریشا کے ابو ہیں۔ اب وہ کیا کرتے ہیں، یہ سب نہیں جانتی۔ بس کبھی کبھی کچھ سامان لاتے لے جاتے دیکھتی رہتی ہوں۔''

پڑوسیوں کے معاملات میں دخل نہ دینے کے باوجود اس عورت کا یہ حال تھا کہ اس نے پہلی ہی بار سب کچھ اگل دیا تھا اور اگر دخل دے رہی ہوتی تو خدا جانے کیا حال ہوتا۔ میں وہاں سے واپس آ گیا۔

نیچے ٹیکسی کے پاس ایک اور حیرت میرا انتظار کر رہی تھی۔

وہی لاش ٹیکسی کے پاس کھڑی تھی۔ میرا مطلب ہے کہ وہی آدمی جس کو میں نے لاش کی صورت میں اپنی گاڑی میں دیکھا تھا۔ میں اس کو بھول نہیں سکتا تھا۔ اس کے ایک گال پر کٹ کا بڑا نشان۔ اس کے خدوخال میں کیسے بھول سکتا تھا۔ اب اس کی پیشانی پر چینڈ تیج بندھی ہوئی تھی۔

میں بہت دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ وہ بالکل وہی تھا۔ میں خوف زدہ ہو گیا۔ سب کچھ بہت عجیب اور پُراسرار تھا۔

مجھے دیکھ کر وہ تیزی سے میری طرف لپکا۔ ''کیا یہ ٹیکسی تمہاری ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں میری ہے، لیکن تم...... تم کون ہو؟''

''میں کل رات تمہاری ہی ٹیکسی میں تھا۔'' اس نے بتایا۔

''لیکن تم تو مر چکے تھے۔'' میں نے انتہائی اعرور سے پوچھا۔ ''میں نے خود تمہاری لاش دیکھی تھی۔''

"ابھی مرا نہیں تھا، صرف زخمی اور بے ہوش تھا۔" اس نے بتایا۔ "پھر جب مجھے ہوش آیا تو یہ ٹیکسی کسی ویران مقام پر کھڑی تھی۔ میں ٹیکسی سے اتر کر چلا گیا۔ میں زخمی تھا، بہت کمزوری اور نقاہت تھی۔ مجھے مرہم پٹی کی ضرورت تھی پھر میں کسی نہ کسی طرح ایک کلینک پہنچ گیا۔ مجھے زخم تو آئے تھے لیکن زیادہ گہرے اور خطرناک نہیں تھے۔ اسی لیے تم مجھے اس وقت یہاں دیکھ رہے ہو۔"

بات ابھی تک پوری طرح واضح نہیں ہو رہی تھی۔ یہ تو پتا چل گیا تھا کہ وہ مرا نہیں۔ بلکہ زخمی تھا لیکن ابھی بھی بہت سے سوالات تھے۔ پہلا سوال تو یہی تھا کہ اس کو کون زخمی کر کے میری ٹیکسی میں ڈال گیا تھا۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ وہ اس بلڈنگ کی طرف کیوں آیا تھا؟ پھر اسے کیسے معلوم کہ یہ وہی ٹیکسی تھی۔

میں ابھی انہی سوالوں میں الجھا ہوا تھا کہ اچانک وہی عورت ٹیکسی کے پاس آگئی۔ جسے میں اس بلڈنگ تک لایا تھا اور جس سے ملنے کے لیے آیا تھا۔

☆☆☆

میں ایک لمحے کے لیے سوچتا ہی رہا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں اس کے پاس آیا تھا کہ اس سے معلوم کروں کہ اس نے میری گاڑی میں لاش کیوں ڈلوائی تھی لیکن وہ لاش تو میرے سامنے ہی کھڑی تھی۔ میں اب کیا کہتا؟

"ارے آپ زخمی کیسے ہوئے؟" اس نے اس آدمی سے سوال کیا۔ "آپ رات بھر کہاں تھے۔ میرے خدا آپ تو بہت زخمی ہو گئے ہیں۔ بتائیں نا کیا ہوا ہے؟"

"ریحانہ، یہ بہت لمبی کہانی ہے۔" اس آدمی نے کہا۔ "گھر پہنچ کر سناؤں گا۔" پھر میری طرف دیکھا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"نبیل۔" میں نے جواب دیا۔

اب وہ عورت میری طرف متوجہ ہوئی۔ "ارے تم، تم تو وہی ٹیکسی والے ہو نا جس نے کل رات میری مدد کی تھی۔"

"نبیل میاں، تمہاری ٹیکسی سے نکلنے کے بعد میں نے تمہاری گاڑی کا نمبر یاد رکھا تھا پھر جب یہاں آیا تو یہ ٹیکسی دکھائی دے گئی۔ اسی لیے میں اس ٹیکسی کے پاس کھڑا ہو گیا کہ ڈرائیور آئے تو اس سے معلوم کر لوں کہ اس نے مجھے کہاں سے اٹھایا تھا۔"

"ارے گھر چلیں نا، کیا یہیں باتیں کریں گے؟ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔"

"چلو تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔" اس آدمی نے مجھ سے کہا۔ "تم معقول آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تھوڑی دیر رک کر چلے جانا، میرا نام رحمن ہے۔"

میں چونکہ خود بھی صورت حال معلوم کرنے میں دلچسپی رکھتا تھا اسی لیے ان کے ساتھ ہو لیا۔

وہ لڑکی بھی فلیٹ پر موجود تھی اور اس شخص کو دیکھ کر دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔ وہ رو بھی رہی تھی۔ "ابو کہاں تھے آپ؟ میں آپ کو کہاں کہاں ڈھونڈ کر آئی ہوں۔"

"آرام سے بیٹھ جاؤ۔ میں سب بتاتا ہوں، تم جلدی سے چائے بنا دو۔"

اس وقت وہ لڑکی میری طرف متوجہ ہوئی۔ "تم تو شاید وہی ٹیکسی والے ہو نا؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں، میں وہی ہوں اور یہاں میری موجودگی کا سبب یہ ہے کہ کوئی شخص آپ کے ابو کو بے ہوش کر کے میری ٹیکسی میں ڈال گیا تھا جب میں یہاں سامان پہنچانے آیا تھا۔"

"او گاڈ۔" لڑکی نے ایک جھرجھری لی۔ "ابو کیا ہوا تھا، کس نے آپ کو اس حال میں پہنچایا ہے؟"

"میں نہیں جانتا کہ وہ کون لوگ تھے۔" اس شخص نے بتانا شروع کیا۔ "میں گھر کی طرف آ رہا تھا کہ اتنے میں موسم خراب ہو گیا۔ بارش ہونے لگی۔ علاقے میں اندھیرا بھی تھا۔ اچانک کسی نے پیچھے سے مجھ پر حملہ کر دیا۔ میرا سر پھٹ گیا۔

"میں اس کے بعد دنیا جہان سے غافل ہو گیا۔ نہ جانے کتنی دیر بعد ہوش آیا تو میں ایک گاڑی میں تھا اور میرے سوا کوئی نہیں تھا۔ میں اس گاڑی سے باہر آ گیا۔ بہت دیر تک سمجھ میں نہیں آ سکا کہ میں کہاں ہوں پھر میں نے ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد یاد آیا کہ میں اپنے دوست وسیم کے محلے میں ہوں۔ میں کمزوری کے باوجود کسی طرح وسیم کے گھر پہنچ گیا۔ اس بے چارے نے فوراً مرہم پٹی کا بندوبست کیا۔ مجھے اپنے کپڑے لا کے دیے۔ خود وہ بھی حیران ہو رہا تھا کہ اس طرح مجھ پر حملہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے پھر اس نے مجھے خواب آور دوا بھی دے دی اور میں اس کے گھر سو گیا۔ صبح اٹھ کر یہاں پہنچ گیا ہوں۔"

"بابا، لیکن اس طرح آپ پر حملہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"کرمنل، اور کون؟ انہوں نے میری پنشن کی رقم بھی چھین لی اور میرا موبائل بھی لے لیا اور مجھے بری طرح زخمی کر کے ایک ٹیکسی میں ٹھونس کر بھاگ گئے۔"

"خدا غارت کرے ان لوگوں کو، کیسے کیسے واقعات

ہونے لگے ہیں۔" عورت نے کہا۔

"ابو ہم ساری رات پریشان ہوتے رہے۔" لڑکی نے کہا۔ "ہم تو رات ہی کو آپ کی تلاش میں نکل جاتے لیکن ایک تو اندھیرا ہو رہا تھا پھر بارش بھی تھی اسی لیے ہم صبح سات بجے کے قریب گھر سے نکلے ہیں۔"

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ واپس آگئے ہیں۔" اس عورت نے کہا۔ "لیکن سوال پھر وہی ہے کہ کس نے حملہ کیا تھا؟"

"بتایا نا کہ ان مجرموں کا کام ہی یہی ہے۔ انہیں کسی سے کیا لینا دینا۔ ان کا دین مذہب پیسا ہو کر رہ گیا ہے۔ کسی طرح بھی ہو۔"

"محترم، آپ کو پولیس میں رپورٹ کروا دینی تھی۔" میں نے کہا۔

"رپورٹ؟" وہ طنزیہ طور پر مسکرا دیے۔ "میاں، ایک بار ہمارے گھر میں چوری ہوئی تھی۔ میں نے رپورٹ کروا دی تھی۔ لیکن آج تک کچھ بھی نہیں ہوا۔"

لڑکی اٹھ کر چلی گئی۔ وہ شاید چائے بنانے گئی ہوگی۔

"نبیل میاں اب تم بتاؤ۔" وہی نے میری طرف دیکھا۔ "تم مجھے کہاں لے جا رہے تھے؟"

"میں تو اپنی گاڑی میں کسی لاش کو دیکھ کر بری طرح گھبرایا ہوا تھا۔" میں نے کہا۔ "معاف کیجیے گا آپ کی ظاہری حالت ایسی تھی کہ آپ کو لاش ہی سمجھا جا سکتا تھا۔"

اس دوران وہ لڑکی چائے بنا کر لے آئی تھی۔ چائے کے دوران ہمارے درمیان خاموشی رہی تھی۔

پھر میں نے انہیں اب تک کی کہانی سناتے ہوئے پوچھا۔ "بس ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ آپ لوگ کس کو ٹھکانے لگانے کی بات کر رہے تھے؟"

"ٹھکانے لگانے کی؟" پھر وہ دونوں ہنس پڑیں۔

"توبہ ہے کیا اتفاق ہوا ہے۔ بھائی یہ میری بیٹی اس وقت بلی کی لاش ٹھکانے لگانے گئی تھی۔ وہ کم بخت دروازے پر آکر مری تھی۔ اس وقت کوئی جمعدار بھی نہیں مل سکتا تھا کہ اس کو اٹھا کر لے جاتا۔"

معاملہ صاف ہو گیا تھا جب میں ان سے اجازت لے کر چلنے لگا تو انہوں نے مجھ سے میرا موبائل نمبر مانگ لیا۔ اس عورت نے کہا۔ "بیٹے کبھی کبھی مجھے کہیں جانا پڑ جاتا ہے۔ تم ایک اچھے انسان ہو۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی تمہاری ضرورت پیش آجائے۔"

"کیوں نہیں ضرور۔ میں نمبر دے دیتا ہوں۔ جب چاہیں مجھے بلالیں۔"

میں اپنا نمبر دے کر چلا آیا۔ بارش [illegible] ہوائیں ٹھنڈی تھیں۔

اس رات بہت دیر تک میں ان لوگوں [illegible] میں سوچتا رہا۔ مختصر سا گھرانا تھا۔ شریف لوگ تھے۔ خدا جانے کن حالات کے تحت زندگی [illegible] گے۔

لیکن مجھے کیوں فکر ہو گئی؟ ٹیکسی میں [illegible] رہتے ہیں۔ ہر ایک کی اپنی اپنی کہانی ہوتی ہے۔ [illegible] آئی تھی کہ ریشما ایک اچھی لڑکی تھی۔ بس، اس سے [illegible] نہیں تھا۔

اس طرح میں ایک سڑک سے دوسری سڑک [illegible] جانے کہاں کہاں گھومتا رہا۔ ہماری بھی کیا زندگی ہوتی ہے۔ اب سے دس بارہ دنوں پہلے کی بات ہے۔ میں [illegible] طرح ٹیکسی لے کر کسی ایسے پسنجر کی تلاش میں تھا جو میری ہی طرف جا رہا ہو۔ تاکہ اس کو اتار کر میں اپنے گھر چلا جاؤں۔ رات ہو چکی تھی۔

اچانک ایک فٹ پاتھ پر مجھے ایک لڑکی دکھائی دے گئی۔ ایک آدمی کے ساتھ۔ آدمی نے ہاتھ دے کر ٹیکسی رکوائی۔ اس نے جو جگہ بتائی، وہ میرے گھر سے مخالف سمت میں تھی۔

"بھائی صاحب، مجھے اس طرف نہیں جانا ہے۔ میں بالکل دوسری ڈائریکشن میں جا رہا ہوں۔" میں نے بتایا۔

"تو کیا ہوا۔ اس وقت ہمیں کوئی سواری نہیں مل رہی۔" لڑکی نے کہا۔ "ہم تمہیں زیادہ کرایہ دے دیں گے۔"

اگرچہ اس قسم کا لالچ میرے مزاج کے خلاف تھا پھر بھی میں نے ان کو بٹھالیا۔

ہوتا یہی ہے جب کوئی موڑ آنے والا ہوتا ہے تو اسی قسم کی چھوٹی باتوں سے ابتدا ہوتی ہے۔ اتفاق سے وہ مل گئے۔ اتفاق سے میں اسی طرف سے جا رہا تھا۔ اتفاق سے مجھے اسی طرف جانا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ اتفاقات شاید قدرت کے منصوبے کا حصہ ہوتے ہیں۔

میں نے انہیں بٹھالیا۔ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ وہ آدمی اس لڑکی سے پوچھ رہا تھا۔ "تو پھر کیا سوچا ہے تم نے اس لڑکی کے بارے میں؟"

"سوچنا کیا ہے کسی دن لے آؤں گی۔ مجھ پر بھروسا کرنے لگی ہے۔" لڑکی نے کہا۔

عجیب مشکوک قسم کی گفتگو تھی اسی لیے میں ان کی باتوں

طرف متوجہ ہو گیا۔ اب وہ دونوں آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ اتنا اندازہ ہو گیا تھا کہ جو کچھ بھی ہے، وہ ٹھیک نہیں ہے۔ ان کے انداز یہ بتا رہے تھے۔ ٹیکسی چلاتے چلاتے مجھے اتنی پہچان تو ہو گئی تھی۔

پھر اس آدمی کی آواز سنائی دی۔ ''اس کو یہاں نہیں رکھنا ہے۔ شفٹ کر دینا ہے۔''

''کہاں؟'' لڑکی نے پوچھا۔

اس آدمی نے اپنی آواز دھیمی کر لی تھی لیکن حیدرآباد میں نے سن لیا تھا۔ اتنا اندازہ ہو گیا کہ ان کے ارادے کسی لڑکی کے لیے ٹھیک نہیں ہیں۔ کچھ دیر بعد اس آدمی کی آواز آئی۔ ''میری جان، تم کو بھی خوش کر دوں گا۔''

بہت عامیانہ انداز تھا اس کا اور وہ لڑکی بھی اسی انداز سے باتیں کر رہی تھی۔ میرا دل چاہا کہ انہیں راستے ہی میں اتار دوں لیکن پھر خاموش رہا۔ میرا کیا تھا۔ وہ دونوں شاہراہ نور جہاں کے ایک مکان کے سامنے اتر گئے۔ یہ ایک سنسان علاقہ تھا۔ مکانات تو بنے ہوئے تھے لیکن زیادہ چہل پہل نہیں تھی۔ ویرانی سی تھی۔ دونوں نے کرایہ ادا کیا اور لوہے کے گیٹ پر دستک دینے لگے۔ میں تو اپنا کرایہ لے کر چلا گیا تھا لیکن میں نے ٹیکسی کی رفتار بہت کم رکھی تھی۔ میں شیشے میں انہیں دیکھتا رہا تھا۔ گیٹ کھلا اور وہ دونوں اندر چلے گئے۔ میں ایک گہری سانس لے کر ٹیکسی کو آگے بڑھا لے گیا۔

کئی دن گزر گئے، کوئی خاص بات نہیں ہوئی لیکن ایک دن اچانک ریشا مجھے دکھائی دے گئی۔ وہی ریشا جس کی والدہ کو میں نے بارش میں ٹیکسی میں بٹھایا تھا اور جس کے باپ کو کسی نے زخمی کر کے میری ٹیکسی میں ڈال دیا تھا۔

ریشا شاید کسی رکشے وغیرہ کے انتظار میں تھی۔ میں نے اپنی ٹیکسی اس کے پاس لے جا کر روک دی۔ ''بیٹھ جائیں۔'' میں نے کہا۔

''اوہ۔'' اس نے مجھے پہچان لیا تھا۔ ''آپ وہی ہیں نا؟''

''جی ہاں، میں وہی ہوں اور مجھ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ میں ہر جگہ پہنچ جاتا ہوں۔ چلیں بیٹھ جائیں۔''

میں نے اس کے لیے پچھلا دروازہ کھول دیا لیکن وہ پیچھے نہیں بیٹھی میرے برابر بیٹھ گئی۔ ''ہو سکتا ہے کہ تمہارا ارادہ کہیں جانے کا ہو لیکن میرا ارادہ کچھ اور ہے۔'' میں نے کہا۔

''کیا مطلب؟'' وہ کچھ بھڑک اٹھی۔

''پریشان نہ ہو۔ میری عادت ہے کہ میں حساب برابر کر دیتا ہوں، ادھار نہیں رکھتا۔''

''میں نہیں سمجھی، تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''تم نے اس دن مجھے چائے پلائی تھی۔ اب میں تم کو چائے پلانا چاہتا ہوں۔ کسی ریستوران میں بیٹھ کر چائے پئیں گے، بس اتنی سی بات ہے۔''

وہ مسکرا دی۔ میں اسے اپنے ساتھ ایک اچھے ریستوران میں لے آیا۔

چائے پینے کے دوران میں ہم ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ اس نے اپنے بارے میں بہت کچھ بتا دیا۔ اس نے بی کام کر لیا تھا اور اب جاب کی تلاش میں تھی۔ تاکہ باپ کا ہاتھ بٹا سکے۔

''دیکھو، ویسے تو مجھے تمہارے معاملے میں دخل نہیں دینا چاہیے لیکن میرا مشورہ ہے کہ تم اپنی تعلیم جاری رکھو۔ بی کام کوئی ایسی ڈگری نہیں ہے جو تمہیں مناسب جاب دلا سکے۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' اس نے ایک گہری سانس لی۔ ''لیکن حالات اجازت نہیں دیتے۔ تم نے بھی تو تعلیم حاصل کی ہو گی؟''

میں نے جب اپنی تعلیم بتائی تو وہ حیران رہ گئی۔

''کمال ہے، پھر بھی تم ٹیکسی چلا رہے ہو؟''

''کیوں؟ اس میں کیا برائی ہے۔ یہ تو اپنا کام ہے۔ کوئی پابندی نہیں۔ اپنی مرضی کا مالک ہوں۔ تم یہ بتاؤ تم کو کہاں پہنچا دوں؟''

''اب تو گھر ہی جانا ہے۔ ایک لڑکی نے ملنے کے لیے کہا تھا وہ نہیں آئی۔''

اس نے بتایا کہ اس لڑکی سے جاب کے سلسلے میں بات ہوئی تھی۔ بہرحال میں نے اسے اس کے فلیٹ پر پہنچا دیا۔

اس نے جب کرایہ دینا چاہا تو میں نے کہا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تم سے کرایہ لوں گا؟''

وہ مسکرا دی اور اتر کر گیٹ کے اندر چلی گئی۔

اس کے بعد بھی اس سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ہم ایک دوسرے کے بہت قریب آ گئے۔

وہ ایک اچھی لڑکی تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہے۔ والد صاحب ریٹائرڈ سرکاری آفیسر ہیں۔ حالانکہ وہ ایک بااختیار انسان تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے زندگی رزقِ حلال میں گزار دی۔ ورنہ ان کے پاس بہت کچھ ہوتا۔

اس نے بتایا کہ اس کی امی سلائی کرتی ہیں اور ایک ساتھ ہی بہت سے کپڑے سی کر ڈیلیور... کرتی پھرتی تھیں۔

اس دن میں نے ان کے پاس جو بڑا سا تھیلا دیکھا تھا، وہ ان ہی کپڑوں کا تھا۔ یہ تھا اس خاندان کا مختصر سا حال۔

میں نے بھی اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔

☆☆☆

ہم اکثر ملتے رہتے تھے۔ زندگی میں پہلی بار کسی کا قرب حاصل ہوا تھا۔ کوئی میرے دل کے قریب آئی تھی۔ ورنہ زندگی نے اس قسم کی خوشیوں کا موقع ہی کہاں دیا تھا۔

اس شام میں یونہی چلا جا رہا تھا کہ میں نے اچانک ریشا کے والد کو دیکھ لیا جو فٹ پاتھ پر کھڑے شاید کسی سواری کا انتظار کر رہے تھے۔

میں اس وقت کچھ فاصلے پر تھا۔ میں اپنی ٹیکسی لے کر ان کے پاس پہنچنے ہی والا تھا کہ ایک گاڑی ان کے پاس آ کر رک گئی۔ اس میں سے ایک آدمی اترا جبکہ دوسرا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا رہا تھا۔

میں نے محسوس کر لیا کہ ریشا کے والد اس آدمی کو دیکھ کر کچھ پریشان ہو گئے ہیں۔ وہ آدمی ان سے کچھ کہہ رہا تھا اور اپنی گاڑی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ یعنی وہ چاہتا تھا کہ وہ اس کی گاڑی میں بیٹھ جائیں۔ لیکن محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ایسا نہیں چاہتے۔

میں نے اپنی ٹیکسی آگے بڑھائی اور ان دونوں کے پاس پہنچ کر آواز لگائی۔ ”ارے وصی انکل آپ یہاں کہاں، آ جائیں۔“ میں نے اگلا دروازہ کھول دیا۔

ایسا لگا جیسے وہ اسی طرح کے کسی موقع کے انتظار میں ہوں۔ وہ لپک کر میری ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ وہ آدمی دیکھتا رہ گیا۔ میں نے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

”انکل! خیریت تو ہے نا؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں میاں، خیریت ہے بھی اور نہیں بھی۔“ وصی صاحب نے کہا۔

”آپ شاید اس آدمی کو دیکھ کر پریشان ہو گئے؟“

”اس نے ایک ایسی بات کی تھی کہ جس نے پریشان کر دیا تھا اس نے پوچھا تھا ’ارے آپ زندہ ہیں؟‘ اس جملے نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔“

”وہ، یعنی اسے معلوم تھا کہ آپ مر چکے ہیں یا مر گئے ہوں گے۔ اسی لیے اس نے ایسی بات کی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس دن آپ کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا تھا، وہ اس آدمی کے علم میں تھا۔“

”ہاں، بیٹے یہی بات ہے۔ تم گھر چلو، میں تمہیں اس کے بارے میں بتاتا ہوں۔“

میں ایک بار پھر وصی صاحب کے گھر میں تھا۔ ریشا اور اس کی والدہ بھی گھر میں تھیں۔ اب میں ان کے لیے اجنبی نہیں رہا تھا۔

”بھئی یہ نبیل میاں تو کسی فرشتے کی طرح ہر بار حاضر ہو جاتے ہیں۔“ وصی صاحب نے بتایا۔

”شیطان کی طرح ابو۔ وہ بھی تو اسی طرح حاضر ہو جاتا ہے۔“ ریشا نے شرارت سے کہا۔

”آج ایک عجیب بات ہوئی۔“ وصی صاحب نے شروع کیا۔ ”میں کسی سواری کے انتظار میں کھڑا تھا کہ بخت دلاور نے میرے پاس اپنی گاڑی روک دی۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے لیکن اس نے جو جملہ کہا اس نے پریشان کر دیا۔ اس نے بہت حیران ہو کر پوچھا تھا۔ ’آپ زندہ ہیں؟‘“

”کیا مطلب ہوا اس کا؟“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مجھے زندہ دیکھ کر حیران تھا۔“

”ابو تو اس دن جو آپ پر حملہ ہوا تھا وہ......“ ریشا نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”ہاں، اب تو ایسا ہی لگتا ہے کہ اسی نے مجھ پر حملہ کروایا تھا۔“

”وصی صاحب، کون ہے وہ آدمی؟“ میں نے پوچھا۔

”اس کا نام دلاور ہے۔ ایک ٹھیکیدار ہے۔ بڑی بڑی سڑکیں بناتا ہے اور ہر تعمیر میں لاکھوں کی بے ایمانی کرتا ہے۔ اتفاق سے اس کا ٹینڈر میرے پاس آ گیا تھا۔ اس نے مجھے رشوت دینے کی کوشش کی لیکن میں نے منع کر دیا اور اس کا ٹینڈر نامنظور کر دیا۔ وہ مجھے دھمکیاں دیتا ہوا چلا گیا تھا۔“

”اب تو ظاہر ہے ابو کہ اس دن اسی نے آپ پر حملہ کروایا تھا۔“ ریشا نے کہا۔

”ہاں، اب تو ایسا ہی لگتا ہے۔ اس کے آدمیوں نے مجھ پر حملہ کیا اور واقعے کو رنگ دینے کے لیے اس کو ڈکیتی کی واردات ظاہر کرنے کی کوشش کی۔“

”آپ کو پولیس میں رپورٹ کرنی چاہیے۔“ میں نے کہا۔

”میرے پاس کوئی ٹھوس ثبوت بھی تو نہیں ہے اس کے علاوہ......“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

”جی فرمائیں، اس کے علاوہ کیا؟“

”اس کے علاوہ یہ ہے نبیل میاں کہ ...

اس دور کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ سفید کو سیاہ کر سکتی ہے۔"

"بابا ٹھیک کہہ رہے تھے۔ میں کچھ دیر بیٹھ کر واپس آ گیا۔ باہر نکلتے ہی ایک سواری مل گئی اور میں دن بھر کی مصروفیات میں مشغول ہو گیا۔ دوسرے دن ریشا مجھے پھر ایک جگہ کھڑی ہوئی دکھائی دے گئی۔

☆☆☆

ریشا اکیلی نہیں تھی بلکہ اس کے ساتھ وہی لڑکی تھی جو اس رات ایک آدمی کے ساتھ میری ٹیکسی میں بیٹھی تھی اور جس نے مشکوک باتیں کی تھیں۔ وہ دونوں مجھ سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھیں۔

وہ لڑکی ریشا سے کچھ کہہ رہی تھی۔ ریشا انکار میں گردن ہلا رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ لڑکی ریشا کو شاید کسی بات کے لیے راضی کر رہی ہے اور ریشا جھجک رہی ہے پھر ریشا خاموش ہو گئی۔ ممکن ہے کہ اس نے اس لڑکی کی بات مان لی ہو۔

میں کچھ فاصلے سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

اسی دوران ایک گاڑی ان کے پاس آ کر رک گئی۔ میں نے گاڑی چلانے والے کو پہچان لیا تھا میرے خدا یہ وہی آدمی تھا جو اس رات اس لڑکی کے ساتھ میری ٹیکسی میں بیٹھا تھا جس نے الٹی سیدھی باتیں کی تھیں۔

وہ دونوں لڑکیاں اس گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ وہ لڑکی آگے بیٹھی تھی جبکہ ریشا پیچھے بیٹھی تھی۔ گاڑی روانہ ہو گئی۔ میرا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود میں نے اس گاڑی کا تعاقب شروع کر دیا۔

آگے والی گاڑی تیز رفتاری سے جا رہی تھی۔ میں ایک فاصلہ دے کر تعاقب کرتا رہا پھر وہ گاڑی اسی مکان کے سامنے جا کر رک گئی۔ جہاں وہ آدمی اس لڑکی کو لے کر آیا تھا اور اب ریشا بھی اسی مکان میں چلی آئی تھی۔

کیوں؟

میرا کوئی تعلق نہیں تھا پھر بھی میرا دل چاہا کہ میں آگے بڑھ کر ریشا کو روک لوں۔ اس سے کہوں کہ وہ یہاں کیوں آئی ہے۔ اس آدمی اور اس لڑکی سے اس کا کیا تعلق ہے؟ لیکن میں کس استحقاق پر اس سے بات کرتا۔ وہ یہ بھی کہہ سکتی تھی کہ آپ کون ہوتے ہیں؟ یہ میرا اپنا معاملہ ہے۔

یہی سب سوچ کر میں واپس ہو لیا۔

دل کچھ کہہ رہا تھا۔ اور چھٹی حس بھی خطرے کا احساس دلا رہی تھی۔

لیکن پھر وہی سوال کہ میرا کیا تعلق ہے؟ میں کیوں اس کے اندیشے میں مبتلا ہو گیا تھا۔

پھر بھی میرا دل نہیں مانا۔ میں دوسرے دن ریشا کے گھر کی طرف چلا گیا۔ کوئی جواز نہیں تھا میرے پاس۔ کوئی بہانہ نہیں تھا۔ پھر بھی پہنچ گیا تھا اور میرا اس طرح جانا اچھا ہی ہوا تھا۔

میں نے ریشا کے والد کو دیکھا جو فلیٹ کی بلڈنگ کے گیٹ سے باہر نکل رہے تھے۔ وہ الجھے ہی تھے اور چہرے سے ہی پریشانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ کچھ سوچ کر میں نے ٹیکسی آگے بڑھائی اور ان کے پاس لے گیا۔

"السلام علیکم جناب۔" میں بلند آواز میں بولا۔ "کہاں جانا ہے؟"

انہوں نے میری آواز پہچان لی تھی۔ "تم، تم وہی ہو جو اس رات۔"

"جی ہاں، میں نجیل ہوں۔" میں نے کہا۔ "چلیں میں آپ کو پہنچا دوں، کہاں جانا ہے؟"

انہوں نے کچھ ہچکچانے کے بعد بتایا۔ "بیٹا مجھے پولیس اسٹیشن لے چلو۔"

"آپ پہلے بیٹھ جائیں۔" میں نے دروازہ کھول دیا۔

وہ میرے ساتھ ہی آ کر بیٹھ گئے۔ "بس نجیل میاں پہنچا دو مجھے۔"

"خیریت تو ہے نا؟" میں نے پوچھا۔ "پولیس اسٹیشن کیوں جا رہے ہیں؟"

"وہ بات یہ ہے کہ میری بیٹی ریشا کل سے غائب ہے۔" انہوں نے بڑی مشکلوں سے بتایا۔

ایک جھماکا سا ہوا۔ ریشا تو اسی مکان میں گئی تھی۔ اس لڑکی کے ساتھ اور کل سے واپس نہیں آئی۔ اس کا کیا مطلب تھا؟ وہ آدمی، وہ لڑکی، وہ مکان، یہ سب کچھ گڑبڑ تھی۔

"محترم، کیا آپ نے...... میرا مطلب ہے......"

"ہاں بیٹے، ہر جگہ تلاش کر لیا۔ اس کی دوستوں کے یہاں۔ رشتے داروں کے یہاں۔ اس کے علاوہ اسپتالوں میں بھی جا کر دیکھ لیا۔" ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ "لیکن وہ کہیں نہیں ہے، نہ جانے کہاں ہو گی؟"

میرا دل کہہ رہا تھا کہ وہ اسی مکان میں ہو گی۔ جہاں وہ اس لڑکی اور اس آدمی کے ساتھ گئی تھی۔ کیا تھا یہ سب۔ وہ لڑکی ضد کر کے اسے اپنے ساتھ لے گئی تھی۔

پھر مجھے اس آدمی کی باتیں یاد آنے لگیں۔ وہ اس لڑکی سے کہہ رہا تھا کہ اس لڑکی کو یہاں نہیں رکھنا ہے۔ سیدھا

شفٹ کر دینا ہے۔ تو کیا یہ گفتگو ریشا کے لیے تھی۔ کیا ریشا کو حیدرآباد شفٹ کر دیا گیا تھا۔

میں نے سوچا کہ میں یہ بات ان بڑے میاں کو بتا دوں لیکن میرے پاس کوئی ٹھوس ثبوت بھی تو نہیں تھا۔ اگر میرے اندیشے غلط نکلتے تو الٹا مصیبت میں پھنس جاتا۔

اگر ریشا کو وہ لوگ حیدرآباد ہی لے گئے تو اسے اس شہر میں کیسے تلاش کیا جاسکتا تھا۔ اچھا خاصا بڑا شہر تھا۔ اور اگر اس کو اسی مکان میں رکھا گیا تھا تو بغیر ثبوت کے کیسے کہا جاسکتا تھا۔

میں نے ان کو ایک پولیس اسٹیشن کے سامنے پہنچا دیا۔
"محترم! آپ جا کر رپورٹ ضرور لکھوا دیں۔ خدا بہتر کرے گا۔ میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔"

وہ ٹیکسی سے اُتر کر تھانے چلے گئے۔ میں نے ٹیکسی ایک طرف کھڑی کر دی تھی۔

نہ جانے وہ بے چارے کس دل سے اپنی بیٹی کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوا رہے ہوں۔ یہ کتنا بڑا کرب، کتنا بڑا مرحلہ ہوتا ہے۔ خدا ایسا وقت کسی پر نہ لائے۔

اور اچانک روڈ کے اس پار مجھے وہی لڑکی دکھائی دے گئی۔

وہی جو ریشا کو اپنے ساتھ اس مکان میں لے گئی تھی۔ اسے بھی شاید کسی سواری کا انتظار تھا۔ ریشا کے والد تو کسی طرح خود بھی اپنے گھر جاسکتے تھے لیکن ایسا موقع مجھے پھر نہیں ملتا۔

میں نے ٹیکسی اسٹارٹ کی اور تیزی سے یوٹرن لے کر اس لڑکی کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے مجھے بھی رکنے کے لیے اشارہ کیا۔ میں نے ٹیکسی روک دی۔

"کہاں جانا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"گلبرگ۔" اس نے بتایا۔

"بیٹھ جائیں۔" میں نے پچھلا دروازہ کھول دیا۔

"کرایہ کیا ہوگا؟"

"پچاس روپے۔" میں نے بتایا۔

حالانکہ وہاں تک کا کرایہ اچھا خاصا ہوتا تھا لیکن میں نے جان بوجھ کر کرایہ اتنا کم بتایا تھا تاکہ وہ کسی طرح بھی بیٹھ جائے اور وہ بیٹھ گئی۔

وہ اپنے موبائل پر لگی ہوئی تھی۔ اسی لیے اسے احساس نہیں ہوسکا کہ ٹیکسی گلبرگ کو بہت پیچھے چھوڑ کر بائی دے تک آچکی ہے۔ اسے ہوش اس وقت آیا جب سہراب گوٹھ پیچھے گزر چکا تھا۔

"اسے کہاں لے جایا گیا ...
پوچھا۔

"حیدرآباد۔" میں نے ...

"کیا بکواس ہے؟"

"بکواس نہیں ہے محترمہ ...
ہوں جہاں آپ نے ریشا کو پہنچایا ...

وہ سناٹے میں آگئی۔ "میرا ...
کون ہو تم؟" اس نے خوف زدہ ...

"ریشا کا منگیتر۔" میں نے ...

وہ پھر خاموش ہو گئی۔ ...
کیا کہہ رہے ہو؟ کون ریشا؟ میں کسی ریشا کو ...

"یہ سب حیدرآباد ایس پی آفس ...
میں نے کہا۔ "تم جھوٹ اس لیے نہیں بول سکتیں ...
خود شاہراہِ نورجہاں والے مکان میں ریشا ...
ہوئے دیکھ چکا ہوں اور تمہارے ساتھ جو بندہ ...
اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"تم، تم کیا واقعی ریشا کے منگیتر ہو؟" اس ...

"ہاں، میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہا۔" میں ...

"تو پھر خدا کے لیے ریشا کو بچالو۔" اس ...

"میں نہیں جانتی تھی کہ اس کے ساتھ یہ سب ہو گا ...

"کیوں نہیں جانتی تھیں؟ تم ہی تو ریشا کو ...
لے گئی تھیں۔ اس آدمی سے تم نے ریشا کے ...
کی تھی۔ اس سے کہا تھا کہ وہ تم پر بھروسا کرتی ہے ...
اسے کسی طرح لے آؤ گی۔"

"یہ..... یہ سب تمہیں کیسے معلوم؟"

"مجھے اس طرح معلوم ہے کہ اس رات تم دونوں ...
ٹیکسی میں بیٹھے تھے اور میں ہی ٹیکسی چلا رہا تھا۔"

وہ لڑکی یہ سن کر سناٹے میں آگئی۔

☆☆☆

اس نے اپنا نام مہوش بتایا تھا۔

میں اسے اپنے ساتھ ایک ہوٹل میں لے آیا تھا۔ ...
... کی ڈرائیونگ نے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ چائے پینے ...
دوران اس لڑکی سے باتیں بھی ہو گئی تھیں۔

اس نے اپنا نام بتایا۔ "مہوش ہے میرا نام۔" اس ...
کہا۔ "میں نہیں جانتی تھی کہ ریشا کے ساتھ ایسا سلوک ہو گا ...

"کیا بکواس کر رہی ہو۔ تم ہی تو اسے اپنے ساتھ ...
گئی تھیں اور تم ہی نے اسے اس آدمی کے حوالے کیا ہے۔"

"ہاں ایسا ہی ہوا ہے۔ لیکن مجبوری میں ہوا ہے ...

"کیسی مجبوری؟ تمہاری باتوں سے تو پتا چل رہا تھا کہ تم اس آدمی کے لیے لڑکیاں سپلائی کرتی ہو۔"

"نہیں، ایسا نہیں ہے۔ میں نے صرف ایک لڑکی اس کے حوالے کی ہے اور دوسری تمہاری منگیتر ہے۔"

"لیکن کیوں؟ تمہیں ایسا کام کرتے ہوئے شرم نہیں آئی؟"

"میں مجبور ہوں۔" اس نے کہا۔

"کیسی مجبوری؟"

"میری چھوٹی بہن اس کے قبضے میں ہے۔" اس نے بتایا۔

یہ ایک نیا انکشاف تھا۔ "تمہاری بہن اس کے قبضے میں کیسے چلی گئی؟"

"یہ مت پوچھیں۔ میری بہن اس کے آفس میں کام کرتی تھی۔ وہ کلیئرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنسی کا مالک ہے۔ ہم بہت غریب لوگ ہیں۔ اس دفتر کی طرف سے اخبار میں ایک ویکنسی آئی تھی۔ میری بہن نے انٹرویو کے لیے درخواست دی۔ اس کو بلا لیا گیا۔ اس نے بی اے کیا ہے اور اس دفتر میں اس کی جاب ہو گئی۔ پھر یہ ہوا کہ میری امی بیمار پڑ گئیں، بہت سخت۔ ہم نے انہیں اسپتال میں داخل کرا دیا۔ پتا چلا کہ ان کو آپریشن کی ضرورت ہے اور پچاس ہزار کے قریب خرچ ہوں گے۔ ہماری اتنی حیثیت نہیں تھی۔ صبا، امی کی بیماری کی وجہ سے بہت پریشان تھی۔ دفتر کے مالک کو پتا چلا تو اس نے اپنی جیب سے پچاس ہزار دیتے ہوئے کہا۔ "یہ میں تمہیں اپنی طرف سے دے رہا ہوں، دفتر والوں کو پتا نہ چلے۔""

"نام کیا ہے اس آدمی کا؟" میں نے پوچھا۔

"مجیب۔" اس نے بتایا۔ "ایک نمبر کا کمینہ انسان ہے۔ اس نے کراچی اور حیدرآباد میں اڈے بنا رکھے ہیں۔ اس کے کسٹمر سیاست داں اور عیاش وڈیرے ہوا کرتے ہیں۔ یہ کہانی اسی دن سے شروع ہوتی ہے جب مجیب نے صبا کو پچاس ہزار روپے دیے تھے۔ امی کا آپریشن ہو گیا۔ کامیاب بھی ہو گیا پھر اچانک اس نے پیسوں کا تقاضا شروع کر دیا۔ ایک طرف تو اس نے کہا تھا کہ صبا کی سیلری سے تھوڑا تھوڑا کر کے کاٹ لے گا لیکن اس نے اچانک دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس نے اس بے چاری کو بلیک میل بھی کرنا شروع کر دیا۔ اس شخص نے ہماری غربت کا فائدہ اٹھایا۔ اس نے ایک دن میری بہن صبا کو نہ جانے کیا کہا کہ وہ [illegible] کر دفتر سے چلی آئی اور دوسرے دن غائب ہو گئی۔"

"غائب ہو گئی؟"

"ہاں، اس کا کوئی پتا نہیں چلا۔ نہ جانے کہاں چلی گئی تھی۔ مجھے نہ جانے کیوں یہ یقین ہو رہا تھا کہ صبا شاید اسی کے اشارے پر غائب ہوئی ہے یا اس کو صبا کے بارے میں معلوم ہے لیکن میرے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا۔"

"پولیس میں رپورٹ کی تھی؟"

"جی ہاں، پرچہ کٹوا دیا تھا لیکن کیا ہوتا ہے۔ کچھ بھی نہیں پولیس والے تو الٹا مذاق اڑانے لگے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ تمہاری بہن اپنے کسی عاشق کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔ ایک دو دنوں میں واپس آجائے گی۔ ہم ماں بیٹی ایک دوسرے سے لپٹ کر روتے رہتے تھے اور ہم کیا کر سکتے تھے؟"

میں اس کی داستان سنتا رہا۔ مجھے ریشا کی فکر تھی۔ نہ جانے اس کے ساتھ کیا گزر رہی ہوگی لیکن میں مجبور تھا۔ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے کہانی آگے بڑھائی۔ "اب مختصر یہ ہے کہ ایک دن مجیب کی طرف سے اطلاع ملی کہ اس نے صبا کا سراغ لگا لیا ہے۔ میں فوراً بھاگی ہوئی اس کے پاس گئی اور اس کے جال میں الجھتی چلی گئی۔ اس نے صبا سے فون پر بات بھی کروا دی تھی۔ اس کے بعد کی مختصر کہانی یہ ہے کہ میں کہیں کی نہیں رہی۔ بہن کی محبت نے مجھے اس حال کو پہنچا دیا۔ میں نے مجیب کے لیے ایک لڑکی کو ورغلایا اور اس کی خدمت میں پیش کر دیا۔ خدا جانے وہ بے چاری کس حال میں ہوگی۔"

"اور ریشا کہاں سے ملی تمہیں؟"

"وہ ایک دن ایک پارک میں اکیلی بیٹھی مل گئی تھی۔ لڑکی مجھے اچھی لگی۔ اس کے ساتھ ہی یہ اندازہ بھی ہوا کہ بے چاری بہت پریشان ہے۔ میں نے اس سے دوستی کر لی۔ ایک دو ملاقاتیں ہوئیں اور دوستی بڑھتی گئی۔"

"لیکن کیوں؟"

"مجیب نے کہا تھا کہ اگر وہ صبا کے بدلے کسی اور لڑکی کا بندوبست کر دے تو وہ صبا کو آزاد کروا دے گا۔ میں بہن کی محبت میں اتنی پاگل ہو گئی تھی کہ اچھا برا کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ میں نے ریشا کو ایک دن اس کے حوالے کر دیا لیکن جب میں نے ریشا کا رونا اور گڑگڑانا دیکھا تو برداشت نہ ہوا۔ میں نے سوچا کہ آخر کیوں؟ میں اپنی بہن کی محبت میں کسی اور کی زندگی کیوں برباد کر رہی ہوں۔ پھر تم مل گئے۔ اب میں یہ کہہ رہی ہوں کہ اس بے چاری کو اس عذاب سے نکالنے

دلوادو۔"

"ریشا کو رکھا کہاں گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں، وہ مکان مجھے معلوم ہے۔ وہ ایک طرح سے گودام ہے۔ ملک بھر سے خوب صورت لڑکیاں اس مکان میں لا کر رکھی جاتی ہیں۔ اس کے بعد انہیں کہیں آگے سپلائی کر دیا جاتا ہے۔"

"لعنت ہے۔ اس ملک میں یہ سب ہو رہا ہے۔"

"بہت کچھ ہو رہا ہے، چلیں یہاں سے۔"

"کیوں نہ پولیس کی مدد لی جائے۔" میں نے کہا۔

"ہاں تمہارا آئیڈیا تو اچھا ہے لیکن فرض کرو اگر ریشا اس مکان میں نہیں ملی تو پولیس ہمارے پیچھے پڑ جائے گی۔ کیونکہ وہ مکان ایک بارسوخ سیاست داں کا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم پہلے اپنے طور پر اطمینان کر لیں۔"

"ہاں، میں یہی کہہ رہی ہوں۔"

ٹیکسی میرے پاس تھی۔ وہ مجھے راستہ بتاتی رہی۔ حیدرآباد میرا کئی بار آنا ہوا تھا لیکن یوں ہی سرسری طور پر۔ اب میں اس شہر کے علاقے کہسار کو دیکھ رہا تھا۔ اچھا علاقہ تھا۔ مہوش نے ایک بڑے مکان کے سامنے ٹیکسی رکوا دی۔

"رک جائیں، یہی مکان ہے۔"

میں نے ایک مناسب فاصلے پر ایک درخت کی آڑ میں ٹیکسی روک لی۔ مکان کا آہنی گیٹ بند تھا۔ گیٹ کے ساتھ ایک کوٹھڑی بنی ہوئی تھی جس میں یقیناً مسلح گارڈ موجود ہوں گے۔

سوال یہ تھا کہ ہم جس کام کے لیے آئے ہیں، وہ کام کیسے ہو؟ اندر جانا آسان نہیں تھا۔ میں نے دیکھا کہ مہوش بھی پریشان نظر آ رہی تھی۔

"اب ہم اندر کیسے جائیں؟" اس نے کہا۔

"تمہارا جانا شاید اتنا ضروری نہیں ہے جتنا میرا جانا۔ تم لڑکی ہو، میں دوسری طرف کی دیوار پھاند کر اندر چلا جاؤں گا۔ تم یہیں بیٹھی رہنا۔"

مہوش نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ وہ ہاتھ لرز رہا تھا۔ "جاؤ، خدا تمہارا نگہبان ہو۔"

میں اپنی ٹیکسی سے اترا اور اسی وقت گولیاں چلنے کی آوازیں آنے لگیں۔ میں اور مہوش سکتے میں آ گئے۔

کیا ہو رہا تھا؟ گولیاں کون چلا رہا تھا؟ بے شمار سوالات، بے شمار اندیشے۔ مہوش کی بہن اندر گھر میں تھی۔ ریشا اندر پھنسی ہوئی تھی اور گولیاں چل رہی تھیں۔ کم از کم چار پانچ گولیوں کی آوازیں [illegible] آیا۔ اسی وقت ایک اور گولی [illegible] چلانے کی آواز آئی اور وہ گیٹ کھل [illegible]

گولیوں کی آوازیں سن کر [illegible] تھے۔ اس کے ساتھ ہی پولیس کی سائرن [illegible] چلی آئی تھی۔ کھلے ہوئے گیٹ سے [illegible] تھیں۔ ان میں ریشا بھی تھی اور مہوش کی [illegible]

☆☆☆

پولیس کے اعلیٰ حکام اور رینجرز کے [illegible] تھے۔ یہ بہت بڑا ریکٹ تھا۔ اس مکان سے [illegible] تھیں اور آٹھ لڑکیاں۔

یہ وہ لڑکیاں تھیں جن کو ملک کے مختلف [illegible] ملازمت کا جھانسا دے کر لایا جاتا اور انہیں یا تو [illegible] بھیجا جاتا یا پھر اپنے ہی ملک میں وہ بے چاریاں [illegible] لوگوں کی ہوس کا نشانہ بن کر بازار کی چیز بن جاتیں۔

اس کی سرپرستی ایک بارسوخ شخص کر رہا تھا جو [illegible] مقامی سیاست داں بھی تھا۔ پولیس اور رینجرز کے [illegible] بہت دنوں سے اس ریکٹ کو ختم کرنا چاہتے تھے لیکن [illegible] ٹھوس ثبوت نہیں مل رہا تھا۔ وہ ثبوت ایک کمزور سی لڑکی نے اس طرح فراہم کر دیا تھا کہ اس نے اس اڈے کے [illegible] اور اس کے تین آدمیوں کو گولیاں مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ اس دن ریشا پہلی بار مجھ سے لپٹ کر بے تحاشا روتی رہی تھی۔

دوسرے دن کے اخبارات اس خبر سے بھرے ہوئے تھے۔ صبا کو وعدۂ معاف گواہ بنا دیا گیا تھا۔ اس نے اپنے بیان میں اس مکان کے بارے میں حیرت انگیز انکشافات کیے تھے۔ اس مکان میں ایک بڑا سا تہ خانہ بھی تھا۔ جہاں مجبور لڑکیوں کو رکھا جاتا اور عیاش لوگوں کو اس تہ خانے میں بنے ہوئے کمرے بھی فراہم کر دیے جاتے۔

مہوش اپنی بہن کو لے کر کراچی آ گئی تھی جبکہ میں [illegible] کو اپنے ساتھ لے آیا تھا۔

وصی صاحب بہت دیر تک مجھ سے لپٹ کر روتے رہے۔ "بیٹا تم ہمارے لیے واقعی فرشتہ ثابت ہوئے ہو۔ [illegible] جانے کیوں حادثات ہمارے پیچھے پڑ گئے ہیں اور تم [illegible] مدد کے لیے پہنچ جاتے ہو۔"

"نہیں محترم یہ مدد تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ [illegible] تو بس ایک ذریعہ بن گیا تھا۔"

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں [illegible]

مجھے کسی کے حوالے کردے ... بیچا گیا تھا۔

ریشا ... بھی تو دیکھو کہ اللہ نے اس کے ضمیر کو بیدار کر دیا۔ اگر وہ مجھے تمہارا پتا نہیں بتاتی تو میں تم تک پہنچ بھی نہ سکتا تھا۔ اصل کام تو اس لڑکی نے کیا ہے جس نے ان بدمعاشوں کو گولیاں مار دی تھیں۔"

"اس سے اندازہ لگالیں کہ خود اس بے چاری نے کتنے ظلم سہے ہوں گے کہ اس نے اتنا بڑا اقدام اٹھالیا۔"

"لیکن اس بے چاری کے پاس گن کہاں سے آئی؟" وسی صاحب نے پوچھا۔

"میں بتاسکتی ہوں۔" ریشا نے کہا۔ "جس وقت اسے کسٹمر کے پاس لے جارہے تھے، اس وقت میں اس کے پاس تھی۔ اس نے مجھ سے کہا تھا۔ 'یہ آخری ظلم برداشت کررہی ہوں۔ مجھے جس کے پاس لے جارہے ہیں، اس کی ایک حالت میں جاتی ہوں۔' اس سے زیادہ نہیں بتاسکی تھی۔ بعد میں پتا چلا کہ اس کسٹمر کی عادت یہ تھی کہ وہ اپنی گن کمر سے کھول کر سامنے میز پر رکھ دیتا تھا۔ صبا نے اسی کا فائدہ اٹھایا۔ اس نے گن اٹھا کر پہلے تو اس کسٹمر کو مارا پھر دوسرے کمرے میں آکر حبیب کو گولیاں ماریں۔ اس کے بعد اس مکان میں موجود ظالموں کو ٹھکانے لگادیا۔ پھر ہم لڑکیوں کو اس مکان سے نکال کر باہر لے آئی۔ اتنی دیر میں پولیس اور رینجرز بھی آگئی تھی۔ بس یہ ہے پوری کہانی۔"

"بہت بڑا کام کیا ہے اس نے۔" میں نے کہا پھر ریشا سے مخاطب ہوا۔ "محترمہ اب اس طرح جاب کی تلاش میں کسی کے ساتھ مت نکل جانا۔ کم از کم مجھے فون کرکے بتا دینا۔"

"نبیل، اگرچہ اس لڑکی نے مجھے بہت بڑا دھوکا دیا لیکن اب میں اس کو معاف کرچکی ہوں۔"

اس رات میں خواب ہی دیکھتا رہا تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک پل صدیوں کے برابر ہوجاتا ہے۔ اس ایک پل میں ان گنت واقعات گزر جاتے ہیں۔ آج کا دن بھی ایسا ہی تھا۔ تیز رفتار۔ اپنے اندر حادثات کو لیے ہوئے۔

دوسرا دن مجھے اور بھی اداس کر گیا۔ اخبار کی ایک خبر نے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

مہوش اور صبا دونوں بہنوں نے خودکشی کرلی تھی۔ ... زہر پی لیا تھا۔ جو نہ جانے انہوں نے کہاں سے حاصل کیا تھا۔

میں ریشا کے گھر پہنچ گیا۔ وہ بھی اس خبر سے بہت افسردہ تھی۔ "نبیل انسان کی زندگی بھی کیا ہوتی ہے۔ سارے تماشے سامنے آتے ہیں اور ایک جھلک دکھا کر خاموش ہوجاتے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ آنے والا پل کیا لانے والا ہے۔"

اس کی اداسی دیکھ کر میں اسے آؤٹنگ کے لیے گھر سے باہر لے آیا۔

پورے وجود میں ایک بے کلی سی تھی۔ اخبارات بہت دنوں تک شور مچاتے رہے کہ معاشرے کو کیا ہوگیا ہے۔ کیسے کیسے واقعات ہونے لگے ہیں۔ لوگ اتنے بے رحم اور بے حس کیوں ہوگئے ہیں۔ وہ تو ایک مکان تھا جس کی کہانی اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ اس جیسے اور بھی نہ جانے کتنے مکان ہوں گے جن میں یہ سب ہورہا ہوگا۔

تین چار دنوں کے بعد ایک اچھی خبر یہ آئی کہ خود وسی صاحب نے مجھ سے بات چھیڑ دی۔ "نبیل میاں، میں ریشا کا باپ ہوں۔ مجھے ایسی باتوں کی ابتدا تو نہیں کرنی چاہیے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے اور میرے گھر والوں کے درمیان روایتی تکلف نہیں ہونا چاہیے۔"

"جی محترم، میں بھی اس گھر کو اپنا ہی سمجھنے لگا ہوں۔" میں نے کہا۔

"تو میاں، تم کو اگر ریشا پسند ہو تو......"

"بسم اللہ۔" میں نے ان کا ہاتھ جذبات سے تھام لیا۔

وسی صاحب مسکرا دیے۔ اسی دن وہیں بیٹھے بیٹھے شادی کی تاریخ بھی طے ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ ہم دونوں میں سے کسی کو بھی تکلف نہیں کرنا تھا۔ اس وقت ریشا کی والدہ بھی موجود تھیں جبکہ خود ریشا کمرے میں تھی۔

میں ان دونوں کی دعائیں لے کر گھر واپس آگیا۔ نہ جانے کیسے کیسے خواب آنکھوں میں آنے لگے تھے۔

زندگی نے پہلی بار مہربانی کی تھی۔ میرے گھر والے اس شہر سے دور تھے۔ میں جانتا تھا کہ وہ بھی ریشا کو دیکھ کر خوش ہوجائیں گے۔ شہر میں میرے ایک دو دوست تھے میں نے ان کو یہ خبر سنادی۔ وہ بھی مبارک باد دینے لگے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے گھر بھی فون کردیا۔ سب بہت خوش تھے لیکن ابھی ہمارے لیے کئی امتحان باقی تھے۔

کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

☆☆☆

میں اب ریشا سے کسی طرح بات تو کرلیتا تھا لیکن ان کے گھر جانے سے پرہیز کرنے لگا تھا۔

وہ بھی کیا کہتے کہ کیسا داماد ہے جو بغیر بلائے چلا آ...

ہے۔ ایک دن ریشا نے فون کیا۔ نبیل ذرا جلدی گھر آجاؤ۔ ابو بہت پریشان ہیں۔"

"اب کیا ہو گیا؟ خیریت تو ہے نا؟"

"تم آ تو جاؤ۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے، میں آرہا ہوں۔"

میں کچھ دیر بعد اس کے گھر پہنچ گیا۔ وصی صاحب بہت پریشان بیٹھے تھے۔ "کیا ہوا انکل، خیریت تو ہے نا؟"

"نبیل میاں ایک نئی مصیبت ہو گئی ہے۔" انہوں نے بتایا۔ "دلاور نے ریشا کے لیے اپنا رشتہ بھیجا ہے۔"

"کیا؟" میں سن کر حیران رہ گیا۔

"ہاں بھائی، وہ خود آیا تھا۔ اس نے ایسا ظاہر کیا کہ مجھ پر جو قاتلانہ حملہ ہوا تھا، اس سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور خود اسے بھی یہ خبر سن کر بہت حیرت ہو رہی ہے۔ اس نے کہا کہ آپ نے جو میرا ٹھیکہ مسترد کر دیا تھا۔ مجھے اس کا کوئی گلہ نہیں رہا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ آپ ایک بااصول انسان ہیں۔ ٹھیکہ نہ ملنے کے باوجود میرے دل میں آپ کی عزت کم نہیں ہوئی اور خدا گواہ ہے کہ میں نے آپ پر کوئی حملہ نہیں کروایا۔ اس دن میں نے آپ کو ایک جگہ کھڑے ہوئے دیکھا تو لفٹ دینے کے لیے آپ کی طرف آیا لیکن آپ نے کیا سمجھا آپ گھبرا گئے اور اسی دوران آپ کا کوئی رشتے دار آ گیا اور آپ اس کے ساتھ چلے گئے۔ پھر میں نے ہمت کی اور خود کو خدمت میں حاضر کر دیا ہے۔ اب آپ جو بھی فیصلہ کریں مجھے منظور ہے۔"

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کہوں۔ وہ تو انکار کر رہا تھا کہ اس نے کبھی مجھ پر کوئی حملہ نہیں کروایا اور نہ ہی وہ اس بارے میں کچھ جانتا ہے۔"

"حیرت کی بات ہے۔" میں نے کہا۔ "اگر وہ ٹھیکیدار نہیں تھا تو پھر کون تھا؟"

"یہی تو سوچنا ہوگا۔ میرا تو کوئی ایسا دشمن بھی نہیں ہے۔"

"اب دلاور کے رشتے کی طرف دھیان دیں۔" ریشا کی امی نے کہا۔ "اس کو کیا جواب دیا جائے۔"

"انکل آپ نے اس سے کچھ نہیں کہا؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں نہیں، میں نے اس سے کہہ دیا کہ میری بیٹی کا رشتہ طے ہو چکا ہے۔"

"تو اس کا کیا ردعمل ہوا؟"

"کچھ نہیں، وہ بہت مایوس سا ہو کر چلا گیا۔" وصی صاحب نے بتایا۔

"تو کیا ایسے لوگوں کا بھی [illegible]" ریشا کی امی نے پوچھا۔

"نہیں کوئی پیر، سائیں [illegible] شرارتی ہوا کرتے ہیں۔ خدا خیر کرے۔"

"آپ پریشان نہ ہوں۔" [illegible] چاہا تو یہ مرحلہ بھی نمٹ جائے گا۔ خود ہی [illegible] کیسے کیسے امتحانوں سے نکالا ہے۔ اس سے [illegible] گا۔" میں ان لوگوں کو تسلی دے کر [illegible] باہر تھا کہ میں ان کے لیے کیا کروں۔ [illegible] پھنسے ہوئے تھے۔ میں ان کے گھر سے [illegible] میرے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

"وہ ایک مجذوب قسم کا انسان تھا۔ اس [illegible] اسی قسم کے لوگوں کے ہوتے ہیں۔ وہ بھی [illegible] آنکھوں میں ایک خاص قسم کی کیفیت تھی۔ [illegible] میں اس سے مرعوب سا ہو گیا۔

"کیا یہ ٹیکسی تیری ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔ میری ہے۔"

"چل مجھے پہنچا دے۔" اس نے کہا۔

میں نے انکار کر دیا۔

میں جانتا تھا کہ اس قسم کے لوگ [illegible] ہیں۔ اپنی مجذوبی کا اظہار کرتے رہتے ہیں اس [illegible] بڑی نرمی سے انکار کیا۔ "جناب مجھے فوری [illegible] ہے۔ میں آپ کو نہیں لے جا سکتا۔"

وہ ہنس دیا۔ بہت عجیب ہنسی تھی۔ جیسے [illegible] ہو۔ کہا کچھ نہیں بس ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ میں ٹیکسی میں بیٹھ کر جب ٹیکسی اسٹارٹ کرنی چاہی [illegible] کے رہ گئی۔ خدا جانے کیا خرابی ہو گئی تھی۔

میں نے نیچے اتر کر انجن کو کھول کر بھی دیکھا [illegible] بات سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ مجذوب میرے پاس آ کر [illegible] کہا۔ "دیکھ تیری گاڑی اس طرح نہیں چلے گی۔"

"پھر کیسے چلے گی؟" میں نے جھلا کر پوچھا۔

"مجھے چھوڑ دے پھر چلنے لگے گی۔"

صرف ایک لمحہ۔ میں نے ایک لمحے کے لیے [illegible] جانے دل میں کیا خیال آیا کہ میں نے اس کے لیے [illegible] کھول دیا۔ "چلیں بیٹھ جائیں۔"

وہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنی سیٹ [illegible] اس نے کہا کہ وہ مجھے ناظم آباد پہنچا دے۔ میں نے [illegible] کھینچ کر گاڑی اسٹارٹ کرنے کے لیے چابی گھمائی تو [illegible]

بالکل اسی طرح جس طرح ہمیشہ سے

... ہو، کوئی ڈیلی کے افیئر۔

... کہ وہ کوئی عام آدمی نہیں ہے۔ کوئی نہ کوئی ... ایسے لوگ ملتے کہاں ہیں۔

"...کیا آپ ناظم آباد میں رہتے ہیں؟" میں نے گفتگو کا سلسلہ شروع کرنا تھا۔

"... مقصد صرف اس سے ... رہتا ہوں۔" اس نے بتایا۔ "یاد رکھو۔ ... کی مرضی ہوا کرتی ہے۔ اس دنیا میں اتفاق نام کی کوئی چیز نہیں ہوا کرتی۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے، وہ پلاننگ کے تحت ہوتا ہے۔ میرے مولا کی پلاننگ۔ ہم سمجھتے ہیں اتفاق سے ایسا ہو گیا۔ نہیں اتفاق سے نہیں ہوتا۔ کف شعبدہ گر میں رنگ بدلتے ہوئے پتے اتفاق سے رنگ نہیں بدلتے بلکہ وہ شعبدہ گر کی پلاننگ کا حصہ ہوا کرتے ہیں۔ سمجھ گئے؟"

"جی ہاں سمجھ گیا۔" میں نے ادب سے جواب دیا۔

"میرا اس طرح تمہاری گاڑی کے پاس آنا بھی پلاننگ ہی کا حصہ ہے اور وہ پلاننگ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سمیٹ کر رکھو۔ یہ دنیا بہت پھیل گئی ہے۔ اب اس دنیا کو سمٹ جانا ہے۔ اسی لیے برائیاں آکٹوپس بن گئی ہیں۔ یاد رکھو۔ اب کوئی سمجھانے والا آسمان سے اتر کر نہیں آئے گا۔ دنیا سمٹ رہی ہے۔ بس بیٹا میرا ٹھکانا آ گیا ہے۔ تم مجھے یہیں اتار دو۔"

باتوں باتوں میں مجھے یہ اندازہ ہی نہیں ہو سکا تھا کہ ہم نے کتنا فاصلہ طے کر لیا ہے۔

وہ ٹیکسی سے اتر گئے۔ میں بھی اتر گیا۔

"اگر میں کبھی آپ سے ملنا چاہوں تو کہاں مل سکتا ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"کہیں بھی، یہاں آنے کے بعد کسی سے میرے بارے میں پوچھ لینا۔ میرا نام شیرازی ہے۔ بتاؤ کتنے پیسے ہوئے؟"

"نہیں جناب، شرمندہ نہ کریں۔ میں آپ سے کرایہ نہیں لوں گا۔" میں نے کہا۔

وہ اصرار کرتے رہے لیکن میں نے پیسے نہیں لیے۔ وہ چلے گئے لیکن مجھ پر اپنا نقش چھوڑ گئے۔

میں شیرازی صاحب کو اتار کر آگے بڑھا اور مجھے دو سواریاں مل گئیں۔

☆☆☆

ہماری بھی کیا زندگی ہے۔ زندگی کے سفر میں ہم ... رہتے ہیں۔

کیسے کیسے لوگ، مظلوم، ظالم، پریشان، خوش حال، گنہگار، متقی، بزنس مین، مزدور ان کی داستانیں ایک دوسرے سے الگ ہوا کرتی ہیں۔ زندگی کا ہر طبقہ اپنی الگ شناخت رکھتا ہے۔

میں نے ان سواریوں کو بٹھا لیا۔ وہ سواریاں مجھے ناظم آباد سے بہت آگے جا کر بہادر آباد میں ملی تھیں۔ یہ ایک پوش علاقہ تھا۔ دونوں جوان اور خوب صورت لڑکیاں تھیں۔ انہوں نے اشارہ کیا۔ میں نے ٹیکسی ان کے پاس جا کر روک دی تھی۔ "زمزمہ جانا ہے۔" لڑکی نے پوچھا۔

"بیٹھ جائیں۔" میں نے پچھلا دروازہ کھول دیا۔

دونوں بیٹھ گئیں۔ دونوں نے مہنگی پرفیومز لگا رکھی تھیں۔ جہاں وہ جا رہی تھیں، وہاں اسی قسم کے لوگ شاپنگ کے لیے جایا کرتے تھے۔ آپ اس روڈ پر جا کے کھڑے ہو جائیں۔ ایسا لگے گا جیسے آپ کوئی فیشن شو دیکھ رہے ہوں۔

ان دونوں نے باتیں شروع کر دیں۔ ان میں سے ایک کہہ رہی تھی۔

"ارے کچھ نہیں ہوتا یار۔ بس ایک رات کی بات ہوتی ہے۔ خود سوچ اگر ایک رات کے ......" اس کے بعد ان کی آواز مدھم ہو گئی۔ دونوں سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ مجھے وہ دن یاد آ گیا جب مہوش میری ٹیکسی میں بیٹھی تھی اور جہاں سے ایک بھیانک کہانی کا آغاز ہوا تھا، اس نے تو اپنے ضمیر کی آواز پر ایک قدم اٹھا لیا تھا لیکن یہ لڑکیاں تو مجبور نہیں تھیں۔ یہ تو اپنے شوق کی خاطر جا رہی تھیں۔ ان لڑکیوں کو نت نئے ڈیزائن کے ڈریسز کی ضرورت تھی۔ جیولری کی ضرورت تھی۔

ایک ناسور تھا جو پھیلتا جا رہا تھا۔ شیرازی صاحب کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ دنیا سمٹ رہی ہے اور اب کوئی آسمان سے اتر کر نہیں آنے والا۔ اب خود کو سمیٹ لینا چاہیے۔

میں کچھ نہیں کر سکتا تھا سوائے اس کے کہ خود کو سمیٹ لوں۔ اور میں نے خود کو سمیٹ لیا۔ کیونکہ میں بس یہی کر سکتا تھا۔ میں نے ایک بار پھر اپنی توجہ اپنی جاب کی تلاش کی طرف لگا دی۔

مجھے جاب بھی مل گئی اور میں نے ٹیکسی چلانی چھوڑ دی۔

میں زندگی کو اور قریب سے دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ دنیا سمٹ رہی ہے۔ ہمیں بھی خود کو سمیٹ لینا چاہیے۔

ریشما سے میری شادی ہو چکی ہے اور ہم دونوں آنے والے بہتر دنوں کے خواب بُنتے رہتے ہیں۔

آوارہ گرد

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی

مندر، کلیسا، سینی گاگ، دھرم شالے اور اناتھ آشرم... سب ہی اپنے اپنے عقیدے کے مطابق بہت نیک نیتی سے بنائے جاتے ہیں لیکن جب بانیوں کے بعد تکیل بگڑے ذہن والوں کے ہاتھ آتی ہے تو سب کچھ بدل جاتا ہے... محترم پوپ پال نے کلیسا کے نام نہاد راہبوں کو جیسے گھناؤنے الزامات میں نکالا ہے، ان کا ذکر بھی شرمناک ہے مگر یہ ہو رہا ہے... استحصال کی صورت کوئی بھی ہو، قابل نفرت ہے... اسے بھی وقت اور حالات کے دھارے نے ایک فلاحی ادارے کی پناہ میں پہنچا دیا تھا... سکھ رہا مگر کچھ دن، پھر وہ ہونے لگا جو نہیں ہونا چاہیے تھا... وہ بھی مٹی کا پتلا نہیں تھا جو ان کا شکار ہو جاتا... وہ اپنی چالیں چلتے رہے، یہ اپنی گھات لگا کر ان کو نیچا دکھاتا رہا... یہ کھیل اسی وقت تک رہا جب اس کے بازو توانا نہ ہو گئے اور پھر اس نے سب کچھ ہی الٹ کر رکھ دیا... اپنی راہ میں آنے والوں کو خاک چٹا کر اس نے دکھا دیا کہ طاقت کے گھمنڈ میں راج کا خواب دیکھنے والوں سے برتر... بہت برتر قوت وہ ہے جو بے آسرا نظر آنے والوں کو نمرود کے دماغ کا مچھر بنا دیتی ہے... پل پل رنگ بدلتی، نئے رنگ کی سنسنی خیز اور رنگارنگ داستان جس میں سطر سطر دلچسپی ہے...

تحیر، سسپنس اور ایکشن سے بھرپور ایک دلچسپ سلسلہ...

قسط نمبر: 58

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

شہزاد احمد خان شہزی نے ہوش سنبھالا تو اسے اپنی ماں کی ایک ہلکی سی جھلک یاد تھی۔ باپ، سوتیلی ماں کے کہنے پر اسے [illegible] خانے کی ایک جدید شکل تھی جہاں بوڑھے بچے سب ہی رہتے تھے۔ ان میں ایک لڑکی عابدہ بھی تھی، شہزی کو اس سے انسیت [illegible] وہاں ایک بوڑھے سرمد بابا سے ورکی جن کی حقیقت جان کر شہزی کو بے حد حیرت ہوئی کیونکہ وہ بوڑھا لاوارث نہیں بلکہ ایک [illegible] اکلوتے بیٹے نے اپنی بیوی کے کہنے پر سب کچھ اپنے نام کروا کر اسے اطفال گھر میں پھینک دیا تھا۔ اطفال گھر پر وقت [illegible] لگتا ہے۔ شہزی کا ایک دوست اول خیر چوہدری ممتاز خان کے حریف گروپ جس کی سربراہ ایک جوان خاتون زہرہ بیگم ہے [illegible] چھوٹے استاد کے نام سے جانا جاتا تھا۔ بڑا استاد کیلی دادا ہے جو زہرہ بانو کا خاص دست راست اور اس کا یکطرفہ چاہنے والا بھی تھا [illegible] ممتاز خان کی سوتیلی بہن ہے۔ دونوں بھائی بہنوں کے بیچ زمین کا تنازع عرصے سے چل رہا تھا۔ کیلی دادا، شہزی سے خار کھانے لگا [illegible] بانو کا شہزی کی طرف خاص التفات ہے۔ بیگم صاحبہ کے حریف، چوہدری ممتاز خان کو شہزی ہر محاذ پر شکست دیتا چلا آ [illegible] نوجوان سے محبت کرتی تھی جو درحقیقت شہزی کا ہم شکل ہی نہیں، اس کا بچھڑا ہوا بھائی تھا۔ شہزی کی جنگ پہلے پہلے ملک دشمن [illegible] ساتھ ہی شہزی کو اپنے ماں باپ کی بھی تلاش تھی۔ وزیر جان جو اس کا سوتیلا باپ ہے، اس کی جان کا دشمن بن جاتا ہے۔ وہ ایک جرائم پیشہ [illegible] کا زونل چیف تھا، جبکہ چوہدری ممتاز خان اس کا حلیف۔ رینجرز فورس کے میجر ریاض ان ملک دشمن عناصر کی کھوج میں تھے لیکن [illegible] حمایت حاصل تھی۔ لوہے کو لوہے سے کاٹنے کے لیے شہزی کو اعزازی طور پر بھرتی کر لیا جاتا ہے اور اس کی تربیت بھی [illegible] شروع ہو جاتی ہے۔ عارفہ علاج کے سلسلے میں امریکا جاتے ہوئے عابدہ کو اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ اسپیکٹرم کا سربراہ لولووش، شہزی کا دشمن [illegible] جے بی سی (جیوش بزنس کمیونٹی) کی ملی بھگت سے عابدہ کو امریکی سی آئی اے کے چنگل میں پھنسا دیتا ہے۔ اس سازش میں بالواسطہ [illegible] ہے۔ ہاسکل ہولارڈ، ایک یہودی نژاد کٹر مسلم دشمن اور جے بی سی کے خفیہ دنیائے مسلم کے خلاف سازشوں میں ان کا دست راست ہے۔ [illegible] فورس ٹائیگر فنگ شہزی کے پیچھے لگ جاتی ہے۔ ہاسکل ہولارڈ کی لاڈلی بیٹی انجیلا، لولووش کی بیوی ہے۔ اڈیسہ کمپنی کے شیئرز کے سلسلے میں [illegible] کے درمیان چپقلش آخری نہج پر پہنچ جاتی ہے، جسے لولووش اپنی ملکیت سمجھتا ہے۔ ایک تو دولتیا سیٹھ نوید ساہنی والا مذکورہ شیئرز کے سلسلے میں [illegible] لولووش کا دوست ہے اور دوسری طرف وہ عارفہ سے شادی کا خواہش مند ہے۔ اس دوران شہزی اپنے ماں باپ کو تلاش کرنے میں کامیاب [illegible] اس کا باپ تاج دین شاہ، درحقیقت وطن عزیز کا ایک گمنام بہادر غازی سپاہی تھا۔ وہ بھارت کی خفیہ ایجنسی کی قید میں تھا۔ بھارتی خفیہ ایجنسی [illegible] افسر کرنل سی جی بھگوانی، شہزی کا خاص ٹارگٹ ہے۔ شہزی کے ہاتھوں بیک وقت اسپیکٹرم اور بلیو تھسی کو ذلت آمیز شکست ہوتی ہے اور وہ [illegible] خفیہ گٹھ جوڑ کر لیتے ہیں۔ شہزی، کیلی دادا اور زہرہ بانو کی شادی کرنے کی بات چلانے کی کوشش کرتا ہے جس کے نتیجے میں کیلی دادا کا [illegible] دل صاف ہو جاتا ہے بلکہ وہ بھی اول خیر کی طرح اس کی دوستی کا دم بھرنے لگتا ہے۔ ہاسکل ہولارڈ، امریکا میں عابدہ کا کیس [illegible] منتقل کرنے کی سازش میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ امریکا میں مقیم ایک بین الاقوامی بیسٹ سیلر اور رپورٹر آنسہ خالدہ، عابدہ کے سلسلے میں شہزی کی مدد کرتی [illegible] شہزی کو مطلع کرتی ہے کہ ہاسکل ہولارڈ، سی آئی اے میں ٹائیگر فنگ کے دو ایجنٹ اس کو اغوا کرنے کے لیے خفیہ طور پر امریکا سے پاکستان [illegible] ہے۔ شہزی ان کے شکنجے میں آ جاتا ہے۔ ٹائیگر فنگ کے مذکورہ دونوں ایجنٹ اسے پاکستان سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جہاز [illegible] کے سلسلے میں لولووش برما (رنگون) میں مقیم تھا۔ اس کا دست راست سے جی کوہارا، شہزی کو ٹائیگر فنگ سے چھین لیتا ہے اور اپنی ایک [illegible] پہنچتا ہے۔ وہاں اس کی ملاقات ایک اور قیدی سے ہوتی ہے جو کبھی اسپیکٹرم کا ایک [illegible] آفیسر تھا جو بعد میں تنظیم سے [illegible] بچوں کے ساتھ روپوشی کی زندگی گزار رہا تھا۔ [illegible] پاکستان میں [illegible] چوری ہو چکا ہے اور لولووش اور سی جی بھگوانی کے ایک مشترکہ معاہدے کے تحت سے جی کوہارا کی بوٹ میں بلیو تھسی کے [illegible] وہ شہزی کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر بلیو تھسی کے ہیڈکوارٹر لے جاتے ہیں۔ [illegible] ایک محب وطن گمنام سپاہی تھا۔ تاج دین شاہ [illegible] پاکستان [illegible]

[illegible]

شہزی کے ساتھی اول خیر، شکیلہ اور گھیل داد اس کے قبضے میں تھے اور کالا پانی "انڈمان" پہنچا دیے گئے تھے۔ کالا پانی کا نام سن کر شہزی
دہل گیا کیونکہ وہاں جانا ناممکنات میں سے تھا۔ اپنے ساتھیوں کی رہائی کے لیے ہی بھوانی کو تلاش کرتا ہے۔ بھوانی مدد کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔
... بتاتی ہے کہ تینوں کو "کل منجارو" پہنچا دیا گیا ہے۔ یہ نام سن کر شہزی مزید پریشان ہو جاتا ہے۔ اچانک بلراج سنگھ حملہ آور ہوتا
ہے۔ ... بھوانی مارا جاتا ہے۔ پھر شہزی کی ملاقات ناناشکور سے ہوتی ہے، جو بمبئی کا ایک بڑا اسمگلر تھا۔ ناناشکور شہزی کی مدد کے لیے تیار ہو
جاتا ہے ... شہزی، سوشیلا اور ناناشکور کے ہمراہ کل منجارو کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ ناناشکور کی سربراہی میں رات کی تاریکی میں سفر جاری تھا۔ جہاں
... جنگل کی حدود شروع ہو چکی تھی کہ اچانک جنگلی وحشی زہر بجھے تیروں سے حملہ کر دیتے ہیں۔ شہزی اپنی گن سے جوابی فائرنگ کر کے کئی
وحشیوں کو ختم کر دیتا ہے۔ پھر وہ وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں مگر تاریکی کی وجہ سے ناناشکور دلدل میں پھنس کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ ...
... اب شہزی اور زخمی سوشیلا کا سفر جاری تھا کہ وہ ایک نیم صحرائی علاقے میں پہنچ جاتا ہے جہاں حد نگاہ کالی چٹانوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ سوشیلا کو چھوڑ
کر خود ایک قریبی پہاڑی کا رخ کرتا ہے۔ واپسی کے لیے پلٹتا ہے تو ٹھٹک کر رک جاتا ہے کیونکہ ہر طرف سیاہ رنگ کے موٹے اور بڑے بڑے
... تھے۔ بچھوؤں سے بچ نکلنے کے لیے وہ اندھا دھند دوڑتا ہے۔ ڈھلوان پر دوڑتے ہوئے لڑکھڑا کر گر پڑتا ہے اور چٹانی پتھر سے ٹکرا کر بے ہوش
ہو جاتا ہے۔ ہوش میں آنے پر خود کو ایک لانچ میں پاتا ہے۔ وہ لانچ میجر کیم کملا اور اس کی بیٹی سونگ کملا کی تھی۔ وہ نایاب کالے بچھوؤں کے شکاری تھے اور
بچھوؤں کا کاروبار کرتے تھے۔ اچانک سونگ کملا کی نظر بے ہوش شہزی پر پڑتی ہے اور اسے ان بچھوؤں سے بچا لیتی ہے۔ شہزی خود کو ایک ہندو ظاہر کر کے
زخمی کہانی سنا کر باپ بیٹی کو اعتماد میں لے لیتا ہے۔ اس اثنا میں برمی مسلم گروپ کا مجاہد نولا ان پر حملہ کر دیتا ہے۔ شہزی کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کیم کملا کو
بے گناہ اور مظلوم برمی مسلمانوں کے قتل کا ذمہ ملا ہوا ہے تو وہ کیم کملا اور اس کے ساتھیوں کو جہنم واصل کر دیتا ہے، پھر نارتھ انڈمان کے ساحل کا رخ کرتا
ہے۔ جہاں کل منجارو سے ٹاکرا ہو جاتا ہے۔ شہزی گھات لگا کر ان کے ایک ساتھی دیال داس کو قابو کر لیتا ہے اور اس کا بھیس بھر کر ان میں شامل ہو جاتا
ہے۔ وہاں پتا چلتا ہے کہ اس سارے چکر میں جنرل کے ایلچی ایڈوانی کا ہاتھ ہے اور اس کا نائب بلراج سنگھ بھی موجود ہے۔ جنرل ایڈوانی یہاں اپنے خاص
مشن کی تکمیل اور ٹھکانے کو مضبوط بنانے کے لیے ڈارک کیسل نام کی عمارت تعمیر کروا رہا تھا جس کے پیچھے بیرونی طاقتیں تھیں۔ ایڈوانی نے اپنے مقاصد
کے لیے کل منجارو سے مل کر جاوا قبیلے کے سردار کو مار کر پورے جاوا قبیلے کو اپنا غلام بنا لیا تھا۔ ایڈوانی اور بلراج شہزی کو دیال داس کے بھیس
میں پہچان تو لیتے ہیں اور وہ چالاکی سے اپنا اعتماد بحال کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ پھر شہزی منصوبے کے تحت بلراج سنگھ کو جہنم واصل کرتا ہے۔ ایڈوانی
ڈارک کیسل سے موٹر بوٹ کے ذریعے فرار کی کوشش کرتا ہے۔ شہزی ساتھیوں سمیت ایڈوانی کا پیچھا کرتا ہے اور اسے سمندر برد کر کے طلسم نور ہیرا حاصل
کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے پھر ہندوستانی مچھیروں کے روپ میں پاکستان کے لیے روانہ ہوتے ہیں۔ راستے میں دونوں ملکوں کے کوسٹ گارڈز سے
لڑتے بھڑتے پاکستان پہنچتے ہی زہرہ بانو سے رابطہ کرتا ہے۔ ملتان جانے سے پہلے لاڑکانہ پہنچ کر بشام کی بیوہ ارم سے ملتا ہے۔ وہاں کا زمیندار شاہنواز
خان جو پہلے بھی ہیرا چوری کر چکا تھا اب دوبارہ حاصل کرنے کے چکر میں بشام کی بیوہ پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ شہزی وغیرہ کی آمد پر شاہنواز خان دھوکے سے
بشام کے ... اور اس کی بیوہ ارم کے اغوا کے جرم کی رپورٹ کرا دیتا ہے۔ پولیس اول خیر اور گھیل داد کو پکڑ کر لے جاتی ہے۔ شہزی کو شاہنواز خان اپنا قیدی
بنا کر لے جاتا ہے۔ اچانک رات کے سناٹے میں خطرناک ڈاکو پریل چانڈیو حویلی پر حملہ آور ہوتا ہے۔ واپسی میں شاہنواز کی بیٹی سوشمیرین بھی ساتھ ہوتی
ہے جو اس کی محبوبہ ہے۔ جاتے ہوئے پریل، شہزی کو بھی اپنے اڈے پر لے جاتا ہے۔ اس رات پریل کا نائب لالک ماچھی لانچ میں آ کر سازش کرتا ہے
وہ پریل کو غائب کرا کر خود سردار بن بیٹھتا ہے اور سوشمیرین کو تاوان کے لیے قبضے میں کر لیتا ہے۔ شہزی، لالک ماچھی کے ساتھی عارب خان کو قابو کر لیتا ہے۔
شہزی پریل کو چھڑانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ پریل، شہزی کا احسان مند ہوتا ہے اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ شہزی کے ساتھیوں ... سوشمیرین کو
چھڑانے کے لیے تھانے پر حملہ کر دیتا ہے مگر رینجرز کی اینٹی ڈکیتی فورس وہاں پہلے سے موجود تھی۔ مقابلے میں پریل اور اس کے ساتھی مارے جاتے ہیں۔
شہزی اور اس کے ساتھی رینجرز کی تحویل میں چلے جاتے ہیں۔ شہزی، میجر وسیم کو اپنے بارے میں تمام حقائق سے آگاہ کرتا ہے۔ میجر وسیم، شہزی پر اعتماد
کرتے ہوئے بھاری نفری کے ساتھ شاہنواز کے خفیہ ڈیرے پر ریڈ کر کے طلسم نور ہیرا برآمد کر لیتے ہیں۔ اس مہم کے بعد شہزی اپنے ساتھیوں سمیت ملتان
کا رخ کرتا ہے جہاں شہزی کے والدین اور زہرہ کی لاشیں منتظر تھیں۔ پاکستان پہنچ کر شہزی کو پتا چلتا ہے کہ عارف ... [illegible]
[illegible]

میں واقعی ایک سکتے کی سی کیفیت میں مبتلا ہو گیا تھا…… میرا منہ کھلا رہ گیا اور پھیلی ہوئی آنکھیں بھی یہی کچھ منظر پیش کر رہی تھیں، دل یوں میرا رک رک کر دھڑک رہا تھا کہ جیسے ابھی اس کی دھڑکنیں بھی میرے پورے وجود کی طرح جامد ہو جائیں گی۔

''ہاہا…… ہاہا……'' اچانک ملعون اور بدبخت گون برگ کے قہقہے نے میرے دماغ کی نسوں تک کو جھنجوڑا اور میں قدرے چونک کر سکتے کی اس منحوس کیفیات سے نکل آیا اور دوبارہ گردن گھما کر گون برگ کی طرف دیکھا۔

اس خبیث نے جام کا ایک بلوریں پیگ ہاتھ میں اٹھا رکھا تھا۔ اس کے مکروہ چہرے اور بدہیئت پتلے ہونٹوں کی سفاک مسکراہٹ مجھے بُری طرح تاؤ دلا گئی۔

میرے وجود میں بڑی شدت کے ساتھ یہ خواہش ابھری کہ میں لمحے کی بھی دیر کیے بغیر سامنے صوفے پر پُرغرور انداز میں پھیلے بیٹھے اس مکروہ یہودی پر جھپٹ پڑوں اور اسے چیر پھاڑ ڈالوں……

بس…… یہ میں ہی جانتا تھا کہ میں نے کس طرح اپنے اندر کے جنگجو کو قابو کر رکھا تھا۔ کیونکہ اس وقت معاملہ صرف آنسہ خالدہ کا ہی نہیں، کبیل داوا اور شکیلہ کا بھی تھا جو یہاں زخمی حالت میں بے ہوش پڑے تھے۔

میری ذرا سی بھی جنگجوانہ حرکت پر گون برگ کے چوکس کھڑے ساتھی، انتقاماً پہلے انہیں گولیوں کی زد میں لے سکتے تھے۔

اس شبہے کے ساتھ کہ کہیں گون برگ کو میری اندرونی اذیت ناکی کا احساس نہ ہو جائے، میں نے اپنی اس کیفیت کو قدرے بوکھلاہٹ اور پریشانی میں ڈھالتے ہوئے گون برگ سے کہا۔

''دل…… لیکن…… اس کی حالت تو اس قدر…… نازک اور غیر شناخت سی ہو رہی ہے کہ……''

''تمہیں اجازت ہے۔'' وہ گھمنڈی لہجے میں میری بات کاٹ کر بولا۔ ''اٹھ کر اس کے قریب جاؤ اور اچھی طرح پہچان لو، بشرطیکہ پہچان سکو۔''

اس کی اجازت ملتے ہی میں نے فوراً صوفے سے اٹھنے کا ارادہ کیا مگر اس خیال سے کہ میری اس قدر [illegible] آمیز [illegible] سے کہیں اس شیطان کو مجھ پر کسی قسم کا شبہ نہ ہو جائے۔

[illegible]

پر لیے اپنی جگہ سے اٹھا اور اس طرف بڑھا۔ مجھے اس وقت بلا کی خود اختیاری کا [illegible] سامنا تھا کہ میرے قدموں میں لڑکھڑاہٹ [illegible] محسوس ہو جبکہ میرے اعصاب شل ہو [illegible] کالے طوفانوں…… کی منہ زور آندھیوں [illegible] ہلچل مچی ہوئی تھی۔

میرے سامنے اب چند قدموں پر [illegible] چیئر پر موجود تھی اور جو اس کی وہیل چیئر [illegible] تھے۔ دونوں یقیناً مسلح ہوں گے لیکن [illegible] تھے۔

وہیل چیئر پر جو بھی موجود تھا، بس وہی [illegible] آنسہ خالدہ تھی جیسا کہ اس کا نام لے کر گون برگ [illegible] اس کی طرف دیکھنے کا کہا تھا۔ ورنہ اس کی جو حالت [illegible] کم از کم قابلِ شناخت زمرے میں نہیں آ سکتی تھی۔

آنسہ خالدہ…… ایک بہادر لبنانی خاتون [illegible] عورت…… جس نے نائن الیون جیسے واقعے [illegible] رہتے ہوئے بہادری اور جرأت مندانہ انفرادیت [illegible] جوتا بنا کر ان لوگوں کے منہ پر رسید کیا تھا جو امریکا کے عظیم سانحے کو مسلمانوں کے سر تھوپنے کے لیے [illegible] صرف یہ بلکہ عابدہ والے معاملے میں بھی اس نے [illegible] دکھائی تھی۔

آج وہ جس حال میں میرے سامنے پیش [illegible] وہ…… ایسا ہی تھا جیسے کوئی زندہ لاش کی شکل ہو۔

وہ محض ایک مٹیالے رنگ کے چولے میں [illegible] ایسا چولا جو بغیر آستین کا تھا جس کا گریبان قدرے [illegible] تھا اور چولا صرف گھٹنوں تک۔

تشدد کی جو انتہائی حد ہو سکتی تھی، وہ میں [illegible] ڈھلکی سی بیٹھی آنسہ خالدہ کی صورت میں دیکھ رہا تھا۔ [illegible] سر سینے کی طرف جھکا ہوا تھا۔ کوئی رطوبت تھی رال کی [illegible] کی صورت میں اس کے منہ سے بہہ رہی تھی۔ بال [illegible] سے تھے۔ برہنہ شانوں، بانہوں، گلا اور ٹانگیں اس [illegible] معضروب نظر آ رہی تھیں کہ ان پر بہنے والے خون کی [illegible] سیاہی میں بدل چکی تھی۔ دونوں ٹانگیں، وہیل چیئر [illegible] پائیدان پر سیدھی نہیں بلکہ ٹیڑھے میڑھے انداز میں [illegible] تھے۔ [illegible] دونوں ہاتھ اور بازو قدرے [illegible] لگ رہا تھا کہ وہ بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار [illegible] جسم نحیف و نزار تھا جیسے [illegible] اور [illegible] کا انداز ایسا ہی تھا جیسے کپکپانے کی بھی سکت نہ [illegible]

میرے قریب آنے تک چیئر کے دائیں بائیں [illegible] نے اس زندہ لاش کا سر کھچڑی سے بالوں کو [illegible] سامنے ہو گیا۔ [illegible] کر دیا تھا اور چہرہ میرے سامنے [illegible] اور دل کو دہلا رہا تھا۔ چہرے کی حالت [illegible] نظر آتی تھی۔ دونوں گال جن پر کبھی شفق [illegible] ہوتی تھی اب وہاں سوکھے زخموں کے [illegible] تھے۔ ناک کا بانسہ پچکا ہوا اور ایک نتھنا [illegible] چھلے ہوئے اور ان کی باچھیں لہو کی جمی [illegible] سے اٹی پڑی تھیں۔ کچھ خوں رنگ کچھا جو قدرے سیاہ پڑا تھا، متورم اور سوجے ہوئے ہونٹوں سے لٹکا ہوا دکھائی دیتا تھا جیسے اس کے منہ کے اندر بھی گھاؤ دینے کی ذرا بھی رعایت سے کام نہ لیا گیا ہو اور اس گھاؤ کا صاف مطلب تھا کہ بدنصیب آنسہ خالدہ کی زبان بھی اس غیر انسانی اور بہیمانہ تشدد تلے لا کر کچلی گئی ہے...... اس نازک عضو کو شاید آخر کے انتہائی قریبی لمحات میں ہی تختۂ مشق بنایا گیا تھا، اسی سبب وہ حصہ بھی رنگ لہو میں نظر آتا تھا۔

وہ خالدہ ہی تھی...... ہاں! میں اسے اس قدر زخموں میں بھی پہچان گیا تھا۔ بے شک آج تک میں اس سے نہیں ملا تھا، لیکن اس کے کھنکتے لہجے کی آواز سنی تھی اور وہ حرارت بھی محسوس کی تھی جب وہ مجھے ایک کروفر سے جوش کے ساتھ ویڈیو چیٹنگ میں اپنے نیک کاز اور عابدہ سے متعلق بتایا کرتی تھی تو میں نے اس کا شادابی چہرہ اور کشادہ آنکھوں کی گہرائیوں میں پنہاں وہ نیک جذبہ بھی محسوس کیا تھا جو وہ اسلام اور دنیائے مسلمانان کے لیے رکھتی تھی۔

اس کی قابلِ رحم حالت دیکھ کر میں یقین سے کہہ سکتا تھا کہ اس دلیر، باحیا اور باوقار عورت نے ان یہودیوں کے آگے اپنا سر نہیں جھکایا ہوگا۔

میں نے اپنے اندر ابھرتی کربناکی اور تڑپتی جنوں خیزی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے قدرے جھک کر اسے پہچاننے کی آخری تصدیق چاہی تھی۔ اگر یہ واقعی آنسہ خالدہ تھی تو...... گون برگ کو میں اس کی موت جیسی کم سزا پر اکتفا نہ کرنے دوں...... اسے ایسا بنا دوں کہ وہ نشانِ عبرت بن جائے اور اسے میرے ہاتھوں صرف موت میں ہی پناہ نظر آتی رہے، حتیٰ کہ وہ اپنی زندگی کے بجائے مجھ سے موت مانگے، بھیک مانگتا ہے۔

ہاں! وہ آنسہ خالدہ ہی تھی۔

پلک کے پل مجھے یوں لگا جیسے میرے دائیں ہاتھ میں ارتعاش کی سی کیفیت پیدا ہو رہی ہو۔ ہاں! کچھ ایسا ہی تھا، وہ ہاتھ میرا سیلوٹ کے انداز میں میری پیشانی تک آنے کے لیے بے قرار ہو رہا تھا۔

گویا بڑی مشکل سے میں نے اپنے اس جذبے کو روکے رکھا تھا۔ نہ صرف یہ، بلکہ آنسہ خالدہ کو ایسی دردناک حالت میں دیکھ کر میں نے قسم کھالی تھی کہ صرف گون برگ ہی نہیں پوری جے بی سی کو میں اب نیست و نابود کیے بغیر یہاں سے نہیں ٹلوں گا چاہے عابدہ کا بھی میں سراغ لگا لوں۔

عابدہ کا خیال آتے ہی میرے اندر زبردست چھناکا ہوا۔ کیا ان رذیل خنزیر یہودیوں نے اپنے ناپاک مقاصد کی برآری کے لیے میری معصوم عابدہ کا بھی یہی حشر کیا ہوگا؟ اس تصور سے ہی میں پوری جی جان سے لرز اٹھا تھا۔

”میرا خیال ہے کافی ہے اتنا۔ اب واپس آ جاؤ مسٹر ڈینی......!“ مجھے عقب سے گون برگ کی سرسراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ میں نے فوراً اپنی کیفیات پر قابو پایا اور چہرے کی سرخی کو پریشانی اور تشویش بھرے انداز میں بدل کر پلٹا۔ میرے ذہن نے پل کے پل وہاں موجود افراد کی پوزیشن اور تعداد کا شمار کر لیا تھا۔

وہ سب کُل ملا کر پانچ سے چھ بندے تھے، جبکہ دو اس کے اشارے پر بدنصیب آنسہ خالدہ کی وہیل چیئر دھکیلے جس کمرے سے آئے تھے وہیں دوبارہ غائب ہو گئے۔

میں گون برگ کے سامنے والے صوفے پر براجمان ہو کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے اسی انداز میں بولا۔

”میں نہیں سمجھتا کہ شہزی آنسہ خالدہ کو اس حالت میں قبول بھی کرے گا، تم اس سے کس طرح اس کی واپسی کی ڈیل کرو گے جبکہ اسے تو تم نے زندہ لاش کی شکل کر رکھا ہے؟“

میں نے اپنے دل میں اٹھنے والی درد کی لہر پر قابو پاتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

وہ غور غور سے میرے چہرے کو گھور رہا تھا۔ میری بھی کوشش یہی تھی کہ اسے میرے اندرونی ابال اور ہلچل کی سی کیفیات کا اندازہ نہ ہونے پائے، لیکن میری آتش فشاں کی طرح انگڑائیاں لیتی غضبناکی کا تاثر چہرے سے مترشح نہ ہونا مشکل ہی تھا اسی لیے میں نے اس کیفیت کو کیفیت کا ہی روپ دے دیا تھا جس سے مجھے آسانی ہوئی کہ اس کی جگہ پریشانی اور تشویش کے تاثرات کا پرتو چڑھا لینا نسبتاً آسان ثابت ہوا تھا۔ یوں گون برگ یہی سمجھے ہوئے تھا کہ مجھے ”ڈیل“ کی جانب سے ہی فکر و تشویش ہے۔

''تمہاری تو تسلی ہو گئی ہے نا......؟'' گون برگ نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد مجھ سے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ہاں! میری تسلی تو ہو گئی ہے لیکن......'' کہتے ہوئے میں نے قالین پر بے سدھ پڑے کبیل دادا اور شکیلہ کی جانب دیکھا۔

''یہ میرے ساتھیوں کے ساتھ تمہارے آدمیوں نے جو کیا، میں اسے درگزر کرتا ہوں اسی لیے اب برائے کرم تم بھی ان کی مرہم پٹی کروانے کا بندوبست کرو تاکہ بات آگے بڑھائی جائے۔''

میری بات سن کر گون برگ کے چہرے پر یکایک سفاکی کا تاثر دیتی ایک مکروہ سی مسکراہٹ ابھری، پھر دوسرے ہی لمحے اس نے ایک ہاتھ اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈالا اور میرے جسم کا رُواں رُواں جیسے تن گیا۔

اس کے ہاتھ میں جو پستول تھا، لائٹ ویٹ کے باوجود ایک انتہائی طاقت ور ہتھیار تھا جو میرے پسندیدہ پسٹل آرسنل سے ملتا جلتا تھا۔ آرسنل تلے اوپر نال والا میگزین پسٹل تھا جسے میں نے بینکاک میں کاسپا کو اور وزیر جان سے جنگ کے دوران آزمایا تھا۔

گون برگ کے ہاتھ میں نظر آنے والا جدید آٹومیٹک پسٹل آرسنل کی طرح دہری نال والا تو نہ تھا البتہ اس کا میگزین ضرور تھا۔ یہ کوبرا کولٹ تھا۔

اپنے پسندیدہ ہتھیار کو دیکھتے ہی میری آنکھوں میں چمک ابھری تھی، لیکن اس وقت میں چونک گیا جب اس نے اس کی نال کا رخ قالین پر ہم دونوں کے درمیان پڑے کبیل دادا اور شکیلہ کی طرف کر دیا۔ یک لخت کو میرا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔

''کیا یہ...... کیا کر رہے ہو مسٹر گون؟''

''کچھ نہیں......'' وہ عجیب سے انداز میں اپنے کولٹ کی نال کو تکتے ہوئے بولا۔ ''میں تو بس یہ چاہ رہا تھا کہ تم اپنی زبان کھول دو اور اپنے ان دونوں ساتھیوں کے ساتھ یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ۔''

[illegible]

غیر ملکی پاکستانی کا ٹھکانا بتاؤ۔''

''وہ اپنے ٹھکانے بدلتا رہتا ہے۔ [illegible] ہے، بہ قول اس کے اسے یہاں کئی خطرات [illegible]'' میں نے جواب میں کہا اور دانستہ برہمی برقرار رکھی۔

''تو پھر میرا کام کیسے ہو گا؟'' وہ بدستور [illegible] کھیلتے ہوئے بولا۔ کبھی وہ اس کی نال کا رخ کبیل [illegible] شکیلہ کی جانب موڑ لیتا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہیں یہ سفاک ان پر گولی ہی نہ چلا دے۔

میں نے اس بار ذرا غور سے ان دونوں [illegible] یکایک میرے جسم میں جوش کی ایک لہر سی سرایت [illegible] گئی۔

کبیل دادا اور شکیلہ کی کراہوں میں مجھے [illegible] محسوس ہوا تھا کہ ان میں وہ حقیقت کا ''درد'' نہیں [illegible] چاہیے، یا پھر ممکن تھا کہ اس میں میری اپنے ساتھیوں سے متعلق حد سے بڑھی ہوئی ہم آہنگی کی خوش فہمی شامل ہو۔

وہ دونوں یقیناً میرے اور گون برگ کے درمیان ہونے والے مکالمے سن رہے تھے اور میری طرف سے جارحانہ پیش قدمی اور پہل کے بھی منتظر تھے۔

''وہ خود مجھ سے رابطہ کرتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو کیا پریشانی ہے، تم خود بھی تو اس سے فون پر بات کر سکتے ہو۔''

''وہ مجھ سے مختلف نمبرز پر رابطے کرتا ہے اور [illegible] سارے نمبر کسی پبلک بوتھ کے ہوتے ہیں۔''

''ہمم......'' اس نے گہری سانس لی۔ ''ملتے کہاں ہو تم ان لوگوں سے؟''

''کہیں بھی، کبھی ہماری رہائش گاہ پر اور کبھی وہ کوئی [illegible] بتاتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''ہونہہ...... تمہاری رہائش گاہ......'' گون [illegible] بھرے انداز میں بولا۔ ''وہ گھٹیا کنٹینر، اسے تم رہائش گاہ کہتے ہو۔''

''وہ ہمارا اختیارات کا قلعہ ہے۔ [illegible] علاقے میں رہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ [illegible] کے پیش نظر [illegible] چند اندرونی اور قریبی علاقوں سے [illegible]

''مسٹر [illegible] پتا نہیں کیا بات ہے کہ میرا دل تمہاری [illegible]

پھنکتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور دیوار کی جانب سے کھڑا ہو گیا۔

اس کی بات پر میری کنپٹیوں کی نسیں تک یکلخت تیز چلتی محسوس ہونے لگیں۔ کیا وہ مجھے شہزی کی حیثیت سے پہچان چکا تھا؟ یا مجھ پر ایسا کوئی شک ہو گیا تھا؟ کون برگ آفتر آل جے بی تی کے نائب سربراہ کی حیثیت رکھتا تھا اور میرے "فرسٹ لائن" دشمنوں کی فہرست میں شامل وہ سب جنھیں رو برو مجھ سے سامنا ہونے کا موقع نہ ملا تھا، وہ میری اور ممکنہ طور پر میرے قریبی ساتھیوں کو تصویری حوالے سے تو پہچان ہی سکتے تھے، اگرچہ اس میں تھوڑے غور و دھیان کی ضرورت ہوتی ہے۔

یوں بھی ہم تینوں نے، یعنی مجھ سمیت کیبل دادا اور شکیلہ نے اپنے چہروں پر ہلکے انداز کے ریڈی میڈ میک اپ کر رکھے تھے۔ جن میں ہیئر اسٹائل، آنکھوں کے لینس اور مصنوعی لیپا پوتی شامل تھی۔

تاہم حرکات و سکنات کی شناخت الگ بات تھی۔ یعنی اس سے مراد باڈی لینگویج تھی۔ وہ بھی اس صورت میں کہ میری کم از کم نصف گھنٹے کی کوئی ویڈیو کلپ ان کے پاس ہوتی۔

میں نہیں سمجھتا تھا کہ ان لوگوں نے میری شناخت کے لیے اس قدر اہتمام کرنے کی زحمت گوارا کی ہو گی۔ شاید ان کے تصور میں بھی نہ تھا کہ میں امریکا کا بھی رخ کر سکتا ہوں۔ بعد کی بات اور تھی۔

چنانچہ کون برگ کو اس قسم کے شکوک میں مبتلا ہوتے محسوس کرتے ہی میں نے اس کا دھیان بٹانے کے لیے اپنی جگہ سے کھڑا ہو کے برہمی ظاہر کرنے کے انداز میں اس سے کہا۔

"مسٹر برگ! اب یہ الٹی سیدھی باتیں چھوڑو..... ڈیل کی بات کرو اور یہ کھلونا اپنی جیب میں رکھ لو....."

میرے اُسے تاؤ دلانے کا ایک مقصد تھا کہ وہ جس انداز سے میرے متعلق سوچنے لگا تھا، اس سے بھٹک جائے۔ میری آواز پر وہ تیزی سے یوں میری جانب گھوما جیسے مجھ پر گولی چلا دے گا۔

پستول کی نال کا رخ میری جانب تھا۔ کون کا چہرہ سرخ تھا۔ آنکھوں سے شعلے پھوٹ رہے تھے۔ میں اسی طرح اس کے سامنے تن کر کھڑا رہا۔

"تم نے شاید میری بات کو مذاق میں سنا ہے۔" اس نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔ "کون برگ نام ہے میرا اور..... غنیمت سمجھو ان گھڑیوں کو جو میں تمہیں اور تمہارے ان دونوں چھ بے مار ساتھیوں کو دے چکا ہوں، جن میں تم سانسیں لے رہے ہو۔"

اس مغرور یہودی کی بات نے میری آنکھوں کے سامنے ایک بار پھر کالی آندھیوں کی یلغار کر ڈالی تھی۔ عابدہ اور آنسہ خالدہ کے حوالے سے پہلے ہی میں اس پر بُری طرح بپھرا ہوا تھا۔

"کون! تم کیا چاہتے ہو؟" میں نے بظاہر لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"بیٹھ جاؤ..... اور اب دوبارہ میری اجازت کے بغیر ہلنا بھی مت..... ورنہ تمہارا ایک ساتھی گیا۔" کہتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے میرے محبوب ہتھیار کوبرا کولٹ کی نال کا رخ کیبل دادا کی طرف کر دیا۔

"یہ یہ..... یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" اچانک کیبل دادا بول پڑا۔ شکیلہ بھی کسمسا کر اٹھ کر بیٹھنے کی سعی کرنے لگی۔

"خبردار! جیسے ہو اور جہاں ہو ویسے ہی رہو۔" کون نے انہیں خونخوار انداز میں جھڑک دیا۔

"ہمارے ساتھ دھوکا ہو گیا ہے، جس کا ہمیں پہلے ہی خدشہ تھا۔" میں نے دانستہ کیبل دادا کی طرف دیکھ کر واویلا کرنے کے انداز میں کہا۔

"دھوکا..... ہاہاہا....." کون برگ کا مکروہ قہقہہ گونجا۔

میں نے دانستہ اپنی "سوئی" اسی طرف اٹکا رکھی تھی تاکہ کون برگ کا دھیان کسی اور طرف نہ جا سکے، جیسا کہ اس نے ابھی تھوڑی دیر پہلے اپنے خدشے کا اظہار گومگو انداز میں کیا تھا کہ اسے اس سارے معاملے میں کوئی گڑبڑ سی محسوس ہو رہی تھی۔

لہٰذا میں نے خفگی سے اس کی جانب دیکھا اور کہا۔ "مسٹر کون! دیکھو، اس معاملے کو اگر اب بھی ایک توازن اور دوستانہ ماحول میں آگے بڑھانا چاہو تو بہت سی آسانیاں تمہیں ملیں گی۔ لیکن اگر یوں دھونس دھمکی اور دھوکا دہی والا رویہ اختیار کرو گے تو تمہاری مرضی..... یہ کوئی میرے بھائی بہن تو ہیں نہیں، بس گروہی ساتھی ہیں میرے..... (میرا اشارہ کیبل دادا اور شکیلہ کی طرف تھا) رہی میری بات تو ہم اور آپ پہلے ہی سے ایسی زندگی گزار رہے تھے جس میں موت اور زندگی تو ساتھ ساتھ ہی چلتے

تھا۔"

میں نے اسے دوسرے انداز میں سمجھانے کی ایک آخری کوشش چاہی تھی اور ساتھ ہی درونِ خانہ میرا ذہن آنسہ خالدہ کی رہائی اور گون برگ پر قابو پانے کی صورت بھی سوچے جا رہا تھا۔

"بہت خوب!" اچانک گون برگ نے کہا۔ ہم اب پہلے کی طرح ایک بار پھر آمنے سامنے کے صوفوں پر براجمان ہو چکے تھے۔

"تمہاری بات پسند آئی، مگر ہمارا معاملہ اور ہماری کیٹگری ذرا اور قسم کی ہے۔" وہ رعونت آمیز مسکراہٹ سے بولا۔ "ہم تم جیسے انڈرورلڈ یا کرمنل گینگسٹرز کو خرید کر اپنا کتا بنا لیتے ہیں۔ کیا نام بتایا تھا تم نے اپنے گینگ باس کا؟"

"پیروٹ واسکی......" میں نے غصے کے اظہار میں دانت پیس کر جواب دیا۔

"ہاں! پیروٹ واسکی جیسے نجانے کتنے امریکا کے زیرِ زمین مافیائی چیف ہماری جیب میں پڑے رہتے ہیں۔ لہٰذا اب ہمارے درمیان بات تو ازن کی ہو ہی نہیں سکتی۔ جو کچھ یہاں تمہارے یا تمہارے ان دونوں کیڑے مکوڑوں کی طرح فرش پڑے ساتھیوں کے ساتھ ہوگا، وہ صرف اور صرف طاقت کے زور پر ہوگا۔ ہاں! اگر بغیر کسی معاوضے کے تعاون کرو تو تم تینوں...... زندہ واپس جا سکتے ہو۔"

مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی کیونکہ یہودی اپنی فطرت میں گھمنڈی اور مکار، دغاباز قوم ہیں، نجانے اپنی اسی کون سی پہچان پر یہ خود کو عظیم قوم اور گریٹر اسرائیل کے درجے پر رکھتے ہیں، تاہم اگر غرور اور مکاری و فریبی میں انہیں اس درجے پر فائز کیا جائے تو اول نمبر پر ضرور اترتے ہیں۔

"ٹھیک ہے اگر تم یہی سمجھتے اور کرتے ہو تو پھر مجھے اپنی اور اپنے ان دونوں ساتھیوں کی زندگی کی ضمانت چاہیے، ورنہ میں اپنا منہ ہرگز نہیں کھولوں گا، مرنا ہے تو تم جیسے دھوکے باز کا فائدہ کر کے کیوں مرا جائے۔"

میں نے دل جلے انداز میں کہا اور...... اسی وقت شکیلہ کے کامن سینس اور اس کی روایتی چالاکی نے اسے جھنجوڑا۔

"ہرگز نہیں مسٹر ڈیبی!"

شکیلہ کی چیختی آواز ابھری۔ مجھے کچھ کچھ...... اور اعصاب شکن ماحول پر یکلخت ایک بھیرتا سی طاری ہوگئی۔

"تمہیں ہماری جان کی پروا نہیں لیکن ہمیں تو ہے۔" کہتے ہوئے شکیلہ نے گون برگ کی طرف دیکھا اور اٹھ کر کھڑے ہونے کی کوشش چاہی مگر لڑکھڑاتے ہوئے دوبارہ قالین پر گر پڑی۔

گون برگ جو شکیلہ کی آواز پر اس کی جانب دیکھنے پر مجبور ہو گیا تھا، اس نے فوراً اپنے آدمی کو مخصوص اشارہ کیا۔ وہ گن بدست تھا۔ اس نے گن بیلٹ میں اڑسی اور شکیلہ کو سہارا دینے کے لیے اٹھایا اور یہی وہ وقت تھا جب شکیلہ نے زخمی ہونے کے باوجود بجلی کی سی پھرتی کے ساتھ حرکت کی تھی۔

اس نے اس آدمی کا سہارا لیتے ہوئے اٹھتے اٹھتے میں اس کی بیلٹ میں اڑسے ہوئے پستول کو پھر اس طرح کھینچا کہ اسے سہارنے والا بس تکتا رہ گیا اور شکیلہ نے اس کے پہلو سے نال لگاتے ہی ٹریگر دبا دیا۔

گولی چلنے کا دھماکا ہوا...... گون برگ کا ساتھی کربناک چیخ خارج کرکے گرا اور ٹھنڈا پڑ گیا۔ شکیلہ نے اپنی پوزیشن بدلی کہ اس کی نال کا رخ صوفے پر بیٹھے ہوئے گون برگ کی طرف ہو گیا اور اس کے باقی چوکس کھڑے ساتھیوں پر بھی اس کی نظر ٹکی رہی۔

"خبردار......! کسی نے اگر ذرا سی حرکت کی تو تمہارے سر کے پرخچے اڑا دوں گی۔" شکیلہ کی للکارتی گرجتی آواز نے ماحول کو جیسے ڈس لیا۔ ایک دم چپ سی طاری ہو گئی تھی۔

گون برگ کے چہرے پر یکلخت چھٹتے ہوئے سناٹے ثبت ہو کر رہ گئے۔ اس کے دائیں ہاتھ میں کھیلتا ہوا خطرناک پستول سکر کوبرا کولٹ...... ایک لمحے کو جھکا رہ گیا۔ یہی وہ وقت تھا جب کیبل دادا نے بھی حرکت کرنی چاہی، وہ شاید کچھ زیادہ ہی زخمی تھا، اسی لیے شکیلہ جیسی چابک دستی کا پیدا ہونا عبث ہی تھا مگر میں نے اسی وقت تاڑ لیا تھا جب شکیلہ نے پھرتی دکھائی تھی اور...... میں نے فوراً بعد کے نشانے بنانا تھا، میرا شکار مجھ سے بائیں جانب پستول لیے کھڑا تھا اور اس کا دھیان میری طرف سے ہٹ کر شکیلہ پر مرکوز ہو کر رہ گیا تھا۔

چشم زدن میں بھک وک رہ جانے کے لحاتی موقع سے ہی فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے صوفے پر سے ہی اسپرنگ کی طرح اچھل کر اپنے شکار پر جھپٹا مارا تھا اور اس کا پستول اچک کر اسے زوردار دھکا دیا تھا۔

اسی وقت میرا پستول گر چکا اور گون برگ کے عقب میں دائیں جانب کھڑا اس کا ساتھی سینے پر گولی کھاتے ہی پیچھے کو لڑکھڑایا اور اپنے حلق سے آخری چیخ خارج کر کے

برق رفتاری سے گردش کرتی متلاشی نظروں نے اس کی خطرناک حرکت کو پل کے پل ہی بھانپ لیا تھا۔ وہ شکیلہ پر بلا ارادے کے لیے پر تول رہا تھا۔

شکیلہ نے بڑی جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی جان کو براہ راست سخت خطرے میں ڈال دیا تھا۔ اگر وہ فوری طور پر یہ حرکت نہ کرتا، جس کی یقیناً وہ بھی توقع کیے ہوئے تھی، تو یقینی طور پر وہ گون برگ کے کسی مسلح ساتھی یا خود گون برگ کا کسی .... سنگین حرکت کی زد میں آسکتی تھی۔

"مسٹر گون! جس طرح پستول تھامے ہوئے ہو اسی طرح اسے نیچے گرا دو۔" میں نے غراہٹ سے مشابہ آواز میں کہا۔

اس سے گون برگ کا چہرہ کریہہ ناک حد تک بگڑ چکا تھا۔ آنکھوں سے غیظ و غضب کے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ہماری بوٹیاں نوچ ڈالے۔ جن کے آگے وہ اپنی طاقت اور گھمنڈ کی بڑ ہانکیں لگا رہا تھا، وہ سارا غرور ایک زخمی قیدی لڑکی نے پل بھر میں خاک میں ملا دیا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ اسے اپنی چھت تلے یہ شکست قبول نہیں جا رہی تھی..... اس نے میرے حکم کی کوئی تعمیل نہیں کی اور اس کے برعکس وہ خوف ناک آواز میں غرا کر بولا۔

"اپنا عبرت ناک انجام اپنے ہاتھوں میں لے کر تم اپنی زندگی کی بڑی بھیانک غلطی کر رہے ہو، مسٹر ڈینی.....!"

اسی لمحے دھماکا ہوا۔ میرے پستول کی نال سے دوسرا شعلہ لپکا اور گون برگ کے حلق سے گونجتی چیخ نما کراہ ابھری۔ اس کا کوبرا کولٹ تھاما ہوا ہاتھ کلائی کے پاس سے بری طرح ادھڑ کر رہ گیا اور..... وہ کبیل دادا کے پاس جا پڑا۔

کبیل دادا نے اسے اپنی سی کوشش کے ساتھ لپک کے اُچک لیا۔ ٹھیک اسی وقت لائٹ آف ہو گئی۔ ایک دم ہاتھ کو ہاتھ تک سجھائی نہ دینے والا اندھیرا چھا گیا۔

شاید اس کے کسی بیرونی ساتھی نے خطرہ بھانپتے ہی مین سوئچ آف کر دیا تھا۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ جانتا تھا میں کہ ایسا صرف چند لمحوں کے لیے کیا گیا ہے تاکہ گون برگ کو گن پوائنٹ سے نکل بھاگنے کا موقع مل جائے، کیونکہ دوبارہ لائٹ آن کیے جانے پر ممکن تھا ہم خود دشمنوں کے نشانے پر ہوتے۔

اچانک بدلتی ہوئی اس خطرناک اور سنگین تر صورت حال کا ادراک کرتے ہی میں نے تیز آواز میں شکیلہ سے کہا۔

"کبیل دادا کا ہاتھ تھام کر سنبھالو اسے اور تم میرا ہاتھ پکڑو، جلدی۔"

"لل..... لیکن گون....." شکیلہ نے متفکرانہ کہنا چاہا۔

"وہ بھاگ چکا ہے اور اس سے پہلے کہ دوسری بار لائٹ آن ہوتے ہی ہم یہاں اَن گنت ہتھیار بدست دشمنوں کے نرغے میں ہوں، لہٰذا جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔" میں نے سخت لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔

شکیلہ نے فوراً ہی میری بات کا ادراک کیا تھا۔

شکیلہ نے جیسے ہی مجھے سرگوشی میں بتایا کہ وہ کبیل دادا کا ہاتھ تھام چکی ہے میں نے شکیلہ کا ہاتھ پکڑتے ہی پہلے سے تاڑے ہوئے راستے کی جانب ایک محتاط انداز سے پیش قدمی کر ڈالی۔

میرا رخ اسی دروازے کی سمت تھا جدھر سے تھوڑی دیر پہلے...... آنسہ خالدہ کو دیدار کے لیے وہیل چیئر پر ڈال کر لایا گیا تھا۔

میں نے جیسے ہی اس دروازے کو ٹٹولنے کے انداز میں بڑھتے ہوئے ہاتھ سے چھوا اور دوسرے ہی لمحے اسے ایک لات رسید کر ڈالی۔

دروازہ بلاشبہ مضبوط لکڑی کا تھا، پھر کوئی اسٹارٹ لیے بغیر اتنے قریب سے اسے لات رسید کرنے سے کبھی نہ کھلتا، اگر اندر سے اسے مقفل کر دیا جاتا۔ مگر شکر تھا کہ وہ اندر سے مقفل نہ تھا۔

ہم تینوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے اندر گھس گئے۔

کمرا خالی تھا اور چھوٹا بھی۔ شاید یہ کوئی کارنر روم تھا۔ خالی اس لیے تھا کہ وہاں گون برگ کا کوئی ساتھی نہیں تھا۔ لیکن آنسہ خالدہ کی وہیل چیئر ایک کونے میں ضرور دکھائی دی تھی اور خود بھی جیسے اس پر دھری پڑی تھی۔

اس بہادر اور ایثار پیشہ خاتون کو دیکھ کر یکلخت میرے اندر کا جوش سوا ہونے لگا۔ یہاں ہلکے پاور کے بلب کی روشنی تھی۔ میں نے نہایت پھرتی کے ساتھ کبیل دادا سے گون برگ سے چھینا ہوا کولٹ کوبرا پستول لے لیا اور اسے اپنا دے دیا۔

کبیل دادا کولٹ کوبرا اور آرسٹل جیسے جدید ہتھیار

استعمال کرنے میں تامل کر سکتا تھا، اس لیے کہ اسے ایسے ہتھیاروں کی کوئی ٹریننگ نہیں تھی۔ شکیلہ کی بات اور تھی البتہ میرے ہاتھ میں ایسے ہتھیار کھلونوں کی طرح تھر کتے تھے۔ ان کا تقاضا بھی یہی ہوتا تھا، جو ہتھیار جس قدر جدید اور انتہائی درجے کا ہے، اس کے دورس اور فوری نتائج کے لیے اس کا استعمال بھی بلا تامل کیا جاتا ہے۔

میں نے گردشی نظروں سے ایک ہی لمحے میں دوسرا دروازہ تاڑ لیا تھا، وہ سنگل پٹ کا تھا اور آنسہ خالدہ کی وہیل چیئر کے عقب میں نظر آرہا تھا۔

موجودہ حالات کی خطرناک کشاکشی اور نزاکت کا احساس کرتے ہوئے کیبل دادا نے بھی قدرے سنبھالا لینے کی کوشش کی تھی۔

شکیلہ ایک خوب صورت عورت تھی، نجانے کیا سوچ کر بے بلا بی کے خبیث یہودیوں نے اس پراتنی رعایت کی تھی کہ اس پر مار اماری کا زور کم رکھا تھا۔ یہ یقینی بات تھی کہ ان دونوں کو دھوکے سے ہی قابو کیا گیا ہوگا، تاہم ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ ماسوائے کیبل دادا کے یہی عورت (شکیلہ) کسی کرمنل گینگ کی آلۂ کار نہیں بلکہ ایک ٹاپ پروفیشنل ایجنٹ ہے۔

بہرحال میں نے شکیلہ کو فوراً آنسہ خالدہ کی وہیل چیئر سنبھالنے کی ہدایت کی اور لپک کر آخر الذکر دروازے کی طرف بڑھا۔ اسے اندر سے چٹخنی لگی ہوئی تھی، میں نے بے آواز اس کی چٹخنی کھولی اور اس کا پٹ ذرا سا کھسکا کر درز بنا کر دوسری جانب جھانکا تو ایک طویل راہداری دکھائی دی۔ میں نے شکیلہ اور کیبل دادا کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور اس دروازے کو کھول کے باہر نکل آیا۔

اسی وقت متعدد چیختی ہوئی آوازوں کا شور بڑھنے لگا۔

''جلدی..... جلدی.....'' میں نے جوش سے تھر کتے دل کے ساتھ ساتھیوں سے کہا اور پستول سنبھالے سیدھا دوڑتا چلا گیا۔ شکیلہ، آنسہ خالدہ کو وہیل چیئر سمیت دھکیلتے ہوئے دوڑی۔ اس کے عقب میں کیبل دادا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ میں پستول تھام رکھا تھا اور اسے دوڑنے میں مشکل پیش آرہی تھی مگر ہمت جان آدمی تھا، اس نے کسی قسم کے تساہل کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ وہ دوڑتے ہوئے عقب میں بھی اس دروازے پہ گردن موڑ کر دیکھ لیتا تھا جس کمرے سے ہم آنسہ خالدہ کو لے کر نکلے تھے۔

چند ہی قدموں بعد راہداری دائیں جانب گھوم رہی تھی، میں نے عقب میں ہاتھ کے اشارے سے شکیلہ وغیرہ کو رکنے کو اشارہ کیا۔ اس کے بعد موڑ ... مذکورہ سمت دیکھا۔

دفعتاً ہی میری کنپٹیاں سلگ اٹھیں ... نے تین چار مسلح افراد کو خطرناک آتشیں ہتھیاروں ... اسی جانب لپکتے دیکھا، ان میں گون برگ بھی ... خطرناک قسم کی اسالٹ رائفل پکڑ رکھی تھی، اس ... جوش غیظ تلے مزید کرب یہ معلوم ہو رہا تھا، ... دائیں کلائی کو میں بُری گولی مار کے ادھیڑ چکا تھا، ... اب موٹی سی بینڈیج نظر آرہی تھی یہ ... ایمرجنسی میں فوری فرسٹ ایڈ کے طور پر کر ... ہے۔

یوں گن اس نے ایک اسٹریپ کے ... گردن سے گزار کے بائیں ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی۔ ... آرم گن تھی اور اسے بہ آسانی ایک ہاتھ سے بھی چلایا جا ... تھا۔

میرے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ رقصاں ہو ... میں نے راہداری کے سرے کی دیوار سے ذرا ابھر کر ... کولٹ کی جھلک نمودار کی اور تلے اوپر ٹریگر دباتا چلا گیا۔ اس کے ساتھی بُری طرح چیخیں مار کے گرے جبکہ گون برگ اور باقی ماندہ ساتھیوں نے فوراً دیوار کے ساتھ چپک کے مجھ پر ہتھیاروں کے منہ کھول دیے۔

میں نے دانستہ گون برگ کا نشانہ نہیں لیا تھا۔ میرے ذہن میں جو چل رہا تھا، میں اسی کے مطابق عمل کر رہا تھا۔

''شکیلہ! تم یہاں سے ہلنا بھی مت اور دونوں کا خیال رکھنا۔'' میں نے متوقع گولیوں کی بوچھاڑ سے بچنے کے لیے پلٹ کر شکیلہ سے کہا۔ ''ان پر وقفے وقفے سے جوابی فائرنگ کرتے رہو..... میں ابھی آتا ہوں۔'' کہتے ہی میں ... بگولے کی طرح پلٹا اور تیر کی طرح دروازے کی جانب واپس لپکا۔

آنسہ خالدہ والے کمرے سے آندھی کی طرح گزرتا ہوا میں دوبارہ دروازہ کھول کر اسی کمرے میں آگیا جہاں ہماری اور گون برگ کی نشست بھی ہوئی تھی۔

میرے اندازے کے عین مطابق اب وہاں گردش کر دی گئی تھی۔

میری منصوبہ بندی کے مطابق اب یہاں مجھے کوئی نظر نہیں آرہا تھا جبکہ میں پہلے ہی اسی نیت سے دشمنوں کی توجہ ڈائیورٹ کرنے میں کامیاب رہا تھا۔

یوں میں اپنے دائیں ہاتھ میں کولٹ لیے ...

دروازے کی جانب لپکا۔
اندازہ ہو چلا تھا کہ ان کے ساتھی اب محدود تعداد میں رہ گئے ہیں، اگرچہ کوئی بعید نہ تھا کہ...... گون برگ موجودہ صورتِ حال کے پیشِ نظر فی الفور کمک منگوا لے۔ [illegible] اس مرحلے کو جلد سے جلد طے کرنے کا خواہش مند تھا۔

مجھے کچھ کچھ اس کے محلِ وقوع کا اندازہ ہو چلا تھا اسی لیے میں نے...... بیرونی دروازے کو پھر بھی کسی جلد بازی کے بغیر محتاط انداز میں عبور کیا اور پورچ کی طرف سے مجھے ایک کھڑکی اندر جاتی دکھائی دی۔

میں دوسری راہداری میں جنگ و جدال کی فضا چھوڑ آیا تھا، اب کا زور اسی طرف مرکوز تھا، اسی لیے میں نے تیزی سے حرکت کی اور یوں بیرونی راہ گزر سے ہوتا ہوا میں کھڑکی میں اور وہاں سے اسی راہداری کے اسٹارٹنگ وے سے اندر داخل ہو گیا کیونکہ اسی طرف وقفے وقفے سے فائرنگ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

جیسے ہی میں مطلوبہ ٹارگٹ تک پہنچا تو یہ دیکھ کر میری پیشانی پر تشویش کی سلوٹیں ابھر آئیں۔ گون برگ اور اس کے باقی ماندہ ساتھی فائرنگ کرتے، اس کمرے کے دروازے تک جارحانہ پیش قدمی کرتے ہوئے پہنچ چکے تھے بلکہ اب کسی دم بھی اندر دھاوا بولنے والے تھے۔

میں...... کسی جلد بازی سے کام لیے بغیر نہایت ہوشیاری سے راہداری کی دیوار کے ساتھ لگے ہوئے ان کی جانب بڑھنے لگا اور یہی وہ وقت تھا جب میں ان پر فائرنگ کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ گون برگ کے ایک ساتھی نے مذکورہ کمرے کے دروازے کو فائرنگ کی بوچھاڑ میں لیتے ہوئے ایک زوردار لات رسید کر ڈالی۔

صاف نظر آ رہا تھا کہ شکیلہ اور کمیل دادا کو پسپائی ہو رہی تھی۔ دروازہ ٹوٹتے ہی گون برگ کا ایک اور ساتھی بشمول پہلے ساتھی کے لپک کر اندر داخل ہونے کی کوشش میں تھے کہ ادھر میں ان پر [illegible] فائر جھونک سکا۔ ایک کو تو میں نے چیخ مار کے الٹتے ہوئے دیکھا تھا جو راہداری سے [illegible] دروازے کے سامنے ڈھیر ہو گیا تھا جبکہ دوسرا ابھی [illegible] کے بجائے اندر ہی جا گرا تھا۔

مجھے تسلی تھی کہ اس [illegible] کو اندر شکیلہ یا کمیل دادا نے [illegible] لیا ہو گا جبکہ گون برگ میری اس حکمتِ عملی پر [illegible] طرح بوکھلا اور جھلا گیا تھا کہ اس نے راہداری کی [illegible] پلٹتے ہی یوزی کا برسٹ فائر کر دیا۔

مجھے اس حرکت کی توقع تھی، پیچھے ہٹنے والا اب میں بھی نہ تھا کیونکہ اس اہم مرحلے کی کامیابی بس اب مجھے چند ہی گام پر نظر آ رہی تھی۔

میں نے خود کو اس سے محض چند ثانیے قبل ہی فرش پر گرا لیا تھا۔ یوزی کے مہیب دہانے سے گولیوں کی باڑھ راہداری کی دیواروں سے اور فرش سے ٹکراتی ہوئی میری جانب لپکی تھی۔ ایک بھولی بھٹکی گولی "شائیں" کی تیز اور سنسناتی آواز کے ساتھ میری دائیں کنپٹی سے گزرتی چلی گئی۔ زندگی تھی جو بچ گیا، ورنہ گیا تھا۔

اسی لمحے جب میں گون برگ کو زخمی کرنے کی نیت سے اس پر گولی چلا رہا تھا، کمرے کے اندر سے ایک فائر ہوا، گون برگ کی تیز چیخ ابھری۔

میں دھک سے رہ گیا اور پھر پاگلوں کی طرح راہداری میں دوڑتا ہوا پھر اسی کمرے کے دروازے کے قریب جا پہنچا جدھر میرے ساتھی وغیرہ موجود تھے۔

وہاں کا منظر دیکھ کر میں پہلے تو دھک سے رہ گیا۔

کمیل دادا فرش پر گرا ہوا بے سدھ پڑا تھا، اس کے قریب دو دشمنوں کی خون آلودہ لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ آنسہ خالدہ کی وہیل چیئر الٹی پڑی تھی اور وہ خود بھی ایک جانب ڈھیر تھی۔

شکیلہ کے ایک بازو سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کی بھی حالت ناگفتہ بہ ہو رہی تھی۔

مجھے اگر مزید یہاں پہنچنے یا گون برگ اور اس کے ساتھیوں پر ہلا بولنے میں دیر ہو جاتی تو یہاں سو فیصد تمام تھا۔

اب مجھے سمجھ میں آئی تھی کہ شکیلہ کیوں گون برگ پر گولی چلانے پر مجبور ہوئی تھی۔

"شش...... شکیلہ! تم ٹھیک ہو نا......؟" میں نے فکرمندی سے پوچھا۔

"او...... شکر ہے خدا کا کہ تم آ گئے۔" شکیلہ مجھے دیکھتے ہی سکون کی ایک تھکی تھکی سی سانس لے کر بولی۔ "یہ...... یہ لوگ حملہ کرتے ہوئے قریب پہنچ چکے تھے۔ کمیل دادا کا خون شاید زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے اس پر کچھ زیادہ ہی نقاہت طاری ہو گئی۔ ان بدبختوں نے اسے زدوکوب بھی زیادہ کیا تھا، بڑی مشکل سے میں نے اس خطرناک صورتِ حال پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔"

کہتے ہوئے میں ان کی جانب بڑھا۔ کیبل دادا نیم بے ہوش سا تھا۔ اس کا پستول بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر پڑا تھا۔

آنسہ خالدہ کی حالت ویسے ہی غیر تھی۔ وہ فرش پر بھی اسی طرح ہی فالج زدہ انداز میں گری پڑی تھی جس طرح وہ چیئر پر تھی۔

''تم ان دونوں کو ذرا سنبھالو۔ میرا خیال ہے اب نکلنا پڑے گا۔ دشمن مارے گئے ہیں سب......'' کہتے ہوئے میں واپس گون برگ کی طرف آیا۔

وہ راہداری کی دیوار اور فرش پر اٹکا ہوا پڑا تھا۔ اس کے سینے میں عین دل کے مقام پر خون بہے جا رہا تھا۔

میں نے اس کی شہ رگ پر الٹے ہاتھ کی چار انگلیاں رکھیں۔ وہ خاموش ہو چکا تھا۔

میں نے ہونٹ بھینچ لیے۔ میں اپنے اس مشن کے سو فیصد اہداف حاصل کرنے میں ناکام رہا تھا۔

اس کے بعد ہم ایک لمحے کے لیے بھی نہ رکے۔ شکیلہ کی حالت قدرے بہتر تھی۔ ہم دونوں نے مل کر پہلے آنسہ خالدہ کو وہیل چیئر پر لگایا۔ پھر کیبل دادا کو میں نے اپنے کندھے پر اٹھالیا۔

ہم بیرونی دروازے سے باہر پورچ میں آگئے، یہاں ایک اسٹر کولر ٹائپ گاڑی موجود تھی۔

آنسہ خالدہ کو ہم نے وہیل چیئر سے اتار کر اندر سوار کرایا، پھر کیبل دادا کو بھی ایک خالی سیٹ پر لٹا دیا۔ وہیل چیئر وہیں پھینک دی۔

اس کے بعد میں اور شکیلہ فرنٹ سیٹ پر آبیٹھے۔

اسٹیئرنگ میں نے ہی سنبھالا تھا۔ چابیاں مجھے ونڈ اسکرین کے شیلف پر حسب توقع رکھی مل گئیں۔ نہ بھی ہوتیں تو بغیر چابی کے انجن آن کرنا میرے لیے چنداں مشکل بات نہ تھی۔

اگلے ہی لمحے ہماری گاڑی جہنم واصل گون برگ کے اس ٹھکانے کا بڑا سا گیٹ توڑتی ہوئی آندھی طوفان کی رفتار کے ساتھ دوڑی جا رہی تھی۔

☆☆☆

''شکیلہ! تمہارے بازو سے خون بہہ رہا ہے۔ تم ٹھیک ہو؟'' میں نے اسٹیئرنگ پر دونوں ہاتھوں کی گرفت رکھتے ہوئے اس سے پوچھا۔ میری نظریں گاڑی کی ونڈ اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔ ساتھ ہی بیک ویو پر بھی ایک نظر ڈال لیتا تھا، کہیں کوئی تعاقب میں تو نہیں آرہا۔

''گولی لگی تھی، میں ٹھیک ہوں'' شکیلہ کی ہانپتی ہوئی سی آواز ابھری۔

''گون برگ کا مرنا ہمارے لیے ... نے اس سے بہت کچھ اگلوا کر اور انجام ... ہوتے میں نے ہونٹ بھینچ لیے۔

''میں جانتی ہوں۔'' شکیلہ جواب میں ... کے لہجے میں ہلکی سی خفت تھی۔ ''کیبل دادا ... اس کے وہیل چیئر سے ٹکرا کر گرنے پر ... تشویش کا شکار ہوگئی تھی، یوں انہیں ہماری طرف ... کا موقع......''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹی ... کچھ اندازہ میرا بھی تھا۔

''تم خود کو سنبھالو اور ذرا کیبل دادا اور ... دیکھو...... ان کی حالت کیسی ہے؟''

میں نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ جلد ہی ہم ... ساحلی کالونی والی جگہ پر پہنچ گئے۔

رات اپنے آخری پہر میں تھی۔ فضا میں ... سپیدۂ سحر کے تعاقب سے آسمان پر ٹمٹماتے تارے عجب ... پیش کر...... رہے تھے۔ ساحل کی جانب لانچوں ... مستولوں کے انبار سے بکھرے نظر آتے تھے۔

ہمارے رہائشی کنٹینر پر ویرانی کا راج تھا۔ گاڑی روکنے کے بعد میں نے شکیلہ کی مدد سے کیبل دادا اور خالدہ ... اندر منتقل کیا۔

میں چونکہ یہاں امریکا میں اپنی زندگی کے ایک اہم ترین مشن پر تھا اسی لیے کنٹینر میں سنتے ہر شے کا بندوبست اضافی طور پر کر رکھا تھا۔ اس میں سب سے زیادہ فوقیت فرسٹ ایڈ کو تھی۔

سب سے پہلے شکیلہ اور میں نے کیبل دادا کے زخموں کا معائنہ کیا، شکر تھا کہ گولی نے کوئی زیادہ گہرا زخم نہیں لگایا تھا، وہ صرف گوشت کو چھیدتی ہوئی نکل گئی تھی۔ یہی حال شکیلہ کا بھی تھا۔

آنسہ خالدہ کے زخموں کا معاملہ کچھ اور تھا اسی لیے اس کے لیے بھی سردست جو ہو سکا، وہ کر دیا گیا۔

گھنٹے تک کنٹینر میں یہی تگ و دو میں کرتا رہا۔

''شکریہ شکیلہ......'' یہ سارا کچھ کافی حد تک نمٹانے کے بعد میں نے شکیلہ کو مخاطب کیا۔ وہ مستفسرانہ نگاہوں سے میرا چہرہ تکنے لگی۔

''تم یہاں بہت زیادہ محتاط ہو کر بیٹھنا۔ میں گاڑی ...

کہیں دور جا کر غرق کر کے واپس لوٹتا ہوں۔ اس کا یہاں موجود ہونا ہمارے ٹھکانے کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

شکیلہ نے میری بات کا مطلب سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اور کوشش کرنا کہ میرے لوٹنے تک کبیل دادا پوری طرح ہوش میں آ جائے، دوسری بات یہ یاد رکھنا کہ ابھی کسی کو بھی کوئی فون مت کرنا نہ ہی کال ریسیور کرنا خواہ اپنا ہی کوئی ہو، گون برگ کے مرنے اور آنسہ خالدہ کے غیاب کے بعد جے بی سی سمیت ٹائیگر ٹیگ حرکت میں آ جائے گی۔"

شکیلہ نے تفہیمی انداز میں اپنے سر کو جنبش دی۔

اسے یہ تاکید کرنے کے بعد میں باہر نکلا اور گاڑی میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کر کے ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔

درحقیقت اپنے دشمنوں کے خلاف عملی طور پر میرا پہلا قدم اٹھ چکا تھا۔

گاڑی چلاتے ہوئے میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ بہت سی باتیں ذہن میں خلط ملط ہونے لگی تھیں۔ کئی راستے سامنے نظر آتے محسوس ہو رہے تھے۔ کچھ دھندلے کچھ واضح......

جے بی سی کا نائب اور اسٹاری کی بیوی بچی کا قاتل ملعون گون برگ جہنم واصل ہو چکا تھا۔ آنسہ خالدہ زندہ لاش کی شکل ہی سہی ہمارے پاس آ چکی تھی۔

بلاشبہ آنسہ خالدہ، عابدہ سے متعلق ہی نہیں بلکہ جے بی سی کے مکروہ منصوبوں سے بھی بہت اچھی طرح واقف تھی۔

اس وقت ذہن بہت دور تک سوچنے کے قابل تھا لیکن میں پہلے اس گاڑی سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ اس کے لیے میں نے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی اور بندرگاہ کے ساتھ ساتھ ایک نسبتاً ایسی جگہ پر پہنچا جہاں قدرے ویرانی تھی۔ کیونکہ پیچیدہ [illegible] نمودار ہوتے ہی...... [illegible] نظر آنے لگی تھی۔

آگے ایک موڑ تھا اور اس طرف [illegible] کی چٹانیں تھیں، یہاں [illegible] سر پٹخ رہی تھیں۔ میں نے گاڑی یہاں روک دی۔

یہاں رکنے کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ ساحل سے ایک لکڑی کا خاصا چوڑا پلیٹ فارم بھی سمندر میں تقریباً تیس، چالیس فٹ تک جاتا نظر آیا تھا۔

میں نے اس کی اسپیڈ بڑھائی اور [illegible] نیچے اتر گیا۔ اگرچہ ایکسیلیٹر سے پیر ہٹنے سے [illegible] رفتار میں کمی واقع ہوئی تھی لیکن فاصلہ کم [illegible] ہونے کے سبب کام ہو گیا۔

گاڑی آگے بڑھتے ہوئے پہلے [illegible] کے دائیں جانب کے ٹائر پلیٹ فارم [illegible] اترے، وہ جھکی اور پھر الٹ کر پانی میں [illegible] چھپاکے سے جا گری اور آہستہ آہستہ ڈوبتی [illegible] سے پلٹ آیا۔

میں نے وہاں سے دوڑ لگا دی۔ [illegible] تھکاوٹ غالب تھی مگر جوش و جذبہ اور قوت ارادی [illegible] نے مجھے ڈھنے نہیں دیا۔

میں پھر بھی اطراف میں نظریں دوڑاتا رہا۔

جب میں پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ اپنے [illegible] کنٹینر پر پہنچا تو شکیلہ، کبیل دادا کو کوئی سوپ پلا رہی تھی۔ آنسہ خالدہ کو اس نے دوسرے کمرے میں لٹا رکھا تھا۔ [illegible] دادا کی حالت اب کافی بہتر نظر آ رہی تھی۔ تاہم چہرے [illegible] نقاہت سی نظر آ رہی تھی۔

مجھے دیکھ کر وہ ہلکے سے مسکرایا۔ میں نے بھی مسکرا [illegible] اس کی خیریت پوچھی۔ پھر آنسہ خالدہ کے بارے میں شکیلہ سے استفسار کیا۔

"بس، شہزی! کیا بتاؤں، بے چاری فقط سانس لے رہی ہے۔" شکیلہ نے تاسف بھرے دل سے جواب میں کہا اور میرے دل کو گھونسا لگا۔ میرے ہونٹ [illegible] انداز میں بھنچ گئے تھے۔

"شہزی! گون برگ کو نہیں مرنا چاہیے تھا۔ کاش مجھے گولی نہیں لگی ہوتی۔ حالانکہ میں نے زخمی ہونے کے باوجود بھی اپنی قوت ارادی کے بل پر خود کو سنبھالے رکھا تھا مگر......" کہتے ہوئے کبیل دادا نے دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑا۔

"حالات عین وقت پر سنگین صورت اختیار کر گئے تھے۔" میں نے اس کی خفت مٹانے کی غرض سے کہا۔ "اس لیے اس میں نہ تمہارا کوئی قصور ہے نہ ہی شکیلہ کا... لیکن اب ہمیں آنسہ خالدہ کے بارے میں سوچنا ہوگا۔ اس کا پہلے پراپر علاج ہونا چاہیے۔ اس کے بعد ہی یہ کوئی بات کرنے اور بتانے کے قابل ہو سکتی ہے۔"

"ہم...... یہ بھی کوئی آسان مرحلہ نہیں ہے۔" کبیل [illegible]

اب تو اس بے چاری کی جان کو اور زیادہ خطرہ لاحق ہو گیا ہے جبکہ خالدہ کو فوری طور پر ہاسپٹلائز کرنے کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں رہا۔'' کبیل داوا پُرخیال لہجے میں بولا۔

''یہی نہیں، نجانے کتنا عرصہ خالدہ کو اسپتال کے بیڈ پر رہنا پڑے اور ایسی سیکیورٹی رسک والی صورتِ حالات میں سروائیو بھی کیسے کرے گی؟'' شکیلہ کے لہجے میں بھی تشویش تھی۔

''خدا کرے کہ اس کا کوئی فوری طور پر حل نکل آئے، اس بے چاری کی حالت بھی خطرے میں ہی لگتی ہے۔'' میں نے پُرفکر انداز میں اپنے ہونٹ بھینچ لیے پھر بولا... ''آؤ ذرا اس کا تھوڑا سا معائنہ تو کر لیں۔''

ہم کمرے میں آ گئے۔ ایک کونے میں رکھے بیڈ پر خالدہ لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے نحیف و نزار سے وجود میں اب بھی ہلکی ہلکی کپکپی طاری تھی۔

شکیلہ نے ایک کام میری غیر موجودگی میں نمٹایا تھا۔ اس کا چولا سا اتار کر اپنا کوئی کھلا ڈلا سا لباس پہنا دیا تھا۔

میں بڑے ہی کرب کا ایک پہاڑ سا بوجھ دل پر لیے چند قدم اٹھاتا ہوا اس کے قریب آیا اور قدرے جھک کر اسے دیکھا۔ حقیقت تھی یہ کہ اس کی ناگفتہ بہ حالت مجھ سے دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

پہلے کی بہ نسبت اس بار مجھے اسے زیادہ قریب اور غور سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ اسی لیے میں چہرے پر کرب کے آثار لیے اور اپنی آنکھیں سکیڑے ہوئے اب اس کا ایک ایک حصہ دیکھ رہا تھا۔

ایسی کون سی جگہ نہیں تھی جو اس کی مجھے سالم نظر آتی ہو۔ چہرہ، بال، گردن، سینہ، بازو، کاندھے، ہاتھ اور پیٹ سے نیچے ٹانگیں، غرضیکہ کوئی ایسا حصہ نظر نہیں آتا تھا جہاں پر کوئی تشدد کا نشان نظر نہ آتا ہو۔

میں جیسے جیسے اس بدنصیب خاتون کی ہیئت کذائی اور حالتِ زار دیکھتا تھا، میرے اندر دکھ اور غم کے ساتھ قہر و غضب کا ایک جوار بھاٹا بھی کھولتا ابلتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

اپنی غیظ آلود کیفیات پر مجھے قابو پانا مشکل ہو رہا تھا جس کا اظہار میں اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بار بار بھینچ کر کھول بند کرنے لگا۔

''خ... خالدہ...!'' میں نے اس پر قدرے جھک کر ہولے سے آواز دی۔ ''کیا تم مجھے سن رہی ہو؟''

جواب تو وہ بے چاری خیر کیا دیتی، مگر اس کے اپنے ریختہ سے وجود کی ایک جنبش تک سے بھی مجھے کوئی رسپانس نہیں ملا۔ جسم مردہ سی وہ پڑی رہی۔

میں نے اپنے حلق میں اترتی ہوئی رقت پر قابو پاتے ہوئے اپنا دل مضبوط کیا، اس کے بعد اپنا ایک ہاتھ اس کی جانب بڑھایا۔ میں اب ودگل کمانڈ کے بعد اس کے چھونے کی حس کو چیک کرنا چاہتا تھا۔

اس کا ہاتھ چھوا تو جیسے میں سرتاپا لرز گیا۔ وہ برف کی طرح سرد ہو رہا تھا۔ میرا دل و جگر پھر کٹنے لگا۔ اپنی محسنہ کو... ایک اکیلی محسنہ کو... جو دلیری اور جرأت مندی کی جیتی جاگتی تصویر تھی، جو ایثار و قربانی کا پیکر تھی، جس کا مجھ سے... عابدہ سے بظاہر کوئی رشتہ نہ تھا لیکن اس کا ہمارے ساتھ جو تعلق تھا، وہ صرف سچائی اور انسانیت کی بنیاد پر تھا۔

میرا دل بھر آیا۔ میں سر جھکائے ایک دم پلٹ گیا۔ مجھ سے اس کی یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ میں خود کو بڑا مضبوط دل سمجھنے کا دعوے دار تو نہ تھا، گوشت پوست کا انسان ہی تھا۔ کتنے ہی جفا در رشتوں کو پچھاڑا تھا اور ان سے دق بھی ہوا تھا مگر میری آنکھوں سے بڑی سے بڑی تکلیف و اذیت پر آنسو تک نہیں نکلے تھے مگر آج میں ان بہتے اشکوں پر بند نہیں باندھ سکا اور کمرے سے نکل آیا۔

شدتِ غم سے مجھ میں کھڑے رہنے کی سکت بھی نہیں رہی۔ میں گرنے کے انداز میں ایک کرسی پر سر جھکائے بیٹھ گیا۔

چند ہی لمحات بیتے، مجھے اپنے کاندھے پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا۔ میں نے دھیرے دھیرے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ شکیلہ تھی اور اس کے ساتھ کبیل داوا ایک دیوار کا سہارا لیے کھڑا تھا۔

''یار، واوا...! بے شک میں نے اپنی زندگی میں دوستی کے رشتے کو خون کے رشتوں سے کم نہیں پایا۔ جن میں اول نمبر، تم اور شکیلہ میرے بے جگرے دوست رہے اور اب تک ہو... لیکن... مجھے سوچنا پڑ رہا ہے یار... واوا! کیا کوئی ایسا بھی دوست اور ہمدرد ہوتا ہے جو ہزاروں میل دور بیٹھا میری دادرسی صرف انسانیت اور سچائی کی بنیاد پر کر رہا ہو... یہاں تک کہ اپنا آپ بھی اس نیک جذبے کے چل کر قربان کر ڈالے؟ جس سے میں پہلے کبھی ملا بھی نہیں، محض ٹیلی فونک رابطہ رہا ہو... آج جس قابلِ رحم حال میں ہے۔ صرف عابدہ اور میری وجہ سے ہے۔''

''یہ اس نیک اور ہمدرد عورت کی کیسی سچائی ہے جو بُری طرح تڑپا رہی ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ میرا

اس کے لیے کچھ نہ کر سکا۔ یار! دنیا میں تو میں نے زیادہ تر سچائی کا چہرہ مسخ کرنے اور خیر کو شر میں بدلنے والوں کو دیکھا ہے۔ بگاڑ پیدا کرنے والوں کو دیکھا، بنانے والے کم دیکھے۔ اس قدر...... کہ اس نیک خاتون خالدہ کی طرح...... جو اپنی جان پر بھی کھیل جائیں۔ ہم انسانوں کو تو بس ایک غلط فہمی اور سنی سنائی افواہ طرازی کی ایک ذرا تیلی کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر ہم بغیر سوچے سمجھے "بھک" سے دشمنی کی آگ بھڑکا دیتے ہیں۔ مفاد کسی کا کچھ ہوتا ہے فوجدار بن کر کوئی اور کود جاتا ہے اس آگ میں...... ہمارے اندر آنسہ خالدہ جیسی عورت کی طرح وسعتیں کیوں نہیں ہیں؟ ایک غلط فہمی کی چنگاری بھڑکائی جاتی ہے اور پھر تماشا دیکھا جاتا ہے۔ ہا...... ں...... میں بھی دیوانے کی بڑ جیسی باتیں لے کر بیٹھ گیا۔"

آخر میں یہ کہتے ہوئے میں نے اپنا سر جھٹکا۔ کبیل دادا اور شکیلہ سے یہ کہتے کہتے میرا لہجہ ڈبڈبا گیا۔

"حوصلہ رکھ شہزی!" کبیل دادا نے میری طرف دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ "میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ جو لوگ ساکھ پر آنچ نہیں آنے دیتے، وہ اصلی اور نسلی ہوتے تھا۔ یہ نیک اور بہادر خاتون آنسہ خالدہ بھی نسلی عورت ہے۔ یہی بے مثال قربانی پہچان ہے اس کی...... یار شہزی! تو بھی تو طبیعت کا ایسا ہی ہے، یار باش...... یاد ہے نا تجھے، بیگم صاحبہ (زہرہ بانو) کے گروپ میں، سب سے بڑا اور سخت ترین مخالف میں ہوتا تھا تیرا...... پر تو نے لفظوں اور دلیلوں سے نہیں، اپنے رویے سے ثابت کر دکھایا کہ دوستی کیا ہوتی ہے۔"

"شہزی! کبیل دادا ٹھیک کہہ رہا ہے۔" شکیلہ نے بھی مغموم سی دھیمی آواز میں مجھ سے کہا۔ "آنسہ خالدہ کو اس کی قربانی کا اجر ہم کیا دے سکتے ہیں جو اللہ رب العزت نے اس کے نیک عمل کا رکھا ہوگا۔ لیکن تم حوصلہ مت ہارو...... ہم آنسہ خالدہ کی صحت یابی کے لیے کچھ سوچ لیتے ہیں۔ یہ امریکا ہے۔ دنیا کی جدید طبی سہولیات یہاں میسر ہوتی ہوں گی۔ رہا سکیورٹی کا مسئلہ تو اس پر سوچ بچار کر کے کوئی حل نکالا جا سکتا ہے۔"

میں خاموش رہا۔ کبیل دادا اور شکیلہ کی باتوں سے مجھے کچھ حوصلہ [illegible]

کچھ لمحات اور بیت گئے۔ [illegible] ضروری تھا۔ ہم سو گئے۔ دن چڑھے جاگے۔

شکیلہ نے جیسے تیسے ناشتا بنایا اور ہم نے [illegible]

طرح وہ زہر مار کیا پھر کافی کے [illegible] گئے۔

"میرا خیال ہے اس سلسلے میں استار [illegible] مشورہ اور کوئی نہیں دے سکتا ہمیں۔" شکیلہ نے [illegible]

"میڈم عارفہ کو بھی ہمیں نہیں بھولنا چاہیے" دادا نے اپنی رائے دیتے ہوئے کہا۔ "اس [illegible] امریکا میں وہی ہماری بہترین خیر [illegible]

"نہیں یار! عارفہ کو ابھی پس منظر میں ہی [illegible]" میں نے کہا۔ "وہ اب تک ہمارے لیے جو [illegible] کرنے والی ہے وہی بہت ہے۔ اسے ابھی ہم [illegible] خانے میں فٹ نہیں کر سکتے۔ البتہ استاری کی [illegible] ہے۔"

"ایک شخصیت کو ہم بھول رہے ہیں۔" شکیلہ نے اچانک کہا تو کبیل دادا اور میں نے قدرے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"سوزی......!" شکیلہ دبے دبے جوش سے [illegible] "اس لیے کہ آنسہ خالدہ کی یہ دفتری ساتھی ہی نہیں [illegible] اسی اخباری ادارے سے منسلک ہے جس میں خالدہ [illegible] کرتی رہی، بلکہ کوئی بعید نہیں اس کا ادارہ اپنی بہترین دلیر کارکن کے لیے مثبت قدم اٹھانے میں ہماری [illegible] کرے۔"

"زبردست......!" کبیل دادا ایک دم جوش [illegible] کے بولا۔ "ہمیں فوراً مس سوزی سے رابطہ کرنا چاہیے"

"تجویز بری نہیں۔" میں نے شکیلہ کی بات [illegible] قدرے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "سوزی اس بارے [illegible] کوئی مشورہ یا مدد تو دے سکتی ہے لیکن میرا نہیں خیال [illegible] ادارہ کسی قسم کی مدد کرے۔"

"وہ کیوں شہزی؟" شکیلہ نے چونک کر [illegible] نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ "اپنی بہادر اور [illegible] رپورٹر کا سراغ ملنے پر تو انہیں بے حد خوشی ہوگی۔"

میرے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ [illegible] لہجے میں بولا۔ "ایسے حالات میں ان کا میڈیا بھی [illegible] لیتا ہے۔ ان مٹھی بھر یہودیوں نے پوری امریکا [illegible] یرغمال بنا رکھی ہے تو بھلا میڈیا ان کے لیے کس کھیت [illegible] کی مولی ہے۔ لیکن یوں بھی ان کے لیے جو کارکن زندہ [illegible] منت مند ہے وہی کام کا ہے باقیوں کو منظر سے [illegible] پھونک دیتے ہیں۔ یوں بھی دشمن تو لے کے لیے آنسہ [illegible] ایک ہائی الرٹ ہے۔ اسے خفیہ طریقے سے [illegible]

ہیں۔ کیونکہ آنسہ خالدہ ہمارے لیے کس قدر اہم ہے۔ یہ ہم کو جانتے ہی اور دشمن بھی۔ اسی لیے وہ اس ایشو سے ہر ممکن طریقے سے جان چھڑانے کے لیے کوشاں ہو جائیں گے۔ کوئی بعید نہیں اس وقت پورے اسرائیل سمیت تل ابیب اور یہاں سے جے بی سی اور ٹائیگر فنگ کا سکون غارت ہو گیا ہو۔"

میری صراحت پر وہ دونوں تفہیمی انداز میں اپنے سروں کو جنبش دینے لگے۔

"لیکن خیر! تمہاری بات بھی غلط نہیں ہے شکیلہ!" میں نے آخر میں ایک پُرسوچ سی ہنکاری خارج کرتے ہوئے کہا۔ "سوزی یوں سمجھو آنسہ خالدہ کا ایک طرح سے پارٹ ٹو ہے۔ اسے ابھی یہ نہیں معلوم کہ اس کی ہونہار کولیگ اب ہمارے پاس ہے..... اسے پتا چلنا چاہیے۔ اس کا مشورہ بھی... جو صائب الرائے ہو سکتا ہے۔"

"لیکن شہزی! تم نے تو کسی سے بھی ٹیلی فونک رابطے کی سختی سے ممانعت کر رکھی ہے۔ پھر استاری یا سوزی سے کیسے رابطہ ہو؟" شکیلہ نے مجھے یاد دلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں! اس وقت جے بی سی اور ٹائیگر فنگ کی صفوں میں کھلبلی مچی ہوئی ہوگی، کوئی بعید نہیں مشکوک علاقوں کی کالز ٹریس کی جا رہی ہوں۔ احتیاط ضروری ہے۔" میں نے جواب میں کہا۔ "لیکن سوزی اور استاری سے بالمشافہ ہی جا کر ملا جا سکتا ہے۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے، کیونکہ سوزی بیکرز فیلڈ میں رہتی ہے۔ جبکہ استاری تو ادھر ہی فریسنو میں ہے۔ البتہ بیکرز فیلڈ یہاں سے قریباً ایک سو اسی کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ بائی روڈ ہم جا سکتے ہیں۔" پھر کچھ دیر ٹھہر کر میں نے خودکلامی کے انداز میں ہولے سے بڑبڑایا تھا۔

"حالانکہ سوزی کو تو ہم نے یہاں فریسنو بلوایا بھی تھا، پتا نہیں وہ اب تک کیوں نہیں یہاں آئی؟"

یہ سب کہتے ہوئے اچانک ہی میرے ذہن طباع میں ایک جھماکا ہوا۔ کیبل دادا کی گھاگ نظروں نے میرے چہرے کا تاثر تاڑ لیا، فوراً مستفسر ہوا۔

"کیا ہوا شہزی؟ کیا کچھ اور بھی یاد آ گیا؟" اس کے بشرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"ڈاکٹر ہیر اللہ اور پروفیسر ڈین....." اس کے استفسار پر میرے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

"اوہ...." کیبل دادا نے پُرسوچ انداز میں ہونٹ سکیڑے۔ میں نے کہا۔

"یہ دونوں حضرات بھی میری اس نازک معاملے میں خاطر خواہ طریقے سے ضرور مدد کر سکتے ہیں۔" بالآخر میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

ان دونوں حضرین کے نام ذہن میں آتے ہی لاشعور یاسمین خانم کا بھی نام دل میں اجاگر ہو گیا تھا۔ جیسا کہ مذکور ہوا، میں نے کیبل دادا اور شکیلہ سمیت عارفہ کو بھی ان کے بارے میں بتا رکھا تھا۔ لہٰذا شکیلہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے سوالیہ کہا۔

"لیکن یہ دونوں تو شکاگو میں رہتے ہیں۔"

"اگر ان کے ذریعے اتنا اہم کام آسان ہو رہا ہے تو شکاگو جانے میں بھلا کیا قباحت ہے۔" کیبل دادا نے لقمہ دیا۔

"سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ پہلے کس سے مدد لی جائے اور کس سے ابھی اس اہم اور حساس معاملے کو مصلحتاً مخفی رکھا جائے۔" میں جھلا سا گیا۔ "راستے بہت دکھائی دے رہے ہیں مگر منزل ابھی دھندلی ہے۔"

"تم سب سے پہلے استاری کے علم میں شب گزشتہ والے واقعات لے آؤ، یہ اصولی طور پر بھی بہتر ہی رہے گا۔" شکیلہ بولی۔ "اس کے بعد سوزی سے بھی ملا جا سکتا ہے۔"

"ان دونوں کے یہ سب گوش گزار کرنے کے بعد ہی پروفیسر ڈین اور ڈاکٹر ہیر اللہ سے مدد لینے کا سوچا جا سکتا ہے؟"

"ایگزیکٹلی!" میں نے چٹکی بجائی۔ پھر میں نہیں رکا۔ تاہم میں نے شکیلہ اور کیبل دادا کو وہیں رہائشی کنٹینر میں آنسہ خالدہ کے پاس چھوڑا اور خود نکل کھڑا ہوا۔

گون برگ سے چھینا ہوا میرا محبوب ہتھیار کوبرا کولٹ میرے پاس تھا۔ اس میں ابھی کئی راؤنڈ باقی تھے۔ فاضل راؤنڈ کا بندوبست میں کسی آرمی اسٹور سے کر سکتا تھا مگر ابھی اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی کیونکہ یہ بہرحال میرا اہم نہیں تھا۔

امریکا میں عارفہ نے بھی غیر معمولی چابک دستی اور ہوشیاری سے میری پوزیشن مضبوط بنا لی تھی۔

اڈیسہ جہازراں کمپنی میں میرے چالیس سے تیس فیصد شیئرز کے حوالے سے میرا ایک بین الاقوامی اکاؤنٹ کھلوا چکی تھی جس میں میری خطیر رقم پہلے ہی سے موجود تھی میرے نام پر جبکہ مذکورہ جہازراں کمپنی سے حاصل ہونے والی میں سے چالیس فیصدی آمدنی کی رقم بھی سیو ہوتی جا رہی تھی، یوں گویا مجھے رقم وغیرہ کے سلسلے میں کوئی رکاوٹ

نہیں تھی۔

ریڈی میڈ میک اَپ کے ساتھ میں اپنے رہائشی کنٹینر سے نکلا اور کیب کروانے کے بجائے میں نے ٹرام کو ترجیح دی۔

سیون ڈے پارک ایونیو، اسٹریٹ تھرٹی تھری، سن لیک کے پاس ایک کھلونی سی رہائشی عمارت ہے۔ سامنے سینٹ لوکا کا گرجا ہے، سیکنڈ فلور پر اس کی رہائش ہے۔

ایک گھنٹے بعد میں اپنے مطلوبہ اسٹاپ پر اتر گیا۔ وہاں سے سن لیک کا علاقہ سیدھے ہاتھ پر ذرا دیر کی پیدل مسافت پر تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ہی میں سن لیک کے صاف ستھرے علاقے میں تھا۔

مجھے دور سے ہی وہ کھلونی رہائشی عمارت دکھائی دے گئی تھی جس کے دوسرے فلور پر اسٹاری کی رہائش تھی۔

میں نے دانستہ وہاں کا رخ نہیں کیا اور اس کے سامنے نظر آنے والے سینٹ لوکا چرچ کی طرف بڑھنے لگا۔

کچھ سوچ کر میں یونہی مٹرگشت کے انداز میں چرچ کی عمارت کا ایک چکر لگانے کے بعد ایک قریبی ریک پر لگے ہوئے اخبارات کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ پھر جیب سے میں نے دس سینٹ کا ایک ڈائم نکالا اور سلاٹر میں ڈال کر ریک سے تازہ اخبار کھینچ لیا۔

چند اور لوگ بھی وہاں موجود اسی طرح اخبار دیکھ رہے تھے۔ کوئی اہم خبر تھی اسی لیے لوگ بے تابی اور انہماک سے وہیں کھڑے کھڑے پڑھنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ میں نے تو یونہی روٹین والے انداز میں اخبار لیا تھا کہ تھوڑا ادھر ادھر تانکا جھانکی کا موقع رہے۔

خبر شہ سرخیوں میں لگی تھی لیکن اس میں امریکی عوام الناس کے لیے تو دلچسپی کا عنصر غالب تھا مگر میرے لیے نہیں کیونکہ وہ عنقریب امریکا میں ہونے والے جنرل الیکشن سے متعلق تھی۔

اس وقت میں بھی انہی چند افراد کے ساتھ کھڑا رہا۔ کچھ لوگ ایک دوسرے سے الیکشن سے متعلق تبصرے بھی کر رہے تھے۔

اچانک میں چونکا۔ میری نظر ڈیکی پر پڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی بڑی باسکٹ اور ایک شاپر تھا جس میں روزمرہ کا سودا سلف تھا۔ وہ بھی اخبار لینے آئی تھی اور اسے پڑھنے کے بجائے اس نے گول کر کے شاپر میں ٹھونس لیا۔

لڑکی مجھے نہیں پہچان سکتی تھی۔ مجھے اندازہ تو تھا کہ اسٹاری اس وقت ڈیوٹی پر ہوگی اور [illegible] تنہا تھی۔ اس نے اپنے سیک جسم پر [illegible] شرٹ تھی۔ اس کے اوپر گرم اونی [illegible] موٹے جوگر تھے اور وہ خاصی اسمارٹ نظر آ رہی [illegible]

وہ شاید کچھ جلدی میں تھی۔ [illegible] ہونٹوں پہ یونہی خفیف سی مسکراہٹ اسٹاری [illegible] چند قدموں کے فاصلے پر واقع ڈپلکس [illegible] بڑھی تو میں نے دیکھا کہ میرے بہت قریب [illegible] تنومند سا آدمی جس نے اوور کوٹ اور سر پر [illegible] گزرا۔ وہ شاید عجلت میں تھا اسی لیے میرے [illegible] گزرتا ہوا اس کا کندھا تھوڑا مجھ سے ٹکرایا بھی تھا [illegible] مجھ سے کسی قسم کی معذرت کرنا بھی گوارا نہ کیا [illegible] اکثریت کا یہی دستور تھا، سوری یا ایکسکیوز [illegible]

وہ شخص تنومند ہونے کے علاوہ دراز قامت چوڑے شانوں والا تھا۔ اس کے کوٹ کے کالر [illegible] تھے۔

میں اس پر توجہ نہ دیتا اگر میں اسے بلڈنگ کے دروازے سے اندر داخل ہوتے نہ دیکھتا، جہاں سے [illegible] اندر گئی تھی۔ میرے دل کو اچانک کھٹک ہوئی اور میں [illegible] طرف کو بڑھ گیا۔

وہ اندر زینے طے کرتا ہوا غائب ہو چکا تھا۔ میرے قدموں میں بھی تیزی آ گئی اور... اندر پہنچتے ہی میں [illegible] اسے دائیں جانب زینے کے ساتھ گھومتے دیکھا [illegible] میں بھی نہیں۔

وہ جیسے ہی گھوم کر اوپر گیا۔ میں اس کے مطابق [illegible] پر جا کر ٹھہر گیا۔

یہاں سے میں دبک کر زینے کی ریلنگ کی آڑ سے دوسرے فلور کو نصف حد تک دیکھ سکتا تھا جہاں مجھے [illegible] ایک کمرے کے دروازے پر چابی گھماتی ہوئی نظر آئی۔ [illegible] جیسے ہی اندر داخل ہوئی چوڑے شانوں والا دراز قامت آدمی بھی اسی تیزی کے ساتھ کھلے دروازے کے قریب پہنچ [illegible] اور میں نے دھڑکتے دل سے دیکھا کہ اس نے ایک ہاتھ [illegible] کر کے دروازے کو بند ہونے سے روک دیا اور خود [illegible] سے اندر داخل ہو گیا۔

[illegible]

شاید وہ ڈر سے چیخ بھی نہ سکی تھی۔

میں نے بھی پھرتی کے ساتھ اپنی جگہ سے حرکت کی اور مطلوبہ... دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے اپنی جیب سے مخصوص طرز کی "ایروکی" نکالی (یہ ماسٹر کی، کی شکل تھی) اور ادھر اُدھر دیکھنے اور کسی کی فلور پر غیر موجودگی کی تسلی کرنے کے بعد لاک میں آہستگی سے گھمائی۔ لاک بے آواز کھلا اور میں نے بڑی آہستگی کے ساتھ دروازہ اندر کی طرف دھکیلا، چونکہ یہ گھر میرا دیکھا بھالا تھا، اس کا اندرونی نقشہ میرے ذہن میں تھا اسی لیے بے آواز میں اندر داخل ہو گیا۔

لاؤنج میں دن کی مقدور بھر روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کوئی بلب روشن نہیں تھا، وہاں کوئی نہیں تھا، میں اپنے عقب میں آہستگی کے ساتھ دروازہ بند کر چکا تھا اور مجھے اسٹاری والے بیڈروم کے ساتھ والے کمرے میں روشنی دکھائی دی جس کا دروازہ بھی قدرے بھڑا ہوا تھا، میں گربہ قدمی مگر قدرے تیزی سے بڑھا اور دروازے کے تقریباً ساتھ آن لگا، پھر تھوڑا اندر جھانکا۔

ٹریسی ہراساں چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔ سودا سلف قالین پر پڑا تھا اور تھوڑا بکھرا ہوا بھی نظر آ رہا تھا۔ چوڑے شانوں والا تنومند شخص کی میری جانب پیٹھ تھی۔ وہ ایک کرسی پر براجمان تھا اور بہ ظاہر غیر مسلح نظر آ رہا تھا۔

اس نے میرے یہاں پہنچنے تک جانے ٹریسی سے کیا کہا تھا کہ اب اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے کوئی کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھائے ہوئے تھا۔ ٹریسی گھبرائی اور ہراسی سی بھی اس کے ہاتھ میں پکڑے کارڈ پر نگاہ ڈالتی کبھی اس مذکورہ شخص پر۔

"تمہیں تسلی ہو گئی؟ میرے نام سے تو شاید تم واقف ہو گی لیکن پھر بھی میں نے اپنا تعارف کرانا ضروری سمجھا تھا... خیر... اب آرام سے بیٹھ جاؤ تاکہ میرے سوالوں کے درست جواب دے سکو۔" وہ شخص اس سے بولا۔ اس کی آواز میں کھردراپن اور لہجے میں بڑی سنجیدگی تھی۔

پتا نہیں یہ کون تھا اور اس نے ابھی میرے یہاں پہنچنے تک اپنے بارے میں ٹریسی سے کیا کہا تھا؟

[illegible]

تضاد میرے شکوک و شبہات کو تقویت پہنچا سکیں..... اب بیٹھ جاؤ تم......" اس کا آخری لفظ کرختگی لیے ہوئے اور تحکمانہ تھا۔ ٹریسی گھبرائی ہوئی سی قریب دھری پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔ میں اس کے چہرے سے محسوس کر سکتا تھا کہ وہ خاصی پریشان اور تشویش زدہ سی ہے۔

اس کے سامنے بیٹھا ہوا شخص کون ہو سکتا تھا؟ اس کے بارے میں فوری طور پر مجھے اندازہ بھی نہیں ہو پا رہا تھا یا شاید اس لیے بھی میں زیادہ سوچنے کی کوشش نہ کی تھی کہ ابھی ذرا ہی دیر میں تو پتا لگ ہی جاتا ہے کہ یہ شخص کون تھا...؟

وہ کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگائے اور ٹانگیں قدرے پھیلانے کے انداز میں قالین پر رکھے ہوئے تھا۔ یوں اس کا لانگ کوٹ بھی تھوڑا نیچے کو جھول رہا تھا۔

اس کا چہرہ، عقب سے مجھے ترچھے انداز میں نظر آ رہا تھا۔ وہ بھی کافی حد تک اس کے سرمئی رنگ کے ہیٹ میں چھپ گیا تھا، ہونٹوں کے آدھے کنارے غائب ہو رہے تھے۔ تاہم اب اس نے کوٹ کے کالر قدرے نیچے کر لیے تھے۔

اس آدمی نے اپنے لانگ کوٹ کی بیرونی جیب سے ایک سگار نکالا، اس کا کونا توڑ کر، مجھے نظر آتے ہونٹوں میں دبایا... اور لائٹر سے سلگا لیا۔ ایک گہرا کش لینے کے بعد اس نے دھواں اپنے ہونٹوں سے مرغولوں کی صورت میں اس طرح چھوڑا کہ وہ چھلوں کی گویا ایک قطار سی بنا کر گھومتے ہوئے... سامنے، چند ہی قدموں کے فاصلے پر بیٹھی ہوئی ٹریسی کے سراپے کو چھونے سے پہلے بکھرتے محسوس ہوئے۔

"میں چاہتا تو تمہیں... [illegible]

[illegible]

مجھے صرف ایک لفظ میں سچ کا جواب دینا ہوگا۔ اب میں پہلا سوال تم سے کروں گا۔"

وہ پھر رکا۔ اس کے بعد سوال داغا۔

"یہ ایک روز پہلے صبح کے وقت کا ذکر ہے..... منظر اسی ڈپلکس کا ہے۔ یہاں تم، تمہارا شوہر استاری اور مزید دو افراد جن میں ایک بوائے کٹ میں لمبی اور صحت مند جسم کی مالک لڑکی موجود ہیں۔ یاد رہے آخرالذکر تین افراد اجنبی ہیں، مگر تمہارے لیے نہیں، اس کے تھوڑی دیر بعد تین افراد اور اندر داخل ہوتے ہیں۔ وہ تمہارے شوہر استاری سے ان دو اجنبی مرد اور لڑکی کے بارے میں پوچھ گچھ کرتے ہیں۔ اس کے بعد ڈرامے کا ایک دم ڈراپ سین ہو جاتا ہے۔ ایم آئی رائٹ؟ فقط اب اس کا جواب ہاں یا ناں میں دو..... پھر آگے چلتے ہیں۔"

انتہائی سنسنی پھیلاتے ہوئے ڈرامائی انداز میں اس اوورکوٹ اور ہیٹ والے نے یہ کہتے ہوئے خاموشی اختیار کرلی۔

اس کا سوال سنتے ہی میرے اندر ایک جھماکا ہوا۔ کیا شک تھا اس میں کہ یہ پُراسرار اور گمبھیر سا شخص ہم تینوں اور اس روز یہاں سے جے پی سی کے در آنے والے تین ایجنٹوں، روبڑ، ووف اور مسی کو ہی پوچھ رہا تھا۔ لیکن کیوں.....؟ کیا یہ ان کا کوئی ساتھی نائب چیف تھا یا اس سے بھی بڑھ کر کوئی اور شخصیت.....؟ میں نے کان لگا دیے تھے۔

ٹرلیکی البتہ اس سوال پر حلق میں آنے والی کسی شے کو نگلنے کے انداز میں بولی۔

"ہا..... ہاں!"

"گڈ.....!" اوورکوٹ والا آدمی خوشی کے اظہار پر توصیفی لہجے میں ٹرلیکا سے بولا۔ "ڈراپ سین کا پس منظر اب تم بتاؤ گی یا میری زبان سے سنو گی، تاکہ میرے اگلے سوال پر تمہیں اسی طرح سچ بولنے کا موقع ملتا رہے۔"

اس کے لہجے میں بلا کا اعتماد، رعونت اور بالادست ہونے کا انداز نمایاں تھا لیکن..... لہجے کی تہ میں ایک قسم کے ناشائستہ و زہریلا تہدید کا عنصر غالب محسوس ہوتا تھا۔

"وہ..... وہ تم..... میرے رشتے دار تھے اور....."

"اں..... ناں..... نا" اچانک ہیٹ والے نے بگڑ کر اس کی بات درمیان میں ہی ٹوک دیا۔ "جھوٹ نہیں..... چلو، میں سنائے دیتا ہوں لیکن اس کے بعد تمہارے پاس جھوٹ بولنے کی کوئی گنجائش نہیں رہے گی۔"

کہتے ہوئے اس نے اپنا ایک ہاتھ [illegible] جیب میں ڈالا اور جب باہر نکالا تو میرے وجود میں [illegible] سنسنی سی دوڑ گئی۔

اس کے ہاتھ میں اب ایک سیاہ رنگ کا [illegible] تھا جس کی لمبی نال سائلنسر کا شائبہ دیتی تھی۔ [illegible] اپنی گود میں رکھ لیا۔

پستول دیکھتے ہی ٹرلیکی کے چہرے کی [illegible] پیلی ہوگئی۔ آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں [illegible] وہ بے چاری ایک عام سی گھریلو خاتون تھی۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" ہیٹ والا شخص [illegible]

"لیکن..... جیسا کہ میں نے کہا کہ میں آن دی اسپاٹ [illegible] کرنے کی طاقت رکھتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ [illegible] ..... ساتھ مجھے ایسا کوئی سخت فیصلہ نہ کرنا پڑے جیسا [illegible] نے تمہارے شوہر استاری کی سابقہ بیوی اور بچی [illegible] جاری کرنا پڑا تھا اور میں نہیں چاہتا کہ تمہارا بھی [illegible] ہو۔"

یہ کہتے ہوئے وہ رکا۔ ٹرلیکی پر اب واضح خوف [illegible] طاری ہوگئی تھی۔ جبکہ میں اس شخص کی بات آخری [illegible] بُری طرح چونکا۔ استاری کی سابقہ لیکن بدنصیب بیوی [illegible] بچی کے انجام سے متعلق اس کی زبانی سن کر میرے [illegible] وجود میں سنسنی دوڑ گئی۔

وہ آگے کہہ رہا تھا۔ "وہ تینوں تمہارے رشتے دار [illegible] دور کی بات ہے، تم نے ہی نہیں بلکہ تمہارے شوہر نے [illegible] خود اس روز پہلی بار دیکھا تھا۔ بتائے دیتا ہوں، [illegible] ایک جو دراز قامت اور ہینڈسم سا کسرتی جسم کا مالک [illegible] لڑکا شہزادہ احمد خان شہزی ہے۔ دوسرا ریسلر اور باڈی [illegible] ٹائپ شخص، جو سر سے قدرے گنجا بھی ہے، سانولی رنگت [illegible] گوبل دادا (کمبل دادا) تیسری ان کی خوب صورت [illegible] لڑکی شکیلہ ہے۔"

"یہ تینوں پاکستان سے امریکا اپنی ایک ساتھی [illegible] کی رہائی کے سلسلے میں یہاں آئے ہوئے تھے اور [illegible] شوہر استاری ان کی درپردہ سپورٹ کر رہا تھا۔ اس [illegible] میرے تینوں ساتھیوں کو ان کے ہاتھوں ہلاک کروا [illegible] کی لاشیں تک غائب کرانے میں اس کا [illegible] تھا۔" وہ رکا پھر بولا۔

"خیر..... وہ میں بعد میں دیکھوں گا۔ آخری [illegible] کہ مجھے ان تینوں کے ٹھکانے کے بارے میں [illegible] کہ وہ کہاں رہتے ہیں؟ کب یہاں آئے [illegible]

مجھے ان تک تم خود ہی...... پہنچاؤ گی۔"

اس نے اپنی بات ختم کی ہی تھی کہ اچانک نیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ نیلی فون سیٹ قریب ہی ایک تپائی پر رکھا تھا۔ ٹریسی فون کی گھنٹی پر یوں بدکی جیسے اسے بچھو نے ڈنک لیا ہو۔ اس نے اس طرف دیکھا لیکن ہیٹ والے نے اس طرف دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی اور بولا۔

"بجنے دو گھنٹی۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی تمہیں تمہارے شوہر کی ہلاکت کے بارے میں اطلاع دینا چاہ رہا ہو۔" ہیٹ والے نے بظاہر بے پروا انداز میں یہ کہا اور ٹریسی کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخ خارج ہوگئی۔ خود میں بھی اپنی جگہ سُن ہو کر رہ گیا۔

اسٹارکی کو یہ بدبخت آدمی ہلاک کروا چکا تھا...... میرے اندر ایک دکھ کا غبار سا ابھرا۔ میں نے ہونٹ بھینچ لیے۔

اب تک مجھے خوب اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ آدمی جے بی سی یا ٹائیگر گینگ کا کوئی چلتا پرزہ ٹائپ اور گھاگ ایجنٹ ہوگا۔

اس کی باتوں سے بے رحمی اور سفاکیت کی بُو آتی تھی اور وہ بہت کچھ جان کاری رکھتا تھا۔

اپنے شوہر کی ہلاکت کا سن کر ٹریسی بھی سسک پڑی۔

"تت...... تم نے اس...... اسٹارکی کو مار دیا؟"

ٹریسی دہشت زدہ سی کپکپاتی آواز میں بولی۔ اس کے لہجے میں خوف کے ساتھ دکھ اور کرب کا عنصر غالب تھا۔

"اس کا جرم ناقابلِ معافی اور سنگین تھا۔ پھر بھی میں نے اس سے رعایت برتی اور اسے آسان موت کے انعام سے نواز دیا۔"

فون کی گھنٹی مسلسل بجتی رہی پھر بند ہوگئی۔ چند ہی سیکنڈ بعد سیل فون کی میوزیکل بیل گنگنانے لگی۔ یہ شاید ٹریسی کا موبائل تھا جو قریب ہی کہیں رکھا ہوا تھا۔ اس نے اس طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا بھی تھا۔

"چھوڑ دو ان گھنٹیوں کو...... میرے سوال کا جواب دو، کیا کہتی ہو پھر؟" ہیٹ والے نے کہا اور اسٹارکی کی موت کا سن کر میں خود پر قابو نہ پا سکا۔ کوبرا کولٹ ہاتھ میں لیے ہی میں اندر داخل ہوگیا۔

سب سے پہلے ٹریسی کی نگاہ مجھ پر پڑی اور مجھے دیکھتے ہی اس کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخ خارج ہوگئی مگر ہیٹ والا...... بغیر کسی سنبھلنے یا پھرتی دکھانے کے اسی طرح آرام سے کرسی پر براجمان رہا۔ محض اپنی گردن گھما کے

اب بال کو نیٹ کرکے دکھاؤ!

پیچھے دیکھنے کی کوشش چاہی تھی کہ میرے کوبرا کولٹ کی نال اس کی گدی سے جا لگی۔

"ذرا سی بھی حرکت کی تو گردن میں گولی پیوست کر دوں گا۔" میں نے دانت پر دانت بھینچ کر سرسراتی ہوئی زہریلی آواز میں کہا۔ ہیٹ والے کا گویا ڈرامائی انداز میں پیچھے کی طرف گھومتا ہوا سر — ادھر ہی ٹھہر گیا اور میں نے اس کی گود میں رکھا ہوا پستول اٹھانے کے لیے اپنا ایک ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اس نے پلک جھپکنے کی سی پھرتی سے کرسی کی ہتھی پر ٹکے اپنے بازو کی کہنی میرے پہلو میں رسید کر ڈالی۔ ضرب کی قربت اور اس کی شدت نے مجھے بُری طرح تڑپا کر رکھ دیا۔ اس قدر کہ میرے حلق وارے تکلیف کے چیخ خارج ہوگئی۔ میں لڑکھڑا سا گیا۔ ہیٹ والے کے لمبے چوڑے وجود میں جیسے بجلی کے پل بھر دوڑ گیا۔ [illegible] ضرب شدید لگی تھی، [illegible] مجھ پر جھپٹا۔

اپنا پستول اس کے ہاتھ میں تھا [illegible]

ابھی مجھ پر گولی چلانے کی پوزیشن میں نہیں تھا اسی لیے مجھے اس نے دھکا دیا۔ کوبرا کولٹ میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ میں نے محض اپنی قوت ارادی کے بل پر سنبھالا لیا۔

ہیٹ والا مجھ پر پل پڑا اور اپنے گھٹنے کی ضرب میرے پیٹ پر رسید کرنا چاہی، میں نے تکلیف کے باوجود خود کو بچایا اور ایک گھونسا اس کے چہرے پر رسید کیا، اس نے جھک کر چہرہ بچانے کی کوشش چاہی، ضرب ناک کے بجائے اس کی پیشانی پر لگی، اسے کوئی اثر نہ ہوا اور اس نے اپنے پستول والا ہاتھ بلند کیا، میں نے جھک کر اس کے سینے میں سر کی ٹکر رسید کر ڈالی، وہ پیچھے لڑکھڑایا۔ جس کرسی پر وہ تھوڑی دیر پہلے بیٹھا تھا اسی پر گرا اور الٹ گیا۔ پستول اس کا بھی چھوٹ گیا۔ میں نے اچھل کر اس پر چھلانگ لگا دی۔

ہم دونوں فرش پر ہی لیٹے لیٹے ایک دوسرے کے دست و گریباں ہو گئے۔ بلاشبہ وہ طاقت کا ایک پہاڑ تھا۔ لیکن اس کے جسم کا کسرتی بھاری پن اس کی بلا خیز پھرتی کے آگے ذرا بھی مانع نہیں ہوتا تھا۔

اس نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ لوٹ لگائی اور مجھے خود سے اچھال کر دور پھینکا، میں ایک دیوار سے ٹکرایا۔ ٹریسی کو شاید اب تک سکتہ سا ہو گیا تھا، وہ اسی وقت ہسٹریائی سی چیخیں مارتی ہوئی دروازے کی طرف دوڑی، راہ میں سنبھلتے پڑے فرش پر ہیٹ والے نے (جواب اس کے سر پہ نہیں رہا تھا) اس کی ٹانگ پکڑ لی۔ وہ منہ کے بل گری اور اس کا سر کرسی سے ٹکرایا۔ وہ بغیر آواز نکالے فرش پر گر کر ڈھیر ہو گئی۔

وہ پھرتی سے اٹھا، ادھر میں بھی دیوار سے ٹکرا کے اٹھ کھڑا ہوا۔ اب ہم ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے۔ میں اس پر پل پڑنے کے لیے پر تول ہی رہا تھا کہ اس نے دونوں ہاتھ سامنے کر کے مجھے جارحانہ پیش قدمی سے روک دیا۔

جانے کیا ہوا کہ میں اس کے اشارے پر رک گیا۔ ...... میں بھی اس کے

"[illegible] ...... ہم دونوں [illegible] [illegible] بار میں نے بھی [illegible] اگر ہم بیٹھ کر گفتگو کر لیں تو زیادہ بہتر ہو گا [illegible]"

[illegible] نے جلتی سی [illegible]

دیکھا۔ گول [illegible] [illegible]

آنکھیں [illegible]

بھوت [illegible] تھے

تھا جس میں بلا کا [illegible] سے سنگین تر صورت حالات [illegible]

"کون ہو تم ......؟ [illegible] اسے؟"

اپنا نام اس کے ہونٹوں سے [illegible] شناخت کے حوالے سے پوچھا۔

اس کے بھاری گول [illegible] ہونٹوں پر بھی مکاری کا تاثر دیتی [illegible] انداز میں بولا۔

"تم شاید غائبانہ طور سے مجھے [illegible] طرح میں تمہیں جانتا ہوں مسٹر شہزی [illegible]"

میری مستفسرانہ نظریں ہنوز اس [illegible] ہوئی تھیں۔ ساتھ ہی مجھے ٹریسی کی طرف [illegible] لاحق تھی لیکن یہ صورت حال ایسی تھی... [illegible] جاتا۔

"ہولارڈ ...... کہتے ہیں مجھے ...... باسکل [illegible] چیف آف نائیگر ریگ ......" اس نے ایک ایک [illegible] وقفے سے ادا کرتے ہوئے کہا۔

میں سرتاپا سنسنا کر رہ گیا۔ اگرچہ مجھے اس [illegible] خبیث باسکل ہولارڈ سے ٹکراؤ کی امید تھی تو [illegible] اچانک اور اس عجیب انداز میں کہ ہم دونوں ایک [illegible] کے اس قدر روبرو ہو جائیں گے، یہ توقع بہرحال [illegible]

اپنے مکروہ اور خفیہ مقاصد کے لیے [illegible] سیدھی سادی اور معصوم لڑکی کو اس قدر خطرناک [illegible] ناگوں مصیبتوں اور مصائب و آلام کے جال میں [illegible] والا اصل مردود و ملعون شخص یہی تو تھا۔

یہ حقیقت تھی کہ میرے دل و دماغ کی [illegible] ہوتی جا رہی تھیں۔ کبھی اندر ایک دم جوار بھاٹا سا [illegible] مثل اہلنے کو بے قرار ہو جاتا تو ایک انجانی [illegible] کیفیت بھی غالب آنے لگتی کہ میں چاہتے ہوئے [illegible] سکی، کہ میری جان جاں معصوم عابدہ [illegible] نکل گئی، یوں دل ایک لمحے کو یہ بھی چاہا کہ [illegible] ملعون کے قدموں میں گر جاؤں، اس سے [illegible] اس کی منتیں کروں [illegible]

[illegible]

کے جوابے ہزاروں میل دور دیارِ غیر اور یکسر اجنبی ماحول میں دیکھنا اور بھگتنا پڑ رہے ہیں اور واقعی ایسا ہو چلا تھا کہ کوئی دن گزرتا تھا کہ میں اس مردود انسان کے قدموں میں گر جاتا تھا۔ یک لخت اپنی اس جوار بھاٹا کی سی جذباتی کیفیات پر قابو پالیا۔

"جھٹکا تو ضرور لگا ہوگا میرا نام سن کر تمہیں مسٹر شہزی! بالکل اسی طرح سچ سمجھو تو مجھے بھی زبردست دھچکا پہنچا تھا جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ تم اپنے دو قریبی ساتھیوں گونگل دادا اور شکیلہ کے ساتھ یہاں نہ صرف وارد ہو چکے ہو بلکہ ٹائیگر سمیت جے بی سی کے ٹاپ ایجنٹوں کو خاک چٹا چکے ہو۔"

ایک لحہ بھر کے توقف کے بعد وہ پھر بولا۔

"کون برگ جے بی سی کا ایک ایسا ہونہار اور ٹاپ تربیت یافتہ ایجنٹ تھا جس سے خود میں بھی خائف رہتا تھا۔ لیکن جے بی سی سمیت ہمارے لیے بھی اس کی خدمات لائقِ احترام رہی ہیں اور میرے خائف رہنے کی وجہ یہی تھی کہ میں اس کی عزت کرتا تھا اور وہ مجھے بے حد پیارا تھا۔"

"جس طرح تم جے بی سی کے پیارے ہو۔" میں نے بھی یہ الفاظ چبا کے ادا کیے۔

"ایگزیکٹلی۔" وہ بولا۔

"تم نے بھی تو استاری کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا ہولارڈ!" میں نے کہا۔ "پہلے اس کی بیوی اور بیٹی کو تم نے اپنے ظلم کا نشانہ بنایا اور اب اس بے چارے کو بھی......"

"اس فضول بحث میں پڑ گئے تو ہمارے بیچ کوئی معاملہ طے نہیں ہو پائے گا مسٹر شہزی......!" وہ میری بات کاٹ کر سرد لہجے میں بولا۔

"ہولارڈ......! جھگڑا ختم کرو...... عابدہ کو میرے حوالے کر دو...... ورنہ جے بی سی سمیت ٹائیگر فیگ کے یہاں پہنچنے تک ادھیڑے بغیر واپس نہیں جاؤں گا میں......"

اچانک میں نے جوشِ غیظ سے کہا۔ عابدہ کا نام زبان پہ آتے ہی میری شعلہ فشاں نظریں تیر کی طرح جیسے ہولارڈ کے چہرے پر پیوست ہو کر رہ گئی تھیں۔

"بات کر لیتے ہیں اس پر بھی......" ہولارڈ نے مکاری کہا۔

"اسی وقت بات ہوگی۔" میں نے خونخوار لہجے میں کہا۔

"بے اندازہ مجھے کہ تم عابدہ کے لیے سلسلے میں کس قدر جذباتی ہو۔ یہ اچھی بات ہے، ہونا چاہیے۔ آخر کو محبوبہ ہے تمہاری...... اطمینان رکھو میں خود اس کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں رکھنے کو تیار ہوں، اسی وقت تم سے وعدہ کرتا ہوں میں...... لو...... بڑھاؤ ہاتھ...... یقین نہ آئے تو۔" کہتے ہوئے اس نے اپنا ایک ہاتھ مصافحے کے لیے بڑھا دیا۔

بات اچنبھے کی تھی، مگر میں ذرا بھی نہیں چونکا تھا نہ ہی مجھ پر...... اس کی مکاری اور چال بازی کا اور کوئی اثر ہوا۔ اسی لہجے میں بولا۔

"میں دشمنوں سے ہاتھ نہیں ملایا کرتا۔ کوئی نئی چال چلنے سے پہلے سوچ لینا کہ سانپ اور سیڑھی کا خطرناک کھیل کھیلتے ہوئے یہاں تمہاری گردن تک آ پہنچا ہوں۔"

اس نے میری بات سن کر ایک نظر اپنے خالی ہاتھ کو دیکھا جو اس نے مصافحے کے لیے میری جانب بڑھا رکھا اور کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ واپس گرا دیا۔ بولا۔

"مسٹر شہزی! ہمارے بیچ دوستانہ ماحول کے بغیر مفاہمانہ گفتگو نہیں ہو سکتی۔"

"ہونہہ...... دوستانہ ماحول......!" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"عابدہ کو زندہ اور صحیح حالت میں دیکھے بغیر ہمارے بیچ صرف ایک ہی رشتہ قائم رہے گا اور وہ ہے دشمنی...... کیونکہ آنسہ خالدہ کا تم لوگوں نے جو حشر کیا ہے، اس کا بھی قرض چکاؤں گا میں بالکل ہولارڈ......!"

"اوہ...... تمہیں اس کا ضرور دکھ ہونا چاہیے۔" ہولارڈ مکاری سے بولا۔

اچانک ایک بیپ کی آواز ابھری۔ میں چونکا۔ ہولارڈ نے اپنا ایک ہاتھ کوٹ کی جیب کی طرف بڑھانا چاہا تو میں نے یک دم کہا۔

"تم کوئی حرکت نہیں کرو گے ہولارڈ...... ورنہ مجھے حرکت میں آنا پڑ جائے گا۔" میرے کہنے کا انداز جارحانہ تھا۔

"ایزی مین!" ہولارڈ نے کہا۔ البتہ اس کا ہاتھ وہیں رک گیا تھا۔ آگے بولا۔ "اگر میں اس بیپ کا جواب نہیں دوں گا تو میرے ساتھی یہاں دھاوا بولنے کو آ جائیں گے اور میں نہیں چاہتا کہ ہماری اس اہم نوعیت کی گفتگو کے دوران کوئی مخل ہو حتیٰ کہ میرے اپنے ساتھی بھی۔"

"میں ان حالات میں تم پر بھروسا نہیں کر سکتا۔" میں نے سنگت لہجے میں کہا۔ "اس کے لیے تمہیں اپنا موبائل اٹھانا ہوگا۔"

"اٹھاؤ لیکن پلیز ذرا جلدی اٹھا لینا۔" اس نے کہا۔

میں نے لپک کر اپنا کوبرا کولٹ اٹھا لیا اور اس کا بھی..... مگر اسے اس کا سائلنسر لگا پستول دینے کے بجائے وہ میں نے اپنے ہاتھ میں پکڑے رکھا جبکہ اپنا کوبرا کولٹ میں نے اپنی بیلٹ میں اڑس لیا۔

''اب تم اپنے ساتھیوں کو جواب دے سکتے ہو۔'' میں نے کہا۔ نال کا رخ اسی کی جانب تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اپنی باچھیں کھجائیں اور کندھے اچکا کر کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ میں ہر لمحہ اس رذیل شخص سے محتاط تھا۔

''ایزی.....!'' اس نے اسی ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ''میرا پستول نہیں دینا چاہتے تو کوئی بات نہیں۔ مت بھولو کہ میرے کم از کم نو ساتھی اس ڈپلیکس کے گرد موجود ہیں۔''

''ہوتے رہیں، تم کام کی بات کرو۔'' میں نے مرعوب ہوئے بغیر بے پروا انداز میں کہا۔

''او کے.....'' اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور باہر نکال لیا۔ میرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے سائلنسر لگے پستول کی نال کا رخ اسی کی جانب تھا جو کہ اصل میں اسی کا تھا۔

میں نے دیکھا اس کا ہاتھ جس طرح کوٹ کی کسی اندرونی جیب میں گیا تھا اسی طرح خالی باہر آگیا۔

''وہ سب باہر ہی الرٹ ہیں۔ اب اندر نہیں آسکتے۔ میں نے اپنی جیب میں رکھے ایک خفیہ ٹرانسمیٹر ڈیوائس کے ذریعے انہیں اشارہ کردیا ہے۔'' وہ بولا۔

''یہ اشارہ کچھ بھی ہو، میں تمہارے جھانسے میں نہیں آؤں گا، ادھر جو بھی آیا، میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

''ایزی..... مین! ایزی!'' اس نے کہا۔ ''میں جانتا ہوں تم بہت سی باتوں سے اب تک پردہ اٹھا چکے ہو اور آئندہ تمہارا کیا منصوبہ ہے، میں اس سے بھی واقف ہوں۔ سوال یہ ہے کہ تمہیں صرف عابدہ کے حصول سے دلچسپی ہے اور ہمیں اپنے مقصد سے تو بات ختم ہو جانی چاہیے اور لڑائی بھی..... لیکن اس کا مطلب یہ مت سمجھنا کہ ہم تم سے ڈر گئے ہیں، بات اتنی ہے کہ اگر کچھ گیو اینڈ ٹیک سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے تو پھر کیا مسئلہ ہے؟''

''کیا چاہتے ہو تم.....؟'' بالآخر میں نے سوچتے ہوئے ذہن سے کہا۔ میری برمانی نظریں بدستور اس کے چہرے پر گڑی تھیں۔

''ایسا کرو، پہلے اسے دیکھ لو.....'' باسکل ہولارڈ نے ایک طرف کرسی سے گر کر قالین پر بے سدھ..... پڑی لڑکی

کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اب ہوش کی طرف لوٹ رہی تھی، یوں ہولے ہولے

آرہی تھی۔

''میں آرام سے بیٹھ کر سگار پیتا

اطمینان سے اسے فرسٹ ایڈ دے

میں اس کی بات سن کر چند ثانیے

جانتا تو وہ بھی تھا اور میں بھی کہ ہم اس وقت

روبرو صرف دو انسان نہیں کھڑے ہیں بلکہ

فشاں ہیں، تاہم ایک حقیقت یہ بھی تھی کہ اس

دوسرے کا کچھ بھی بگاڑنے کی پوزیشن میں نہیں

چکی تھی، مکالمے جاری تھے، موضوع مناہمت

کیے ہوئے تھے، اگرچہ ماحول ایک سرد جنگ

باسکل ہولارڈ یہ کہہ کر اور مجھے سوچتا ہوا

براجمان ہو گیا۔ پھر جیب سے ایک سگار نکال کر

نے ایک گہری سانس لی اور ٹریسی کی طرف متوجہ

اسے سنبھالا اور اس کے چہرے پر

چھینٹے مار کے ہوش میں لایا۔ اس کی پیشانی پھٹ

وہاں سے خون رس رہا تھا۔

ہوش میں آتے ہی وہ پھر خوف زدہ ہو

اسے مختصراً لفظوں میں جلدی جلدی جتنا کچھ سمجھا

سمجھا دیا، اس کے حواس ذرا ٹھکانے آئے تاہم وہ

اطمینان سے بیٹھے ہوئے باسکل ہولارڈ سے ابھی

نظر آرہی تھی۔

اس نے مجھ سے کہا کہ وہ واش روم جا کر اپنی

خود ہی کر سکتی ہے۔ وہاں کوئی ایسی کیبنٹ تھی جس میں

وغیرہ موجود ہوں گی۔ لیکن میرے نزدیک وہ ایسی حالت

نہیں تھی کہ خود واش روم تک جا کر یہ سب کر سکتی

پیشانی پر اچھی خاصی چوٹ آئی ہوئی تھی اور اس کی حالت

نڈھال سی نظر آتی تھی۔ آنکھوں سے ہنوز غشی کے آثار

تھے۔

لہٰذا میں نے اس کی بات نہ مانی اور اسے سہارا

واش روم میں لے آیا۔ اس طرح کہ میری عقابی نظریں

میں بیٹھے کرسی پر ہولارڈ پر بھی مرکوز رہتی تھیں۔

عابدہ کے حوالے سے باسکل ہولارڈ میرا

ترین شکار تھا۔ وہ نہ جانے اب میرے ساتھ کون سی

والا تھا، یہ وہی جانتا تھا۔ تاہم مجھے اب تک کی اس

ہونے والی گفتگو سے کچھ اندازہ ہوتا تھا کہ

تک کی ہے

مداخلت پر مجبور کر ڈالا ہو۔ یہ خوش فہمی اپنی جگہ لیکن یہ حقیقت تھی کہ تم نے کرداد پر جان سے لے کر ے جی کو مارا اور پھر یہاں بے بی ای اور ٹائیگر لیگ کے بیشتر ایجنٹ میرے اور میرے جاں نثار ساتھیوں کے ہاتھوں جہنم واصل ہوئے، پھر دشمنوں پر تازہ ترین وار گون برگ کی صورت میں سامنے تھا اور اس کی قید و ظلوم سے نجات...... لہٰذا ممکن تھا ٹائیگر لیگ کا چیف اب مجھ سے چال ہی چلی ہو، اس حد تک تو مجبور ہوا تھا کہ اس طرح کا ماحول پیدا ہونے پر آمادۂ گفتگو ہو گیا ہو۔

واش روم میں آتے ہی ٹریسی بری طرح سسک کر رو پڑی...... میں خود اسٹاری کی موت پر دکھی ہو رہا تھا۔ میں نے حوصلہ دینے کے انداز میں ٹریسی کا شانہ ہولے سے تھپتھپایا۔

''مم...... میں نے اکثر اسٹاری کے منہ سے اس کے بارے میں سن رکھا ہے مسٹر شہزی!'' ٹریسی نے بالآخر دکھ کے غبار کو کسی قدر جھٹکتے ہوئے مجھ سے آہستگی سے کہا۔ ''یہ بہت درندہ صفت اور عیار شخص ہے۔ پلیز...... اس سے کسی طرح جان چھڑاؤ۔''

میں نے ٹریسی سے ازراہِ تشفی کہا۔ ''تم فکر نہ کرو، مجھے بھی اس ذلیل اور مکار آدمی کے بارے میں اچھی خاصی معلومات ہیں۔ وہ اس وقت میرے زیرِ نگوں ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ اس کے اور ساتھی بھی آس پاس کہیں موجود ہیں۔ میں تمہاری مرہم پٹی کرنے کے بعد اس کے پاس جا کر بیٹھتا ہوں، وہ شاید مجھ سے مفاہمت پر مجبور ہو گیا ہے۔''

''وہ ایک نمبر کا دھوکے باز اور شاطر آدمی ہے۔'' ٹریسی سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔

''بے فکر رہو تم، میں اس کے جھانسے میں نہیں آؤں گا۔'' میں نے زہریلی مسکراہٹ سے کہا۔ ''تمہاری مرہم پٹی......''

''نہیں، میں خود کر لوں گی، تم جا کر اس سے جان چھڑاؤ یا پھر خدا کے لیے مجھے یہاں سے لے کر نکلنے کی کوشش کرو، مجھے تو اب اس آدمی سے وحشت ہونے لگی ہے۔''

''فیک اٹ ایزی۔'' میں نے پھر تشفی آمیز ملامت سے کہا۔ ''تم مرہم پٹی کے بعد خبردار کسی اور دروازے سے باہر نکلنے کی کوشش کبھی مت کرنا۔ جب تک یہ یہاں موجود ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ باہر اس کے ساتھی ضرور گھات میں ہوں گے۔ میں معاملہ سنبھالتا ہوں، تم اپنی مرہم پٹی کرنے کے بعد کمرے میں چلی جانا۔'' یہ کہتے ہوئے میں واش روم سے نکل آیا۔

بالکل ہولارڈ اسی طرح اطمینان سے کرسی پر بیٹھا فرش پر ٹانگیں پھیلائے ہوئے سگار کے کش لگا رہا تھا۔

''میں عابدہ کی رہائی سے کم پر تم سے کوئی بات نہیں کر سکتا مسٹر ہولارڈ!'' میں نے اس کے سامنے والی کرسی پر براجمان ہوتے ہوئے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

''آف کورس! مجھے منظور ہے۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''ہم خود نہیں چاہتے کہ مزید کوئی خون خرابا ہو، یہ لڑائی ہمارے ہی نقصان کا سبب بن سکتی ہے۔''

''اب کام کی بات ہو جائے تو بہتر رہے گا۔'' میں نے ٹھنڈی ہوئی سنجیدگی سے کہا۔

وہ کمینے پن سے ہنسا اور بولا۔ ''سن تو رکھا ہے میں نے تمہارے بارے میں، بہت دلیر تو ہو مگر ٹھنڈی بھی کم نہیں ہو۔ خیر......! کام کی بات یہ ہے کہ تم میرے ساتھ چلو میں تمہیں عابدہ کے روبرو پیش کروں گا، تم دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرو، جی بھر کے گلے مل کے رو دو، خوشیاں مناؤ، ساتھ رہو سب کچھ کرو، کوئی ممانعت نہیں۔''

وہ کہتا جا رہا تھا اور میرے دل و دماغ کی حالت عجیب غریب ہوتی جا رہی تھی۔ لہٰذا اس کی یہ باتیں سن کر میرے دل و دماغ کی پھر وہی جذباتی کیفیات ہونے لگیں جو اس سے تعارف ہوتے ہی تھوڑی دیر پہلے ہی میری ہوئی تھی، پھر میں نے خود کو سنبھالا، سوچا کہ جب یہ شاطر آدمی اگر کسی وجہ کے تحت مجھ سے اس انداز میں گفتگو کرنے میں آمادہ ہو رہا ہے تو مجھے بھی ذرا اسی پالیسی کے مطابق قدم رکھنے چاہئیں۔ بولا۔

''ہولارڈ! اگر تم واقعی مفاہمت کی راہ پر آنا چاہتے ہو تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں لیکن ابھی ہمارے درمیان حالات غیر یقینی ہیں۔ اس قدر کہ ہمیں ایک دوسرے سے اس وقت بھی ایک انجانے خوف کے ساتھ جان کا خطرہ ہے۔ تم جس آسانی سے عابدہ کو میرے روبرو پیش کرنے کا کہہ رہے ہو میں اسے تمہاری کوئی چال پر محمول کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہوں۔ ویسے میرا مسئلہ عابدہ کے روبرو ہی پیش ہونا نہیں ہے بلکہ اس کی یہاں سے باحفاظت بازیابی بھی مجھے مقصود ہے۔''

''کر یکٹ۔'' ہولارڈ نے ایک [illegible] کہا۔ ''میں تمہاری بات سے اختلاف نہیں کرتا۔ [illegible] وقت چاہتا ہوں [illegible] خائف ہوں۔ [illegible] میں نے تم سے کوئی بات نہیں کی [illegible] دوسرے [illegible] کی [illegible]

ایک دوسرے سے...... عابدہ اور میں نے...... اور کچھ نہیں تو مر تو سکتے ہیں ایک دوسرے سے لپٹ کر......

دوسرا خیال ذہن میں آیا۔ زندگی اور موت صرف اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ مجھے ہولارڈ کی بات مان لینی چاہیے۔ اس کے ساتھ چلے جانا چاہیے۔ شاید دشمن کی شکست اور عابدہ کی رہائی میں یہی مشیت ایزدی شامل ہو۔ اللہ نے مجھے آج یہاں تک کامیابی عطا کی ہے تو وہ یقیناً آگے بھی میری دست گیری کرے گا اور ضرور کرے گا۔ اس انداز سے سوچنے اور ایک فیصلہ کرنے کے بعد میرا اندر ایک دم مطمئن ہو گیا۔

میں اٹھ کھڑا ہوا۔ بولا۔ ''میں تیار ہوں......''

''گڈ...... مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔'' باسکل ہولارڈ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''اب برائے مہربانی میرا پستول مجھے واپس کر دو۔'' کہتے ہوئے اس نے میری جانب ہاتھ بڑھا دیا۔

میں نے اس کا سائلنسر لگا پستول اس کے حوالے کر دیا۔

''تھینکس۔'' اس نے وہ لیتے ہوئے مسکرا کر کہا اور...... ہم دونوں ڈپلیکس سے باہر آ گئے۔

سہ پہر ہو چلی تھی۔ فٹ پاتھ پر آنے کے بعد ہولارڈ کھڑا ہو گیا۔ میں اس کے ساتھ اور محتاط تھا، اس نے اپنا پستول کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈال لیا تھا۔ فضا سرد تھی، آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے اوورکوٹ کے کالر کھڑے کر دیے تھے، اور ہیٹ بھی لگا رکھا تھا۔

اس نے اپنا دایاں ہاتھ کے انگوٹھے اور انگلی سے کوٹ کے کالر کو چھوا اور منہ قریب کر کے کچھ کہا۔ وہاں شاید کوئی وسیع حیطۂ عمل کا خفیہ ''ایش'' ٹرانسمیٹر نصب تھا۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ لمبی سی کار تیزی سے ایک قریبی موڑ سے نمودار ہوئی اور ہمارے قریب آ کر ایک جھٹکے سے رک گئی۔ اس کے ٹائر چرچرائے تھے۔ میری نبضیں تک دھڑکنے لگیں۔

کار کا رنگ سیاہ تھا اور اس کے اندر تین افراد براجمان تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک شخص تھا اور اس کے برابر والی نشست خالی تھی۔ جبکہ پچھلی نشستوں پر دو افراد براجمان تھے۔ انہی میں سے ایک اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر اتر آیا۔ اس کے انداز میں مستعدی اور تعظیم تھی۔

اس نے آگے بڑھ کر ڈرائیور کے برابر والی نشست کا دروازہ کھول دیا تھا اور ہولارڈ آگے بڑھا اور مجھے اس نے عقبی نشست کا اشارہ کیا تھا۔

میں دھڑکتے دل کے ساتھ ...

وہ آدمی بھی میرے ساتھ ... کیا اور کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

بسا اوقات زندگی میں ایسے ... خود کو حالات کے دھارے پر ... ہے۔ زندگی کی بساط میں کہیں نہ کہیں ... اللہ کے بھروسے پر کسی نیک عمل کے لیے ... میں بھی چھلانگ لگا دیتا ہے، بعینہٖ یہاں بھی ... صورت حالات تھی۔

مجھے عابدہ کے پاس لے جایا جا رہا تھا ... کی گہرائیوں سے خدا سے یہی دعا مانگ ... ویسا نظارہ نہ ہو جیسا میں گون برگ کے ... آنسہ خالدہ کا کر چکا تھا۔

تاہم ایک طرف عابدہ سے ملنے اسے اپنی ... کے سامنے دیکھنے کے تصور سے ہی میرا ... سے پھولے نہیں سماتا تھا اور دوسری طرف اندیشے ... اور متوقع خطرات کی ایک خاموش سی طوفانی ... میرے اندر مچی ہوئی تھی۔ گویا میں ایک ہلچل کی سی کیفیت سے دوچار تھا کہ آگے کیا ہونے والا تھا......؟

کار فراٹے بھرتی ہوئی سڑک پر رواں دواں تھی ... ان دونوں آدمیوں کے درمیان بیٹھا تھا۔ سفر اندیشے ... کی وسوسہ انگیز دھمک دیتا جیسے بھاری ... کی طرح ... ہر آنے والے لمحات کی سنسنی خیزی میں اپنے دل ... ہی نہیں بلکہ...... آتی جاتی سانسوں کی بازگشت میں بھی ... کر رہا تھا۔

عنقریب...... عابدہ...... کی روبروئی ... دیدار...... کوئی معمولی لمحات نہ تھے۔

بس! عین ایسے وقت میں میرے دل کے کسی ... نہاں گوشے میں سر ابھرا کہ...... جب عابدہ مجھے یوں ... اپنے سامنے دیکھے گی تو اس کی کیا حالت ہو گی؟ اور ... بھی...... تو...... تو...... کیا اس کے لبوں سے برآمد ہونے ... پہلا لفظ شہری ہو گا یا...... کوئی شکوہ......؟

ہوس، رشتوں کی خود غرضی اور پرائے بن جانے والے اپنوں کی بے غرض محبت میں پرورش پانے والے نوجوان کی سنسنی خیز سرگزشت کے مزید واقعات آئندہ ماہ

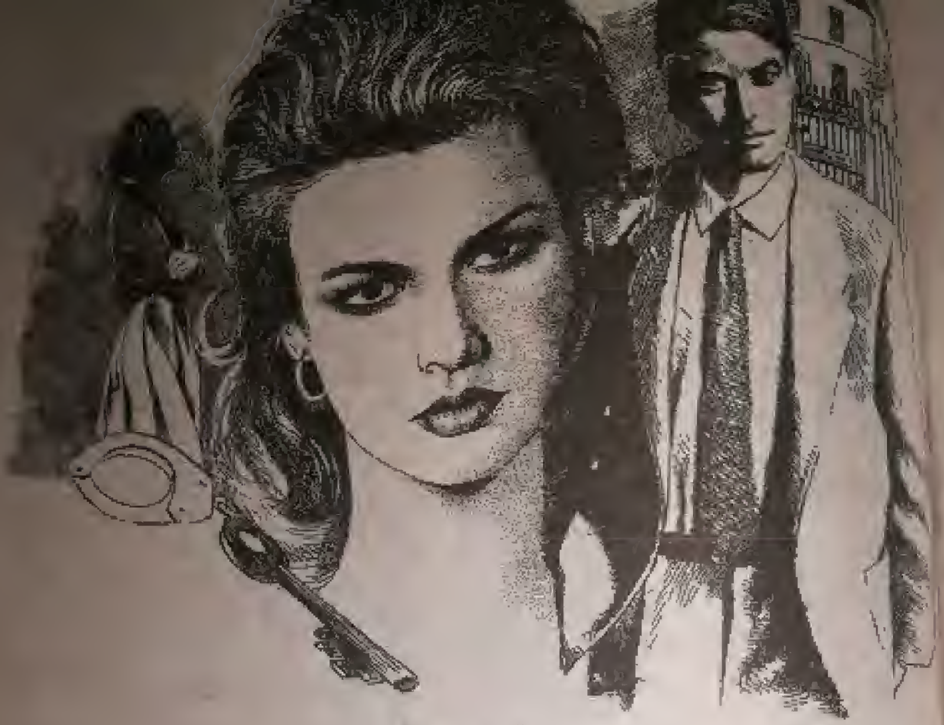

انجام

تسکین رضا

اچھی صحبت... اچھے ساتھی اور پُرکشش شخصیت کا ساتھ چاہے مختصر ہی سہی... اس کا متمنی ہر شخص ہمہ وقت منتظر رہتا ہے... چند گھنٹوں کی رفاقت میں اپنا سب کچھ نچھاور کر دینے والے محبت گزیدہ کا دلچسپ احوال...

یقین اور خود اعتمادی سے تیار کیا گیا جال...... جسے اپنے شکار کا انتظار تھا......

"وہ مجھے لوٹ کر چلی گئی۔ وہ میرا سب کچھ لے گئی۔ یہاں تک کہ تولیے بھی۔" ول ڈرکنز اپنے قلعہ نما ہاؤس کے ماربل فرش پر پاؤں پٹختے ہوئے بولا۔ تیس سالہ سرمایہ کار کمپنی کا مالک غم زدہ لہجے میں ان سے مدد کی التجا کر رہا تھا یا کم از کم وہ غم زدہ نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پرائیویٹ سراغ رساں ہیلن ہاتھورن کو وہ ایک شکاری کتے کے مانند لگا جو اپنے شکار پر جھپٹنے کے لیے بے قرار ہو جبکہ اس کے شوہر اور شریک کار فلپ سیگمنٹ کو وہ شخص بالکل پسند

نہیں آیا۔ جب وہ تینوں تعارف کے مرحلے سے گزر رہے تھے تب بھی ول چور نظروں سے ہیلن کے جسمانی خطوط کا جائزہ لے رہا تھا تاہم وہ مطمئن تھی کہ اس کے پینٹ سوٹ کی تنگی میں اسٹر بندھا ہوا ہے اور وہ بوقت ضرورت بہ آسانی اپنا ریوالور استعمال کر سکتی تھی جبکہ فلپ نے پولو شرٹ، خاکی پتلون اور فل بوٹ پہن رکھے تھے۔ ول نے اس کی جانب کوئی توجہ نہیں دی۔ شاید اسے فلپ کی موجودگی اچھی نہیں لگی۔ جبکہ فلپ تمسخرانہ انداز میں اس کے گنجے سر کو دیکھ رہا تھا۔ ہیلن جانتی تھی کہ اسے اپنے گھنے سیاہ بالوں پر ناز ہے جنہیں وہ ایک پونی ٹیل کی صورت میں باندھ کر رکھتا تھا۔

ول ان دونوں کو لیونگ روم میں لے گیا جو بالکل خالی تھا۔ ”اس کمرے کو دیکھو یہاں ایک چیز بھی نہیں ہے۔“ اس کی باریک اور تیز آواز کمرے میں گونجی۔ وہ لیونگ روم ایک ہوٹل کے ہال روم جتنا بڑا تھا اور وہاں سے ساحلِ سمندر اور نیلگوں پانی کا نظارہ بہت خوب صورت لگتا تھا۔

”ہم تمہاری بات سمجھ گئے۔“ فلپ نے کہا۔ ”جو کچھ تم نے ہمیں بتایا ہے۔“

”لیکن جب تم خود دیکھو گے تو اس کا زیادہ اثر ہو گا۔“ ول نے کہا۔ ”یہ دیکھو، میری پوری آرٹ گیلری کا صفایا ہو گیا۔“

وہ اس کے پیچھے چلتے ہوئے ایک اندرونی راہداری میں آئے جس کی دونوں دیواروں پر اب صرف ہک لگے ہوئے نظر آرہے تھے۔

”تمہارے پاس کس قسم کی تصویریں تھیں؟“ ہیلن نے پوچھا۔

”میرے پاس دنیا کے نامور مصوروں کی بہترین تصویریں تھیں۔ جنہیں میں نے بھاری قیمت دے کر خریدا تھا۔ تم چاہو تو میں ان کی فہرست بنا کر دے سکتا ہوں۔“

اس نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا جو اتنا بڑا تھا کہ اس میں براڈوے کا میوزک شو ہو سکے۔ ”وہ میرا عالی شان بستر بھی لے گئی۔“

”کیا لے گئی؟“ فلپ نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

”وہ غالباً دنیا کا مہنگا ترین بستر تھا۔“ ہیلن نے کہا۔

”اور وہ کشمیری، سِلک اور بھیڑ کی اون سے بنایا گیا تھا۔ ساٹھ ہزار ڈالر۔“ ول نے فخریہ کہا۔

”میں اسے دیکھنا چاہوں گا۔“ فلپ نے کہا۔

”میری بھی یہی خواہش ہے [illegible] جائے۔“ ول نے کہا۔ ”میں رات میں [illegible] میرا اپنا فرنیچر نہیں آجاتا۔ البتہ بستر دینا [illegible] کو آٹھ مہینے ہو گئے تھے۔ پولیس نے میری [illegible] سے کارروائی نہیں کی۔ انہوں نے [illegible] مکان سے انگلیوں کے نشانات لیے۔ تم [illegible] جگہ پاؤڈر پڑا ہوا ہے لیکن میں نے دیکھا [illegible] دبی ہنسی ہنس رہے تھے۔

”میں تصور کر سکتا ہوں۔“ فلپ نے کہا۔

ہیلن نے اسے گھورا لیکن ان [illegible] سکا کہ فلپ اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔

”انہیں کہیں سے نشانات ملے؟“ ہیلن نے پوچھا۔

”نہیں، اس نے نہ صرف میری [illegible] صاف کیا بلکہ تمام نشانات بھی صاف کر دیے۔ [illegible] ٹوائلٹ کا ہینڈل بھی۔“

وہ اس کے ساتھ ایک اور بڑے کمرے [illegible] جہاں آئینے لگے ہوئے تھے جن میں سمندر کا [illegible] تھا۔ ”کم از کم وہ یہ آئینے چھوڑ گئی۔“ فلپ نے کہا۔

”اور میرا تانبے کا ٹب بھی۔“ ول نے کہا اور انہیں ماسٹر باتھ روم میں لے گیا۔

”یہ بھی دنیا کا سب سے قیمتی ٹب ہے۔“ ہیلن نے کہا۔ ”اس کی قیمت تقریباً ستر ہزار ڈالر ہو گی۔ میں نے [illegible] ایک ٹب کسی میگزین میں دیکھا تھا۔“

”تم اچھی چیزوں کو سراہتی ہو۔“ ول پہلی بار مسکرایا۔ ”ڈونا سائمن بھی یہی کرتی تھی۔“

فلپ ٹب کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”[illegible] ڈونا کے بارے میں بتاؤ۔“

”میں سمجھتا ہوں کہ وہ اپنی مثال آپ تھی۔“ ول ٹب کے دوسرے کنارے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”میں اس سے شادی کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ ایک مکمل عورت تھی۔ اس کے براؤن بال شانوں سے بھی نیچے آرہے تھے اور [illegible] انتہا ذہین اور ہوشیار تھی۔ ہم دونوں کی دلچسپیاں [illegible] تھیں۔“

ہیلن نے سوچا کہ وہ بھی اس کی طرح [illegible] رہتی ہو گی۔

”وہ مجھ سے میری پینٹنگز اور فرنیچر کے [illegible] کئی سوالات کرتی تھی۔ اسے میرے [illegible] پسند تھے۔ خاص طور پر وہ [illegible]

نہیں۔" ہیلن نے سوچا کہ ڈونا اس کی چیزوں کی اسی لیے تعریف کر رہی تھی تاکہ اسے ول کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کا موقع ملے اور وہ اس کے تمام قیمتی سامان کی فہرست بناتی جائے۔

فلپ کو فرنیچر کی باتیں سن کر اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔ اس نے موضوع بدلنے کی خاطر کہا۔ "ڈونا سے تمہاری ملاقات کیسے ہوئی؟"

"میں لاس اولاس میں واقع پرفیکٹ مین ہٹن میں کچھ دیر گپ شپ کے لیے رک گیا تھا۔"

بہت خوب۔ ہیلن نے سوچا۔ اس بار میں دو لفظ بہت زیادہ سننے میں آتے تھے۔ How much۔ لیکن ان الفاظ کا مطلب کچھ اور تھا۔ گاہک کسی مشروب کی قیمت نہیں پوچھ رہے ہوتے تھے۔ پرفیکٹ مین ہٹن، اپنی تیار کردہ کاک ٹیل کے لیے مشہور تھا اور جب خوب صورت بارٹینڈر اپنی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ گاہک کو بیس ڈالر کا مشروب پیش کرتی تو ساتھ ہی جھک کر آنکھ مارتے ہوئے سرگوشی میں پوچھتی۔ 'کچھ اور چاہیے' وہاں سروس کرنے والی سب عورتیں تھیں جنہوں نے برائے نام لباس پہن رکھا تھا۔

"ڈونا سیاہ لباس اور گلابی سینڈل پہنے بار میں بیٹھی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا میں اس کے لیے ڈرنک خرید سکتا ہوں۔ اس نے انکار نہیں کیا اور ہم باتوں میں لگ گئے۔ اس سے باتیں کرنا بہت آسان تھا۔"

'تمہارا نام مارک ہونا چاہیے تھا۔' ہیلن نے سوچا۔ 'تمہیں بھی آسانی سے نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔'

"ہم وہاں کی کاک ٹیل پی رہے تھے۔ وہ واقعی ایک مکمل کاک ٹیل تھی اور ڈونا کی آواز بہت نرم اور میٹھی تھی بالکل موسیقی کی طرح۔ میں ایک اور راؤنڈ کا آرڈر دینے والا تھا کہ مجھے کمرا گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ میں نے فوراً ہی بار کا کاؤنٹر پکڑ لیا۔ ڈونا گھبراتے ہوئے بولی۔ "تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟"

"کچھ نہیں، یونہی چکر آگیا تھا۔" میں نے کہا۔ اس وقت تک میں نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ وہ مسکرائی اور مجھے یوں لگا جیسے میں اسٹول سے گرنے والا ہوں۔ ڈونا نے میرا بازو پکڑ لیا۔

"اوہ۔" وہ بولی۔ "تمہارا چہرہ زرد ہو رہا ہے۔ تمہیں کچھ کھانا چاہیے۔ اگر تم کہو تو تمہیں گھر لے جاؤں اور تمہارے لیے کچھ کھانے کا بندوبست کروں۔ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا لیکن [illegible] جیسے یہ سر گردن سے الگ ہو جائے گا۔ وہ خیال رکھنے والی عورت تھی اور مجھے اچھا لگتا تھا۔ اگرچہ بہت خوب صورت عورت [illegible]

"میں نے [illegible] کوشش کی لیکن اس نے انکار [illegible] ادا کی پھر وہ مجھے باہر لے گئی [illegible] کھڑی کی گئی۔ اس نے کار پارکنگ والے [illegible] اور مجھے گھر لے آئی۔ یہ سب کچھ اس نے [illegible] دی۔"

"ظاہر ہے۔" ہیلن نے کہا۔ "[illegible] سرمایہ کاری کے عوض اسے بھاری منافع کی توقع تھی۔"

"مجھے یاد نہیں کہ وہ کس طرح مجھے گھر لے کر آئی اور مجھے بستر تک پہنچایا لیکن جب میری صبح آنکھ کھلی تو وہ میرے برابر میں لیٹی ہوئی تھی۔ میرے سر میں شدید درد ہو رہا تھا لیکن اس کی خوب صورتی اور رعنائی دیکھ کر میں اپنی تکلیف بھول گیا۔ اس نے زیریں لباس پر میری سفید قمیص پہن رکھی تھی جس میں اس کے جسمانی اعضا اور نمایاں ہو گئے تھے۔ وہ اس وقت میرے لیے ایک فرشتہ ثابت ہوئی۔ اس نے مجھے سر درد کی گولی دی پھر میرے لیے کافی بنائی اور اپنے ہاتھ سے توس پر شہد لگا کر دیا۔"

"کافی ذہین اور باصلاحیت تھی۔" فلپ نے کہا۔

ول نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "جب میری طبیعت کچھ بہتر ہوئی اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا تو اس نے مجھ سے ناشتے کے بارے میں پوچھا اور پھر میرے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی میرے لیے ناشتا بنا کر لائی۔ اورنج جوس، انڈے، توس اور مکھن۔ ناشتے کی ٹرے دیکھ کر میری بھوک چمک اٹھی اور میں نے سب چیزیں کھا لیں۔ یقین کرو میں نے زندگی میں کبھی اتنا مزیدار ناشتا نہیں کیا تھا۔ جب میں نے اس کی تعریف کی تو اس نے قہقہہ لگایا اور اپنے ہاتھ سے کھلانے لگی۔"

"اس نے بھی کچھ کھایا؟" فلپ نے پوچھا۔

"برائے نام۔ بس ایک گلاس جوس اور ایک کپ بلیک کافی۔ البتہ اس نے مجھے مزید پانی پلایا اور بولی۔ 'تمہارے جسم میں پانی کی مقدار پوری ہونی چاہیے۔ کیا تمہیں مزید کھانے کی خواہش ہے؟'"

ہیلن نے فرش پر لگے ہوئے ٹائلوں کو دیکھا اور دعا مانگنے لگی کہ وہ اس کی تفصیل بتانا شروع نہ کرے۔

"میں تمہیں بتانا چاہ رہا ہوں کہ

[illegible] کیا۔"

[illegible]

[illegible] قلب نے پوچھا۔ "اس نے کپڑوں کا کیا بندوبست کیا؟"

"اس وقت بھی اس نے میری وہی قمیص پہن رکھی تھی جبکہ میں تیراکی کے لباس میں تھا۔ دیکھنے والے یہی سمجھتے کہ ہم تیراکی کرنے آئے تھے۔ ہم کافی دیر تک چہل قدمی کرتے رہے پھر اس نے میرا ایک بوسہ لیا اور بولی کہ اسے بھوک لگی ہے اور وہ ڈنر پر جانا چاہتی ہے لیکن اسے وہی لباس پہننا پڑے گا جو گزشتہ شب اس کے جسم پر تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا اس وقت کوئی دکان کھلی ہوگی تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔"

ہیلن کو اس پر کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ وہ آگے کا حال جاننا چاہتی تھی۔

"ڈونا کا ذوق بہت عمدہ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اعلیٰ معیار کے لباس کہاں ملتے ہیں۔ ہم نے ڈنر کے لیے ملبوسات خریدے اور ویسٹ پام بیچ گئے جہاں سے ہم نے چار سو ڈالر کی دو مارٹینی خریدیں۔"

"چار سو ڈالر کی مارٹینی؟" قلب نے حیرت سے کہا۔

"یہ اعلیٰ قسم کی مرکب شراب ہے جس میں سرخ وائن اور ووڈکا شامل ہوتی ہے۔ اس میں کرسٹل گلاس کی قیمت بھی شامل ہے۔ میں وہاں کچھ کھانا چاہ رہا تھا لیکن ڈونا ڈنر سے پہلے کچھ کھانے کے موڈ میں نہیں تھی چنانچہ میں اسے لاس اولاس کے سب سے مہنگے ریستوران میں لے گیا۔ اس نے جی بھر کر کھایا۔ اس کے بعد کافی اور آئس کریم کا دور چلا پھر وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی اور بولی کہ ابھی اس کی بھوک ختم نہیں ہوئی۔ میں اس کا اشارہ سمجھ گیا کہ اس بھوک کا تعلق کھانے سے نہیں ہے چنانچہ ہم گھر آگئے تاکہ ایک دوسرے کی تسکین کا سامان کر سکیں۔"

"اگلے روز اتوار تھا۔ ہم نے دن کا بیشتر حصہ بستر میں ہی گزارا۔ میں نے لنچ بھی گھر پر ہی منگوا لیا تھا۔ لنچ کے بعد پھر سو گئے۔ رات کو ڈنر کرنے اسی ریستوران میں گئے اور واپس آکر دیر تک ٹیرس پر بیٹھے برانڈی پیتے رہے۔ وہ بے خودی کے عالم میں مسرور ہو رہی تھی۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور بولی۔ "میری ہمیشہ سے [illegible] کنارے میرا گھر ہو۔" میں نے اس سے [illegible] ہی گھر ہے۔"

"دوسرے روز مجھے کام پر جانا تھا [illegible] ہی بیدار ہوگئی اور اس نے [illegible] زبردست ناشتا بنایا۔ میں ناشتے میں [illegible] عادی نہیں ہوں لیکن اس کا کہنا تھا [illegible] ضرورت ہے پھر اس نے مجھ سے وعدہ کیا [illegible] رات کا کھانا بنائے گی۔ مجھے اس کی [illegible] گھر پر رہ کر میرے لیے کوئی خاص ڈش بنائے [illegible]

"میں خوشی کے عالم میں سرشار [illegible] ہم نے ایک یادگار اور بھرپور ویک اینڈ گزارا [illegible] زبان میں ڈونا کے معنی لیڈی کے ہیں اور میں [illegible] بنانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"لنچ کے وقفے میں بازار گیا اور اس کے [illegible] تلاش کرنے لگا۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ اس کے [illegible] انگوٹھی مناسب رہے گی۔ بہرحال مجھے ایک [illegible] لیکن میں چاہتا تھا کہ وہ خود آکر اپنے لیے منتخب کرے کیونکہ یہ انگوٹھی اسے ہی پہننی تھی۔ میں اسے فون کرنا چاہ رہا تھا لیکن میرے پاس اس کا نمبر نہیں تھا۔ میں نے [illegible] کے لینڈ لائن نمبر پر کوشش کی لیکن کوئی جواب نہیں [illegible] نے سوچا کہ شاید وہ پول کے کنارے سن باتھ لے رہی ہوگی۔ میں زندگی میں پہلی بار وقت سے پہلے دفتر سے [illegible] اس وقت غالباً پانچ بج رہے تھے لیکن جب میں ڈرائیو وے میں کار روکی تو میری ہمسائی مسز گارڈنر دوڑتی ہوئی آئی اور بولی۔ "ولی! مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم یہاں سے جا رہے ہو۔ مجھے تمہارے جانے کا ہمیشہ افسوس رہے گا۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟" میں نے کہا۔ "میں کہیں نہیں جا رہا۔"

"لیکن اس خوب صورت عورت نے تو یہی بتایا تھا۔ آج سارا دن مزدور تمہارا سامان اٹھاتے رہے یہاں تک کہ وہ دروازے پر پڑے ہوئے میٹ بھی لے گئے۔"

"مسز گارڈنر کی عمر ستر سال سے زیادہ ہے۔ اس لیے میں یہی سمجھا کہ وہ سٹھیا گئی ہے۔ میں نے انجن بند کیا اور اندر کی طرف دوڑ لگا دی۔ واقعی ڈونا جا چکی تھی۔ وہ گھر کی ہر چیز لے گئی۔ صرف میرے کپڑے باقی رہ گئے۔"

"اس واقعے کو آٹھ مہینے گزر چکے ہیں لیکن [illegible]

...بھی کچھ نہیں کیا۔ میرا خیال ہے کہ انھیں بھی حصہ مل گیا

"مجھے یقین نہیں۔" فلپ نے کہا۔ "میں اور ہیلن تمہاری اس عورت کا جائزہ لے کر ڈونا اور اس کے گروہ کو تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"گروہ؟"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ اس اکیلی عورت نے تمہارے گھر کو صاف کر دیا۔ یقیناً اس کے کچھ ساتھی بھی ہوں گے۔ تمہارے پاس سیکیورٹی ویڈیو تو ہو گی؟"

"وہ پورا سیکیورٹی سسٹم چوری کر کے لے گئی۔"

"کیا تمہاری سیکیورٹی کمپنی کے پاس اس کا بیک اپ نہیں ہو گا؟" ہیلن نے پوچھا۔

"وہ نگرانی کرنے والا سسٹم نہیں تھا۔" ول نے کہا۔ "اور پڑوسیوں کی سیکیورٹی ویڈیوز سے بھی کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ مسز گارنر نے صرف اتنا بتایا ہے کہ سامان اٹھانے والے بہت طاقتور اور لمبے چوڑے تھے۔"

"ڈونا کی کوئی تصویر ہے؟" ہیلن نے پوچھا۔

"وہ کیمرے کے سامنے آنے سے کتراتی تھی۔ اسے سیلفی بنوانا پسند نہیں تھا۔ پولیس نے [illegible] کی ویڈیو سے اس کی دو تصویریں نکالی ہیں لیکن ان میں اس کا چہرہ لمبے بالوں سے چھپا ہوا ہے۔"

"جس ریسٹوران میں تم نے ڈنر کیا تھا وہاں بھی ایک کیمرا لگا ہو گا؟"

"جب پولیس نے اسے چیک کیا اس وقت تک پرانی ریکارڈنگ صاف ہو چکی تھی، اس سسٹم میں اسٹور کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔"

"اس کے چہرے یا جسم پر کوئی امتیازی نشان؟"

"اس کے دائیں کندھے پر ایک گہرا براؤن تل ہے۔ شاید تم اسے ایک بدنما داغ سمجھو لیکن اس کی وجہ سے وہ اور زیادہ پرکشش نظر آتی ہے۔"

"اگر ہم نے اسے تلاش کر لیا تو تم اپنا اثاثہ واپس لینے کے بعد اسے پولیس کے حوالے کرنا چاہو گے؟" فلپ نے پوچھا۔

ول کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ بھینچ کر کہا۔ "اس کتیا نے مجھے بے وقوف بنایا ہے۔ میں ان ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹنا چاہتا ہوں۔"

"اس طرح کی باتیں کرنے میں محتاط رہو۔" فلپ نے کہا۔ "ہم اسے تلاش کرنے کی کوشش کریں گے اور اس کے بعد پولیس کے حوالے کر [illegible]۔"

ول نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہم تمہاری تصویریں [illegible] لیکن میں اس بارے میں [illegible] خیال ہے کہ یہ چیزیں اب تک [illegible] کباڑیوں کی دکانوں پر [illegible]۔" ول نے کہا۔

"ہم وہاں بھی دیکھیں گے لیکن [illegible] میرا اندازہ ہے کہ تمہارے گھر کا سارا سامان ایک کنٹینر کے ذریعے کسی غیر ملک بھیج دیا گیا ہو گا۔"

"اگر تم نے میرا سامان تلاش کر لیا تو تمہیں دس ہزار ڈالر انعام دوں گا۔" ول نے کہا اور اسی وقت ان کے درمیان کاغذی کارروائی مکمل ہو گئی۔ اس کے بعد دونوں میاں بیوی اپنی کار میں سوار ہو کر بندرگاہ جانے والے راستے پر چل دیے۔

"کہیں وہ ہم سے جھوٹ تو نہیں بول رہا؟" ہیلن نے راستے میں کہا۔

"وہ ایسا کیوں کرے گا؟" فلپ نے پوچھا۔

"کیونکہ اسے پانچ لاکھ ڈالر سے زیادہ کا نقصان ہوا ہے۔" ہیلن نے کہا۔ "پولیس اس کی کوئی چیز تلاش نہیں کر سکی اور انشورنس کمپنی نے بھی اسے کچھ نہیں دیا۔ ہماری تحقیقات سے اس کے نقصان کی تصدیق ہو جائے گی اور اگر اس نے بعد میں وہ سامان بیچنا شروع کر دیا تو ہم بے وقوف بن جائیں گے۔"

"یہ بڑا عجیب سا لگتا ہے کہ اس نے ہمیں ہر چیز کی قیمت بتا دی۔" فلپ نے کہا۔ "میں آن لائن اس کی بتائی ہوئی قیمتیں چیک کر دوں گا اور دیکھوں گا کہ واقعی اسے اتنا نقصان ہوا ہے اور اگر نہیں تو ہمیں اس کی دو راتوں تک نگرانی کرنا پڑے گی۔"

"اس کے لیے ہمیں تمہاری جیپ استعمال کرنا ہو گی۔" ہیلن بولی۔ "میری کار تو فوراً نظروں میں آ جائے گی۔"

"تمہیں مشکل ہو گی کیونکہ میری جیپ [illegible] نہیں ہے۔"

ول کی نگرانی کرنا ایک مشکل کام تھی۔ [illegible] آٹھ بجے گھر آیا۔ فلپ اور ہیلن [illegible] ہیلن کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے [illegible] دیا ہو۔ سب سے زیادہ پریشان کن بات [illegible]

...بجے تھے۔ نگرانی کا یہ عمل چار راتوں تک جاری رہا۔ ... کی شب ول آٹھ بجے گھر آیا اور نو بجے لباس تبدیل کر کے دوبارہ چلا گیا۔ ہیلن اور فلپ نے اس کی کار کا پاور لائن روڈ پر واقع ایک انڈسٹریل پارک تک تعاقب کیا۔ ول نے اپنی کار ایک گیراج میں جبکہ فلپ کو اپنی جیپ ایک کچرے کے ڈرم کے پیچھے کھڑی کرنا پڑی۔ انہوں نے اسے لاک کے کی پیڈ پر کوئی نمبر دباتے دیکھا جس کے بعد گیراج کا دروازہ آہستہ سے اوپر اٹھ گیا۔ اندر ایک سرخ رنگ کی فراری کار کھڑی ہوئی تھی اور دیوار پر کچھ اوزار ٹنگے ہوئے تھے۔ ول نے فراری باہر نکال کر کھڑی کی اور اپنی بیمر کار اندر لے گیا۔

"مجھے حیرت ہے کہ ول نے ہمیں اس دوسری کار کی قیمت نہیں بتائی۔" ہیلن نے کہا۔

"اس میں بھی اس کا کوئی مقصد پوشیدہ ہوگا۔" فلپ نے کہا۔ "بہرحال ہم جہاں سے چلے تھے وہیں واپس آگئے۔"

"اگر تم مجھ سے پوچھو تو میں یہی کہوں گی کہ ول ایک سادہ مزاج شخص ہے جسے کوئی بھی آوارہ عورت بے وقوف بنا سکتی ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ ڈونا آوارہ عورت ہے؟"

"اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے؟"

"ایک خوب صورت، اسمارٹ، فریبی عورت جو گھڑی اور پرس کے بجائے لمبا ہاتھ مارنے کی کوشش کرتی ہے۔"

ہیلن نے فلپ کے الفاظ پر غور کرتے ہوئے کہا۔ "ول کا کہنا ہے کہ بدعنوان پولیس والے اس جرم کو نظر انداز کر رہے ہیں۔"

"ظاہر ہے۔" فلپ نے کہا۔ "اگر ڈونا اور اس کے ساتھی ول جیسے امیر لوگوں کا پیچھا کرتے ہیں تو پولیس پر دباؤ بڑھ جائے گا۔ میرے خیال میں پولیس کسی حکمت عملی سے کام لے رہی ہے۔"

"پھر کیا وجہ ہے کہ ڈونا ابھی تک پکڑی نہیں گئی؟" ہیلن نے پوچھا۔

"کیونکہ وہ غائب ہو گئی ہے۔ اب پہلا کام اسے تلاش کرنا ہے۔" فلپ نے کہا۔ "کل میں کسی ایسے شخص سے ملوں گا جو اسے جانتا ہو۔"

"ہماری مالک مکان؟"

"نہیں، میرا نائی آسکر۔ تمہیں معلوم ہے کہ لوگ اپنی بیوی کو بھی وہ باتیں نہیں بتاتے جو نائی کو معلوم ہوتی ہیں۔"

"میں بھی چلوں گی۔ مجھے بالوں [illegible]" ہیلن نے کہا۔

اگلے روز صبح گیارہ بجے وہ دونوں [illegible] چلے گئے۔ خوش اخلاق اور خوش مزاج [illegible] مسٹر ہیٹ کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ [illegible] بیٹھ گیا اور ہیلن اپنے ناخن ترشوانے کی [illegible] لڑکی سے کوئی بات نہیں کی بلکہ اس کے کان [illegible] باتوں پر لگے ہوئے تھے۔

"تمہارے گاہکوں کا ایک وسیع حلقہ [illegible] مقامی اور غیر مقامی دونوں طرح کے لوگ شامل [illegible]" فلپ نے کہا۔ "کیا تم نے کسی ایسے شخص سے بات [illegible] ہے جس نے ایک اونچے درجے کے بار میں [illegible] عورت سے ملاقات کی ہو اور وہ عورت اسے نشہ آور [illegible] اسے اس کے گھر لے گئی ہو۔ اس کے ساتھ [illegible] پھر وہ اور اس کے ساتھی گھر کا صفایا کر کے چلے گئے۔"

"میں نے اس طرح کی کچھ کہانیاں سنی [illegible]" آسکر نے کہا۔ "لیکن میں نہیں سمجھتا کہ یہ آوارہ عورتیں [illegible] ہیں۔ اب یہ عورتیں جوڑی بنا کر کام کرتی ہیں۔ ایک کسی اکیلے آدمی سے اعلیٰ درجے کے بار میں ملاقات کرتی ہے اور ایسی حرکتیں کرتی ہے کہ اس آدمی کی توجہ ہٹ جاتی ہے اور دوسری عورت موقع دیکھ کر اس کے ڈرنک میں کچھ ڈال دیتی ہے اور جب اس آدمی کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے تو وہ دونوں عورتیں اسے اس کی کار تک پہنچا دیتی ہیں۔ ان میں سے ایک اس کی کار چلا کر اس کے گھر تک لے جاتی ہے جبکہ دوسری اپنی کار میں اس کا پیچھا کرتی ہے۔

"وہ عورت اس شخص کو اس کے بستر پر لٹا دیتی ہے اور جب وہ پوری طرح نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے تو دونوں عورتیں اس کا سارا سامان مثلاً جیولری، چاندی کے برتن، آرٹ کے چھوٹے نمونے، ٹی وی اور الیکٹرانکس کے دوسرے آئٹم سمیٹ کر لے جاتی ہیں اور جب اس آدمی کی آنکھ کھلتی ہے تو وہ بہت دور جا چکی ہوتی ہیں۔"

"ان لوگوں کے بارے میں کیا کہو گے جو [illegible] کا صفایا کر دیتے ہیں؟" فلپ نے پوچھا۔

"یہ ایک الگ قسم ہے۔" آسکر نے کہا۔ "[illegible] ٹولیوں کی شکل میں سفر کرتے اور لمبا ہاتھ مارتے [illegible] عورتوں کو محتاط رہنے کا سبق سکھایا جاتا ہے [illegible] سمجھیں کہ یہ عورتیں انہیں شکار کر رہی ہیں۔"

"یہ سلسلہ کب سے چل رہا ہے؟" فلپ نے [illegible]

شہر سے یہاں آنے سے بھی پہلے تقریباً 1985ء
پہلے یہاں ایک بار ہوتا تھا اب وہ بند ہو گیا ہے۔
یہ دوشیزائیں شکار کی تلاش میں آتیں اور امیر لوگوں کو اپنے جال میں پھانس کر لے جاتیں۔ دو سال پہلے میرے ایک گاہک کے ساتھ بھی ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا۔ اس کے مکان میں کوئی کیمرہ نہیں تھا۔ اس عورت نے صرف سامان ہی نہیں بلکہ اس کی کار بھی لے گئی۔ پولیس نے شراب کے گلاسوں پر سے انگلیوں کے نشان لیے لیکن مجھے یاد نہیں کہ ان میں سے کوئی پکڑا گیا ہو لیکن تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو؟ کیا تمہارے کسی کلائنٹ کے ساتھ بھی کوئی واقعہ پیش آگیا؟“

”ہاں، وہ اس عورت سے پرفیکٹ مین ٹن میں ملا تھا اور وہ اس کا پورا گھر صاف کر کے چلی گئی۔ گھر کی ایک ایک چیز لے گئی۔ یہاں تک کہ نہانے کے تولیے بھی۔ میں تمہیں پوری تفصیل نہیں بتا سکتا۔“

”ٹھہرو، مجھے اندازہ لگانے دو۔“ آسکر نے کہا۔ ”وہ اس سے بار میں باتیں کر رہا تھا پھر اس کی طبیعت خراب ہوئی اور وہ اسے گھر لے گئی۔ اسے بہت کچھ یاد نہیں لیکن اس نے اس عورت کے ساتھ بھرپور ویک اینڈ گزارا، وہ پیر کی صبح دفتر چلا گیا اور پورا گھر اس پر چھوڑ دیا۔“

”تم بالکل صحیح کہتے ہو۔“ فلپ نے کہا۔ ”اس کے ساتھی ایک ٹرک میں آئے اور گھر کا سارا سامان لے کر چلے گئے۔ اس واقعے کو آٹھ مہینے ہو چکے ہیں لیکن پولیس ابھی تک اس کا سراغ نہیں لگا سکی۔“

”وہ کچھ نہیں کریں گے۔“ آسکر نے کہا۔ ”وہ عورت اسی روز شہر سے چلی گئی ہو گی۔ انہوں نے مہنگے ساحلی شہروں کی ایک فہرست بنائی ہوئی ہے اور وہ ان شہروں میں وقفے وقفے سے وارداتیں کرتے ہیں۔ ان گروہوں میں خوب صورت لڑکیاں ہیں جن میں سے زیادہ تر کا تعلق مشرقی یورپ سے ہے۔ وہ فرانس، اٹلی اور اسپین میں ایک شہر سے دوسرے شہر سفر کرتے رہتے ہیں اور ایک خوب صورت عورت اپنے شکار کے ساتھ پورا ویک اینڈ گزارتی ہے۔“

”کیا وہ سیکیورٹی کیمروں کی زد میں نہیں آتیں؟“

”یہ عورتیں بہت ہی زیادہ ہوشیار ہیں اور اپنا چہرہ اس طرح موڑ لیتی ہیں کہ وہ کیمرے کی زد میں نہ آسکے یا وہ اپنے لمبے بالوں کو ایک پردے کی طرح استعمال کرتی ہیں۔ زیادہ تر سیکیورٹی کیمروں میں ان کی دھندلی تصویر آتی ہے جس کی مدد سے کسی انسان کو پہچاننا مشکل ہے۔ پولیس کو شاید

[illegible] کوئی مدد مل سکے۔“
”پولیس سے [illegible]
[illegible] کیوں نہیں [illegible]
”یہ بہت [illegible]
نے کہا۔ ”اور [illegible]
”وہ کیسے؟“
”بہت آسانی [illegible] جب ان عورتوں [illegible]
ہوتی ہے اور وہ چھوٹی چھوٹی [illegible]
پولیس والا امیر آدمی کا روپ دھار کر [illegible]
کی کوشش کرے تو وہ اس کا لباس [illegible]
یہ کسی پرانی دکان سے خریدا گیا ہے۔ [illegible]
جلیں اور وہ فوراً سمجھ جاتی ہیں کہ یہ [illegible]
انہیں اصلی نقلی کی پہچان ہے۔“
”اگر میں امیر آدمی کا روپ دھاروں [illegible]
پوچھا۔
”اس کے لیے تمہیں انتہائی مہنگے [illegible]
قیمتی چیزوں مثلاً گھڑی، انگوٹھی اور لاکر وغیرہ [illegible]
گا۔“ آسکر نے کہا۔ ”اس لباس میں تو تم بالکل ایک [illegible]
شخص نظر آ رہے ہو۔“
ہیلن یہ سن کر مسکرا دی۔ فلپ کے [illegible]
سے اچھا تبصرہ نہیں ہو سکتا تھا۔
”اس قسم کی عورتوں کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے
لیے تمہیں قیمتی ملبوسات اور دیگر لوازمات کے علاوہ ایک
شاندار کار کا بھی بندوبست کرنا ہو گا۔“ آسکر نے اپنی بات
جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”اس طرح کی عورتیں [illegible]
جیپ میں بیٹھنا پسند نہیں کریں گی۔ [illegible]
کوئی فیراری یا اسی طرح کی کوئی دوسری کار کا انتظام کرلو۔“
”ان سب چیزوں کی کیا قیمت ہو گی؟“ [illegible]
پوچھا۔
”شاید کئی ہزار ڈالر۔“
”تمہارا اندازہ کا تو ہمارے [illegible]
بولی۔ ”ممکن ہے کہ [illegible]
دے۔“
”اچھا خیال ہے۔“ [illegible]
”تم کیا کہتے ہو [illegible]
[illegible] آئے گا؟“
”تمہارے [illegible]
تھی؟“

''تقریباً آٹھ ماہ قبل۔'' فلپ نے بتایا۔
''ان لوگوں کی واپسی کا وقت آگیا ہے لیکن اس بار وہ عورت پر یقینا میں ہلن نہیں جائے گی۔ دیکھنا ہوگا کہ اس کے علاوہ یہاں کون سے ہاٹ اسپاٹ ہیں؟''
یہ کہہ کر آسکر چھت کو دیکھنے لگا جیسے اس سوال کا جواب وہاں لکھا ہو، پھر بولا۔ ''میں وائٹ لیڈی لاؤنج میں جانا پسند کروں گا۔ یہ ساحلِ سمندر پر ایک نیا بار ہے۔''
''اچھا انتخاب ہے۔'' فلپ نے کہا۔ ''میں نے بھی اس کی بہت تعریف سنی ہے۔''
''تم چاہو تو اس ویک اینڈ پر وہاں جا سکتے ہو۔ وہاں ایک بہت بڑا بوٹ شو ہو رہا ہے جس میں شرکت کے لیے بہت سے لوگ باہر سے بھی آئیں گے۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں ہفتے کی رات وہاں جانا چاہیے۔''
''ہم اس کے لیے ایک جال تیار کر رہے ہیں لیکن اگر وہ وہاں نہ آئی تو؟''
''پہلے سے کوئی مفروضہ قائم مت کرو۔ میرا احساس کہتا ہے کہ وہ ضرور آئے گی۔''
''پھر تو میں اس مشکوک عورت کے لیے ایک آسان شکار بن جاؤں گا۔''
''تم وہاں اکیلے مت جانا۔'' آسکر نے کہا۔ ''تمہیں ایک ساتھی کی ضرورت ہوگی۔ اگر اس عورت نے تمہاری شراب میں کچھ ملا دیا تو تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔''
''میں اس کی نگرانی کے لیے وہاں موجود رہوں گی۔'' ہیلن بولی۔
''تمہیں بھی ایک ایسے شخص کی ضرورت ہوگی جو مردوں کو تم سے دور رکھ سکے۔'' آسکر نے کہا۔ ''وائٹ لیڈی جیسی جگہ پر تمہارے گرد لوگ جمع ہو جائیں گے اور تم فلپ پر نظر نہیں رکھ سکو گی۔''
''میں اپنے ساتھ کسی معمر عورت کو لے جاؤں گی۔'' ہیلن نے مسکراتے ہوئے کہا۔
فلپ نے آسکر کو معقول ٹپ دی اور اس کا شکریہ ادا کر کے باہر آگیا۔ راستے میں ہیلن نے اس سے پوچھا۔ ''فلپ، کیا ہم آسکر کی باتوں کا یقین کر سکتے ہیں؟ کیا ڈونا اس ویک اینڈ پر وہاں آئے گی؟''
''ہاں، میں نہیں جانتا کہ اسے یہ بات کس طرح معلوم ہوئی لیکن اس کے جاننے والوں کا حلقہ بہت وسیع ہے اور اسے ہر طرح کی معلومات ملتی رہتی ہیں۔ ویسے بھی ہمیں کہیں نہ کہیں سے تو شروع کرنا ہے۔''

ہیلن نے اثبات میں [illegible]
تجویز پسند آئی۔ میں [illegible]
سے بھی بات کروں [illegible]
''میں اسے [illegible]
رساں کا نام سن کر بولی [illegible]
کیس میں بہت [illegible]
علاقے میں نہیں آتا۔''
''ہاں لیکن وہ [illegible]
حصہ ہے اور اس کے پاس [illegible]
قصبوں میں گرفتاری کے اختیارات [illegible]
کرتا ہوں۔ شاید وہ ہمارے [illegible]
یہ کہہ کر اس نے بروکر [illegible]
ہمارے ساتھ لنچ کر سکتے ہو؟ ہمارے [illegible]
ہے جو شاید تمہاری ٹاسک فورس [illegible]
اگر ہو سکے تو یونی فارم کے [illegible]
ہیلن اور فلپ پندرہ منٹ [illegible]
گئے۔ انہوں نے ایک پُرسکون گوشے [illegible]
اور ویٹر کو تین آدمیوں کے لیے کھانے کا [illegible]
نظر بروکر پر گئی۔ اس کی عمر تیس کے قریب [illegible]
چوڑے شانے اور اس نے [illegible]
کھانا شروع ہوا تو فلپ نے اسے [illegible]
والی واردات کے بارے میں بتایا۔
''یہ گروہ ہماری نظروں میں ہے۔ [illegible]
لوگ ویرو کے ساحل سے میامی کے درمیان [illegible]
ڈونا اگر یہ اس کا اصلی نام ہے تو سیکیورٹی کیمرا [illegible]
میں اسے مہارت حاصل ہے۔ یہاں تک [illegible]
انگلیوں کے نشان بھی نہیں مل سکے۔ وہ عام طور [illegible]
پھانسنے کے لیے جمعے یا ہفتے کی شب کا انتخاب کرتی [illegible]
''وہ سیکیورٹی کیمروں کی زد میں کیوں [illegible]
''وہ بہت ہوشیار ہے۔ ہمیشہ سیکیورٹی [illegible]
سامنے سے گزرتے ہوئے اپنا چہرہ دوسری طرف [illegible]
اور اسے چھپانے کے لیے اپنے لمبے بالوں [illegible]
ہے۔ اسی لیے کیمرے میں اس کی دھندلی تصویر [illegible]
کی وجہ سے اسے پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔''
''ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ اس ویک [illegible]
میں شرکت کے لیے یہاں آئے گی۔''
''یہ اس کے لیے پیسے بنانے کا اچھا [illegible]
بروکر بولا۔

"ہمارے مخبر کا خیال ہے کہ وہ ممکنہ طور پر اس مرتبہ
ایٹ لیڈی لاؤنج کا انتخاب کرے گی۔"

"یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔" بروکر نے کہا۔ "اس کے بارے میں آخری شکایت پام بیچ کاؤنٹی سے آئی تھی۔ لہٰذا اس مرتبہ وہ کسی دوسری جگہ جائے گی لیکن اس کے بارے میں غلط اندازہ مت لگانا۔"

"اسی لیے میں تمہیں اس معاملے میں شامل کرنا چاہ رہا ہوں۔ اگر میں نے اسے تلاش کر لیا تو میں چاہوں گا کہ تم اسے موقع پر ہی گرفتار کر لو۔ میرا مؤکل اپنی پینٹنگ اور فرنیچر واپس لینا چاہتا ہے لیکن میں نے اسے بتا دیا ہے کہ شاید وہ سامان کسی کنٹینر کے ذریعے چلا گیا ہو۔"

"ہیلن! تم بالکل خاموش ہو۔" بروکر نے کہا۔ "تم اس سلسلے میں کیا کرو گی؟"

"میں اس کی نگرانی کروں گی اور اپنی مالک مکان مارگری کو ساتھ لے جاؤں گی تاکہ دوسرے مرد میرے قریب نہ آئیں۔"

"کیا وہ بہت بوڑھی نہیں ہے؟"

"اسے کم مت سمجھو۔" ہیلن نے کہا۔ "وہ بہت مضبوط اور سخت جان ہے۔ ہم دونوں سیاحوں کا بھیس بدل کر وہاں جائیں گے اور جیسے ہی ہم نے ڈونا کو فلپ کے گلاس میں کچھ ڈالتے ہوئے دیکھا، ہم اسے وہاں سے نکال لیں گے اور تمہیں فون کر دیں گے۔"

"تمہیں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے ہیلن۔" بروکر نے کہا۔ "ڈونا کو یہ موقع نہیں ملنا چاہیے کہ وہ فلپ کو کوئی نشہ آور دوا دے کر اپنی کار تک لے جائے۔ وہ اسے خطرے میں ڈال سکتی ہے۔ یہ بھی اطمینان کر لینا کہ اس کے پاس اسپرے گن یا کوئی ہتھیار نہ ہو۔"

فلپ بولا۔ "وہ مجھے نشہ آور دوا نہیں دے سکتی۔ میں خود بھی اس پر نظر رکھوں گا۔"

بروکر اس کی بات کو نظر انداز کر کے ہیلن سے بولا۔ "اگر وہ اس کی شراب میں نشہ آور دوا ڈالتی ہے تو ہمیں اس کے خون کا ٹیسٹ کرانا ہوگا۔ اس طرح ڈونا پر چوری کے علاوہ غیر قانونی طور پر منشیات استعمال کرنے کا الزام لگ سکتا ہے۔ جیسے ہی کوئی مسئلہ ہو مجھے فوراً پیغام بھیج دینا اور اگر تم ڈونا کی کار میں سوار ہو جاؤ تو اس کا پرس لے لینا، کہیں اس میں کوئی ہتھیار نہ ہو۔"

"ٹھیک ہے ہم یہی کریں گے۔" ہیلن نے کہا۔ "اور میں تمہیں میسج کر دوں گی کہ ہمیں کہاں ملنا ہے۔"

"[illegible] رات کی [illegible]
راستے میں [illegible] ان نے [illegible]
کے لیے اسے لایا گیا [illegible]
"بہت آسان ہے۔" [illegible]
ہوں۔"

جب وہ اپنے اپارٹمنٹ پہنچے [illegible] مارگری فلیکس ہوٹنگ پول کے کنارے [illegible] شروب سے دل بہلا رہی تھی۔ اس [illegible] بلایا اور بولی۔ "آجاؤ۔"

اس نے ان کے لیے دو گلاسوں میں شربت اور چپس کی پلیٹ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے [illegible] "تم دونوں کسی کیس پر کام کر رہے ہو؟"

ہیلن اور فلپ نے اسے ول ڈکنز کے [illegible] والی واردات اور ڈونا کے بارے میں بتایا کہ [illegible] اس کا سارا سامان سمیٹ کر غائب ہو گئی۔

"اور تم اس کی تلاش میں [illegible] کی شب وائٹ لیڈی لاؤنج جا رہے ہو؟"

"اسے تم ایک کوشش سمجھو۔" فلپ نے کہا۔ "اگر ہمیں وہاں نہ ملی تو بھی ہم شہر کے دوسرے کلبوں اور بارز کا چکر لگاتے رہیں گے جب تک کہ وہ ہمارے ہاتھ نہ آ جائے۔"

"کیا تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو گی؟" ہیلن نے پوچھا۔ "ہم سیاح بن کر جائیں گے۔ کوئی بھی ان پر توجہ نہیں دیتا۔"

"وہ صرف خوب صورت عورتوں کو دیکھتے ہیں۔" مارگری بولی۔ "لیکن کوئی بھی سیاحوں پر دوسری نظر نہیں ڈالے گا جبکہ ان میں ایک مجھ جیسی بوڑھی ہو۔"

"بس تو پھر طے ہو گیا۔" ہیلن بولی۔ "تم میرے ساتھ چلو گی۔"

ان کا کلائنٹ اس بارے میں زیادہ پرجوش [illegible] لیکن جب ہیلن نے اسے بتایا کہ یہ اس کے لیے اپنی [illegible] اور فرنیچر واپس لینے کا آخری موقع ہے تو وہ فلپ کو [illegible] چیزیں دینے پر تیار ہو گیا۔

ہفتے کی صبح ہیلن اور فلپ اس سے اس کے [illegible] والے سوئٹ میں ملے۔ ول نے پوچھا۔ "تم کس وقت [illegible] لیڈی جاؤ گے؟"

"آٹھ بجے۔" فلپ نے کہا۔ "[illegible] لیکن [illegible] لیے یہ وقت مناسب نہیں ہے [illegible] چاہتا۔"

دائیں کان میں جانا نہ بھولنا۔"

ہیلن اسے کرائے کی [illegible] رہی اور مارگری سے بولی۔ "کیا تم [illegible]"

مارگری نے اپنے نالی [illegible]

"اب ہمیں چلنا چاہیے۔"

وائٹ لیڈی ساحل سمندر [illegible] عمارت میں واقع تھا۔ ہیلن نے [illegible] کی اور اندر چلی گئی۔ اس نے دیکھا [illegible] ہوا ہے۔ اس کا نیوی بلیو سوٹ اور [illegible] اعلان کر رہے تھے۔ ایک سنہرے بالوں [illegible] دیکھ کر مسکرائی اور اس کے سامنے [illegible]

ہیلن اور مارگری ایک ایسی جگہ بیٹھ [illegible] قلپ کو دیکھ سکتی تھیں۔ انہوں نے اپنے لیے [illegible] دیا جب ویٹرس ان کے لیے وائن لے کر آئی تو [illegible] "تم دونوں کہاں سے آئی ہو؟" ہیلن [illegible] بدلنا کام آ گیا۔

ہیلن اپنے شوہر کو بارٹینڈر سے فلرٹ کرتے [illegible] دیکھتی رہی۔ تبھی ایک سیاہ بالوں والی گندمی رنگت [illegible] لیس لگا ہوا لباس پہنے ہوئے اس کے برابر میں آ کر [illegible] قلپ نے کن انکھیوں سے ہیلن کی جانب دیکھا تو اس نے [illegible] میں سر ہلا دیا۔ ڈوڈو اس طرح کا سستا لباس نہیں پہنتی [illegible] قلپ نے بے رخی سے اپنا منہ موڑ لیا اور وہ عورت [illegible] دوسری سیٹ پر چلی گئی اور ایک بوڑھے مرد سے باتیں کرنے لگی۔

ہیلن اور مارگری بہت آہستہ آہستہ ڈرنک کر رہی تھیں جبکہ ویٹرس بار بار ان کی میز کے گرد چکر لگا رہی تھی۔ ہیلن کو کھانے کا آرڈر دینا پڑا تاکہ وہ کچھ دیر [illegible] سکیں۔ اس دوران دو عورتوں نے قلپ سے قریب ہونے کی کوشش کی لیکن اس نے ہیلن کا اشارہ سمجھ کر انہیں نظر انداز کر دیا اور وہ کسی دوسرے شکار کی تلاش میں چلی گئیں۔

ہیلن نے ایک اور عورت کو قلپ کی جانب [illegible] دیکھا۔ وہ کسی فلم اسٹار کے مانند نظر آ رہی تھی۔ اس نے [illegible] رنگ کی لپ اسٹک لگائی ہوئی تھی اور اس کے لمبے [illegible] چہرے کا آدھا حصہ چھپا رکھا تھا۔ ہیلن نے اسے [illegible] کو چھوا۔ وہ ڈوڈو ہی تھی۔ قلپ نے اسے گرم جوشی [illegible] ہیلو کہا اور وہ مسکراتی ہوئی اس کے برابر میں بیٹھ گئی۔

"میرا خیال تھا کہ ڈوڈو کا رنگ گندمی اور بال [illegible] لگے۔"

[illegible] جائے گا۔" ول نے کہا۔ [illegible] ذرا [illegible] لیکن تمہیں وعدہ کرنا ہوگا کہ [illegible] اس کی قیمت ساڑھے چار [illegible]

[illegible] قلپ بھی چیزوں کی قیمت [illegible]

[illegible] کہ تمہیں جوتوں اور موزوں کی بھی [illegible] ول نے کہا۔

"میرے پاس اچھی قسم کے موزے ہیں۔" قلپ نے کہا۔

ول کے ہونٹ سکڑ گئے پھر وہ سرد آہ بھرتے ہوئے بولا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں موزے بھی دینا ہوں گے۔ ان کی قیمت ستر ڈالر ہے اور ٹوپی چار ہزار چھ سو ڈالر کی ہے۔"

ہیلن نے اس سے ڈوڈو کے بارے میں تفصیل پوچھی۔ اس کا قد، وزن، کپڑوں کا سائز، بالوں کا اسٹائل اور اس کے بائیں کندھے پر پیدائشی نشان کے بارے میں دریافت کیا۔ جب وہ وہاں سے باہر آئے تو قلپ کے ہاتھ میں ایک [illegible] کا سیاہ سوٹ کیس تھا جس میں ول کے چودہ ہزار ڈالر مالیت کے کپڑے اور دوسرا سامان رکھا ہوا تھا۔ چلتے وقت ول نے کہا۔

"اگر تم اسے نہ پکڑ سکے تو اتوار کے روز میرا سوٹ لے آنا۔ اسے [illegible] کے لیے دینا ہوگا۔"

ساڑھے سات بجے وہ اپنی بلڈنگ کے احاطے میں ملے۔ قلپ نے نیوی بلیو سوٹ پہن رکھا تھا اور اپنے لمبے بالوں کو پونی ٹیل کی شکل میں باندھ لیا تھا۔ ہیلن نے اسے دیکھ کر سرگوشی کی۔ "تم بہت شاندار لگ رہے ہو۔"

"اور تم ہمیشہ کی طرح خوب صورت۔" قلپ نے کہا۔ "لیکن تمہارا چہرہ اتنا سانولا کیوں ہو رہا ہے؟"

"تاکہ اصلی ہسپانوی نظر آؤں۔ میں پوری سہ پہر پول کے کنارے بیٹھی رہی۔" ہیلن نے کہا۔

چند منٹوں بعد مارگری بھی آ گئی۔ اس نے نارنجی رنگ کا [illegible] سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے کہا۔ "میں نے یہ سوٹ اس لیے پہنا ہے کیونکہ [illegible] کام [illegible] ہوں۔"

"تم اس لباس میں بالکل ہسپانوی لگ رہی ہو۔" قلپ نے کہا۔ "اب تم دونوں میری بات غور سے سنو۔ تم کلب میں [illegible] لڑکیوں کے سامنے رہنا اور ہیلن، اگر تم ادھر ادھر دیکھو تو اپنا

"اس نے بالوں کو رنگ کیا ہے اور اس نے وہی لباس پہن رکھا ہے جو ول نے اس کے لیے خریدا تھا۔ قلپ پر نظر رکھو، ایسا لگتا ہے کہ اس کے سر پر نارئیل آن گرا ہے۔"

بارٹینڈر نے انہیں مارگریٹا پیش کی جبکہ ڈونا نے قلپ کی قیمتی گھڑی کی تعریف شروع کردی۔ ہیلن کو غصہ آنے لگا۔

"وہ یقیناً اپنے کام سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

"مت بھولو کہ اس نے امیر آدمی کا روپ دھار رکھا ہے۔" مارگری بولی۔ "اور اسے گھیرنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

ہیلن نے ویٹرس سے بل لانے کے لیے کہا جو بہتر ڈالر کا تھا۔ اس نے اسے سو ڈالر کا نوٹ دیا اور بولی۔ "باقی تم رکھ لو۔" وہ مسکرانے یا شکریہ ادا کرنے کے بجائے بولی۔

"ایک منٹ۔"

قلپ اور ڈونا باتیں کر رہے تھے کہ مارگری بولی۔ "قلپ مشکل میں ہے۔ دیکھو اس نے بار کو اس طرح پکڑ رکھا ہے جیسے اسے چکر آرہے ہیں۔ ہمارے حرکت کرنے کا وقت آگیا۔" وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھیں لیکن سفید سوٹ میں ملبوس ایک بھاری بھرکم آدمی ان کے راستے میں آگیا۔ ہیلن نے دیکھا کہ ڈونا نے بارٹینڈر کو بل کے لیے اشارہ کیا اور بار کی سطح پر بیس ڈالر کے چار نوٹ رکھ دیے اور اپنا ایک بازو قلپ کے کندھوں پر رکھ دیا۔ اس نے جو کچھ قلپ کے گلاس میں ڈالا، وہ تیزی سے اثر کر رہا تھا۔ قلپ کا چہرہ تقریباً سفید ہوگیا۔ ڈونا نے اسے اسٹول سے اتارا اور اپنا ایک بازو اس کی گردن میں ڈال دیا۔

ہیلن خوف زدہ ہوتے ہوئے بولی۔ "ہمیں جانا ہوگا مارگری۔ وہ اسے لے جارہی ہے۔"

وہی آدمی ان کا راستہ روکے ہوئے کھڑا تھا۔ ہیلن نے اس سے کہا۔ "میری آنٹی کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔" اس کے ساتھ ہی مارگری آگے کی طرف جھکی اور اس آدمی پر جا گری۔

"مجھے یہ سن کر افسوس ہوا میم۔" وہ مارگری کا ہاتھ اپنے سوٹ سے ہٹاتے ہوئے بولا۔

"میں ایمبولینس منگواتا ہوں۔"

"نہیں۔" ہیلن نے کہا۔ "آنٹی کو اکثر اس طرح بے ہوشی کے دورے پڑتے ہیں۔ اسے صرف تازہ ہوا کی ضرورت ہے جیسے ہی ویٹرس واپس آتی ہے۔ ہم اسے باہر لے جائیں گے۔"

لیکن ویٹرس فوراً ہی واپس نہیں آئی۔ ہیلن [illegible] کر حلق میں آگیا جب اس نے قلپ [illegible] دیکھا لیکن ویٹرس کا کہیں پتا نہیں تھا۔ [illegible] بارٹینڈر اس کے سو ڈالر [illegible] کر رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اسی جگہ [illegible] کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ [illegible] چھوٹے نوٹ لے کر کیوں نہیں آئی۔ [illegible] واپس آئی اور جب اس آدمی کو اطمینان ہوگیا [illegible] تو اس نے انہیں جانے دیا۔

ہیلن نے باہر آکر پارکنگ والے لڑکے [illegible] پچاس ڈالر کا نوٹ دیتے ہوئے کہا۔ "میری آنٹی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ جلدی سے میری کار لے آؤ۔"

جب وہ اس کی کار لے کر آگیا تو ہیلن نے اسے ایک اور پچاس ڈالر کا نوٹ دیتے ہوئے کہا۔ "ابھی ابھی ایک سرخ رنگ کی فیراری یہاں سے گئی ہے۔ اسے کون چلا رہا تھا، کوئی مرد یا عورت؟"

"ایک بہت ہی خوب صورت سنہرے بالوں والی عورت۔" اس نے جواب دیا۔

"تم بتا سکتے ہو کہ وہ دائیں جانب گئے تھے یا بائیں طرف؟"

"بائیں جانب۔" لڑکے نے بتایا۔

"نرز کا رٹن اسی راستے پر ہے۔" ہیلن نے مارگری کو بتایا۔ "یہ وہی جگہ ہے جہاں قلپ ٹھہرا ہوا تھا۔"

"کیا ہم انہیں پکڑ سکتے ہیں؟"

"اس سڑک پر ٹریفک بہت زیادہ ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔"

وہ بہت تیزی سے کار چلا رہی تھی۔ مارگری نے اسے ٹوکا تو وہ بولی۔ "تم میرے پرس سے سیل فون نکال کر برو کو میسج کر دو کہ پلان میں تبدیلی ہوگئی ہے لیکن قلپ خیریت سے ہے۔"

"ہیلن۔" مارگری نے اسے دوبارہ ٹوکا۔ "احتیاط سے گاڑی چلاؤ۔ میں اسے میسج کر رہی ہوں۔"

"مجھے فیراری نظر آرہی ہے۔" ہیلن نے کہا۔ "ڈونا بائیں لین میں ہے تاکہ وہ ورلڈ کی جانب گاڑی موڑ سکے۔ مگر اسے بند گلی میں جانے پر مجبور کر دوں گی۔"

اب ہیلن فیراری کے بالکل پیچھے پہنچ چکی تھی۔ اس نے قلپ کو دیکھا۔ وہ پسنجر سیٹ پر سکڑا ہوا بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ دودھ کی طرح سفید تھا۔ ہیلن کا دل بڑی طرح [illegible]

…اسے ہر حال میں فلپ کو بچانا تھا۔
"تیار ہو جاؤ مارگری۔" ہیلن نے کہا۔ "میں اس کا راستہ روک رہی ہوں۔"
اس نے اپنی کار کو بائیں جانب تیزی سے کاٹا۔ ڈونا نے بھی اپنے آپ کو بچانے کے لیے اسٹیئرنگ وہیل بائیں طرف موڑا اور کار گلی میں چلی گئی۔
"کیا تم نشے میں ہو؟" ڈونا چلائی۔ "تم نے ٹکر مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اپنی کار پیچھے ہٹاؤ۔"
مارگری نے اپنے پرس سے اسپرے گن نکالی اور کار سے باہر آکر اس کا رخ ڈونا کی طرف کرتے ہوئے بولی۔
"جب تم فلپ کے گلاس میں نشہ آور دوا ڈال رہی تھیں تو میں نے تمہاری ویڈیو بنالی تھی۔ اس لیے میں تمہارا کوئی جھوٹ سننا نہیں چاہتی، جیسے ہی ہیلن کو اطمینان ہوگیا کہ فلپ خیریت سے ہے، پھر ہم تم سے بات کریں گے۔"
ہیلن نے کار کا دروازہ کھولا اور فلپ تقریباً باہر گرتے گرتے بچا۔ ہیلن نے پوچھا۔ "کیا تم غنودگی محسوس کر رہے ہو تو" اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ "میری ٹانگوں میں جان نہیں ہے۔" ہیلن نے اسے کار سے باہر نکال کر چلایا۔ وہ بالکل ٹھیک تھا۔ اس نے فلپ کو اپنی کار میں لے جا کر بٹھایا اور سیٹ بیلٹ باندھ دی اور مارگری کی مدد کے لیے آگئی۔
"باہر آؤ۔" مارگری نے ڈونا کے بازو کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا۔ جیسے ہی وہ کار سے باہر آئی تو دونوں نے اسے دھکیل کر ہیلن کی کار میں بٹھا دیا اور مارگری بھی اس کے برابر میں بیٹھ گئی۔ اس کی اسپرے گن کا رخ ڈونا کی آنکھوں کی جانب تھا۔ ہیلن نے بھی اپنی اسپرے گن نکال لی اور دوسری جانب کا دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اب ڈونا ان دونوں کے درمیان... پھنسی ہوئی تھی۔
"دل ڈکنز کا فرنیچر کہاں ہے؟" ہیلن نے پوچھا۔
"مجھے نہیں معلوم۔" ڈونا نے کہا۔
"جب یہ اسپرے تمہاری آنکھوں میں جائے گا۔" ہیلن بولی۔ "تو تمہاری آنکھیں بند ہو جائیں گی۔ تمہارے لیے آنسوؤں کو روکنا مشکل ہو جائے گا اور تم وقتی طور پر اندھی بھی ہو سکتی ہو اور میں تمہیں گولی مارنے سے بھی دریغ نہیں کروں گی۔ مجھے بتاؤ تم فرنیچر لے کر کہاں گئی تھیں؟"
"مجھے واقعی کچھ معلوم نہیں۔" ڈونا نے روتے ہوئے کہا۔ "وہ اس شہر میں نہیں ہے۔"
"پھر مجھے POODS کنٹینر کی چابی دو۔"
ڈونا کے آنسو رک گئے۔ وہ حیران ہوتے ہوئے بولی۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"
ہیلن کا اندازہ درست تھا۔ وہ بولی۔ "… معلوم کرنے کا طریقہ آتا ہے۔ … کہاں ہے۔ ہم تمہیں دل ڈکنز کے حوالے … "دل بہت پریشان ہے۔" مارگری نے … اس کے ہاتھ آگئیں تو وہ تمہارا گلا گھونٹ دے گا۔"
ڈونا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ "ٹھیک ہے …" پچھلی سیٹ سے اتر کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ … مکان یہاں سے پانچ منٹ کی مسافت پر ہے … کے حوالے کر دیں گے۔ وہ خود ہی تم سے معلوم … کے مکان کی دیواریں اونچی ہیں۔ وہاں تمہاری چیخ … والا کوئی نہیں ہوگا۔"
جیسے ہی اس نے کار اسٹارٹ کی، ڈونا چلائی۔ "… جاؤ۔ چابی میرے پرس میں ہے۔"
مارگری نے اس کا سیاہ پرس کھولا اور بولی۔ "… کچھ گولیاں اور سفید پاؤڈر بھی ہے اور ہاں یہ رہی چابی۔ … اپنے تجربے کی بنیاد پر کہہ سکتی ہوں کہ یہ کسی مضبوط اور … تالے کی چابی ہے جو اسٹور اور صنعتی اداروں میں استعمال … ہے۔"
"کیا اب تم مجھے میرے ہوٹل تک پہنچا دو گی۔" اس نے کہا۔ "میں فیڈرل ہائی وے پر فائیو فلیمنگو میں ٹھہری ہوئی ہوں۔"
"مجھے خوشی ہوگی۔ میں تمہیں اپنی کار اور زندگی سے باہر کرنا چاہتی ہوں۔"
اس نے بروکر کو میسج کیا کہ وہ ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں آجائے۔ ضروری سمجھو تو مقامی پولیس کو بھی ساتھ لے آنا۔ ہم تمہیں عقبی حصے میں ملیں گے۔
"تم مجھے ہوٹل کے سامنے اتار دو۔" ڈونا نے کہا۔
ہیلن کار کو عقبی پارکنگ لاٹ میں لے گئی جہاں بروکر … منتظر تھا۔ ہیلن نے اپنی کار اس کے برابر میں روکی اور بولی۔
"ڈونا! میں تمہارا تعارف بروکر مور گن سے کرا رہی ہوں۔ یہ تمہیں طویل عرصے کے لیے مفت قیام و طعام کی سہولت فراہم کرے گا اور تمہارے ہاتھوں میں خوب صورت کڑے بھی پہنائے گا۔"
ڈونا نے غیر یقینی انداز میں بروکر اور اس کے ساتھ کھڑے ہوئے پولیس والوں کو دیکھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کا یہ انجام ہوگا۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو عجیب سکوت کا سا احساس ہوا۔ ”شاید یہ اس کی ذات کا سناٹا تھا جو اسے اپنے اردگرد کے ماحول پر بھی محسوس ہوا۔“

کمرے میں ہر چیز ترتیب سے موجود تھی سوائے اس کے اندر کی بے ترتیب دھڑکنوں کے۔ ”آنسو ٹپ ٹپ اس کے گالوں پر بکھر رہے تھے۔“ تاہم ہلکا سا کھٹکا ہوا۔ اس نے فوراً خود کو سنبھالا اور آنسو تیزی سے ہاتھ کی پشت سے صاف کیے۔ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

خونی رشتہ

ڈاکٹر سبا ارشد

برسوں کی قربتیں بھی اُن دوریوں کو ختم نہیں کر پاتیں... جو رفتہ رفتہ ساتھ رہنے کے باوجود پنپتی رہتی ہیں... ایک حدِ فاصل دونوں فریقین کے درمیان حائل رہتی ہے... ایسے ہی ماحول و خاندان کی عکاس کہانی... جہاں بچپن اور لڑکپن میں ملنے والی محرومیاں اس کی فطرت کا حصہ بنتی چلی گئیں... اس کی ذہنی و فطری نفسیات میں ان عوامل کا عمل ردِعمل کسی دیمک کے مانند چمٹ گیا اور الجھنوں کو بڑھاتا چلا گیا... گھریلو ماحول کی فضاؤں میں عدم اعتماد کی کثافت اور دھند کا دورانیہ کم ہونے کے بجائے بڑھتا چلا جائے تو پھر اس طرح کی کہانیاں جنم لیتی ہیں...

خونی رشتوں میں ہونے والی گراوٹ کے نتیجے میں

رونما ہوتی ذہنی ٹوٹ پھوٹ کی بغاوت

"آیا ہی۔" وہ کہتے ہوئے خود بھی آگے بڑھی۔
دروازے پر چچا فاروق موجود تھے۔
"آج تم جلدی سو گئی۔ بس میں اسی لیے آیا تھا، تم پہنچ چکی ہو تو دروازہ لاک کر دوں۔"
"اچھا۔" اس نے شاید سنا ہی نہیں تھا۔
"کیا بات ہے تم کچھ پریشان لگ رہی ہو۔" چچا اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولے۔
"نہیں، کچھ نہیں..... بس آفس کے کچھ کام ہیں۔ ٹھیک ہوں میں۔" وہ قطعیت سے بولی۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ مزید بات کرنا نہیں چاہتی۔
"چلو ٹھیک ہے۔" اس کا اشارہ سمجھ کر چچا باہر نکل گئے۔
وہ چینج کر کے بستر پر آلیٹی۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور وہ اپنی گزشتہ زندگی کے نشیب و فراز پر غور کر رہی تھی۔
جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ کھٹکا ہوا تو اچانک ہی آنکھ کھل گئی۔ وہ ہمیشہ گہری نیند سوتی تھی لیکن شاید یہ اس کی ذہنی بے چینی تھی جو نیند میں بھی پرسکون نہ تھی۔ اسے معلوم نہ تھا کہ کون سے انجانے احساس نے اسے اٹھنے پر مجبور کیا۔ دروازہ بے آواز کھلا اور ایک ہیولے کی جھلک پڑی۔ وہ خوفزدہ ہو کر اپنی جگہ ساکت ہو گئی۔ ہیولا دھیرے سے اس کی جانب بڑھا۔
"کون ہے؟" نیند کا خمار مکمل اتر گیا تھا لیکن اس کے منہ سے خوف کے مارے اتنی ہی آواز نکلی۔
جواب میں ہیولے کا ہاتھ بلند ہوا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کر پاتی، وہ ہاتھ تیزی سے نیچے آیا۔ ایک تیز دھار خنجر سینے میں اترتا چلا گیا۔ اسے چیخنے کا بھی موقع نہ ملا۔ پھٹی پھٹی آنکھیں لمحوں میں ہی بے نور ہو گئیں۔

☆☆☆

حسب معمول صبح صبح گھر میں ایک ہڑبونگ کا عالم تھا۔
"میری شرٹ کہاں ہے، ٹائی کہاں ہے؟" آفس جانے سے پہلے عقیل نے اودھم مچایا ہوا تھا..... جبکہ کرن عجیب کھوئی کھوئی لگ رہی تھی۔ اس کی یہ بے نیازی عقیل کو غصہ دلا رہی تھی لیکن اس کی عجیب طبیعت کا وہ اب عادی ہو گیا تھا۔ وہ ہر وقت ذہنی تناؤ کا شکار لگتی۔
"میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔"
"پتا نہیں۔"
"تمہیں کچھ پتا بھی ہوتا ہے؟" وہ غصے سے بولا۔
جواب میں اس کو چپ و سپاٹ تھی۔
"مجھے تنگ نہ کیا کرو۔"
"تم خود تنگ ہوتے رہتے ہو۔" وہ غصے سے باہر نکل گیا۔ خود بھی چڑچڑی طبیعت کا ہو چکا تھا، پارا چڑھ جاتا۔ آفس سے کافی لیٹ ہو چکا تھا، بحث کیے بنا نکل کھڑا ہوا۔
کرن نے اپنے لیے کافی تیار کی اور کمرے میں آئی تو غیر متوقع طور پر وہ سامنے کرسی پر بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ وہ چونک گئی اور سوچنے لگی وہ کمرے میں آیا کیسے؟ ابھی کچھ دیر قبل ہی تو کمرا خالی چھوڑا تھا اس نے؟

☆☆☆

وہ آفس پہنچا تو کوریڈور میں ہی اس کا دوست فراز مل گیا۔
"عقیل کچھ سنا تم نے۔" اس کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی تازہ خبر ہاتھ لگی ہو۔
"نہیں..... کیا؟"
"سونی کا قتل ہو گیا۔" اس نے نیوز بریک کی۔
"کیا.....!" وہ اچھلا۔
"ہاں یار! ابھی لنچ بریک میں سب کا ارادہ وہاں جانے کا ہے۔"
"لیکن کیسے؟" وہ سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا۔
"کسی نے سوتے میں خنجر گھونپ کر قتل کر دیا۔"
"کیا.....!!"
"ہاں۔ حیرت ہے تمہیں علم نہیں۔" لہجے میں ہلکا سا طنز اس نے محسوس کیا۔
"لیکن کس نے۔ اس کا دشمن کون ہو سکتا ہے؟" وہ شاید خود سے مخاطب تھا۔
"پتا نہیں یار....." بظاہر فراز نے لاعلمی ظاہر کی لیکن اسے ایسی نظر سے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو یہ تو تمہیں پتا ہونا چاہیے۔
"تمہیں کیسے پتا چلا۔"
"باس نے بتایا۔ اس نے صبح ہی اسے کال کی تھی، میٹنگ میں دیر ہو جانے کی اطلاع کے بعد آفس آنے کی۔ اس کے گھر سے کسی نے ریسیو کیا اور یہ اندوہناک اطلاع دی۔"
"کسی نے مذاق تو نہیں کیا؟" اس نے سوچتے ہوئے کہا۔

"ایسا مذاق؟"

"ہم......"

اس نے سینے پر ایک بوجھ سا محسوس کیا۔ ایک کو ایک طور پر سب ہی افسردہ نظر آ رہے تھے لیکن عقیل کی اس سے کوئی اچھی دوستی تھی۔ کرن کی لاتعلقی اور بے اعتنائی سے جب تنگ آتا تو سونی کے قرب میں ہی سکون پاتا۔ دوپہر تک وہ اپنی عجیب کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ اسے لگا سب اس کی طرف دیکھ رہے ہیں جیسے وہ قتل کی وجہ جانتا ہو گا وہ نگاہیں چراتا رہا۔ ٹی بریک میں آفس کے چند دیگر لوگوں کے ساتھ وہ سونی کی طرف ہولیا۔"

سونی کا اصل نام سہانا تھا۔ اس کا تعلق اندرون سندھ کے علاقے سے تھا۔ یہاں چچا کے گھر میں رہتی تھی۔ کراچی یونیورسٹی سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس نے جاب کے لیے فی الوقت چچا کے گھر ہی رہائش رکھی تھی۔

اس کے چچا فاروق کا گھر ٹھیک ٹھاک تھا جس کا پچھلا پورشن کسی قدر الگ تھلگ تھا۔ سونی نے اپنی تنہائی پسند فطرت کی وجہ سے الگ رہائش ہی رکھی ہوئی تھی ویسے بھی اس کی چچا کی فیملی سے کچھ خاص نہیں بنتی تھی، اس کا ارادہ جلد واپس جانے یا الگ اپارٹمنٹ کا بندوبست کرنا تھا۔"

وہ لوگ آفس سے اس کے گھر پہنچے تو پولیس پہلے ہی موجود تھی۔ ابتدائی کارروائی کے بعد اب وہ سب کے بیان لے رہی تھی۔ وہ سب تعزیت کیا کرتے، الٹا پولیس کی کارروائیوں میں پھنس گئے۔

"لاش کیسے دریافت ہوئی؟" انسپکٹر رفیق نے پوچھا۔

"میں صبح جب اس کے کمرے کی طرف گئی۔" چچی فرخندہ نے لرزتی آواز میں کہا۔

"آپ کس سلسلے میں گئی تھیں؟"

"ناشتے کا پوچھنے گئی تھی۔"

"کیا آپ روز ناشتے کا پوچھنے جاتی ہیں؟" سوال چبھتا ہوا تھا۔

"نہیں......" وہ کسی قدر شرمندہ ہوئی۔ "دراصل وہ روز کچن میں چائے کے لیے آتی ہے لیکن آج نہیں آئی۔ میں کچن میں رات کے دھلے کپڑے اتارنے گئی تو سوچا ذرا دیکھ لوں اور...... ایک خوفناک منظر نظر آیا...... میرے چیخنے پر فاروق صاحب دوڑتے ہوئے آئے پھر انہوں نے ہی آپ کو اطلاع دی۔" چچی فرخندہ عادت کے مطابق ایک دفعہ ٹیوب [illegible] کی طرح بجھ گئی۔

"آپ تک اطلاع [illegible]"

"نہیں......" [illegible]

اس کے چچا نے [illegible] کیا۔ وہ [illegible] اسے بتایا۔ "ہمیں تو [illegible] اس کے نہ آنے کی وجہ [illegible] ہو گیا۔"

"جب آپ کمرے کی طرف گئیں [illegible]"

"کیا حال [illegible] اس کے کمرے [illegible]"

"اور کمرے کا دروازہ [illegible]"

"دروازہ کھلا ہوا تھا [illegible]" وہ کسی قدر [illegible]

"مطلب قاتل گھر میں سے ہی [illegible]" لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

"کک...... کیا مطلب ہے انسپکٹر صاحب [illegible]" ہکلا گئیں۔

"ہم اس کے دشمن تھے کیا اور میرے [illegible] چھپکلی نہیں مار سکتا ایک پوری لڑکی کیسے مار سکتے [illegible]" چچا فاروق برہم ہوئے۔

"ہر مقتول کے گھر والے یہی کہتے۔" انسپکٹر بے نیازی سے بولا۔

"لیکن ہم نے قتل کیا ہوتا تو آپ کو کیوں اطلاع دیتے خاموشی سے کفن دفن کر دیتے۔ حد ہے اگر قانون پسند شہری ہونے کا ثبوت دیا جائے تو الٹا قانون تنگ کرنے لگتا ہے۔"

"فاروق صاحب آپ نے ذمہ دار شہری ہونے کا ثبوت دیا لیکن پولیس شک نہ کرے تو تفتیش کیسے کرے، ہم بھی اپنی ذمے داری سے ہی مجبور ہیں۔" اس وضاحت پر فاروق صاحب کچھ ٹھنڈے نظر آئے۔

انسپکٹر رفیق اٹھ کر جائے واردات کا معائنہ کرنے [illegible] کی پچھلی طرف گئی۔ سامنے ہی سب [illegible] آنگن کی طرف دیوار بھی مختصر تھی [illegible] یا خاطر خواہ انتظام سے بھی بے نیاز تھی۔ [illegible] پھلانگ کر ہی آیا ہو گا۔

[illegible] کا مکان تھا اور اطراف میں [illegible] تھے۔ اس نے [illegible] آسانی [illegible] ہے۔ اس کے اندر [illegible] بات کی نشاندہی کر رہے تھے [illegible]

"رات آپ [illegible]"

”...کب گھر والوں کے ساتھ تھی؟“

”میری عادت ہے کہ سونے سے قبل بیرونی دروازے کا لاک چیک کر لیتا ہوں۔ کل بھی اسی ارادے سے باہر آیا تو سونی کا دروازہ بھی ناک کیا۔ وہ کمرے میں موجود تھی۔“

”وہ کل کس وقت واپس آئی تھی؟“

”معلوم نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے تھوڑی دیر قبل ہی آئی تھی کیونکہ رات کھانے پر وہ موجود نہ تھی اور ابھی اس نے لباس بھی تبدیل نہیں کیا تھا۔ وہ کبھی کبھی دیر سے آتی تھی اور پوچھ گچھ کا بُرا مانتی تھی لہٰذا ہم نے بھی تحقیق کرنا چھوڑ دیا بس تسلی کر لیتے کہ وہ گھر آ گئی ہے۔“ فاروق صاحب نے تفصیلی جواب دیا۔

”آپ رات کتنے بجے تک سوئے تھے؟“

”تقریباً گیارہ بجے تک۔“

”اس کی واپسی پر کسی نے تو دروازہ کھولا ہوگا؟“ انسپکٹر نے پوچھا۔

”نہیں۔ بیرونی دروازے کی ایک چابی اس کے پاس ہے لہٰذا اس کے آنے جانے کا کچھ خاص پتا نہ چلتا تھا۔“ چچا فاروق نے وضاحت کی۔ انسپکٹر نے بغور دروازے کا معائنہ کیا جس میں آٹو لاک موجود تھا جو اندر سے کھلتا اور باہر جانے پر خود بخود دروازہ لاک کر دیتا جبکہ باہر سے آنے والے کے لیے دو صورتیں تھیں۔ یا تو اس کے پاس چابی موجود ہو یا پھر اطلاعی گھنٹی یا کھٹکھٹا کر اندر والوں کو زحمت دے۔

”رات آپ کی سونی سے بات ہوئی تو اس کا رویہ کیسا تھا؟“ وہ نئے رخ پر سوچنے لگا۔

”ٹھیک ہی تھا لیکن وہ کافی پریشان لگ رہی تھی۔“ وہ سوچتے ہوئے گویا ہوئے۔

”آپ نے پریشانی کا سبب دریافت کیا؟“

”جی۔“ ”کیا تھا لیکن اس نے آفس کے کام کا کہہ کر ... ٹال دیا ... رکی تھی، اس کی آنکھیں کچھ ...

... ضرورت ...

”یعنی قاتل اسے قتل کی نیت سے ... کر کے چلتا بنا؟“ اس نے خیال ظاہر کیا۔

”کیا یہ ممکن ہے کہ آپ میں سے کوئی پکا ... نہیں؟“ اس نے خودکشی کے ... پوچھا۔

”نہیں...... بالکل نہیں۔“ ... اور اس کا جواب حسب توقع تھا۔

”اور دروازہ بھی کھلا تھا؟“ اس نے ... کی۔

”جی......“ اقرار کے باوجود ... نہ سمجھ پائی تھی۔

”یعنی یہ خودکشی تو ہرگز نہیں ورنہ وہ ... کر لیتی۔“ اس نے اب تک کی تفتیش سے نتیجہ ... جس پر سب جز بز سے محسوس ہوئے ... تاثرات نظر انداز کر کے اگلے سوال پر آ گیا۔

”کیا سہانا دروازہ بند کر کے نہیں سوتی تھی؟“

”اسے کئی دفعہ یہ ہدایت کی لیکن وہ ... کرنا بھول جاتی تھی۔ چند دفعہ احساس دلانے کی کوشش ... اس نے بے نیازی سے کہا کہ یہاں کونسا خزانہ پڑا ہے ... آ کر لے جائے گا۔“

”حیرت ہے۔“ انسپکٹر زیر لب بڑبڑایا۔

اس کے بعد انسپکٹر رفیق نے باری باری سب کو ... کا نشانہ بنایا جس میں آفس کولیگز کو بھی الگ الگ رکھا۔

”سنا ہے آپ کی سونی سے کافی گہری دوستی تھی؟“ انسپکٹر نے اچانک اس کی باری پر تنہائی میں سوال داغا۔

”یہ کس نے کہا؟“ وہ کچھ گھبرا گیا۔

”آپ سے پہلے آپ کے دیگر کولیگز سے بھی بات ... چکی ہے۔“ انسپکٹر استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ ”کچھ غلط ... میں کیا۔“

”وہ بس اچھی دوست تھی میری۔ ہم ... ہم فرینک تھے اس سے زیادہ کچھ نہیں......“ وہ ... بولا۔

”آپ کی آخری ملاقات کب ہوئی تھی سونی سے؟“

”کل آفس سے نکلتے ہوئے۔“

”وہ گھر کیسے جاتی تھی؟“

”عموماً میں اسے ڈراپ کر دیتا...... اس کا گھر ... راستے میں ہی ہے۔ ورنہ وہ خود بھی چلی جاتی ... پبلک سروس سے۔“

"کل کیسے گئی تھی؟"
"خود ہی گئی تھی۔"
"کل آپ کے ساتھ نہ جانے کی کوئی خاص وجہ۔"
"نہیں۔ اسے روز روز اچھا نہیں لگتا تھا تو کبھی کبھی آفس سروس سے فائدہ اٹھا لیتی۔" وہ محتاط انداز میں گویا ہوا۔
"آپ کے خیال میں وہ کل آفس سے گھر ہی گئی تھی؟"
"میرے خیال سے تو گھر ہی گئی ہوگی۔ اگر کہیں اور جانا ہوتا تو بتا دیتی......" اس نے سوچ کر جواب دیا۔
"مجھے یقین ہے آپ کچھ چھپا نہیں رہے؟" وہ بغور اسے دیکھتے ہوئے بولا۔
"نہیں، میں کچھ نہیں چھپا رہا۔" اس نے نگاہیں چُراتے ہوئے کہا جسے انسپکٹر نے نوٹ کیا۔
"سوئی کے چچا کا کہنا ہے وہ گزشتہ شب دیر سے گھر لوٹی تھی اور کافی سے زیادہ پریشان تھی۔"
وہ چونک گیا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا، اس نے غلط بیانی سے اپنے لیے مصیبت ہی پیدا کی تھی۔
اس کی بدلتی رنگت سے انسپکٹر مسکرا کر رہ گیا۔ اس نے اندھیرے میں نہیں بلکہ کسی قدر روشنی میں ہی تیر چلایا تھا تو نشانہ کیسے چُوکتا۔
وہ کیسے بتاتا کہ آفس سے باہر انہوں نے ڈنر ساتھ ہی کیا تھا جو اُن کی آخری ملاقات تھی۔ "کل نہ ہوتا تو بھی شاید آخری ملاقات۔"

☆☆☆

گزشتہ روز آفس سے وہ ساتھ ہی نکلے تھے۔ وہ اکثر ساتھ ہی نکلتے، دیگر کولیگز بھی اب اس بات کے عادی ہو گئے تھے لہٰذا کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی۔ وہ عموماً اسے گھر پر ڈراپ کر دیتا کبھی وہ خود بھی چلی جاتی۔ کبھی ان کا ڈنر یا لنچ کا پلان بن جاتا۔
اس دن بھی آفس سے نکل کر وہ پہلے ایک شاپنگ مال ... میں تھی جبکہ عقیل بھی خوش لگ ... فوڈ کورٹ میں

اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی تھی۔

☆☆☆

آفس سے گھر پہنچا تو سونی کی باتیں مسلسل اس کے ذہن میں گھوم رہی تھیں۔

"آج بہت دیر نہیں ہو گئی۔" کرن نے حسب عادت پوچھا۔

"ہاں آفس میں ہی تھا۔" اس نے جھوٹ بولا۔

"آفس کا ٹائم دس بجے تک ہو گیا ہے کیا۔" وہ عام سے انداز میں بولی۔

"نہیں آج کام زیادہ تھا، آڈٹ کرنا تھا۔"

"کھانا کھایا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" کھانا کھائے بغیر ہی وہ حصے میں اپنی اپنی راہ چل دیے تھے۔

"کھانا لگا دوں؟"

"نہیں رہنے دو، موڈ نہیں۔"

"کچھ پریشان لگ رہے ہو؟"

"ہاں۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"کس وجہ سے۔"

"بس سونی نے تنگ کیا ہوا ہے جانے کیوں پیچھے پڑ گئی ہے۔ کہتی ہے میری زندگی خراب کر کے چھوڑے گی۔" وہ کچھ غصے کچھ بے چارگی سے بولا۔ کرن بے وقوف سی تھی، وہ اسے پہلے ہی اعتماد میں لینے کی کوشش کر رہا تھا۔

"پریشان مت ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" کرن کی طرف سے اتنی رسمی سی تسلی اس کے لیے کافی نہ تھی لیکن یہ بھی غنیمت تھا کہ اس نے کریدا نہیں۔ شاید وہ نفسیاتی نہ ہوتی تو اس وقت تخیل عدالت میں کھڑا گویا اپنا دفاع کر رہا ہوتا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس کے لیے کافی لائی تو وہ مزید حیران رہ گیا۔

☆☆☆

اگلے دن گھر واپسی پر وہ خود کو کافی تھکا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ کرن اپنے ہی خیالات میں کھوئی ہوئی تھی۔ وہ ایسے ہی کھوئی کھوئی رہتی۔ کبھی تیز کبھی نرم۔ عقیل کے خیال میں اس کا شادی کا انتخاب درست نہ تھا۔ لیکن جب وہ اس پر افسوس کا اظہار کرتا تو کرن رونا دھونا مچا دیتی اور اپنی مظلومیت ظاہر کرتی اور اس کا دل نرم پڑ جاتا۔ وہ کرن کو نظر انداز کر کے کمرے میں چلا گیا لیکن وہ خود ہی پیچھے پیچھے چلی آئی۔

"سونی کا قتل ہو گیا۔" اس نے اطلاع دی۔

"کیسے...؟" وہ چونک گئی۔

اس کا خیال تھا کہ اس انکشاف پر ... دلی ہی دلی خوشی کا ہی اظہار کرے گا چاہے ... آفس کولیگ کی حیثیت سے متعارف ... دوست تھی۔ اس سے "زیادہ" سوچنا ... ہی نہ تھا۔ وہ بھی بھول ہی گیا تھا ... اکثر ایسے ہی رہتی ہے ... یا شک کا اندازہ ہی نہیں کہ کب کیا جاتا ہے۔

"خنجر گھونپ دیا کسی نے رات سوتے ..." انکشاف کیا۔

"لیکن کس نے؟" انکشاف والی باتیں ... انکشاف کہاں ہوتی تھیں۔

"پتا نہیں۔" اس نے زیادہ سوال نہ کیے۔ ... معنی سی خاموشی چھا گئی۔

☆☆☆

موسم کچھ دنوں سے تبدیل ہو رہا تھا۔ ... طرح بے وفا ہے، کبھی دھوپ کبھی چھاؤں۔ کبھی ... دکھاتے کبھی سورج سوا نیزے پر ہوتا۔

اسے لگتا اس کی زندگی بھی ایسی ہی ہے ... چھاؤں کا امتزاج۔ کمرا نیم تاریک تھا، باہر چلتے بادل ... تیرتے ہوئے پردے ہل کر تاریکی بڑھانے میں اپنا ... کر رہے تھے۔ اس کے ذہن پر بھی جیسے تاریکی چھا ... کرسی پر موجود شخص کی آواز اسے دور بہت دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔

"اب تو تم خوش ہو نا۔"

"پتا نہیں۔" وہ واقعی سمجھنے سے قاصر تھی۔

"بس تمہیں جیسا کہوں کرتی جاؤ ... ایک دن ... کماؤ گی۔"

"کیا واقعی۔"

"ہاں...... تم بہت خاص ہو، تمہیں اندازہ نہیں۔ دنیا ابھی تمہاری صلاحیتوں سے واقف ہی نہیں۔ ایک دن ہر طرف تمہارا چرچا ہوگا۔"

"میں جانتی ہوں...... ابھی میری کوئی قدر نہیں کی جاتی۔ لیکن میں سب کو اپنا ہم نوا بنا لوں گی۔"

"تمہارے راستے میں جو آئے گا سونی جیسے انجام کا شکار ہوگا۔"

اسے جھٹکا لگا۔ وہ پُراسرار انداز میں مسکرا رہا تھا۔

☆☆☆

چند دن سکوت اور خاموشی سے گزر گئے ...

سامان لینے قریبی جنرل اسٹور گئی تھی۔ واپسی پر اسے اپنی پڑوسن شبانہ دروازے پر کھڑی مل گئی۔

''کیسی ہو کرن۔''

''ہاں ٹھیک ہوں۔'' کرن کا شمار ان لوگوں میں تھا جو مروت اور اخلاق سے ماورا ہوتے ہیں۔

''لیکن مجھے لگتا ہے تم ٹھیک نہیں ہو۔'' اس نے مشکوک انداز میں کہا۔

''کیا مطلب۔''

''مطلب تم سمجھتی ہوگی۔'' اس نے رکھائی سے کہا۔

''نہیں۔ تم سمجھا دو......''

''جو لوگ دو کشتیوں کے سوار ہوتے ہیں، وہ نہ ادھر کے رہتے ہیں نہ اُدھر کے۔''

''تمہیں شدید قسم کی غلط فہمی لگی ہے۔'' وہ تیز لہجے میں بولی۔ لیکن اندر اندر خوفزدہ ہوئی۔ ''میں ایک ہی کشتی میں ہوں اور خوش ہوں۔''

''وہاج بھی یہی کہتے ہیں۔ لیکن یہ شوہر لوگ بڑے بے وفا ہوتے ہیں۔ ایک آدھ چکر باہر بھی رکھتے ہیں۔'' وہ جانے کیا جتا رہی تھی۔

اس کے ذہن میں سونی کا پیکر لہرایا۔

☆☆☆

حمید اور سارہ کی زندگی بالکل پرفیکٹ جا رہی تھی۔ حمید ایک سرکاری ادارے میں اچھی پوسٹ پر فائز تھا جبکہ سارہ اس کی کزن تھی۔ دونوں بچپن سے ہی ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ خاندان میں کسی کو اعتراض بھی نہ تھا لہٰذا حمید کے اپنے پیروں پر کھڑے ہوتے ہی ان کی شادی بخیر و خوبی انجام پا گئی۔ روایتی پسند کی شادی کرنے والے جوڑوں کے برخلاف ان کی محبت شادی کے بعد بھی قائم رہی۔ ان کی زندگی قابلِ رشک تھی۔ ایک سال بعد ہی ان کے درمیان ایک خوبصورت اضافہ ہوا۔ حمید کو بیٹی ہی کی خواہش تھی جو اللہ نے پوری کر دی...... لیکن اسے زیادہ عرصے بیٹی کی خوشیاں دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

ایک حادثے نے سارہ کی زندگی اندھیر کر دی۔

☆☆☆

حسب معمول وہ اس کی سوچ کا پرتو بنا سامنے موجود تھا۔

''مجھے لگتا ہے اب تم سب کی نظروں میں آنے لگے ہو۔''

''یہ تو اچھی بات ہے۔'' اس کے نزدیک کوئی مسئلہ

[illegible] تھا۔

مجھے [illegible]

''کوئی [illegible]

آ [illegible]

''کیسے [illegible] کیوں۔''

''کیونکہ تم اس [illegible] کے جال میں الجھانے لگا۔

''پھر کس دنیا کی ہوں۔'' [illegible]

''چھوڑو ان باتوں کو [illegible]

جواباً اس نے اپنی پریشانی [illegible]

''اوہ ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔'' [illegible]

''کیا۔''

حل بن کر وہ خوفزدہ ہوئی۔ لیکن حل [illegible]

☆☆☆

قتل کی اگلی واردات مزید لرزہ خیز تھی۔ کسی نے دن دہاڑے شبانہ کو قتل کر دیا تھا۔

لاش بیڈ روم میں پڑی تھی۔

ایسا لگتا تھا کوئی واقف کار ہی شبانہ سے ملنے گھر میں داخل ہوا اور قتل کر کے فرار ہو گیا۔

☆☆☆

''شبانہ...... شبانہ'' وہاج بدحواس سا گھر سے باہر آیا اور چیخنے لگا۔

''کوئی ایمبولینس بلائے پلیز۔ شبانہ ہاتھ سے بے ہوش پڑی ہے......''

گلی میں کچھ لوگ اس کی پکار پر متوجہ ہو کر اکٹھے ہو گئے۔ کونے والے شمیم صاحب اس کے ساتھ اندر آئے۔ جانے وہاج انجان بن رہا تھا یا واقعی بے خبر تھا کہ اب صرف شبانہ کی لاش ہی اندر موجود ہے۔

شاید وہ اندازہ کر چکا تھا لیکن حقیقت کو جھٹلا رہا تھا۔ شمیم صاحب نے بغور دیکھا تو انہیں شبانہ میں زندگی کی کوئی رمق نظر نہ آئی۔ اس کی بے نور آنکھیں حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔ زبان منہ سے باہر تھی۔ وہ بستر پر بے ترتیب پڑی تھی۔

''وہاج میرا خیال ہے شبانہ کو اب کسی [illegible] کی ضرورت نہیں۔'' وہ مایوسی سے بولے۔

وہاج نے حواس باختہ ہو کر دیکھا جیسے اس کی [illegible] کی تصدیق ہو گئی ہو۔

چند لوگ مزید بھی اندر آ گئے۔ [illegible] کسی نے فون

کر کے پولیس کو بلا لیا۔

انسپکٹر ہاشم ایک لمبا تڑنگا پولیس افسر تھا۔ چھ فٹ کے طویل ڈیل ڈول کے ساتھ وہ دیکھنے والوں پر ویسے ہی ایک رعب طاری کر دیتا۔

اس نے لاش و وقوعہ کا ماہرانہ جائزہ لیا۔ اس کے اندازے کے مطابق شبانہ کو مرے تین سے چار گھنٹے ہوئے تھے جبکہ موت کی وجہ گلے میں رسی کی طرح لپٹا دوپٹا جسے گلا گھونٹنے کے لیے استعمال کیا گیا۔

ابتدائی اور قانونی کارروائی کے بعد وہ بیان لینے لگا۔ تو یوں کا رخ وہاج کی طرف ہی تھا۔ اس کی حالت خراب لگتی تھی جیسے حادثے سے سنبھل نہ پا رہا ہو۔

"لاش سب سے پہلے کس نے دریافت کی؟" انسپکٹر نے تفتیش شروع کی۔

"وہاج کے شور پر ہی ہم جمع ہوئے اور صورتِ حال کا پتا چلا۔ اب یہ تو وہی بتا سکتا کہ کیا ہوا۔"

"وہاج صاحب کیا آپ گھر تھے؟"

"نہیں، میں ابھی آفس سے گھر آیا تھا اور اندر شبانہ اس حال میں تھی...... "مجھ پر تو قیامت ٹوٹ پڑی اور میں نے گھبرا کر مدد کے لیے بلایا۔" وہ واقعی سخت صدمے میں تھا۔

"کیا آپ نے شبانہ کو ہلا جلا کر دیکھا۔"

"ہاں۔ مجھے پہلے خیال یہی آیا کہ شبانہ بے ہوش ہے اس لیے اسے ہلایا جلایا لیکن پھر مجھے صورتِ حال سنگین لگی تو باہر دوڑا۔"

"آپ کو بے ہوش ہونے کا ہی کیوں خیال آیا۔ آپ نے یہ نہ سوچا کہ وہ سو رہی ہوں۔" انسپکٹر کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

"اس کا انداز بے ترتیب تھا اور وہ معمول کے انداز میں نہیں لیٹی تھی۔" وہاج اس کا مطلب سمجھ کر برا سا منہ بنا کر بولا۔

"ہمم......" انسپکٹر کو اس کا پوائنٹ معقول لگا۔ شبانہ آڑی ترچھی پڑی تھی لیکن ضروری نہیں تھا کہ وہاج نے بھی اسے اسی پوزیشن میں دریافت کیا ہو۔ یہ بھی ممکن تھا اس کے ہلانے جلانے پر پوزیشن بے ترتیب ہوئی ہو۔ انسپکٹر نے یہ بھی نوٹ کیا کہ شبانہ نے قاتل سے کوئی مزاحمت کی ہے۔

"پھر کیا اسے قتل ہی کیا گیا ہے......"

"شک...... کیا...... قتل......" وہ ہکلانے لگا۔

"جی...... تو آپ کو کیا لگا؟"

"کیا یہ حادثہ نہیں ہو سکتا؟"

"مثلاً حادثہ کیسے......"

وہاج سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

"آپ کو لگتا ہے وہ گلے میں دوپٹا باندھ [illegible] رہی تھی اور وہ پھنس کر ناٹ ہو گیا۔" انسپکٹر طنزیہ [illegible]

"سوتے میں ایسا ممکن ہے۔" وہ [illegible]

"ابھی تھوڑی دیر قبل ہی آپ نے [illegible] ترتیب پوزیشن میں تھی اور اس کا نتیجہ بھی [illegible] نہیں رہی تھی۔"

وہاج چپ رہ گیا۔ انسپکٹر کی باتیں الٹ [illegible] تھیں۔

"آپ آئے تو دروازے کی کیا پوزیشن تھی۔ مطلب کھلا تھا یا بند۔"

"کھلا تھا لیکن چوپٹ نہیں۔ میں عام طور پر [illegible] استعمال کرتا ہوں لیکن مسلسل بیل پر اندر سے جواب [illegible] جھنجلا کر دروازہ پیٹنا چاہا جس سے مجھ پر انکشاف ہوا [illegible] دروازہ کھلا تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"میں اندر داخل ہوا اور بیڈروم میں پہنچا تو شبانہ [illegible] حال میں دیکھا۔ میں نے ہلا جلا کر دیکھا اور پھر [illegible] ڈاکٹر سے رابطے کا سوچا۔"

"ہمم......" "گھر میں سے کوئی قیمتی شے غائب [illegible] نقدی کی کیا پوزیشن ہے؟"

"میں بیوی کی طرف سے پریشان تھا۔" وہاج [illegible] چونکا۔

انسپکٹر اس سے قبل ہی بغور جائزہ لے چکا تھا۔ یہ کہیں سے ڈکیتی کی واردات معلوم نہ ہوتی تھی۔ لاش کے سوا ہر چیز سلیقے سے اپنی جگہ معلوم ہوتی تھی۔

انسپکٹر کی "نگاہ" کے مطابق کسی زیادتی کا بھی امکان نہ تھا۔ ایسا لگتا تھا قاتل آیا ہی قتل کے ارادے سے تھا یا پھر اس کا قتل کا "پلان" بنا اور اشتعال میں قتل کر کے نکل گیا۔ جلدی میں اسے خیال نہ رہا کہ اسے قتل کو کیا رنگ دینا ہے۔

انسپکٹر کے خیال میں قاتل یا تو بہت بے وقوف اور ضرورت سے زیادہ خوداعتمادی کا شکار تھا... یا شاید بے حد عقلمند......

☆☆☆

انسپکٹر ہاشم کو ابھی تک کوئی کام کی بات معلوم نہ ہوئی تھی۔ وہ جانے کے لیے نکلا تو قسیم صاحب نے چائے پانی کا پوچھا۔

"نہیں شکریہ۔" وہ پہلے ہی ان کا بیان لے چکا تھا۔

مشورہ

ایک فلم کی شوٹنگ کے دوران ایک نوخیز اداکارہ نے اپنی ماں سے کہا۔

''ممی! مجھے بھلا کس قسم کا شوہر تلاش کرنا چاہیے؟''

''بے بی، اب تم شوہروں کا پیچھا چھوڑ دو اور اپنے لیے کوئی کنوارہ رشتہ ڈھونڈو۔'' ممی نے بیٹی کو مشورہ دیا۔

شاہین اختر، ٹیکسلا سے

جانے کیا سوچ کر دوبارہ پوچھا۔

''آپ کا کوئی خاص خیال اس حوالے سے۔''

''نہیں جناب بظاہر دونوں کا ایک اچھا مثالی جوڑا تھا۔ مجھے تو کوئی دشمنی کا چکر بھی نہیں لگتا۔''

''کسی رقیب کی کارروائی؟'' اس نے کُریدا۔

''نہیں جناب اس حوالے سے تو کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' وہ سوچ کر بولے۔

''شبانہ کے آس پڑوس میں کیسے تعلقات تھے؟''

''اچھے ہی تھے۔ کرن سے اچھی سلام دعا تھی اس کی حالانکہ وہ ایسی لڑکی ہے کہ اکثریت اس سے دور رہتی۔''

''کیوں؟'' وہ چونکا۔

''بس کچھ نفسیاتی سی ہے لیکن جب سے اس کے شوہر کے آفس میں قتل ہوا ہے، وہ بھی پریشان سی ہو گئی ہے اور خود کو مزید محدود سا کر لیا ہے۔''

''آفس میں قتل؟'' انسپکٹر کو معاملے میں دلچسپی محسوس ہوئی۔

''ہاں، ان کی کسی کولیگ کا۔'' انسپکٹر کے کُریدنے پر شمیم صاحب کو جتنا معلوم تھا اتنا بتا دیا اور انہیں کچھ خاص معلوم نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ لڑکی مقتول کی اچھی دوست تھی۔ محلے کے چند ایک لوگوں نے اسے مقتول کے ساتھ دیکھا تھا۔

جانے کیوں انسپکٹر ہاشم کا دل کہنے لگا کہ دونوں قتل میں کچھ تو کنکشن ہے، لیکن کیا..... یہ فی الحال اس کی سمجھ نہ آ رہا تھا..... اس نے سوفی کے گھر کا ایڈریس معلوم کیا جو شمیم صاحب نے تھوڑی سی محنت کے بعد فراہم کر دیا۔

شبانہ کے قتل کی خبر پورے علاقے میں پھیل گئی تھی اور لوگوں میں ہراس کا باعث تھی۔ سب کافی خوفزدہ نظر آ رہے تھے۔

ایک پُرامن علاقے میں یہ ایسی پہلی واردات تھی۔

☆☆☆

ثریا عقیل حماد نے ... اپنی چار سالہ ننھی پری کے ساتھ میکے آ گئیں ... بھابی نے شروع میں اس کا خوب خیال رکھا ... اظہار کیا۔'' لیکن پھر تنگ اور اس کی بیٹی بھابی ... لگے۔

ننھی پری کم عمر سہی لیکن حساس تھی۔ ... فرق محسوس ہوتا ہے۔

ایک دن صبح کا تازہ اخبار ننھی پری کے ہاتھ ... پر اس نے لکھنے کی پریکٹس شروع کر دی۔ ... ٹیڑھی میڑھی لکیروں سے اخبار رنگین ہونے لگا۔ بھابی ... آئی اور ایک تھپڑ پری کے گال پر دھر دیا۔

''آج کا اخبار تھا ابھی کسی نے پڑھا بھی نہیں ... فنکاریاں شروع کر دیں۔ ایک تو تمہاری ماں تم کو ... آزاد چھوڑا ہوا ہے۔''

''اوہو کیا ہو گیا بچی ہے، اسے کیا پتا۔'' عمر بھائی نے کمزور انداز میں دفاع کیا۔

''بچی ہے لیکن اچھی تربیت ہو گی تو آگے غلطی نہیں کرے گی۔'' وہ غصے سے بولی۔

سارہ کچن میں برتن دھوتی خاموشی سے آنسو پی گئی۔

اگلے دن دو سالہ ارحم نے اخبار ہاتھ لگتے ہی پھاڑ کر رکھ دیا۔ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھرے تھے۔

اور سب ارحم کے اس ''کارنامے'' پر داد دے رہے تھے۔

ننھی پری سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس کو تھپڑ کیوں نہیں پڑا شاید وہ کافی ''بڑی'' تھی اور ارحم بہت ''چھوٹا''۔

☆☆☆

''مما۔ میں اخبار پر کیوں نہیں لکھ سکتی۔'' وہ ... والے انداز میں جرح کر رہی تھی۔

''بیٹا وہ پڑھنے کے لیے ہوتا ہے نا۔'' وہ سمجھانے لگی۔

''تو ارحم تو آج اخبار پھاڑ رہا تھا۔'' اگلا سوال تیار تھا۔

''وہ بہت چھوٹا ہے نا، اسے سمجھ نہیں۔'' وہ بات بنانے لگی۔

''ماما مجھے بھی پتا نہیں تھا۔'' اس نے اپنی صفائی دی۔

''چلو بیٹا کوئی بات نہیں اب پتا چل گیا نا۔''

اگلے دن وہ باسکٹ سے سیب نکال کر کھانے لگی ... تو کھانے کے لیے ہی ہوتا ہے نا ... بھابی ...

"یہ لڑکی تو ہر وقت کھاتی رہتی ہے۔ جیسے اس کے ابا کا مال ہو..... ارحم کے لیے کچھ لینے جاؤ تو فریج خالی نہ چھوڑا ہوتا ہے، سب کچھ اس چٹوری کے ہاتھ پہلے لگ گیا ہوتا ہے......"

وہ ماما سے پوچھ رہی تھی۔ "ماما۔ میرے بابا کب جیب لائیں گے؟"

"تمہارے بابا اب کچھ نہیں لائیں گے..... پری اب ہمارا اپنا یہاں کچھ نہیں۔ ہم دونوں یہاں دوسروں کا ہی کھاتے ہیں۔" سارہ یہ کہہ کر رو دی۔

پری کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اس کا اپنا کچھ بھی نہیں۔

☆☆☆

بھائی کا خیال تھا کہ سارہ اور اس کی بیٹی ان کے گھر پر معاشی بوجھ کی طرح ہیں لہٰذا اس نے عمر پر دباؤ ڈالا کہ اس کی شادی کہیں کر کے جان چھڑائی جائے۔

یہ خیال خالہ رشیدہ نے ہی اس کے دل میں ڈالا تھا۔ کلیم صاحب ان کے جاننے والے تھے اور انہیں بیوی کے انتقال کے بعد دوسری کی تلاش تھی۔

اور خالہ رشیدہ کو سارہ کی صورت اچھا "آپشن" نظر آرہا تھا۔

بظاہر اس میں قباحت بھی کوئی نہ تھی۔ عمر نے اپنے طور پر کی پوچھ گچھ کی۔

کلیم صاحب کی بیوی کا کینسر سے انتقال ہوا تھا۔ ان کے دو بچے تھے اور کافی حد تک سمجھ داری کی عمر میں تھے۔ وہ چاہتے تھے ایک گھریلو خاتون کا ساتھ ہو۔ وہ سارہ کو اس کی بیٹی سمیت قبول کرنے کو تیار تھے۔ اس حوالے سے ان کی معاشی حالت بھی مستحکم تھی......"

سارہ کے سامنے یہ رشتہ آیا تو پہلے پہل وہ جذبات کا شکار ہوئی۔ وہ حمید کی جگہ کسی کو دینا نہیں چاہتی تھی اور پری پر سوتیلے رشتے کا سایہ بھی اسے خوفزدہ کر رہا تھا۔

لیکن اس کے والدین اپنی زندگی میں اسے کہیں "ٹھکانے" لگانا چاہتے تھے۔ اس نے سنجیدگی اور غیر جذباتی انداز میں سوچنا شروع کیا اور اس نتیجے پر پہنچی کہ اگر وہ کلیم کے بچوں کو محبت دے گی تو شاید اس کا رویہ بھی پری کے ساتھ اچھا رہے۔ یہ سوچ کر اس نے ہاں کر دی۔

☆☆☆

کلیم ایک اچھا شوہر ثابت ہوا..... وہ کرن اور پری دونوں کا خیال رکھتا لیکن اصل مسئلہ مائرہ اور باسط کا تھا۔

دونوں ... کی دوسری شادی ... [illegible]

... جذبات کے حوالے سے ... [illegible]

پہلے ارحم کی ... [illegible] ... شریک ہوتے گئے۔

قارئین متوجہ ہوں

پرچہ نہیں ملتا

کچھ عرصے سے مختلف مقامات سے یہ شکایت مل رہی تھی ... [illegible]

☆ ... [illegible]

☆ ... [illegible]

... PTCL ... [illegible]

مرزا ثمر عباس 0301-2454188

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

سسپنس، جاسوسی، پاکیزہ، سرگزشت

مندرجہ ذیل ٹیلی فون نمبروں پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں

35802552-35386783-35804200

ای میل: jdpgroup@hotmail.com

☆☆☆

[illegible] اسے لاؤنج میں رکھا

پری کے پاس کھلونے آتے تھے [illegible] اور اپنے دل کی

[illegible] اچھالا اور وہ اس سے کھیلنے لگی۔

[illegible] سے آئی تو اس کی نظر پڑی، وہ اس کا

[illegible] اسکول سے آئی تو [illegible] دیکھا تو فوراً چھیننے کو لپکی۔

[illegible] پری کو کھیلتے دیکھا تو فوراً چھیننے کو لپکی۔

"یہ میرا ٹیڈی بیئر ہے۔" اسے آئندہ ہاتھ مت لگانا۔" اس نے متنبہ کیا۔

"نہیں، یہ میرا ہے۔" پری بھی اب کچھ کچھ باغی ہونے لگی تھی وہ ضد کرنے لگی تھی۔ اسے بھی اپنی چیزیں چاہیے تھیں۔ یہ چیز پر دوسرے کی اجارہ داری اسے کھلنے لگی۔

"نہیں یہ میرے پاپا نے دلایا تھا۔ یہ میرا ہے....."

پری چپ ہو گئی۔

لیکن رات سارہ کے سامنے ایک اور سوال تھا۔

"ماما.... کیا سارہ کے پاپا میرے پاپا نہیں۔"

"ہاں بیٹا وہ تمہارے بھی پاپا ہیں۔"

"تو اس کا ٹیڈی بیئر میرا کیوں نہیں۔"

سارہ کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

☆☆☆

انسپکٹر ہاشم دونوں قتل کے کیسز پر غور کر رہا تھا۔ اس نے سونی کی کیس فائل بھی متعلقہ تھانے کے انسپکٹر رفیق سے منگوا لی تھی۔ رفیق باوجود شک کے عقیل کے خلاف کوئی ثبوت نہ حاصل کر سکا تھا۔

وہ اب کرن سے ملنے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کرن اپنے شوہر کے خلاف شاید اتنی آسانی سے سچ نہ اگلے۔ اس کے لیے مناسب طریقہ اختیار کرنا تھا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ میں اس کے سوا کوئی بات سامنے نہیں آئی تھی کہ سونی کی موت تیز دھار خنجر سے ہوئی تھی۔ اور حملہ بے خبری میں کیا گیا تھا۔ جب کہ آلۂ قتل پر فنگر پرنٹ موجود نہ تھے۔

انسپکٹر ہاشم دونوں وارداتوں میں کوئی ربط تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب ایک کانسٹیبل فائل لیے اندر آیا۔

"سر شبانہ کی پوسٹ مارٹم رپورٹ۔"

رپورٹ اس کے حسب توقع تھی۔ شبانہ کی موت دم گھٹنے سے ہوئی تھی۔ وہ چادر تھی جسے اس کی گردن کے گرد کسا گیا تھا۔ رپورٹ میں ہاتھاپائی کا کوئی ثبوت نہ تھا۔ جائے وقوعہ پر بھی ایسا امکان محسوس نہ ہوا تھا..... لیکن ایک بات نے اسے چونکا کر رکھ دیا۔

☆☆☆

دروازے پر نکل ہوئی تو عقیل نے [illegible]

[illegible] چھٹی کا دن تھا اور وہ گھر میں تھا۔

انسپکٹر ہاشم کو دیکھ کر وہ ٹھٹکا سا [illegible]

[illegible] رسمی ہوتا تو اس کی مسکراہٹ بحال ہو گئی۔

"کیا میں اندر آ جاؤں؟"

"پولیس والے یوں پوچھتے اچھے تو نہیں [illegible] آ جائیں۔" وہ خوش اخلاقی سے بولا۔

"عقیل صاحب شبانہ کے قتل سے [illegible] کیا خیال ہے۔" اس نے مطلب کی بات [illegible] لگائی۔

"مجھے تو بالکل اس حوالے سے کچھ [illegible] تو یہ کسی واردات کا شاخسانہ لگتا ہے۔ شبانہ بہت [illegible] بااخلاق خاتون تھی۔"

"خواتین کے حوالے سے کافی آگاہی [illegible] آپ۔" اس نے طنز کیا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا۔" اس کے [illegible] کچھ بے ترتیب سی ہوئی۔

"کچھ نہیں۔ سنا ہے آپ کے آفس میں بھی کوئی [illegible] ہوا ہے۔"

"جی ہوا ہے، تو کیا آپ کے خیال میں یہ [illegible] میں نے کیے ہیں۔" اس نے اپنے حواس قابو [illegible] کی بات کوئی نہیں تھی، وہ خود کو تسلی دے رہا تھا۔

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔"

"پوچھ تو آپ ایسے ہی رہے ہیں۔" وہ [illegible] ہوا۔

"اچھا چھوڑیں..... میں نے سنا ہے آپ کی [illegible] کی شبانہ سے کافی دوستی تھی؟"

"غلط سنا ہے، اس کی دوستی نہیں تھی بس سلام دعا تھی۔" وہ فوراً تردید کرنے لگا۔

"چلیں سلام دعا ہی سہی لیکن ہو سکتا ہے وہ شبانہ کے بارے کوئی ایسا پوائنٹ جانتی ہو جو مجھے قاتل تک پہنچنے میں مدد دے۔ آپ ان سے نہیں ملوائیں گے؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔" عقیل کچھ جزبز سا ہوا [illegible] کرن کو آواز دی۔

کرن آج کل کچھ زیادہ ہی نفسیاتی دباؤ میں تھی [illegible] شبانہ کی موت کے بعد وہ زیادہ گم صم رہنے لگی تھی۔ عقیل کو [illegible] کی کیفیت سے ہمدردی تھی۔

انسپکٹر ہاشم کی نظر شبانہ پر پڑی تو اسے لگا [illegible]

معمول اپنے عامل کے اشارے پر چلا آرہا ہو۔
''کیسی ہیں آپ کرن۔'' وہ بغور اسے دیکھنے لگا۔
''ٹھیک ہوں۔''
''شبانہ کے حوالے سے آپ کچھ بتائیں گی۔''
''میں تو کچھ خاص نہیں جانتی۔''
اس نے کبھی اپنی کسی پریشانی کا ذکر کیا ہو۔''
''نہیں ایسا تو نہیں۔ لیکن مجھے لگتا ہے وہ اپنے شوہر سے مطمئن نہ تھی۔ ایک دفعہ باتوں میں کہنے لگی کہ مرد بے وفا ہوتے ہیں اور بہ یک وقت دو کشتیوں کے سوار۔''
عقیل چونک کر اسے دیکھنے لگا۔
''اوہ اچھا، مزید کوئی تفصیل اس حوالے سے۔ اسے کسی پر شک تھا؟''
''نہیں......''
''اب کیا آپ وہاج پر شک نہیں کریں گے۔'' عقیل نے چبھتے ہوئے انداز میں پوچھا۔
''ضرور کریں گے۔'' ہاشم نے اطمینان سے جواب دیا۔ ''کرن صاحبہ سونی کے حوالے سے آپ کیا جانتی ہیں۔''
''یہی کہ وہ عقیل کی کولیگ تھی۔''
''کبھی آپ کی ملاقات ہوئی؟''
''جی ہاں۔ ان کے آفس میں کسی کی شادی کی تقریب تھی اس میں ہم دونوں اور وہ مدعو تھے تو بس رکی ملاقات ہوئی۔''
''آپ کو سونی کے قتل کی خبر کیسے ہوئی؟''
''عقیل نے بتایا تھا اسی دن۔''
''جس رات قتل ہوا یہ گھر پر تھے؟''
''جی بالکل گھر پر ہی تھے۔'' وہ مُجا سا منہ بنا کر بولی۔
''اس دن یہ اپنے ٹائم پر ہی گھر پہنچ گئے تھے۔'' اس سوال کا جواب اہم تھا۔
''نہیں، مجھے یاد ہے وہ دیر سے آئے تھے۔ آفس میں اس دن آڈٹ تھا۔''
''اوہ اچھا۔'' ہاشم نے فاتحانہ انداز میں عقیل کی طرف دیکھا۔ ''آڈٹ کا تو آفس سے پتا چل ہی جائے گا۔''
وہ معنی خیز انداز میں بولا...... عقیل پریشان نظر آتا تھا۔
''بہت شکریہ مسز عقیل، میرا خیال ہے آپ کا تعاون میرے کام آئے گا۔''
وہ کھوئی کھوئی بے چینی سے ہاتھ مسل کر رہ گئی۔ ہاشم

گھر بیٹھے
رسالے حاصل کیجیے
جاسوسی ڈائجسٹ سسپنس ڈائجسٹ
ماہنامہ پاکیزہ ماہنامہ سرگزشت
ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرِ سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)
پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 1200 روپے
امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 10,000 روپے
بقیہ ممالک کے لیے 9,000 روپے
آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔ رقم اسی حساب سے ارسال کریں۔ ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کر دیں گے۔
بیرونِ ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا منی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں۔ کسی اور ذریعے سے رقم بھیجنے پر بھاری بینک فیس عائد ہوتی ہے۔
0301-2454188
0333-3285269
جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
63-C فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ کراچی
فون: 35804200-35804300

اس کی یہ حرکت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔''

☆☆☆

شمیم صاحب چند دیگر لوگوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ اور شبانہ قتل کیس پر ہی تبادلہ خیال ہو رہا تھا۔

''مجھے تو لگتا ہے وہاج نے ہی طیش میں آکر مار ڈالا۔''

''وہاج شریف انسان لگتا ہے۔ میرا نہیں خیال اس کی اتنی جرأت ہو گی۔''

''طیش میں بندے کو ہوش کب ہوتا۔''

''ہاں بھائی لیکن قتل کرنا بہت بڑا اقدام ہے۔''

''شبانہ بھی کافی چالاک تھی۔ کسی کے گھر میں آگ لگانے اور لگائی بجھائی میں ماسٹر۔ ہو سکتا ہے اسی عادت کی وجہ سے کسی نے اس کا منہ بند کر دیا ہو۔''

''یار ویسے لگتا یہی ہے محلے سے ہی کسی نے کام دکھایا ہے۔''

غرض یہ جتنے منہ اتنی باتیں۔

''ہمیں کیا پتا...... ہو سکتا کوئی خاندانی دشمنی رہی ہو۔''

''ویسے بھی یہ عقیل اور کرن کا معاملہ بھی مشکوک سا ہے۔''

''ہم کرن کو نفسیاتی سمجھتے لیکن مجھے تو عقیل بھی پکا نفسیاتی لگتا ہے'' شمیم صاحب گویا ہوئے۔

''ہاں نفسیاتی بیگم کے ساتھ رہ کر بندہ ایسا ہو جاتا۔''

اس بات پر ہلکا سا قہقہہ لگا۔

بات مذاق میں ختم ہو گئی۔ لیکن دیواروں کے کان ہوتے ہیں اور مجمع میں کون ہم نوا کون مخالف کچھ پتا نہیں ہوتا۔ دیواروں کے پیچھے کچھ نگاہیں لگی تھیں اور کچھ کان لگے تھے۔

☆☆☆

''میں اب اس صورتِ حال سے تنگ آ گئی ہوں......''

''بس کچھ وقت ہے پھر تم من کی مرادیں پا لو گی۔'' وہ بولا۔

''اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔''

''وہی کرو جو کرنا چاہیے۔''

''کیا......''

''بس یہ آخری دفعہ ہے۔ تمہیں حوصلے سے کام لینا ہو گا۔''

''میرا حوصلہ تم ہو۔''

''میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

''تم میری طاقت ہو۔''

''یہ طاقت ہمیشہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی اور تمہیں عروج پر لے جائے گی۔''

وہ تصور میں اس عروج کو دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

شمیم صاحب صحن میں بیٹھے کتاب پڑھنے میں مگن تھے۔

ان کا بیٹا آج جلدی آ گیا تھا کیونکہ بہو بیگم کی طرف سے میکے چلنے کی فرمائش تھی۔ تھوڑی دیر قبل ہی وہ بچوں اور بیگم کو لے کر نکلا تھا۔ شمیم صاحب کافی بنا کر خود صحن میں آ بیٹھے تھے۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ حیران ہوئے۔ کون ہو سکتا ہے، وہ سوچتے ہوئے اٹھے۔

''کون۔''

باہر سے جو آواز آئی، اس نے انہیں چونکایا۔

تھوڑے تذبذب کے بعد انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ اور حیران رہ گئے۔

''آ جاؤں؟'' اس کی مسکراہٹ پُراسرار تھی۔

''ہاں لیکن خیریت۔'' وہ اس کی آمد کا مقصد نہ سمجھ پا رہے تھے۔

''مجھے آپ سے کچھ مشورہ کرنا تھا شمیم صاحب۔ میں بہت پریشان ہوں اور مجھے لگا آپ بہت سمجھدار انسان ہیں۔''

''سمجھداری کا تو پتا نہیں البتہ اچھا مشورہ دینے کی کوشش کر سکتا ہوں۔'' وہ خوش گوار انداز میں بولے اور اندر کی طرف ہو لیے۔ بیٹھک میں قدم رکھتے ہی اسے کارروائی کا موقع ملتا محسوس ہوا۔ وہ پلٹے تو اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔

''یہ کیا......'' گھبراہٹ میں ان کے منہ سے کچھ نہ نکل سکا۔

''بہت ہوشیار بنیں نا آپ۔ دیکھ کر بھی نہیں سمجھے؟'' اس کی ہنسی ہذیانی اور خوفناک تھی۔

اس کی ہنسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے لمحوں میں فیصلہ کیا اور قریب پڑا گلدان اس کی طرف پھینکا اور آگے ہی لمحے باہر کی طرف دوڑے۔

وہ پاگلوں کی طرح چیخی تھی۔ اب باہر نکلنے سے قبل اسے اپنا دیا گیا ''ٹاسک'' پورا کرنا تھا لیکن شمیم صاحب نے چیخنا چلانا شروع کر دیا تھا۔

قریب سے ہاشم خان جو پہلے ہی شمیم صاحب کے گھر

شاہی سفوف شوگر نو

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

خون اور پیشاب میں شوگر کی …

ترکیب استعمال 1/2 چمچ صبح 1/2 چمچ شام کھانے سے پہلے پانی کے ساتھ استعمال کریں

ڈیلر ☆ خواجہ میڈیکل سٹور بالمقابل ایمپریس مارکیٹ صدر کراچی ☆ عرفان قادری جڑی بوٹی 10 بابر مارکیٹ لانڈی 3 کراچی ☆ رفیق ٹریڈرز اینڈ وانی مصطفیٰ دواخانہ رسالہ روڈ حیدرآباد ☆ خالد برادرز مدنی سٹریٹ سکھر ☆ سندھ ہربل ہومیو قدیر روڈ تھلہ سکھر ☆ کلاسک ہومیو مسجد روڈ کوئٹہ ☆ راوی دواخانہ اوگی ☆ موتگا پنسار مین بازار لیاقت آباد ☆ لاہور ملت دواخانہ گھنٹہ گھر پشاور ☆ ضیا ہومیو سٹور سکندر پورہ پشاور ☆ ناصر دواخانہ 20 صدر لائن پشاور صدر ☆ سٹی ڈرگ سٹور جی ٹی روڈ مینگورہ ☆ الجنت پنسار مری روڈ ایبٹ آباد ☆ خالد دواخانہ صرافہ بازار ایبٹ آباد ☆ بادشاہ دی ہٹی بوہڑ بازار راولپنڈی ☆ زمان دواخانہ روہتاس روڈ جہلم ☆ / الرحمٰن دواخانہ 2 نور باوا گوجرانوالہ ☆ قدیمی دواخانہ کچہری بازار سرگودھا ☆ شاہی طبی دواخانہ چنیوٹ بازار فیصل آباد

مشورہ V.P ڈیلر کے بارے میں معلومات کیلئے 0300-6389463

Deva Herbal Health Tip   Catrain   Bdhdeva@yahoo.com

کی طرف کا رخ کرنا تھا، وہ دوڑتا ہوا آیا۔ دروازہ جھنجوڑنے پر
اندر سے بند پایا تو ایک زوردار ٹکر ماری۔ اس پر ایک
وحشت طاری تھی۔ اس نے پاگلوں کی طرح خنجر کھینچ مارا جو
قیم صاحب کے پہلو میں لگا وہ تڑپ کر پیچھے گرے۔
جب تک ہاشم دروازے پر فائر کر کے لاک توڑ چکا
تھا۔ اسے صورت حال سمجھنے میں دیر نہ لگی۔ اگلا فائر اس نے
قاتل ہاتھوں پر کیا جو وحشیانہ انداز میں قیم صاحب کی طرف
بڑھ رہے تھے وہ تڑپ کر گری۔
ہاشم نے اس کے ہاتھ سختی سے گرفت میں لے لیے۔
اس کے بعد کرن کو سنبھالنے میں اسے کوئی دشواری نہ ہوئی۔

☆☆☆

انسپکٹر ہاشم خان کو پہلا شک تب ہوا جب پوسٹ مارٹم
رپورٹ میں شبانہ کے ہاتھوں اور ناخنوں میں پھنسے ریشوں
کا ڈی این اے کسی عورت کا معلوم ہوا۔
نزدیک میں عورت کرن ہی نظر آئی۔ اس سے قبل
اس کے شوہر کے آفس میں ہوا قتل کسی رقابت کا شاخسانہ ہو
سکتا تھا۔ سونی کے اس کے شوہر سے روابط بھی تھے اس لیے
ہاشم نے کرن سے ملنے کا فیصلہ کیا لیکن اس دوران شک کا
دائرہ دار عقیل کو بنائے رکھا۔
کرن کا مشاہدہ کرتے اسے اندازہ ہوا کہ وہ کسی
شدید نفسیاتی عارضے میں مبتلا ہے۔ اس حوالے سے ادھر
ادھر سے بھی اسے یہی رپورٹ ملی تھی۔ جاتے سے اس کے
ہاتھوں پر اسے کچھ کھرونچوں کے نشان بھی ملے جنہیں وہ
بے تکلفی سے مسل رہی تھی۔
قتل سے کرن کا تعلق ہوتا یا نہیں لیکن اسے اس کردار
سے بے حد دلچسپی محسوس ہوئی۔ اس حوالے سے اس کی قیم
صاحب سے میٹنگ ہوئی اور کئی انکشافات سامنے آئے۔

☆☆☆

بچپن کی پری پہلے ممانی کے نامناسب سلوک اور بعد
ازاں سوتیلے رشتوں کے نفسیاتی دباؤ میں رہی تھی۔ بچپن
سے غبار آہستہ آہستہ اس کے دل میں جمع ہو رہا تھا۔ ہر چیز پر
دوسروں کا حق اور اس کی محرومی اس کے غصے اور ڈپریشن
میں اضافہ کرتی۔ جیسے تیسے تعلیم مکمل کرنے پر اس کا رشتہ آیا۔
عقیل اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا جس نے بچپن سے محنت کر
کے اپنا کیریئر بنایا تھا۔ والد کے انتقال کے بعد اس پر والدہ
کی ہی تنہا ذمے داری تھی۔ سارہ کو اس رشتے میں کوئی کمی نہ
لگی اور یہ رشتہ طے ہو گیا اور چاہتی تھی کرن کو جلد سے جلد اس
جہنم سے رخصت کرے جو روز بروز اس کی ذہنی صحت برباد
کر رہا تھا۔ ویسے بھی ہمارے معاشرے میں ہر مسئلے
کا حل شادی ہی سمجھا جاتا ہے۔
خاص طور پر لڑکی کی شادی جیسے تمام مسائل کا
"مداوا" ہوتی ہے۔ سارہ کا بھی یہی خیال تھا
جیسے جان چھوٹ جانے پر خوش تھی۔
"ماما عقیل تو صرف میرا ہوگا نا؟"
"ہاں بیٹا جب تم صرف اس کی ہوگی تو وہ بھی صرف
تمہارا ہی رہے گا۔"
شادی کے بعد کچھ عرصے اس کو واقعی ایسا لگا
اور نفسیاتی عارضہ کچھ عرصے تک دب گیا۔
سارہ کا کچھ ماہ بعد ہی انتقال ہو گیا اور اس کی زندگی کا
مرکز صرف عقیل ہی رہ گیا۔
تب مسئلہ ہوا جب شادی کی تقریب میں کرن کا
سامنا سونی سے ہوا۔ اس کی والہانہ نظریں عقیل پر تھیں
عقیل بھی بے تکلف تھا۔
واپسی پر عقیل نے اسے گھر ڈراپ کی آفر کی جسے اس
نے بغیر کسی تکلف کے قبول کر لیا۔ گھر واپسی پر وہ ان کے
ساتھ تھی۔ اس کا گھر ان کے گھر سے دور نہ تھا۔ علاقہ کرن کا
بھی دیکھا بھالا تھا۔
اس کی ذہنی رَو پہلی دفعہ اسے عقیل کی ذات میں
شراکت کا احساس دلانے لگی۔

☆☆☆

کرن کو قابو کرنا تھوڑا مشکل تھا۔ وہ پولیس کسٹڈی
کے بجائے ہاسپٹل میں تھی۔ اس کی ذہنی صحت مخدوش تھی۔
وہ بضد تھی کہ اس نے کوئی قتل خود نہیں کیا۔ اسے مسلسل کوئی
اکساتا رہا تھا۔ وہ اسے اپنا رہنما مانتی تھی جو اسے کسی طرح
پر لے جاتا۔
سونی اس کی زندگی ویران کرنا چاہتی تھی لہٰذا اس نے
راتوں رات اسے جا کر قتل کر دیا۔ اس شب عقیل کی پریشانی
اور سونی کی اسے دی جانے والی دھمکیوں کے بعد اس نے
فیصلہ کیا کہ رہنما شخص کی ہدایت پر اسے قتل کر دے جو پہلے
ہی کافی دن سے اسے اکسا رہا تھا۔ رات عقیل کو چائے میں
نیند کی گولی دے کر وہ اپنے مقصد پر روانہ ہو گئی۔ عقیل بے
سدھ پڑا اس کی غیر موجودگی سے بے خبر رہا۔
شبانہ کو اس پر شک تھا۔ کرن کے بقول وہ اس رہنما
شخص کے ساتھ اس کی گفتگو سن چکی تھی اور عجیب [illegible]
اسے جتاتی تھی۔ اس نے اسے کسی شخص سے باتیں [illegible]
تھا۔ کرن کے بقول وہ اس کے گھر میں داخل [illegible]

بڑا ہی انجان شخص کی ہدایت پر اس کا پتا بھی صاف کر دیا۔ چونکہ شمیم صاحب کا تصور یہ تھا کہ وہ محلے والوں کو عقیل کے خلاف بھڑکا رہے تھے۔ اس دن وہ کچھ سودا لینے قریبی جنرل اسٹور گئی تھی جب شمیم صاحب اسے دیگر لوگوں کے ساتھ اس کا مذاق اڑاتے محسوس ہوئے۔ اتفاق سے ان سب میں کسی نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ انہیں اپنی پُرسکون زندگی کی راہ میں آخری رکاوٹ سمجھتی تھی۔ رہنما شخص نے بھی یہی کہا تھا کہ وہ اس کے بعد بے شمار خوشیاں پائے گی۔

☆☆☆

ڈاکٹر عاصم نے انتہائی باریکی سے کرن کی کیس ہسٹری دیکھی تھی۔ اس کے ماضی اور حال کے تمام حالات کا تفصیلی جائزہ لیا تھا۔

انسپکٹر ناظم اور عقیل اس کے سامنے بیٹھے تھے۔

”عقیل صاحب آپ کو اپنی بیوی کی ذہنی کیفیت کا اندازہ تھا۔“

”کچھ کچھ تھا لیکن اتنی شدید بیماری کا نہ تھا۔“ اس نے اعتراف کیا۔

”کیا شادی سے پہلے کچھ خبر تھی؟“

”نہیں..... شادی خالص میری والدہ کی پسند سے ہوئی اور ان کا یہی خیال تھا کہ کرن مظلوم اور قابلِ رحم ہے۔ اسے محبت ملے گی تو مجھے خوش رکھے گی۔ ہمیں بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ کسی ذہنی عارضے میں مبتلا ہو گی۔“ کسی قدر توقف کے بعد اس نے بات بڑھائی۔

”البتہ شادی کے بعد میں محسوس کرتا تھا کہ وہ عام لڑکیوں سے مختلف ہے۔ وہ کھوئی کھوئی رہتی، ڈپریشن کا شکار اور کبھی شدید غصے میں۔ میں اسی لیے ذہنی طور پر اس سے دور ہوتا جا رہا تھا۔“

”کیا آپ نے کبھی کسی ڈاکٹر سے رجوع کیا۔“

”نہیں۔ دراصل عام لوگوں کی طرح مجھے بھی لگتا تھا کہ نفسیاتی کا مطلب پاگل ہی ہے اور بہرحال میں اسے پاگل نہیں سمجھتا تھا اور ذہن میں کبھی یہ خیال آیا ہی نہیں کہ پاگل پن کا علاج ہو سکتا۔“ اس نے شرمندگی سے کہا۔

”ہمارے معاشرے کا یہی پہلو افسوسناک ہے کہ وہ نفسیاتی مسائل کو ابتدا سے سمجھنے اور مناسب علاج کے بجائے نظرانداز کرتے ہیں یا ٹوٹکے کرتے ہیں۔ بہرحال نفسیاتی امراض کا علاج ایک مشکل کام ہے۔ بہت کم مریض مکمل طور پر صحت یاب ہوتے ہیں اور اس کے لیے ڈاکٹر کے علاوہ اردگرد کے ہر شخص کو نا صرف محنت کرنی پڑتی ہے بلکہ صبر اور برداشت کا بھی مظاہرہ کرنا [illegible]

”ڈاکٹر...“ کرن کی رہنما [illegible] ہے۔ مجھے نہیں آرہا یہ کیا چکر ہے۔“ ناظم نے [illegible] ظاہر کی۔

”دراصل نفسیاتی عوارض میں انسان بعض کیفیات میں کچھ ایسی چیزیں دیکھتا ہے جو وہاں نہیں ہوتیں یا آوازیں سنتا ہے جو دراصل نہیں ہوتیں اور وہ سب اس کے لیے بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ وہ ان پر مکمل یقین کرتا ہے۔ کچھ مریض اسے کبھی اشارے سمجھتے ہیں کچھ اپنے بچھڑے ہوئے پیاروں کو تصور میں دیکھتے ہیں۔ انہی کیفیات میں مریض خود کو کوئی عظیم یا روحانی ہستی سمجھتا ہے۔ یہ مریض ہر کسی کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ انتقام لینے پر تلا رہتا ہے، کبھی کبھی انہیں یقین ہوتا ہے کہ دوسرا شخص انہیں دھوکا دے گا، کبھی لگتا ہے وہ ان کی زندگی برباد کر دے گا۔ وہ خودکشی بھی کر جاتے ہیں۔ ایسے مریض قتل کے بعد ڈپریشن میں آ کر خودکشی بھی کر سکتے۔ کرن میں یہ ساری کیفیات نظر آتی ہیں۔“

”ڈاکٹر یہ بیماری کیا کہلاتی ہے؟“

”یہ تمام علامات شیزوفرینیا میں زیادہ تر پائی جاتی ہیں۔“

”ڈاکٹر کیا کرن ٹھیک ہو جائے گی۔“

”یہ تو وقت بتائے گا۔“ ڈاکٹر عاصم کا جواب مبہم تھا۔

☆☆☆

عقیل کمرے میں داخل ہوا تو کرن دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی۔

”عقیل تم کہاں تھے، دیکھو میری کیا حالت ہو گئی ہے۔“

”تم نے یہ سب کیوں کیا کرن۔“ وہ جیسے جواب چاہتا تھا۔

”عقیل میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی تھی۔ تم صرف میرے ہو.....“ اس دنیا میں تمہارے سوا کون تھا میرا۔ میں کسی کو اپنی زندگی میں مداخلت کرنے نہیں دے سکتی۔ ویسے وہ بھی یہی کہتا ہے چلو ہم کہیں دور چلیں، اب کوئی ہمارے بیچ نہیں آئے گا۔“ وہ ہذیانی کیفیت میں کہتی گئی۔ ہاسپٹل کے کمرے میں وہ کچھ تم کر دیا گیا۔

وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اس کے دل میں کرن کے لیے جذبۂ ترحم ہے یا محبت.....“

"یہ ... گئی ہے۔" سراغ رساں جم گولڈ نے اپنی ساتھی انجی سے کہا۔ "[illegible] کے گھاس میں ہے۔ [illegible] کا خیال ہے کہ یہ [illegible] ہے۔ کمپیوٹر پر موجود پیغام۔"

"یہ عورت جانی پہچانی سی لگتی ہے۔" انجی نے کہا۔ "میں نے اسے پہلے کہاں دیکھا ہے؟"

"شاید اخبارات میں دیکھا ہوگا۔ اس کا نام لنڈا فریر ہے۔ گزشتہ [illegible] تک یہ ایک ایسی مصنفہ تھی جس کی کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی تھی۔ پھر اس نے ایک پبلشر کے ساتھ دس لاکھ ڈالر کا ایک معاہدہ کیا جو اس کی پیش کردہ ایک کتاب اور آنے والی مزید تین کتابوں کے لیے تھا۔ یہ کتابیں اسے ہر سال تین سال تک لکھنی تھیں۔"

انجی کمپیوٹر اسکرین پر موجود پیغام پڑھنے لگی۔ "میں نے [illegible] لڑکیوں کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا [illegible] کتابیں کبھی بھی نہیں لکھ سکوں گی [illegible] نہیں رہ سکتی۔"

"اوکے۔" انجی نے سر ہلاتے ہوئے [illegible] ہیں جن کا تذکرہ اس نے اپنے پیغام میں [illegible]

"ہم نے لنڈا فریر کی ای میل [illegible] تلاش کر لیے ہیں۔ یہ نام [illegible] تھے۔" جم گولڈ نے بتایا۔

"ان تینوں سے رابطہ کرو اور انہیں [illegible] طلب کر لو۔" انجی نے کہا۔

☆☆☆

اگلے روز وہ تینوں عورتیں پولیس اسٹیشن [illegible] گرد بیٹھی تھیں۔ ان کے لبوں پر موجود [illegible]

ذراسی بداحتیاطی وہ کام دکھاتی ہے... جو بڑے بڑے پہاڑ بھی نہ دکھا سکیں... لفظوں سے کھیلنے والی خواتین کا اجتماع... ہر ایک کا خیال تھا کہ وہ بڑی مصنفہ ہے...

باتوں ہی باتوں میں مجرم شناس سراغ رساں کا کارنامہ......

سارق مصنفہ

سلیم انور

ایڈنا، ڈیبی، کیرولین جیکسٹر اور ڈیبی گولوے تھے۔

"مجھے یقین ہے کہ اب تک تم لوگوں کو پتا چل گیا ہوگا کہ ہماری دوست لنڈا فربر گزشتہ روز اپنے گھر میں زہرخورانی کی وجہ سے مردہ پائی گئی تھی۔ مجھے یہاں موجود تم خواتین سے یہ سمجھنے میں مدد درکار ہے کہ اس نے یہ خودکشی کیوں کی؟"

"لنڈا ہماری دوست نہیں تھی۔" ایڈنا نے کہا۔ "ہم اسے اپنی دوست ہی سمجھتے تھے لیکن ہم غلطی پر تھے۔"

"تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"ہم سب کا تعلق ایک رائٹرز گروپ سے ہے۔" ایڈنا نے وضاحت کی۔ "ہم مہینے میں ایک بار ملتے ہیں اور ہم نے جو کچھ لکھا ہوتا ہے، وہ بلند آواز سے پڑھ کر سناتے ہیں اور جس طرح ایک دوسرے کی مدد ہو سکتی تھی، کرتے تھے۔"

"ہم میں سے کسی کی بھی تحریر کبھی شائع نہیں ہوئی تھی۔" کیرولین جیکسٹر نے بتایا۔ "لیکن ہم سب کی اُمیدیں بلند تھیں۔"

"اور پھر اچانک خلاف اُمید لنڈا نے کتابیں لکھنے کا وہ بھاری بھرکم معاہدہ سائن کر لیا۔" ڈیبی نے کہا۔ "اور پھر ہمیں پتا چلا کہ اس کی کتاب حقیقت میں ہماری ان کتابوں کے اہم حصوں پر مشتمل ہے جو ہم اپنے گروپ میں گزشتہ سال بھر سے پڑھ رہے تھے۔"

"اس نے میرے کردار چوری کیے تھے۔" ایڈنا نے کہا۔ "ان کے نام، ان کے بیک گراؤنڈ حتیٰ کہ جانوری کردار بھی۔"

"اس نے میرا پلاٹ بھی چوری کیا تھا۔" کیرولین نے بتایا۔ "ایک اسپتال میں ایک لیڈی ڈاکٹر اور ایک مرد مریض کے درمیان معاشقہ چل رہا ہوتا ہے اور اسپتال میں قتل کی وارداتیں بھی ہو رہی ہوتی ہیں۔"

"میں میڈیسن میں ریسرچ کر رہی تھی۔" ڈیبی نے بات بڑھائی۔ "لنڈا نے اسے چوری کر لیا اور اپنی کتاب میں استعمال کر لیا۔"

"تو یہ وجہ تھی کہ اس نے اپنے پیغام میں جو یہ لکھا تھا کہ اس نے تم لوگوں کے ساتھ جو کچھ کیا تھا، اس کا اسے افسوس ہے۔" لگی نے بات سمجھتے ہوئے کہا۔

"یہ پیغام اس نے کب لکھا تھا؟" ایڈنا نے پوچھا۔ "لنڈا نے اپنی زندگی میں کبھی اوریجنل کچھ نہیں لکھا۔"

لگی نے ایک فولڈر کھولا اور ان تینوں عورتوں کو لنڈا فربر کی خودکشی کے پیغام کو پڑھ کر سنانے لگی۔

"ہونہہ" کیرولین کے حلق سے غراہٹ کی سی آواز بلند ہوئی۔ "کیا اس نے لفظ ذلیل کے ہجے صحیح لکھے ہیں؟"

سراغ رساں نے اس سوال کو نظرانداز کر دیا اور پوچھا۔

"کیا تم میں سے کسی کو بھی یہ معلوم ہے کہ اس نے زہر کہاں سے حاصل کیا ہوگا؟"

تینوں خواتین نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"وہ آخر میں بزدل ہی نکلی۔" [illegible] سائنائیڈ کے [illegible]

"کیرولین، کیا سائنائیڈ تمہاری کتاب [illegible] نہیں تھا؟" ایڈنا نے پوچھا۔

"ہاں، میری کتاب میں ایک سیریل کلر نرس چپکے چپکے مریضوں کو زہر دے رہا ہوتا ہے جہاں میری ہیروئن کام کرتی ہے۔ اس صورت حال سے ایک ڈرامائی سچویشن پیدا ہو جاتی ہے اور میری ہیروئن پریشان ہو جاتی ہے کہ اس کا [illegible] زہرخورانی کا اگلا شکار نہ ہو جائے۔"

"اور اسی بات کو لنڈا کی کتاب کے پبلشر نے اپنی اشتہاری مہم میں من و عن بیان کیا ہے۔" ڈیبی نے بتایا۔

"اور جن تنقید نگاروں نے اس کتاب کی ایڈوانس کاپیاں پڑھی ہیں، انہوں نے لنڈا کی تخلیقی صلاحیتوں کو سراہتے ہوئے اسے آئندہ کی بارہا کا بیسٹ سیلر قرار دیا ہے۔" کیرولین نے کہا۔

"ہماری تخلیقی صلاحیتیں۔" ایڈنا چیخ اٹھی۔ "ہماری تخلیقی صلاحیتیں!"

لگی نے ان تینوں خواتین کو انتظار کرنے کو کہا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

کچھ دیر بعد سراغ رساں جم گولڈ کمرے میں داخل ہوا اور اس کے مقابل کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تمہارے چہرے پر ایک عجیب سا تاثر چھایا ہوا ہے۔" جم گولڈ نے لگی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا کوئی گڑبڑ ہے؟"

"ہاں۔" لگی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا؟"

"میرے خیال میں لنڈا فربر نے خودکشی نہیں کی ہے۔ [illegible] یقین ہے کہ میں جانتی ہوں کہ اسے قتل کیا گیا ہے۔"

"تمہیں یہ یقین کیوں کر ہے؟"

"وہ اس لیے کہ ان تینوں رائٹرز [illegible] فربر کو سائنائیڈ کا زہر دیا گیا ہے لیکن [illegible] زہر ٹانک واٹر کے ساتھ ڈرنک میں [illegible] حیرانی ہو رہی ہے کہ ڈیبی گولوے کو یہ بات کیسے [illegible] لنڈا فربر کو زہر اسی نے دیا تھا۔ جاؤ [illegible] ڈیبی گولوے کو حراست میں لے لو۔"

بحری معمّا

روبینہ رشید

نازکردگی، محنت، ریاضت اور کاوش ضرور رنگ لاتی ہے... مگر اتنی محنت و ریاضت کے دوران کوئی ایک غلط کام اٹھ جاتا ہے... جو بہت بھاری پڑتا ہے... وہ ایک قدم باقی زندگی کے لیے دکھوں اور رسوائیوں کی بازگشت بن جاتا ہے... آنے والے دنوں کا ایک ایک پل خوف و دہشت کی علامت بن کے ڈراتا... دھمکاتا اور بے کل رکھتا... پُرتجسس کہانی کے ایسے ہی کرداروں سے گندھی سرورق کی کہانی... جس کا ہر کردار کئی رنگ و روپ رکھتا تھا... ایک روپ ایسے تخلیق کار کا تھا جو اپنے ہنر کے ذریعے سوچوں کو ایک نیا آہنگ دے کے وقت کے پاؤں میں زنجیر ڈالنا چاہتا تھا... اس کی راسیں تھام کے انسانی ذہن و جسم کو نئی صورت میں ڈھالنا اس کا خواب تھا...

اپنے کام سے شناخت و شہرت کے لیے اٹھائے گئے قدم کی دہشت.....

ثیزا کے لیے آج کا دن بہت اہم تھا۔

اُس نے اِس دن کے لیے برسوں محنت کی تھی۔ اس نے دیوار پر لگی گھڑی کی طرف دیکھا۔ وہ صبح کے سات بجنے کا اعلان کر رہی تھی۔ اسے آج ٹھیک دو بجے شاہ اسٹوڈیوز پہنچنا تھا۔

وہ کئی سالوں سے انڈسٹری میں تھی۔ چھوٹے موٹے سائڈ رولز جن میں وہ کام کرتی آ رہی تھی۔ وہ اس کی منزل نہیں تھے۔ وہ ہیروئن بننے کے لیے یہاں آئی تھی۔ ایک بڑے بینر کی فلم میں ہیروئن کا رول ملنا اس کا سب سے بڑا خواب تھا اور اس کی تعبیر کے حصول کے لیے اس نے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ وہ خوب صورت تھی، باصلاحیت تھی، سین کی ڈیمانڈ کے مطابق کچھ بھی کرنے کے لیے تیار تھی۔ اسے باکس آفس کی شاہ رخ خان بننے کے لیے صرف بہترین موقع کی تلاش تھی۔ قسمت کی دیوی بالآخر اس پر مہربان ہو گئی تھی۔ اسے آج وہ موقع ملنے والا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر تیار بھی ہو رہا تھا۔ آج وہ ہر دیکھنے والی نظر کو اپنے جلوؤں سے چندھیا دینا چاہتی تھی۔ وہ واش روم کی جانب بڑھتے ہوئے مسکرائی۔ برش پر ٹوتھ پیسٹ لگا کر اس نے شیشے میں دیکھا اور منجمد سی ہو گئی۔

اسے اپنی نظروں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ سامنے آئینے میں نظر آنے والا منظر کسی ہارر فلم کے کلائمکس سے زیادہ ہولناک تھا۔

☆☆☆

بیگم امجد علی کے سر پر گویا آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔ ایک لمحے کے لیے گنگ سی ہو کر رہ گئی تھیں۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کے ساتھ یہ ہو گیا ہے۔ ان کی نیلے کانٹیکٹ لینز سے سجی آنکھوں میں آنسو تھے اور خوب صورت چہرے پر دکھ اور بے یقینی کے تاثرات نمایاں تھے۔

”کیا...... کیا آپ کو یقین ہے؟“ انہوں نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

”ہنڈرڈ پرسنٹ بیگم صاحب، آپ کی رپورٹس بہ...“

رہی ہیں۔ مجھے افسوس ہے مگر یہ حقیقت ہے، اگرچہ یہ سب تکلیف دہ ہے مگر اچھی خبر ہے کہ یہ اس وقت قابل علاج ہے۔ آپ ٹھیک ہو سکتی ہیں۔" ان کے سامنے بیٹھی ڈاکٹر نے ہمدردی سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مگر اس کے لیے آپ کو میری ہدایات پر مکمل طور پر عمل کرنا ہوگا۔"

بیگم امجد علی شہر کے ممتاز صنعت کار سیٹھ امجد علی کی اہلیہ تھیں۔ گوری چٹی رنگت، متناسب جسامت اور بہترین نقوش والی بیگم امجد علی کو ان کے حلقے میں بیوٹی کوئین کہا جاتا تھا۔ ان کی عمر تو پچاس کے اوپر ہی تھی مگر انہوں نے عمر کی عنایتوں کو بہترین دیکھ بھال، مہنگی ترین مصنوعات، بے شمار پروڈکٹس اور پلاسٹک سرجریز کے ذریعے تھام رکھا تھا۔

ان کا چہرہ آج بھی اسی طرح تروتازہ اور جوان نظر آتا تھا۔ ہر کوئی ان کے "ایور گرین" حسن کی تعریفیں کرتا۔

"مگر اس کا مطلب تو یہ ہے کہ پھر مجھے......" وہ رندھے ہوئے لہجے میں کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔

"جی بیگم صاحبہ، آپ کو کاسمیٹکس، کیمیکل والی چیزوں کے استعمال یا کسی بھی قسم کے انجکشن سے دور رہنا ہوگا۔" ڈاکٹر نے حتمی انداز میں کہا۔ "جلدی کی جانے والی پلاسٹک سرجریز بھی ... والا کوئی عنصر یا پھر کوئی اور کیمیکل کا ری ایکشن ... وجہ بنتا ہے۔ اگر آپ نے اس پر فوراً توجہ نہ دی تو یہ جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے۔ میں آپ سے کچھ چھپانا نہیں چاہتی۔۔۔ آپ خود بھی تعلیم یافتہ خاتون ہیں۔ آپ جلد کے کینسر کا شکار ہو سکتی تھیں۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

بیگم امجد علی جواب میں خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

☆☆☆

"لیجیے..... پہنچ گئے ہم—" سحر نے کار پارک کرتے ہوئے طمانیت سے اردگرد کا جائزہ لیا۔

موسم اب قدرے سرد ہو چلا تھا۔ رات کے اندھیرے کو شکست دیتی سویرے کی نرم روشنی کائنات کو اپنے حصار میں لے رہی تھی۔ سمندر کی ٹھنڈی تازہ ہوا میں گویا توانائی بھر رہی تھی۔ سمندر کے اس کنارے پر دور دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ پورا منظر ہی کسی اعلیٰ پینٹنگ کے مانند نظر آ رہا تھا۔

"یار اتنی صبح سمندر کے کنارے وہ بھی اس ٹھنڈ میں مجھے گھسیٹ کر لانے کے پیچھے تمہارے کچھ مذموم مقاصد نظر آ رہے ہیں مجھے۔" سحر کے برابر پسنجر سیٹ پر بیٹھی سدرہ نے ناک سے پھسلتے ہوئے چشمے کو دو انگلیوں کی مدد سے پیچھے دھکیلتے ہوئے اسے گھورا۔

"او..... مستقبل کی وکیل صاحبہ، کیا آپ نے وہ مقولہ سنا ہے کہ صحت مند جسم میں ہی صحت مند دماغ ہوتا ہے..... اور یہ کوئی اتنی صبح نہیں ہے، ساڑھے چھ بجے ہیں۔ ہم یہاں واک اور جاگنگ کرنے آئے ہیں جو صحت کے لیے بہت ضروری ہے خصوصاً سمندر کے کنارے اس تازہ ہوا میں یہ کرنا ایک نعمت سے کم نہیں ہے، لہٰذا گاڑی سے اتریے۔" سحر نے دروازہ کھول کر نیچے اترتے ہوئے کہا۔

"سچ میں مجھے واک وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" سدرہ نے اسی احتجاجی لہجے میں کہا مگر وہ گاڑی سے بہرحال نکل آئی تھی۔

"ہاں تمہیں تو صرف لمبی تان کر سونے میں دلچسپی

نہیں میرے ساتھ روزانہ
صبح تک جب تک تم یہاں ہو۔ پھر تمہیں تھوڑا بہت پیدل چلنا ہوگا۔ پھپھو نے خود مجھے کہا ہے کہ تمہیں تھوڑا اکیٹو
یہاں آئی ہوئی ہو۔ اب پھپھو نے خود مجھے کہا ہے کہ تمہیں تھوڑا ایکٹیو
کر دوں۔ یوں اب یہ میری آفیشل ذمے داری ہے۔" آگئی عقل
شریف میں بات... "
"مگر یار، یہاں کتنا ویرانہ ہے۔ روزانہ ہی اسٹریٹ کرائمز کی خبریں آتی رہتی ہیں۔ تمہیں ڈر نہیں لگتا سحر؟"
"ہرگز نہیں، اول تو میں یہاں آتی ہی اسی لیے ہوں کہ اس طرف بالکل رش نہیں ہوتا، دوسرے تم بھول رہی ہو کہ میرے پاپا یعنی تمہارے ماموں پولیس افسر ہیں اور میں بھی جلد پولیس فورس جوائن کرنے والی ہوں پھر میرے پاس ہمیشہ یہ ریوالور بھی ہوتا ہے اور اس کا لائسنس بھی اور میرا نشانہ بھی ٹھیک ٹھاک ہے۔" اس نے مسکرا کر کندھے پر لٹکے بیگ کو چھوا۔

"باپ رے..... بھئی اب تو مجھے تم سے بھی ڈر لگ رہا ہے۔" سدرہ نے اسے گھورا۔

"زندگی ڈر ڈر کر نہیں جی جاتی میری پیاری کزن، تم ایک پولیس افسر کی بھانجی ہو اور وہ بھی تگی..... کچھ تو بہادر ہو..... اور بہادر بنو یا نہ بنو تھوڑا تیز چلو ہمیں آج 2000 قدم ضرور چلنا ہے۔"

"چل تو رہی ہوں، اب تم قدم بھی گنو گی؟"

"میں نہیں، یہ موبائل ایپ گنے گا۔" سحر نے مسکراتے ہوئے موبائل اس کے سامنے کیا، اسکرین پر ہر قدم پر نمبر تبدیل ہو رہا تھا۔ اس کے گردن ہلاتے ہلاتے سحر آگے نکل گئی تھی۔

سدرہ حتی الامکان تیز چل رہی تھی۔ اسے زیادہ چلنے کی عادت نہیں تھی۔ اتنی صبح اٹھنا بھی اس کے معمول کا حصہ نہیں تھا پھر یہاں تو وہ چھٹیاں گزارنے آئی تھی۔ راتوں کو یوں بھی سب کافی دیر سے سوتے تھے۔ وہ یہاں آئی تو سحر کی زبردستی سے تھی مگر اب سمندر کا یہ پُرسکون کنارہ، ٹھنڈی ہوا اور دھیرے دھیرے پھیلتی روشنی اسے خود بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اس نے رخ موڑ کر سمندر کی طرف دیکھا۔ دور سے نہایت تیز رفتار میں آتی اچھلتی کودتی موجیں کنارے کے پاس آکر دم توڑ جاتی تھیں مگر پھر اگلے ہی لمحے ہمت کی تک لگتی انہیں گویا نیا جنم دے دیتی تھی۔

"واؤ۔" اس نے شال کو بازوؤں کے گرد لپیٹے ہوئے چاروں طرف دیکھا۔ سحر قدرے آگے نکل گئی تھی۔ اس نے قدم تیز کیے، اچانک اسے آتی جاتی لہروں کے درمیان جس میں [illegible]

ساحل کے قریب کچھ پڑا نظر آیا [illegible]
دیکھنے کی کوشش کی مگر لہروں کی [illegible]
تھا۔ سدرہ آگے بڑھنے ہی لگی تھی کہ [illegible]
گئیں، پانی کے کم ہونے کی وجہ سے [illegible]
گیا تھا۔ سدرہ نے ایک لمحے کو آنکھیں [illegible]
کھولیں جیسے اسے اپنی بینائی پر یقین نہ [illegible]
کی نظروں کے سامنے تھا۔ اس کی آنکھیں [illegible]
سے پھیل گئیں۔ ہاتھ میں پکڑا موبائل [illegible]
کے ہونٹوں سے ایک زوردار چیخ برآمد ہوئی۔ [illegible]
سحر ٹھٹک کر رک گئی۔ اس نے مڑ کر اس کی جانب [illegible]
سدرہ منجمد سی کھڑی مسلسل چیخ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں [illegible]
پر جمی ہوئی تھیں۔ سحر تیزی سے دوڑتے ہوئے واپس آئی
"کیا ہوا ہے سدرہ..... کیا ہوا ہے؟" وہ [illegible]
ہو کر اسے جھنجوڑتے ہوئے بولی۔

"وہ..... وہ..... وہ دیکھو....." سدرہ بمشکل بولی۔

"کیا.....؟" سحر نے اس کے لرزتے ہوئے ہاتھ کی سیدھ میں دیکھا۔ سامنے نظر آنے والے منظر نے اسے بھی لمحے بھر کے لیے ساکت سا کر دیا تھا۔ اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ساحل پر ایک لاش اوندھی پڑی تھی جس کا ایک [illegible] غائب تھا۔ پیر بھی کٹی پھٹی حالت میں تھے۔ لاش بُری طرح پھولی ہوئی تھی۔ اس کی حالت اتنی خراب تھی کہ اس پر دوسری نظر ڈالنا محال تھا۔

☆☆☆

"میرا اندازہ ہے کہ اسے مرے ہوئے ایک [illegible] سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔" ڈی ایس پی شمشیر [illegible] اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔ وہ اسپیشل کرائم سیل کے سربراہ تھے۔ سحر ان کے یونٹ میں ہی تھی اور یہ کیس [illegible] کے سپرد کیا گیا تھا۔

"مگر لاش اتنے دن سمندر میں پڑی رہی۔" [illegible] سوچتے ہوئے بولی۔

"اسے ہاتھ پیر باندھ کر غالباً کسی وزن کے ساتھ سمندر میں پھینکا گیا ہوگا۔ ابھی یہ بات بھی یقین سے نہیں کی جا سکتی کہ سمندر بُرد ہونے سے پہلے اس کی موت واقع ہو چکی تھی یا یہ ڈوب کر مرا ہے۔" شمشیر حیدر نے جواب دیا۔

"جی ہاں..... میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔ پانی میں رہنے کی وجہ سے ہاتھ پیر گل گئے [illegible]
وزن یا تو بچ نکلا [illegible]

"ہاں بظاہر تو ایسا ہی لگ رہا ہے۔" انہوں نے اپنے بالوں والے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "بہرحال لاش پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج تو دیا گیا ہے۔ رپورٹ جلد ہی مل جائے گی۔ آفیسر سحر تمہیں اس کیس کا چارج دیا گیا ہے۔ تمہیں پتا لگانا ہے کہ یہ کون ہے؟ اسے کس نے کیوں اور کب کہاں قتل کیا؟" وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولے۔

"یس سر......" سحر نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ اب اس کا رخ اپنی سیٹ کی جانب تھا۔ اس کا ذہن اس لاش میں الجھا ہوا تھا۔ اسے کرائم سیل جوائن کیے ایک سال سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا تھا۔ اس دوران میں وہ کئی وارداتوں میں کامیابی سے جوائنٹ اور لیڈ تفتیش کر چکی تھی مگر اس لاش کی حالتِ زار نے اسے بہت متاثر کیا تھا۔ اس کے چہرے کے نقوش اس بری طرح مسخ ہو چکے تھے کہ اس کی شناخت ہو پانا ناممکن نظر آتا تھا۔ بہرحال اسے اس ناممکن میں سے ہی ممکن کو تلاش کرنا تھا اور اس معمے کو حل کرنا تھا۔

"شناخت......" اس نے دل ہی دل میں دہرایا۔

کرسی پر بیٹھتے ہی اس نے انٹرکام کا ریسیور اٹھایا۔

"مسٹر سکندر، گزشتہ ایک یا دو ہفتوں کے دوران شہر میں گمشدگی کی جتنی رپورٹس درج ہوئی ہیں، مجھے ان میں مرد گمشدگان کی تفصیل چاہیے۔" دوسری طرف سے کال ریسیو ہوتے ہی وہ بولی۔ "کوئی ایک بھی رپورٹ مس نہیں ہونی چاہیے۔"

"اوکے باس۔" دوسری جانب سے چہکتی ہوئی آواز میں جواب ملا تھا۔ یہ اس کا ساتھی سکندر تھا۔ سکندر اس کا بیچ میٹ رہا تھا اور اب وہ سیل میں ریسرچ بیک آفس کا سربراہ تھا۔

"تم سمندر سے ملنے والی لاش کے کیس پر کام کر رہی ہو نا؟"

"ہاں۔" سحر نے مختصر جواب دیا۔

"تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ لاش اس شہر ہی سے تعلق رکھتی ہو؟" سکندر نے پوچھا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ اسے کہیں اور سے لا کر یہاں پھینکا گیا ہو...... ایسا ہو سکتا ہے۔"

"کیوں نہیں ہو سکتا بھائی، اپنے شہر میں تو موسم تک دوسرے شہروں سے متاثر ہو کر آتا ہے۔" وہ پٹری سے اتر

"سکندر [illegible] نے متانت سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے [illegible] تفصیلات تمہیں مل جائیں گی۔" [illegible]

فون رکھنے کے بعد سحر خاموشی سے [illegible] رہی تھی۔ اس کی چھٹی حس اسے بتا رہی تھی کہ یہ کیس آسان ثابت ہونے والا نہیں تھا۔

☆☆☆

خولہ اعجاز شاہ کے لیے آج کا دن خاصا مشکل ثابت ہوا تھا۔ سب سے پہلے صبح صبح الارم نے دھوکا دیا۔ وہ جاگ کر بھاگ تیار ہو کر کورٹ کے لیے نکلی تو ٹریفک جام سڑک پر گویا اسی کا منتظر تھا۔ آخری کیس میں گواہ نے وکیل استغاثہ پر حملہ کر دیا۔ ابھی شاید کچھ کسر باقی تھی تو چیمبر میں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ وہ اپنے شوہر اعجاز کا دیا ہوا تحفہ اپنا نیا جدید موبائل کہیں بھول گئی ہے۔ اس نے موبائل کہاں اور کب رکھا تھا، اس حوالے سے ذہن کی سلیٹ بالکل صاف تھی۔ فون چونکہ بند تھا لہٰذا کال کر کے اسے ٹریس کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ چیمبر اور پھر گاڑی میں تلاش کے بعد جب اس نے فون پر فاتحہ پڑھ لی تو وہ خود اس کے اپنے بیگ کی اندرونی جیب سے برآمد ہو گیا۔ گھر کی جانب روانہ ہوتے ہوئے اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ گرم شاور لے کر کم از کم دو گھنٹے آرام کرے گی مگر لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اسے ٹھٹک کر رک جانا پڑا۔ سامنے صوفے پر بینش تقریباً نیم دراز تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں مگر چہرے پر تناؤ کے اثرات پھر بھی نمایاں تھے۔

بینش اس کی چچازاد بہن تھی۔ خولہ کے والد نے بھائی بھاوج کی رحلت کے بعد سے تیرہ سالہ بھتیجی کو اپنی اولاد کی طرح پالا تھا۔ یوں وہ سگی بہنوں کے مانند ہی تھیں۔ بینش کاسمیٹکس سرجری کے حوالے سے ادویات اور دیگر سامان بنانے والی ایک بڑی کمپنی کی چیف ایگزیکیٹو تھی۔ وہ انتہائی موڈی تھی، کسی دوسرے کی بات ماننا تو گویا اس کی سرشت میں ہی نہیں تھا۔ خولہ لاکھ کوشش کر لیتی۔ مگر بینش سے ملاقات اسی وقت ممکن ہوتی تھی جب وہ چاہتی تھی اور وہ عموماً اس کے گھر کا رخ اسی وقت کرتی تھی جب وہ کسی مشکل میں گرفتار ہوتی۔ کسی بات پر غصے میں ہوتی یا پھر بہت خوش

بعد ... کے والد، والدہ کے انتقال اور اس کی شادی کے
بعد ان دونوں نے آبائی مکان بیچ دیا تھا۔ بینش نے اپنے
... شہر کے ایک پوش علاقے میں چھوٹا سا
اپارٹمنٹ خرید لیا تھا۔ خولہ کے سخت برا ماننے کے باوجود وہ
... سے وہاں قیام پذیر تھی۔ خولہ نے غور سے اس کی طرف
دیکھا۔ بینش کے خوب صورت چہرے پر ہلکی سی کمزوری
غالب تھی۔ اس کی گہری سیاہ آنکھیں اس وقت بند تھیں اور
کٹے ہوئے چمک دار بال کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔
اس کی عمر چھبیس سال کے لگ بھگ تھی مگر دیکھنے میں وہ 28
سے زیادہ کی نظر نہیں آتی تھی۔ خولہ عمر میں اس سے چار سال
بڑی تھی۔ اپنے پاپا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس نے
قانون کی دنیا کا انتخاب کیا تھا۔ بیرون ملک سے اعلیٰ تعلیم
کے بعد کچھ عرصہ اس نے پاپا کو ہی اسسٹ کیا تھا پھر خود
وکالت کرتی رہی تھی مگر اس کی دلچسپی جج بننے میں تھی۔ جج
کی ڈگری ملتے ہی اس نے اپنے خواب کی تعبیر پالی تھی۔
بہت کم وقت میں اس کا شمار بہترین ججز میں کیا جانے لگا تھا۔
بینش کے مقابلے میں اس کی رنگت سنہری مائل تھی۔
دبلی پتلی نازک جسامت، سیاہ لمبے گھنے بال اور ذہانت سے
چمکتی آنکھیں اس کی شخصیت کا خاصہ تھیں۔ خولہ چند لمحے
کھڑی بینش کو دیکھتی رہی پھر آہستگی سے اس کے سامنے
موجود صوفے پر جا بیٹھی۔ اس کے قدموں کی چاپ پر بینش
چونک کر اٹھ گئی۔ خولہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا مگر وہ
خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی جیسے اسے پہچاننے
کی کوشش کر رہی ہو۔

☆☆☆

"اس کی موت سر پر گولی لگنے سے واقع ہوئی ہے۔
اسے نہایت صفائی سے کھوپڑی کے عین درمیان گولی مار کر
ہلاک کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اس کی لاش کو باندھ کر سمندر
میں پھینک دیا گیا۔" سکندر رپورٹ پڑھتے ہوئے بولا۔
"اس کی عمر چھبیس سال کے لگ بھگ بتائی جا رہی ہے۔"
"ہم..." سحر کافی دیر بعد بولی۔ "یعنی ہمارا تجزیہ
درست ہی تھا۔ لاش کو غائب کرنے کے لیے اسے سمندر میں
ڈالا گیا تھا مگر راز بہرحال فاش ہو گیا۔"
"... ہوا ہے۔"
"مگر مسئلہ تو پھر وہیں کا وہیں ہے۔ اس کی شناخت کا
کوئی سرا ہمارے ہاتھ نہیں لگ رہا ہے اور جب تک شناخت
نہ ہو قتل کے محرک اور اس کے ذمے داروں تک پہنچنا تقریباً
ناممکن ہے۔" وہ بولی۔
"گمشدہ افراد کی رپورٹوں سے ..." سکندر نے پوچھا۔
"نہیں، دو ہفتوں سے ... گمشدگی کی رپورٹ درج کی گئی ... ذہنی مریض اور کافی عمر رسیدہ ... سے بائیس سال تک کے نوجوان ... کہا۔ "ان میں سے کسی کا ... ابھی ... پا رہا۔"
سکندر کے مزید کچھ بولنے سے قبل ہی ... اٹھا۔
"اچھا... واقعی؟ ٹھیک ہے تم مجھے ... کرو۔" اس نے فون بند کر کے سحر کی طرف دیکھا۔
"کیا ہوا؟" سحر نے بالآخر پوچھا۔
"ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم۔" وہ ...
"سچ بتاؤں کبھی کبھی تو مجھے تمہاری ذہنی حالت ... ہی مضبوط قسم کا شک ہونے لگتا ہے۔" وہ اسے ... ہوئے بولی۔
"عورتیں تو ہوتی ہی شکی ہیں یار، ویسے شک ... عادت نہیں ہے۔" وہ پھر شروع ہونے لگا تھا مگر سحر کی نگاہوں کو دیکھ کر اس نے خوف زدہ ہونے کی اداکاری ... پھر بولا۔ "ویسے میں تمہیں کام کی بات بتانے لگا ... تم نے مجھے پھر فضول باتوں میں لگا دیا۔"
"میں نے...؟" سحر نے آنکھیں نکالیں۔
"اور کیا... مجھے تمہیں یہ بتانا تھا کہ چونکہ میں ... کام کل پر نہیں ٹالتا اور بہت محنتی اور قابل پولیس افسر ... اس لیے میں نے کل ہی مزید تھانوں میں الرٹ بھیج ... تھے۔ ابھی ابھی ساؤتھ کے علاقے سے ایک اطلاع آئی ... کہ ان کے پاس ایک شخص کی گمشدگی کی رپورٹ آئی ہے ... دو ہفتوں سے غائب ہے۔ ابھی اس کی تفصیلات ... جائیں گی۔" اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی ... میسج کی بیپ سنائی دی۔ "یہ لو..." سکندر نے میسج پر ... معلومات کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ کچھ کام کی اطلاع ... ہو رہی ہے، گمشدہ کی عمر چھبیس سال ہے اور وہ ... سے غائب ہے۔ گھر والوں نے خود خاصی تلاش ... کے بعد اب رپورٹ درج کرائی ہے۔"
"اوہ..." سحر اچھل سی پڑی۔ "ہمیں ..."

[illegible] ہم ابھی چل رہے

⭐⭐⭐

"کیا اب تم مجھے بتاؤ گی کہ مسئلہ کیا ہے؟ تم کیوں اتنی پریشان ہو؟ آخر ہوا کیا ہے؟" خولہ نے کافی کا کپ بینش کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ اس نے زبردستی اسے تھوڑا بہت کھانا کھلایا تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ بہت زیادہ ڈسٹرب ہے مگر کیا چیز اسے اتنا پریشان کر سکتی ہے، یہ وہ قطعی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ چند گھنٹوں بعد اسے اپنے شوہر اعجاز شاہ کے پروگرام میں بھی جانا تھا۔ اعجاز شاہ شہر کے ایک بڑے ریسٹورنٹ کا مالک تھا مگر اس کی اصل وجہ شہرت اس کی سماجی خدمات تھیں۔ آج بھی اس نے ایڈز کے لیے ریسرچ کرنے والے ایک ادارے کے لیے فنڈ ریزنگ ڈنر کا اہتمام کیا تھا جس میں شہر بھر سے ممتاز اور معروف افراد شرکت کرنے والے تھے۔ خولہ کے لیے اس قسم کی تقریبات میں شرکت کسی امتحان سے کم نہیں ہوتی تھی، اوپر سے بینش کا رویہ اسے الجھائے دے رہا تھا۔

"میں بہت زیادہ پریشان ہوں آپی اور...... اور خوف زدہ بھی۔" وہ بالآخر بولی۔

"پریشان اور خوف زدہ؟ آخر بات کیا ہے؟ تمہارا کسی سے کوئی جھگڑا ہوا ہے؟" خولہ نے پوچھا۔

"بات اس سب سے زیادہ بڑی اور مشکل ہے۔" بینش نے جواب دیا۔

"پلیز بینش تم جانتی ہو کہ میں سسپنس برداشت نہیں کر سکتی۔ مجھے صاف صاف الفاظ میں بتاؤ کہ کیا ہوا ہے؟"

"کیا تم نے آج خبریں سنی ہیں؟"

"خبریں...... نہیں مجھے ٹی وی کھولنے کا موقع نہیں ملا۔ مگر ہوا کیا ہے؟"

"آج سمندر سے ایک لاش ملی ہے۔" وہ بالآخر دھیرے سے بولی۔ "پولیس اس کی شناخت تلاش کر رہی ہے۔"

"لاش...... تو......؟ اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" خولہ نے حیرت سے پوچھا۔

"آپی مجھے تم سے ایک مشورہ کرنا ہے اگر کسی کو اس لاش کے بارے میں معلومات ہوں، میرا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ جانتا ہو کہ وہ کون ہو سکتا ہے تو کیا وہ قانونی طور پر پولیس کو بتانے کا پابند ہوتا ہے؟"

خولہ ہکا بکا سی ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔ [illegible] توقعات سے زیادہ خطرناک لگ رہا تھا۔ بات [illegible] جاننے کی ہوتی تو بینش بھی اتنی پریشان نظر نہ [illegible] ایک نامعلوم کال کے ذریعے یا پولیس سے [illegible] سکتی تھی۔ سوال یہ تھا کہ وہ اس لاش کو [illegible] جانتی تھی۔ کس طرح؟ اور کتنا؟ اور اس کے [illegible] معلومات کا ذریعہ کیا تھا؟ وہ اس سارے معاملے [illegible] ملوث تھی۔ سوالات خولہ کے دماغ میں [illegible] اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

"سمندر میں ڈوبنا ایک حادثہ ہوتا ہے [illegible]" چند لمحے بعد سنبھل کر بولی۔ "وہاں موجود کوئی بھی [illegible] شخص کی شناخت جان سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایک [illegible] شہری کو پولیس کی مدد کرنا چاہیے۔"

"نہیں آپی...... یہ حادثہ نہیں ہے۔ میں پوچھ رہی ہوں کہ اگر کسی کو کچھ ایسے حقائق معلوم ہوں جو [illegible] نشاندہی کے لیے کافی ہو سکتے ہوں......"

"لاش، مقتول...... تمہیں کیوں یہ یقین ہے کہ [illegible] حادثہ نہیں قتل ہے؟"

"ٹی وی پر بھی یہی بتایا گیا ہے۔"

"تو ایسی صورت میں کوئی بھی اچھا شہری [illegible] مدد کرے گا اور اسے کرنا بھی چاہیے۔" خولہ اب بُری طرح الجھ گئی تھی۔ "آخر یہ سب کیا ہے؟ وہ کون ہے؟ تمہارا اس معاملے سے کیا تعلق ہے؟ پلیز مجھ سے کچھ مت چھپاؤ۔"

"آپی آپ اس بات کو یوں سمجھیں کہ آپ سے ایک شخص کا روز کا ملنا جلنا ہو پھر وہ ایک نہایت اہم میٹنگ میں نہ پہنچے اور پھر اس کے بعد ہفتوں سے اس کا کوئی سراغ نہ ملے......"

"یار، بینش میں بہت سے لوگوں کو اچھی طرح جانتی ہوں اور مہینے بھر سے ان سے نہیں مل پاتی تو اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ انہیں قتل کر کے سمندر میں پھینک دیا گیا ہو۔" خولہ کا پارا چڑھ گیا۔

"ہاں، مگر وہ اس طرح غائب نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنے گھر پر بھی نہیں ہے اور آخری ملاقات میں اس نے مجھے یہ بتایا تھا کہ کوئی اسے قتل کرنا چاہتا ہے۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"آخر وہ کون ہے؟" خولہ نے پوچھا۔ اس کا دل تیز دھڑک رہا تھا۔ بینش کسی بڑی مصیبت میں پھنس [illegible]

ہی۔ "بینش....." اس کی خاموشی پر وہ اس بار زور سے بولا۔

"ڈاکٹر وقاص احمد......" بینش بالآخر بولی۔ خولہ نے گہری سانس لی۔ ڈاکٹر وقاص احمد شہر کا مانا ہوا پلاسٹک سرجن تھا۔ وہ اس سے کبھی نہیں ملی تھی مگر اس کے بارے میں مشہور تھا کہ شہر کی تمام دولت مند عورتوں کے "حسن" میں اس کا بہت ہاتھ تھا۔ وہ اپنے کام کا ماہر تھا۔ کئی کتابیں تحریر کر چکا تھا۔ وہ میڈیکل کالج میں اپنے شعبے کا استاد بھی رہا تھا۔

"کوئی ایک نامور ڈاکٹر کو اس طرح کیوں قتل کرے گا؟" موت یہاں زندگی سے سستی تھی، یہ وہ جانتی تھی۔ یہاں تو لوگ چند ہزار کے موبائل کے لیے بھی کسی کی جان لینے سے نہیں چوکتے تھے۔ اس نے سامنے بیٹھی بینش پر نظر ڈالی جو اسی لمحے کھڑی ہوئی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

"ایک منٹ۔" اس نے جواب دیا اور کمرے سے نکل گئی۔

خولہ کو گزشتہ دو سالوں سے شک تھا کہ بینش سگریٹ پینے لگی تھی مگر چونکہ اس نے کبھی اس کے سامنے اسموکنگ نہیں کی تھی اس لیے اس نے اس سے اس حوالے سے کوئی سوال بھی نہیں کیا تھا۔ اس وقت بھی وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ شاید وہ سگریٹ پینے ہی کمرے سے باہر نکلی ہے لیکن جب دس منٹ تک وہ واپس نہیں لوٹی تو تشویش نے اسے گھیر لیا۔ کمرے سے نکلتے ہی اسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ چلی گئی ہے۔ خولہ دوڑ کر باہر پورچ میں پہنچی۔ وہاں اس کی گاڑی بھی موجود نہیں تھی۔

"بینش بی بی کب گئی ہیں؟" اس نے چوکیدار سے پوچھا۔

"وہ تو بی بی پانچ چھ منٹ پہلے ہی چلا گیا، ہم نے [illegible] کا پوچھا بھی مگر بٹیا نے جواب نہیں دیا۔" چوکیدار کے جواب پر خولہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔ تناؤ اس کے اعصاب پر طاری ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔

"گہری سانس لو خولہ، اندر..... باہر....." وہ خود کو کہتے ہوئے کمرے میں واپس آئی۔ اس نے اس کا نمبر ملایا مگر کئی کال ملانے کے باوجود اس کی توقع کے عین مطابق اس نے کال ریسیو نہیں کی۔

اور اس [illegible] پڑ گیا۔

بینش [illegible] جھگڑا، سوال [illegible] جس کے بعد [illegible] کی بڑی مصیبت [illegible] چونکا دیا۔ [illegible]

"خولہ..... [illegible]"

تک ریسٹورنٹ میں [illegible] رات کا ڈنر [illegible]

"[illegible]" بولی اور فون بند کر دیا۔

بینش جا چکی تھی۔ وہ اس کا فون [illegible] یہاں بیٹھ کر مزید پریشان ہونے کے [illegible] نہیں کر سکتی تھی۔ آج کے ڈنر میں پولیس کے [illegible] وغیرہ نے بھی آنا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ان سے یا کسی [illegible] اور اینکر سے اس لاش کے بارے میں اندر کی [illegible] مل سکیں۔ اس نے سوچا اور کھڑی ہو گئی۔

☆☆☆

"جی..... جی..... ہم نے رپورٹ [illegible] بھائی جی کی اتنے دنوں سے کوئی خبر نہیں تھی۔ [illegible] اونچ نیچ بات ہو جاتی ہے۔ تو وہ غصہ کر کے [illegible] گھر ہی نہ آتے۔ میرے شوہر تو ہم سب [illegible] پریشان ہیں۔ ہمارے رشتے داروں کو پتا [illegible] لیکن بھائی جی کا کوئی پتا نہیں چل رہا تھا تو رپورٹ درج کرائی۔" وہ ان کے سوال کے جواب میں [illegible] رہی تھی۔

"ہمیں ان کے بارے میں کچھ معلومات [illegible]" سحر اس کے رکتے ہی بولی۔ "آپ کے شوہر [illegible]"

"ہاں جی..... وہ ہیں..... بھائی جی کی [illegible] آج کوئی کام پڑ گیا، میں بتاتی ہوں۔"

کچھ دیر بعد وہ ایک بھاری [illegible] بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے ابھی [illegible] اس کے مطابق گمشدہ شخص ان کا [illegible] نے شادی نہیں کی تھی۔ شہر میں اس [illegible] سے اس کا بہت اچھی طرح [illegible] تھا۔

"کیا ان کا کسی سے کوئی دشمنی وغیرہ تھی۔ میرا مطلب ہے کہ جائیداد یا کسی اور حوالے سے؟" سحر نے پوچھا۔

"نہیں جی، بھائی صاحب غصے کے تھوڑے سے تیز تھے مگر آپ تو دل کے سونا آدمی تھے۔ ان کا کوئی دشمن نہیں ہے مگر آپ نے یہ کیوں پوچھا ہے؟"

"دراصل ابھی سمندر سے ایک لاش ملی ہے جس کی شناخت نہیں ہو پا رہی۔" سکندر نے کہا۔

"کاش ——— ہائے او میریا رہا...... بھائی جی نے خودکشی کر لی سمندر میں چھلانگ مار کے۔" عورت جو اس دوران خاموش تھی اچانک چیخ پڑی۔

"پلیز آپ پوری بات سن لیں، لاش چونکہ کئی دن پرانی ہے اس لیے شناخت ناممکن ہو رہی ہے ویسے بھی اس نے خودکشی نہیں کی ہے اسے سر میں گولی مار کر قتل کیا گیا ہے۔" سحر بولی۔

"تو تو چپ کر......" بھاری بھرکم شخص نے بیوی کو ڈانٹا پھر بولا۔ "نہیں میڈم وہ بھائی جی نہیں ہو سکتے ان کو کوئی کیوں قتل کرے گا۔"

"اللہ کرے وہ نہ ہوں۔" سکندر نے کہا مگر ہمیں ان کی اگر کچھ میڈیکل رپورٹس ہوں تو وہ درکار ہیں تا کہ اس سے چیک کیا جا سکے۔"

"ہاں جی، میں لا کر دیتا ہوں۔" وہ بولا۔ وہ وہاں سے نکلے تو ان کے پاس 'بھائی جی' کے ڈینٹسٹ کا ریکارڈ موجود تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے......" سکندر نے راستے میں پوچھا۔

"ہو بھی سکتا ہے مگر حقیقت تو ٹیسٹ سے معلوم ہو گی اور اس کے تمام کوائف اس سے ملتے ہیں تو پھر آگے بڑھ سکتے ہیں۔" سحر کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"تم کچھ الجھن میں نظر آ رہی ہو؟"

"ہاں، یہ واردات باقاعدہ سوچے سمجھے طریقے سے کی گئی ہے۔ پہلے گولی مار کر قتل کیا جاتا ہے، پھر لاش کو باندھ کر سمندر کی گہرائی میں پھینکا گیا ہے...... وہ یہ شخص شاید ہو بھی سکتا ہے۔" وہ گویا خود کلامی کر رہی تھی۔

"ہاں یہ تو ہے۔" سکندر نے کندھے اچکائے اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

☆☆☆

"کیا مامہ" میں اس وقت مہمانوں کی آمد... والٹ والے نہایت تندہی سے مہمانوں کی گاڑیاں... کے لیے مخصوص جگہ پر پہنچا رہے تھے۔ خولہ نے... جھلملاتی ہوئی ساڑی زیب تن کر رکھی تھی... سنہری رنگت دمک رہی تھی۔ اعجاز شاہ اس نے... تھا۔ اس کی عمر پینتالیس سال کے لگ بھگ تھی... جسامت، لمبی قد و قامت نے مل کر اس کی شخصیت کو... نظر بنایا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی... مونچھیں موجود تھیں، آنکھوں پر ریم لیس گلاسز تھے۔

"اعجاز مہمانوں میں شہر کے مشہور ڈاکٹرز بھی شامل ہیں نا؟" خولہ نے اچانک پوچھا۔

"ہاں بالکل...... کیوں؟"

"مجھے ایک دوست کا خیال آیا تھا۔ گیسٹ لسٹ کس کے پاس ہے؟"

"سمیر...... اس کے پاس ہے۔" اعجاز اندر داخل ہونے والے مہمانوں کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔

لسٹ کو دیکھ کر اسے قدرے اطمینان کا احساس ہوا تھا۔ اس میں ڈاکٹر وقاص احمد کا نام شامل تھا۔ اگر یہ سب بینش کی غلط فہمی یا اوور تھنکنگ کا نتیجہ نہ ہوا تو اسے آج یہاں ہونا چاہیے۔ اور اگر آج وہ یہاں موجود ہوا تو شاید وہ آج کی رات سکون سے سو پائے گی۔ خولہ نے سوچا اور آگے بڑھ گئی۔ اسے اب ڈاکٹر وقاص کی تلاش تھی۔

☆☆☆

وہ اپنے آراستہ کمرے میں موجود روز ووڈ سے تیار کردہ خوب صورت میز کے سامنے رکھی شاندار کرسی پر تمکنت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ سرخ و سفید چہرے پر گہری سوچ کے آثار نمایاں تھے۔ گہری نیلی آنکھیں کسی نادیدہ چیز پر جمی ہوئی تھیں، ان میں اداسی جھلک رہی تھی۔ اس کے سر کے بال بالکل سفید تھے۔ چند لمحے بعد وہ کرسی سے کھڑا ہوا اور ایک جانب رکھے بڑے سے ڈیوائیڈر کی ایک دراز اپنی جانب کھینچا۔ اس دراز میں ہاتھی دانت سے بنا ایک خوب صورت باکس رکھا ہوا تھا۔ اس نے باکس کے لیور کو دبایا۔ لیور دبتے ہی باکس سے ٹک کی آواز آئی۔ اس نے سامنے ابھرے چھوٹے سے بٹن کو تین بار دبایا جس کے بعد باکس کا ڈھکن کھلتا چلا گیا۔ باکس میں سرخ مخمل کے اوپر سلور رنگ کا شاندار اور قیمتی Tikit رکھا ہوا تھا۔ اس نے ریوالور کو آہستگی سے اپنی انگلیوں سے چھوا۔ چند لمحے...

[illegible] رہا پھر باکس بند کر کے دراز میں رکھ۔ اس کے بعد وہ کمرے میں نہیں رکا تھا۔

☆☆☆

''نہ جانے میڈیا یہ کیوں سمجھتا ہے کہ پولیس کے پاس کوئی ''محبوب قدموں میں'' والا نقش ہوتا ہے جسے رگڑتے ہی مجرم ''میں حاضر ہوں'' کا جاپ کرتا ہاتھ جوڑ کر حاضر ہو جائے گا۔'' سحر بڑبڑا رہی تھی۔

''درجہ حرارت آج کچھ زیادہ ہی بلند نظر آ رہا ہے۔'' سکندر کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

''میں مانتی ہوں کہ کبھی کہیں کوتاہی بھی ہو سکتی ہے مگر کیس کی نوعیت تو دیکھنا چاہیے۔''

''ہوا کیا ہے؟''

''ارے تم بریکنگ نیوز اور خبریں تو دیکھو۔ یوں لگ رہا ہے جیسے ڈپارٹمنٹ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہو۔''

''ارے یار یہ ان کا کام ہے، تم کیوں اپنا موڈ خراب کر رہی ہو۔''

''پھر بھی یار...... جب اس قسم کی باتیں ہوتی ہیں تو تکلیف تو ہوتی ہی ہے۔''

''رپورٹس بھی اب تک نہیں آئی نا......'' سکندر نے پوچھا۔

''شاید کل تک مل جائیں گی۔ لاش کے ڈینٹل نمونے بھی مل گئے ہیں، ان سے اس کی شناخت ممکن ہو سکے گی۔'' سحر نے کہا۔

''اسی وقت سکندر کے فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے کال ریسیو کی چند لمحے بعد اس نے فون بند کر دیا تھا۔ سحر اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''ٹائیں ٹائیں فش۔'' وہ سحر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

''اب اس کا مطلب کیا ہے؟'' سحر نے اسے گھورا۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ بیک ٹو دی پویلین۔'' وہ مسکرایا۔ ''وہ صاحب برآمد کر لیے گئے ہیں۔''

''کون سے صاحب؟''

''وہی گمشدہ جن کی رپورٹیں ہم لے کر آئے تھے۔ وہ ناراضگی میں اپنی ایک خالہ کے پاس چلے گئے تھے۔ خالہ کے اطلاع دینے پر گھر والے انہیں منا کر واپس لے آئے ہیں۔'' سکندر بولا۔

''اوہ، تو اس کا مطلب یہ ہے ہم پھر اسکوائر ون پر

آگے [illegible]

[illegible]

☆☆☆

[illegible]

[illegible] بات کرنے لگی۔ [illegible]

''[illegible] میں اول۔''

''اوہ شاہ [illegible] میں نے آپ کو فون کیا تھا۔'' وہ بولی۔

''وہ تو مجھے کر ہی تھا۔''

''شاہ مجھے آپ سے ایک [illegible] کیا آج ہم مل سکتے ہیں؟'' [illegible] اور پُراسرار سا تھا۔ خولہ کے [illegible] اب قدرے نارمل لگ رہی تھی مگر [illegible] میں بات کیوں کر رہی تھی۔

''مجھے تم سے [illegible]......''

''ہم مل کر بات کرتے ہیں۔'' وہ اس کی بات [illegible] کر بولی۔ ''میں چار بجے تک آپ کے [illegible] میں [illegible] ہوں...... اللہ حافظ۔'' اس نے [illegible]

خولہ چند لمحوں تک ریسیور کو بے یقینی سے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے جبیر احمد کا نمبر ملایا۔ جبیر ان کا فیملی فرینڈ تھا [illegible] بھی تقریب میں وہ موجود تھا۔ وہ شہر کے سب سے بڑے نیوز چینل کا اسٹار اینکر بھی تھا۔ خولہ کی آواز سن کر وہ پہلے تو حیران ہوا اس نے کبھی اسے فون نہیں کیا تھا۔ [illegible] باتوں کے بعد وہ کام کی بات پر آ گئی۔

''جبیر یہ جو کل رات سمندر سے نکلنے والی لاش [illegible] بات ہو رہی تھی، مجھے اس کے بارے میں کافی تجسس [illegible] تھا۔ شاید کسی نے کہا تھا کہ اسے گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم میرے پروگرام [illegible] رہی ہو۔'' وہ مصنوعی تاسف سے بولا۔

''پچھلے کئی دنوں سے نہیں دیکھ پائی ہوں۔''

''تو سنو، اسے سر پر گولی مار کر ہلاک کیا گیا [illegible] رپورٹ کے مطابق اس کے پھیپھڑوں میں پانی [illegible] کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس نے پانی میں سانس [illegible] لی۔''

''اوہ...... یعنی وہ [illegible]

ہے۔'' خولہ نے کہا۔

’’ہاں۔‘‘ اعجاز اسی پر بات کر رہے
’’اصل میں بیچ میں اور اعجاز اسی پر ملنے والی لاش کے
تھے۔ اعجاز کا خیال تھا کہ اس حالت میں ملنے والی لاش کے
متعلق یہ معلوم کیا ہی نہیں جا سکتا کہ اسے سمندر میں زندہ
پھینکا گیا ہے یا مردہ تو بس اسی وجہ سے میں نے تم سے پوچھ
لیا۔‘‘ خولہ نہیں چاہتی تھی کہ بشیر اس کی اس کال سے کسی سوچ
میں پڑے۔

’’تم جیت گئیں پھر تو......‘‘ وہ خوش دلی سے ہنسا۔
’’خوب صورت بیویاں ویسے ہمیشہ جیت ہی جاتی ہیں۔‘‘

’’جینکس فار دی کمپلیمنٹ مگر تمہیں معلوم ہے نا کہ شادی شدہ خواتین سے فلرٹ مہنگا پڑ سکتا ہے۔‘‘ اس نے شرارتی انداز میں کہا۔ وہ بھی جواباً ہنسا۔

’’خولہ، ایک بات پوچھنا تھی مجھے......‘‘

’’ضرور......‘‘

’’کل ڈنر پر میں نے ڈاکٹر وقاص احمد کو کافی تلاش کیا مگر وہ مجھے نہیں مل سکے، میں نے سمیرا اور دیگر اسٹاف سے بھی بات کی تھی مگر انہوں نے بھی۔ یہی بتایا کہ ڈاکٹر وقاص شاید تشریف ہی نہیں لائے۔‘‘ اس کے الفاظ گویا خولہ کی سماعتوں پر بم بن کر گرے تھے۔ اس کا سارا اطمینان ہوا ہو گیا۔ ’’تم پلیز مجھے کنفرم کر دینا کہ وہ آیا بھی تھا کہ نہیں، میں پچھلے ایک ہفتے سے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، اصل میں، میں پلاسٹک سرجریز کے حوالے سے ایک اسٹوری بنا رہا ہوں جس میں مجھے اس کی رائے درکار تھی۔‘‘

’’او کے میں اعجاز سے پوچھ لوں گی۔‘‘ خولہ نے اس کے بعد دو چار ہلکی پھلکی باتوں کے بعد فون بند کر دیا تھا۔ اس کا اطمینان ہوا ہو چکا تھا۔ اب بینش سے فوری ملاقات ضروری تھی۔ پانچ بجے تک اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ نہیں آئے گی۔ اس نے ایک بار پھر اس کے موبائل پر کال کی۔ جواب نہ ملنے کے بعد اس نے اس کے دفتر کا فون ملایا جہاں سے اسے معلوم ہوا کہ وہ ایک گھنٹا پہلے جا چکی ہے۔ اسی دوران اس کی سیکریٹری نے اسے یاد دلایا کہ لاہو کمیٹی کی میٹنگ میں صرف پندرہ منٹ باقی رہ گئے تھے۔ خولہ کا دل اس وقت کہیں جانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ فوری طور پر بینش سے ملنا چاہتی تھی۔ اس سے مل کر پوری حقیقت کو جاننا چاہتی تھی۔ تاکہ وہ اس کے لیے سب کچھ ٹھیک کر سکے۔

☆☆☆

گھر پہنچ کر اس نے ایک بار پھر بینش سے رابطے کی کوشش کی مگر نتیجہ وہی نکلا تھا۔

’’اعجاز کیا ڈاکٹر وقاص احمد ڈنر پر آئے تھے؟‘‘ اس نے بالآخر اعجاز شاہ سے پوچھا۔

’’نہیں، وہ نہیں آیا تھا، میری کل اس سے ڈنر کے حوالے سے بات ہوئی تھی۔ اس کے بعد میں نے کئی بار کال بھی کی اس نے ریسیو نہیں کی تھی۔‘‘ اعجاز شاہ نے جواب دیا۔

’’او کے، یعنی اس سے رابطہ ہی نہیں ہو پایا۔‘‘ خولہ نے گہری سانس لے کر کہا۔

’’ہاں، کچھ یہی بات ہے۔ خولہ کیا تم مجھے بتاؤ گی تمہیں کیا چیز پریشان کر رہی ہے؟‘‘ اعجاز نے نرم لہجے میں پوچھا۔

خولہ نے اس کے سوال پر اس کی جانب دیکھا۔ اعجاز کے علاوہ وہ کس پر بھروسا کر سکتی تھی، وہ اس کا شوہر ہی نہیں بہترین دوست بھی تھا۔

’’ہمم......‘‘ وہ ساری تفصیل سن کر ایک لمحے کو خاموش ہو گیا تھا۔ ’’تو اب تم کیا کرنا چاہتی ہو؟‘‘

’’میں بینش سے ملنا چاہتی ہوں، ساری حقیقت جاننا چاہتی ہوں اعجاز...... وہ احمق کسی بڑی مصیبت میں نہ پڑ جائے۔ اس بات کو سوچ سوچ کر میرا دل دہل رہا ہے۔‘‘

’’تمہیں بینش کو یہاں لے آنا چاہیے۔‘‘ وہ بولا۔

’’میں خود یہی چاہ رہی ہوں مگر وہ احمق میرا فون تک نہیں اٹھا رہی۔‘‘ خولہ بے بسی سے بولی۔

’’کیا تم پولیس میں کسی ایسے شخص سے رابطہ نہیں کر سکتیں جنہیں ہم رازداری سے یہ معلومات دے سکیں؟‘‘ اعجاز نے پوچھا۔

’’مسئلہ یہ ہے کہ اس صورت میں مجھے اس خیال کی وجہ بھی بتانی پڑے گی کہ مجھے یہ کیسے شک ہوا کہ وہ لاش ڈاکٹر وقاص کی ہے۔ ایک بار سامنے آ کر ہمارے پاس بینش کو بچانے کا کوئی طریقہ نہیں رہے گا اور میں ہرگز نہیں چاہتی کہ اس معاملے میں اس کا نام آئے۔‘‘

اعجاز نے اس کی بات سن کر گردن ہلائی۔ ’’ہم اس چیز پر خاموشی بھی اختیار نہیں کر سکتے خولہ، کیا پتا ایسا نہ ہو کہ بینش خود سامنے آ جائے یا کسی اور وجہ سے سارا شک اس پر چلا جائے؟‘‘

کافی دیر کی بحث کے بعد وہ دونوں ’’بے نام کال‘‘ پر متفق ہو گئے تھے۔

"میں باہر جا کر سپر مارکیٹ سے فون کروں گا۔"
اعجاز نے کہا۔

"تم کہو تو یہ کام میں بھی کر سکتی ہوں۔" خولہ مسکرائی۔

"ہرگز نہیں، بس تم یہاں بیٹھ کر میرا انتظار کرو... پھر ہم ڈنر کریں گے۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

"تمہیں معلوم ہے نا کہ تمہیں کیا کہنا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں، میں کہوں گا کہ سمندر سے ملنے والی لاش ڈاکٹر وقاص احمد کی ہے......"

"ہاں، مگر اعجاز تمہیں تین منٹ سے کم وقت میں کال کاٹنی ہوگی تاکہ وہ تمہیں ٹریس نہ کر سکیں۔"

"اوکے میڈم۔" اس نے کالر کو ہاتھ لگا کر کہا اور باہر نکل گیا۔

خولہ وہیں بیٹھی اس کا انتظار کرتی رہی۔ اس کا ذہن خیالات سے بھرا ہوا تھا۔ اعجاز پندرہ منٹ میں واپس آ گیا تھا۔

"کیا رہا......؟" اس کے صوفے پر بیٹھتے ہی خولہ نے پوچھا۔

"سب بالکل ٹھیک رہا۔ میں نے آواز بھی تھوڑی بنا لی تھی اور میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ سمندر میں ملنے والی لاش ڈاکٹر وقاص احمد کی ہے۔"

"کیا انہوں نے تمہاری بات پر یقین کیا؟"

"انہوں نے مجھے اپنی بات دہرانے کو کہا۔ تین بار اپنے بیان کو دہرانے کے بعد میں نے کال کاٹ دی۔ میرا خیال ہے کہ پوری کال دو منٹ میں ختم ہو گئی تھی۔ اس کے بعد میں واپس آ گیا۔"

"کسی نے تمہارا پیچھا تو نہیں کیا؟"

"یار خولہ اب میں ایسا بڑا جاسوس بھی نہیں بن گیا ہوں کہ یہ سارے اندازے لگا سکوں۔" اعجاز نے ہنس کر کہا۔

رات سونے سے قبل انہوں نے خاص طور پر نیوز چینل لگایا تھا۔ خبروں میں اس بے نام کال کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

☆☆☆

خولہ کورٹ پہنچی تو وکیلوں کی آمد شروع ہی ہوئی تھی۔ یہ رات ان دونوں نے قدرے بے چینی میں گزاری تھی۔ خولہ تو تقریباً پوری رات سو ہی نہیں پائی تھی۔ آج اس کی [illegible] لسٹ میں ایک [illegible] کی بھی [illegible] اس [illegible] بار کا سینئر [illegible] شہر کے [illegible] شہر کی سب سے [illegible] تھے جبکہ مقصود شاہ بار کونسل کے [illegible] سینئر ترین وکیل تھے۔ [illegible] شیرازی شہر کی تقریبات کی جان تھے [illegible] خاموش کرا [illegible] عدالتوں کے [illegible] ججز پر بھی حاوی ہونے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

پٹیشن پر آرگیومنٹس کا آغاز شیرازی [illegible]

"آج ہم اس عزت مآب عدالت میں [illegible] آئے ہیں کہ میرے کلائنٹ کے خلاف [illegible] ہرجانے کا یہ کیس بالکل غلط اور حقائق کے [illegible]"

بیرسٹر شیرازی نے بیس منٹ تک دلائل دیے۔ [illegible] بیرسٹر مقصود شاہ اپنی سیٹ پر بیٹھے ٹہلاتے رہے تھے۔ [illegible] کی عدالت میں قواعد و ضوابط کا مکمل خیال [illegible] ڈسپلن کے معاملے میں بہت سخت تھی اور اس [illegible] بخوبی جانتے تھے۔ اس لیے انہوں نے درمیان میں [illegible] بولنا ہی مناسب سمجھا تھا۔ بیرسٹر شیرازی کے [illegible] ختم ہوتے ہی وہ اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے۔ خولہ کو معلوم تھا کہ [illegible] ایک لمبی تقریر کرنے والے تھے، اس سے قبل کہ وہ گفتگو [illegible] کرتے، اس نے انہیں رکنے کا اشارہ کیا اور بولی۔ "مسٹر مقصود براہ کرم آپ رکیے، مجھے مسٹر شیرازی سے چند باتیں کہنی ہیں۔ مسٹر شیرازی آپ نے نہایت مدلل [illegible] دیے ہیں، میں آپ کی باتوں سے کافی حد تک متفق ہوں مگر ہم نے اس کیس پر کافی ریسرچ کی ہے اور [illegible] الحال ہم آپ کے حق میں اس پٹیشن کو خارج [illegible] ہاں آپ کو اس سلسلے میں دوبارہ دلائل دینے کے لیے [illegible] ہفتوں کا وقت دیا جا سکتا ہے۔ اب اس [illegible] ہفتوں بعد ہوگی۔" خولہ [illegible] کر کھڑی ہو گئی [illegible] سے چیمبر کی طرف جاتے ہوئے [illegible] لوگوں کی [illegible] سنائی دے رہی تھیں [illegible]

"مقصود شاہ کو بھی کسی نے اس طرح [illegible] کرایا ہوگا..."

خولہ چیمبر میں تھوڑی [illegible]

بینش کے دفتر کے لیے روانہ ہو گئی تھی۔ وہ پہلی بار اس کے دفتر جا رہی تھی۔ وہاں پہنچ کر اسے خوشگوار سی حیرت ہوئی تھی۔ یہ ایک خوب صورت عمارت تھی۔ گاڑی پارکنگ میں پارک کر کے وہ اندر داخل ہوئی۔

"میرا نام خولہ اعجاز شاہ ہے، مجھے بینش شاہد سے ملنا ہے۔" اس نے ریسپشن پر بتایا۔

"کیا آپ کا آج کا اپائنٹمنٹ ہے؟" ریسپشنسٹ نے ایک بڑی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"نہیں، مگر شاید وہ مجھ سے ملنا پسند کریں گی۔"

کچھ دیر بعد وہ بینش کی سیکریٹری کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ اسے معلوم ہوا تھا کہ بینش ایک اہم میٹنگ میں ہے اس لیے اسے اس کے کمرے میں تھوڑا سا انتظار کرنا ہوگا۔ بینش کے دفتر تک پہنچنے کے لیے کئی کوریڈور سے گزرنا پڑا تھا اور ہر بڑے دروازے پر سیکریٹری الیکٹرانک ریڈر میں اپنا کارڈ لگا کر آگے بڑھ رہی تھی۔

"کیا آپ چائے یا کافی لینا پسند کریں گی؟" اس کے بیٹھنے کے بعد اس نے پوچھا۔

"نہیں، شکریہ میں ان کا انتظار کروں گی۔" اس کے جانے کے بعد خولہ نے بینش کے دفتر کا جائزہ لیا۔ یہ ایک خوب صورت اور آرام دہ دفتر تھا۔ بینش اس ادارے میں دو سال سے ملازمت کر رہی تھی۔ دفتر کے معائنے کے بعد اس کی نظر سائڈ ٹیبل پر رکھی ادارے کی سالانہ رپورٹ پر پڑی، اس نے وقت گزاری کے لیے اسے اٹھا لیا۔ اس رپورٹ کے مطابق ہیلتھ بیوٹی انکارپوریشن کو قائم ہوئے 23 سال گزر چکے تھے۔ خولہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ جن تین ڈاکٹرز نے مل کر اس ادارے کو قائم کیا تھا۔ ان میں ڈاکٹر وقاص احمد کا نام بھی شامل تھا۔ باقی دو میں ڈاکٹر شاہین انصاری اور ڈاکٹر ساجد احمد تھے۔ یہ تینوں کلاس فیلوز بھی تھے اور تینوں نے ساتھ ہی میڈیکل کالج میں پڑھایا بھی تھا۔ اس کے مطابق انہوں نے کاسمیٹکس سرجری میں ایک ایسی جیل اور طریقہ کار دریافت کیا تھا جس سے سو فیصد نتائج حاصل کیے جا سکتے تھے اور اس ٹیکنالوجی نے انہیں مختصر سی مدت میں بے اندازہ دولت کما کر دی تھی۔"

خولہ ابھی یہیں تک پڑھ پائی تھی کہ اسے بینش کے آنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے کچھ سوچے بغیر اس رپورٹ کو اپنے بیگ میں ڈال لیا۔

"خولہ... تمہیں یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی۔" بینش اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔

خولہ نے اسے غور کر دیکھا۔ اس کا انداز [illegible] الفاظ دونوں پر اسے اعتراض تھا۔ وہ پہلے سے [illegible] اور پریشان حال نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے تھے۔ ہونٹ خشک تھے۔

"کافی دنوں بعد دیکھا ہے تم کو۔" وہ [illegible] اس کی آنکھیں خولہ کو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"اصل میں تمہیں دیکھے کافی دن گزر گئے تھے۔ یہاں سے گزر رہی تھی پھر میں نے کبھی تمہارا دفتر بھی نہیں دیکھا تھا۔ تو سوچا ایک چھوٹی سی ملاقات کر لیتے ہیں۔ تمہارا آفس بہت شاندار ہے۔ کیا تم مجھے اپنا پورا آفس دکھاؤ گی۔" اس کے ان الفاظ پر بینش نے اطمینان کی سانس لی۔

"کیوں نہیں، آؤ نا....." وہ مسکراتے ہوئے اسے ساتھ لے کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ بینش نے اسے دفتر کے تمام حصے دکھائے۔ لیب کے پاس پہنچ کر اس نے بتایا کہ "اب ادارہ قدرتی طور پر انسان کے اپنے ٹشوز سے سرجری کے تجربے پر کام کر رہا ہے۔ یہ ایک مہنگی ریسرچ ہے مگر اس میں کامیابی کے بعد انسان کا ہمیشہ جوان رہنے کا خواب پورا ہو سکتا ہے۔"

"بہت اعلیٰ....." خولہ نے سر ہلایا۔ "یہ سب بہت متاثر کن ہے۔"

"میں تمہارے آنے سے بہت خوش ہوں۔" بینش نے بالآخر کہا۔ "اگر تمہارے پاس تھوڑا سا وقت ہو تو ہم ساتھ لنچ کر سکتے ہیں؟"

"کیوں نہیں۔" خولہ کے جواب پر وہ دونوں عمارت سے باہر نکل آئیں۔

بینش نے کار میں بیٹھتے ہی گویا تھک کر سیٹ کی نشست پر سر رکھ دیا تھا۔ خولہ خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی۔ اپنے پسندیدہ ریسٹورنٹ کے پاس پہنچ کر اس نے کار روکی تو بینش بھی چونک کر اٹھ بیٹھی۔

"یہاں..... یہاں لنچ کرنا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں....." خولہ نے کہا، اسے یہ جگہ اپنے سکون کی وجہ سے پسند تھی۔ کونے میں موجود میز پر بیٹھنے اور آرڈر دینے کے بعد وہ بینش کی طرف مڑی۔

"اب تم مجھے بتاؤ کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" اس نے بینش کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ جواباً خاموش

[illegible] بیٹھی رہی۔ جیسے دل ہی دل میں الجھ رہی ہو کہ اسے اس کو کیا بتانا ہے۔

"بینش اس سے پہلے کہ تم کچھ کہو، میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتی ہوں۔ میں نے اور اعجاز نے پولیس کو اس کال کے بارے میں بتا دیا ہے۔"

بینش کی آنکھیں یک دم پھیل گئیں۔

"گھبراؤ نہیں ہم نے 'گمنام کال' کے ذریعے اطلاع دی ہے۔ اب تمہیں مجھ سے کچھ نہیں چھپانا چاہیے۔"

"میں نے تمہیں کمپنی کی سالانہ رپورٹ پڑھتے دیکھ لیا تھا۔" وہ یک دم بولی۔

"تو......؟" خولہ نے اسے گھورا۔

"جو اس میں نہیں لکھا اور جو تمہیں معلوم ہوتا اگر تم غور سے اخبارات دیکھتی ہوتیں کہ کاسمیٹکس سرجری کی ادویات کے ری ایکشن کے چکر میں کمپنی شدید خسارے اور مسائل کا شکار ہے۔" وہ بولی۔ "ہمارا ایک پلانٹ بند ہو چکا ہے۔ بہت سے لوگوں کو روزگار سے ہاتھ دھونا پڑے ہیں۔"

"مگر یہ دنیا کا اختتام تو نہیں ہے، ادارے بند ہوتے ہیں، ملازمتیں بدل جاتی ہیں۔"

"وہ درست ہے مگر یہاں حالات بہت خراب رہے ہیں۔ مریضوں اور ان کے لواحقین کی دھمکیاں، کیس اور روز بروز کم ہوتا کام۔ سب نے مل کر ادارے کو بدحال کر دیا ہے۔ مالکان دیوالیا کی طرف جا رہے ہیں۔"

"چلو اگر یہ مان بھی لیا جائے تو اس سب سے ڈاکٹر وقاص والے معاملے کا کیا تعلق ہے۔ کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ اس سب سے گھبرا کر اس نے خودکشی کر لی ہے، خود اپنے سر میں گولی ماری پھر خود کو باندھ کر سمندر میں کود گیا وہ......"

خولہ کا دماغ گھوم رہا تھا۔

"نہیں آپی...... ڈاکٹر وقاص مرنے سے دو ماہ قبل سے مجھے ہر روز فون کر رہے تھے۔"

"کس لیے......؟" خولہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"دراصل وہ ادارے کو اپنی ایک ریسرچ دکھانا چاہ رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ جان گئے ہیں کہ سرجری کرانے والی عورتیں کیوں بیمار پڑ رہی ہیں وہ اس پر کتاب بھی لکھ رہے تھے مگر وہ اپنے پرانے ادارے کے ساتھ اس کام کو آگے بڑھانا چاہ رہے تھے۔"

"مگر وہ تو خود اس ادارے کے مالکان میں شامل تھا،"

[illegible] ڈاکٹر [illegible] بات کی تھی [illegible] نہیں تھے [illegible] میں پہنچ سکتا تھا [illegible]

"ان کی [illegible]" پوچھا۔

"ہاں، کیونکہ اگر ان کی تحقیق [illegible] سامان میں خرابی تھی تو اس کی زد [illegible] آ سکتی تھی۔"

"تمہیں ادارے سے کیوں [illegible]"

"یہ ایک بڑا راز ہے اس سے [illegible] دھچکا لگ سکتا ہے۔" وہ بولی۔

"راز، راز رہے گا۔" خولہ [illegible] میرے لیے اس وقت سب کچھ جاننا [illegible]

"یہ بات کسی کے علم میں نہیں [illegible] ڈرگز کے چکر میں پکڑے گئے تھے۔ [illegible] اطلاع پر اس خبر کو پبلک ہونے سے [illegible] دیا گیا۔ اسی دوران دیگر ڈائریکٹرز نے [illegible] تھا۔" وہ بولی۔ "اسی وجہ سے وہ [illegible] آخری بار جب میری ان سے بات ہوئی تو انہوں نے [illegible] تھا کہ کوئی انہیں بلیک میل کر رہا ہے۔ ان کے [illegible] دینے کی صورت میں انہیں قتل کی دھمکی دی ہے۔ وہ [illegible] زیادہ پریشان تھے۔ جب میں نے انہیں [illegible] کے ڈائریکٹران سے ملنا چاہیے [illegible] فون بند کر دیا۔"

"کیا اس کے بعد تمہارا ان سے کوئی [illegible] ہوا؟" خولہ نے پوچھا۔

"نہیں......" بینش نے [illegible] کہا۔

"اور تمہارے [illegible] گفتگو سنی جاتی ہے؟"

"ہاں، پورے پلانٹ میں [illegible] تو پلانٹ میں جو کام [illegible]

جا رہے تھے۔ ری۔ جیسے دل ہی دل میں فیصلہ کر رہی ہو کہ اسے اس کو کیا بتانا ہے۔

"ہیش اس سے پہلے کہ تم کچھ کہو، میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتی ہوں۔ میں نے اور اعجاز نے پولیس کو اس کیس کے بارے میں بتا دیا ہے۔"

ہیش کی آنکھیں یک دم پھیل گئیں۔

"گھبراؤ نہیں ہم نے 'گمنام کال' کے ذریعے اطلاع دی ہے۔ اب تمہیں مجھ سے کچھ نہیں چھپانا چاہیے۔"

"میں نے تمہیں کمپنی کی سالانہ رپورٹ پڑھتے دیکھ لیا تھا۔" وہ یک دم بولی۔

"تو ...؟" خولہ نے اسے گھورا۔

"جو اس میں نہیں لکھا اور جو تمہیں معلوم ہوتا اگر تم غور سے اخبارات دیکھتی ہوتیں کہ کاسمیٹکس سرجری کی ادویات کے ملٹی ایکشن کے چکر میں کمپنی شدید خسارے اور مسائل کا شکار ہے۔" وہ بولی۔ "ہمارا ایک پلانٹ بند ہو چکا ہے۔ بہت سے لوگوں کو روزگار سے ہاتھ دھونا پڑے ہیں۔"

"مگر یہ دنیا کا اختتام تو نہیں ہے، ادارے بند ہوتے ہیں، ملازمتیں بدل جاتی ہیں۔"

"وہ درست ہے مگر یہاں حالات بہت خراب رہے ہیں۔ مریضوں اور ان کے لواحقین کی دھمکیاں، کیس اور روز بروز کم ہوتا کام۔ سب نے مل کر ادارے کو بدحال کر دیا ہے۔ مالکان دیوالیہ کی طرف جا رہے ہیں۔"

"چلو اگر یہ مان بھی لیا جائے تو اس سب سے ڈاکٹر وقاص والے معاملے کا کیا تعلق ہے۔ کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ اس سب سے گھبرا کر اس نے خودکشی کر لی ہے، خود اپنے سر میں گولی ماری پھر خود کو باندھ کر سمندر میں کود گیا وہ...؟"

خولہ کا دماغ گھوم رہا تھا۔

"نہیں آپی ___ ڈاکٹر وقاص مرنے سے دو ماہ قبل سے مجھے ہر روز فون کر رہے تھے۔"

"کس لیے ...؟" خولہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"وہ اصل میں ادارے کو اپنی ایک ریسرچ دکھانا چاہ رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ جان گئے ہیں کہ سرجری کرانے والی عورتیں کیوں بیمار پڑ رہی ہیں وہ اس پر کتاب بھی لکھ رہے تھے مگر وہ اپنے پرانے ادارے کے ساتھ اس کام کو آگے بڑھانا چاہ رہے تھے۔"

"مگر وہ تو خود اس ادارے کے مالکان میں شامل تھا، پھر وہ تم سے اس حوالے سے بات کیوں کر رہا تھا؟"

"انہیں بورڈ سے ہٹا دیا گیا تھا۔ جس کے بعد وہ صرف اپنے حصے کے مالک رہ گئے جس کی مالیت بہت کم تھی۔ اس کے علاوہ انہیں کمپنی کے کسی معاملے میں مداخلت یا شرکت کی اجازت نہیں تھی۔ ان کی درخواست پر میں نے بات کی تھی مگر باقی دونوں پارٹنرز انہیں موقع دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ دوسری اس صورت میں ادارہ ایک نئی مشکل میں پھنس سکتا تھا۔"

"ان کی ریسرچ کو سامنے لا کر ...؟" خولہ نے پوچھا۔

"ہاں، کیونکہ اگر ان کی تحقیق کے مطابق دوا، جیل یا سامان میں خرابی تھی تو اس کی ذمے داری ادارے کے سر آئے گی۔"

"انہیں ادارے سے کیوں الگ کیا گیا تھا؟"

"یہ ایک بڑا راز ہے اس سے کمپنی کی ساکھ کو سخت دھچکا لگ سکتا ہے۔" وہ بولی۔

"راز، راز رہے گا۔" خولہ نے جواب دیا۔ "مگر میرے لیے اس وقت سب کچھ جاننا بے حد ضروری ہے۔"

"یہ بات کسی کے علم میں نہیں ہے کہ ڈاکٹر وقاص ڈرگز کے چکر میں پکڑے گئے تھے۔ کمپنی نے بروقت اطلاع پر اس خبر کو پبلک ہونے سے روکا اور یہ سارا معاملہ دبا دیا گیا۔ اسی دوران دیگر ڈائریکٹرز نے انہیں فائر کر دیا تھا۔" وہ بولی۔ "اسی وجہ سے وہ مجھ سے رابطے میں تھے۔ آخری بار جب میری ان سے بات ہوئی تو انہوں نے بتایا تھا کہ کوئی انہیں بلیک میل کر رہا ہے۔ ان کے پاس پیسے نہ دینے کی صورت میں انہیں قتل کی دھمکی دی ہے۔ وہ بہت زیادہ پریشان تھے۔ جب میں نے انہیں بتایا کہ ادارے کے ڈائریکٹران سے ملنا نہیں چاہ رہے تو انہوں نے مجھے کال/فون بند کر دیا۔"

"کیا اس کے بعد تمہارا ان سے کوئی رابطہ نہیں ہوا؟" خولہ نے پوچھا۔

"نہیں ___" ہیش نے ایک لمحے کے وقفے کے بعد کہا۔

"اور تمہارے دفتر کا کیا معاملہ ہے، آگیا وہاں تمہاری گفتگو سنی جاتی ہے؟"

"ہاں، ہمارے پلانٹ میں کیمرے لگے ہیں۔ ایک تو پلانٹ میں جو کام ہو رہا ہے ... وہ بہت حساس ہے

دوسرے کمپنی اپنے معاملات کے بارے میں بہت سخت ہے۔ دھوکے یا ڈرامے بھی شک کا مطلب ملازمت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔"

خولہ کو یہ سب بہت عجیب لگ رہا تھا۔ اسے بینش کی باتوں پر کسی حد تک یقین تھا مگر اسے یہ بھی اندازہ تھا کہ وہ اب بھی بہت کچھ چھپا رہی ہے۔

"بینش مجھے یہ سب ٹھیک نہیں لگ رہا۔ میں چاہتی ہوں کہ تم یہ ملازمت چھوڑ دو۔ تمہیں کچھ عرصے میں کوئی اور نوکری مل جائے گی اس چکر سے باہر نکل آؤ۔" وہ بولی۔

"آپی میں اس وقت نوکری نہیں چھوڑ سکتی۔ ورنہ میں زیادہ مسئلے میں آجاؤں گی۔" اس نے جواب دیا۔ "میں اس معاملے میں فی الحال کوئی تفصیل نہیں بتا سکتی۔"

"تم کم از کم کچھ عرصے کے لیے ہمارے ساتھ رہنے تو آسکتی ہو۔ اعجاز نے مجھے خاص طور پر کہا ہے کہ میں تمہیں گھر لے آؤں۔"

"نہیں آپی میں ٹھیک ہوں اگر کوئی بھی مسئلہ ہوا تو میں خود آجاؤں گی۔"

خولہ جانتی تھی کہ وہ اس کی بات نہیں مانے گی۔ اس نے گہری سانس لی۔

"مگر تم تو میرا فون تک نہیں اٹھاتیں۔"

"اب ایسا نہیں ہوگا۔" اس نے اطمینان دلایا۔

بینش کو اس کے دفتر چھوڑ کر گھر کی طرف مڑتے ہوئے خولہ کو یقین تھا کہ اب وہ بینش پر کسی حد تک اعتماد کر سکتی ہے۔ مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اس بار بھی غلطی پر تھی۔

☆☆☆

سمندر سے ملنے والی لاش کا کیس آہستہ روی سے بھی حل نہ ہو پانے والے کیسز میں سے ایک بنتے جا رہا تھا۔ حتی الامکان کوشش کے باوجود بھی لاش کی شناخت ممکن نہ ہو سکی تھی۔ میڈیا بھی اس دوران دوسرے کرنٹ معاملات میں مصروف تھا۔ صرف ایک سحر تھی جو اس کیس کے بند ہونے سے قبل اسے حل کرنا چاہتی تھی۔ یہ اس کی پیشہ ورانہ ساکھ کا معاملہ تھا۔ اس کے پاس لاش کے ڈینٹل ریکارڈز کے علاوہ تفتیش کے لیے کچھ نہیں تھا اور وہ شہر کے تمام ڈینٹسٹ کو چیک کر رہی تھی۔ اس وقت بھی وہ ایک مشہور ڈینٹسٹ کلینک میں موجود تھی۔

"آپ بجا کہہ رہی ہیں آفیسر، ہمارے پاس اپنے کلائنٹس کا ریکارڈ ہوتا ہے مگر اس کی چھان بین اتنا آسان کام نہیں ہے آپ ریکارڈ کی کاپی [illegible] میں ہنگامی طور پر معلومات کی کوشش [illegible] آتے ہی آپ کو فون کروایا جائے گا۔"

وہ کلینک سے باہر آئی تو [illegible] کے دوسری جانب اس کی کار موجود تھی۔ سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر [illegible] کراس کر کے گاڑی کی جانب بڑھی ہی تھی [illegible] حس نے الارم بجانا شروع کر دیا۔ اس نے [illegible] دیکھا۔ ہر طرف سب کچھ معمول کے مطابق نظر آ رہا [illegible] نے سر جھٹکا اور آگے بڑھی۔ وہ کار کا دروازہ کھول [illegible] تھی کہ اس کی نظر سامنے سے آتی سیاہ پرانی کار پر پڑی۔ کار کی رفتار نہایت تیز تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ [illegible] پاتی، کار اس کی گاڑی کو زوردار ٹکر مار کر آگے بڑھ گئی [illegible] اس زوردار دھکے سے گاڑی گھوم سی گئی تھی۔ سحر اچھل کر [illegible] گری تھی۔ حواس کی بتی گل ہونے سے قبل ایک ہی خیال اس کے دماغ میں لہرایا تھا۔ "یہ حادثہ نہیں تھا۔" اس کے بعد اس کا ذہن اندھیرے میں ڈوب گیا۔

☆☆☆

بیرسٹر مقصود احمد اپنے دفتر میں بیٹھا مقدمے کے کاغذات تیار کر رہا تھا۔ اس کے مالی حالات آج کل بہت اچھے نہیں تھے مگر وہ جانتا تھا کہ یہ مقدمہ اس کا مقدر بدل سکتا تھا۔ کاسمیٹکس سرجری سے ہونے والے ری ایکشن کے ہزار سے زائد متاثرین اس کے پاس تھے۔ ہر ایک سے اس کا معاہدہ یہ ہی تھا کہ وہ ملنے والے ہرجانے میں سے تیس فیصدی اسے دینے کے پابند ہوں گے۔ مقدمہ جیت جانے کی صورت میں وہ راتوں رات کروڑ پتی بن سکتا تھا۔ اس نے ممکنہ طور پر آنے والی دولت کا پچاسویں بار حساب لگایا اور گہری سانس لی۔

اسے اپنے پارٹنر ایڈووکیٹ سردار بشیر کا انتظار تھا۔ [illegible] مزاج میں مقصود سے بھی دو ہاتھ آگے تھا۔

"کہاں رہ گئے تھے...... میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔" وہ سردار کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"وہ نئی کار خریدنے کا سوچ رہا ہے تو بس کار دیکھنے گئے تھے۔"

"کار خرید لی؟"

"نہیں کل تک فائنل کر لیں گے۔"

"ابھی ہم بچے نہیں ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری جیب مسلسل نوٹوں سے بھری رہتی ہے۔ کہاں سے آرہا ہے یہ پیسا۔" اس نے مزاحیہ انداز میں پوچھا۔
"ارے کچھ نہیں، اللہ کی دین ہے، بیوی کی ماں نے ایک پلاٹ دیا تھا۔ وہ اچھے داموں بک گیا ہے۔" سردار نے جواب دیا پھر مڑ کر اپنی میز پر جا بیٹھا۔ مقصود احمد چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر سر جھٹک کر کام میں مصروف ہو گیا۔

☆☆☆

خولہ کی آنکھ کھلی تو اعجاز کمرے میں نہیں تھا۔ اس نے سائڈ ٹیبل پر رکھی گھڑی کی طرف رخ کیا۔ گھڑی کی سوئیاں صبح کے آٹھ بجنے کا اعلان کر رہی تھیں۔
"اوہ۔" وہ یکدم اچھل کر اٹھ بیٹھی پھر چند لمحوں بعد اسے یاد آ گیا تھا کہ آج کورٹ بند ہے۔ اس نے اطمینان کی سانس لی اور پیچھے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔
وہ مسلسل اُلجھن کا شکار تھی۔ بینش سے اس کی ملاقات کو دو دن گزر چکے تھے۔ اس نے اس دوران میں اس سے کسی بھی قسم کا کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ اس کا ذہن وقاص اور بینش کے معاملے میں عجیب عجیب تصویریں پیش کر رہا تھا۔ اگر واقعی وہ لاش ڈاکٹر وقاص کی تھی تو بینش کسی بھی وقت کسی مشکل میں گرفتار ہو سکتی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو اس سے اس کی اپنی زندگی، کیریئر، خولہ اور اعجاز کی ریپوٹیشن اور ان کے خاندان کی نیک نامی سب کچھ متاثر ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس سب کو ذہن سے ہٹا نہیں پا رہی تھی۔ پھر سوال یہ بھی تھا کہ آخر ڈاکٹر وقاص کو کیوں قتل کیا گیا تھا؟ ایسا کیا تھا جس کی وجہ سے کوئی اسے بلیک میل اور پھر قتل کر سکتا تھا؟ اور آخر اس سب سے بینش کا کیا تعلق ہو سکتا تھا۔ کاش وہ اس سے سچ بول رہی ہوتی۔ دوسری اُلجھن بینش کا دفتر تھا۔ آخر وہ اس الف بی آئی قسم کی جگہ پر کام کرنے کے لیے کیوں مُصر تھی۔۔۔ اس نے سر جھٹکا اور بستر سے کھڑی ہوئی ہی تھی کہ اعجاز کمرے میں داخل ہوا۔
"ارے تم جاگ گئیں؟" وہ نرمی سے بولا۔ "اب پریشان ہوئے بغیر میری بات سنو، بینش رات کافی لیٹ گھر آئی ہے۔"
"کیا۔۔۔ بینش آئی ہے۔۔۔ اعجاز تم مجھے اٹھا دیتے نا۔۔۔" وہ چونک کر بولی۔
"تم گولی کھا کر سوئی تھیں اور اس وقت کوئی ایسی بات ہو نہیں سکتی تھی کہ جس کے لیے تمہیں جگایا جانا ضروری ہوتا، خولہ اس کی بُری حالت ہو رہی تھی۔ مجھے تو اسے دیکھ کر بہت دکھ ہوا، یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کئی دن سے جاگ رہی ہو۔ بہت ٹینشن میں تھی۔ میں نے شریفاں کی مدد حاصل کر کے اسے کھانا اور چائے دی، شریفاں نے اس کے لیے کمرا تیار کیا اور وہ بستر پر گرتے ہی سو گئی۔ وہ اب تک آرام سے سو رہی ہے۔" اعجاز نے اپنی بات مکمل کی۔
"اوہ اچھا۔۔۔ چلو چل کر اسے جگاتے ہیں۔ بات بھی کریں اور حالات بھی معلوم ہو جائیں۔"
"پہلے تم تو ریڈی ہو جاؤ اور میرا مشورہ یہ ہے کہ اسے سونے دو، جب اٹھے گی تب پوچھ لیں گے کم از کم نیند تو پوری ہو جائے۔" اعجاز نیم دراز ہوتے ہوئے بولا۔
جب وہ دونوں ناشتے کی میز پر پہنچے تو شریفاں نے انہیں بینش کے جاگ جانے کی اطلاع دے دی تھی۔ پانچ منٹ بعد وہ ان کے سامنے تھی۔
اب وہ قدرے بہتر لگ رہی تھی مگر اس کی آنکھیں اب بھی نہایت بے چین تھیں۔ انہوں نے ادھر ادھر کی باتوں کے ساتھ مل کر ناشتا کیا۔ اعجاز قصداً ناشتے کے بعد کسی کام کا بہانہ کر کے اٹھ گیا تھا۔
"بینش اب کیا تم مجھے برائے کرم اس سارے چکر کے بارے میں کچھ بتاؤ گی؟" بالآخر خولہ نے اس سے پوچھا۔
بینش چند لمحے سر جھکائے اپنے چائے کے کپ سے کھیلتی رہی، پھر بولی۔ "آپی اب اس بات میں کوئی شک نہیں رہا کہ کسی نے ڈاکٹر وقاص کو قتل کر دیا ہے۔"
"اور تم یہ بات اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو؟" خولہ نے نرمی سے پوچھا۔ بینش اتنی کمزور اور پریشان لگ رہی تھی کہ وہ غصہ ہونے کے باوجود اس پر اس کا اظہار نہیں کر پائی تھی۔
"اس دن جب ہم لنچ پر گئے تھے اور آپ نے مجھے میرے دفتر چھوڑا تھا، میں اسی شام ڈاکٹر وقاص کے گھر گئی تھی۔" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ "وہ وہاں نہیں تھا۔ وہ ایک ماہ سے وہاں نہیں ہے، اس کی بلی بھوکی اور بُری حالت میں تھی۔ میں اس کو ویٹ (جانوروں کے ڈاکٹر) کے پاس لے کر گئی تھی۔"
"تم گھر کے اندر گئی تھیں؟"
"ہاں، ظاہر ہے، وہاں سب کچھ بکھرا ہوا تھا۔"

ایک سے ے توقف کے بعد بولی۔ "مجھے نہیں لگتا کہ فی الحال کچھ بکھرا لگتی ہے۔ الماریوں اور صندوقوں کی درازیں تک کھلی پڑی تھیں۔ کسی نے صوفوں اور بستر کے میٹرس تک الٹ ڈالے تھے۔ گھر میں کمپیوٹر وغیرہ غائب تھے۔ ساری کتابیں فرش پر بکھری ہوئی تھیں۔ کسی نے بہت بُری طرح وہاں کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔ پتا نہیں اسے وہ چیز ملی کہ نہیں...؟" اس نے کانپتے ہوئے لہجے میں بات مکمل کی۔ اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ خولہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ بینش نے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لیے۔ چند لمحوں بعد جب اس نے خولہ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

"و... وہاں... وہاں خون بکھرا ہوا تھا۔ سوکھا ہوا خون۔" وہ ہسٹریائی لہجے میں بولی۔ اب وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

"بینش خود کو سنبھالو۔" خولہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آئی اور اسے گلے سے لگا لیا۔ وہ مسلسل پاگلوں کی طرح رو رہی تھی۔

"شریفاں، برکت یہاں آؤ۔" خولہ کی اپنی آواز اب لرز رہی تھی۔ بینش کو اس حال میں دیکھ کر اس کا دل بھر آیا تھا۔ "میری مدد کرو...." اس نے شریفاں سے کہا۔ "ہمیں بینش کو بیڈروم تک لے جانا ہے۔ برکت تم میری دواؤں کی کیبنٹ سے ویلیم کی گولی لاؤ۔"

جب تک وہ سو نہیں گئی خولہ اس کے سرہانے بیٹھی اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی تھی۔ اس کے سونے کے بعد وہ دروازہ بند کر کے شریفاں کو اس کا خیال رکھنے کا کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔ اس کی توقع کے عین مطابق اعجاز وہاں صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی پیشانی پر واضح بل موجود تھے جس کا مطلب یہی تھا کہ وہ پریشان ہے، خولہ اس کے برابر میں خاموشی سے بیٹھ گئی۔

"خولہ مجھے بتاؤ کہ یہ سب ہو کیا رہا ہے؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ اس کی نگاہیں خولہ کے چہرے پر جمی تھیں۔

☆☆☆

سحر ہوش میں آئی تو وہ وہیں اپنی زخمی کار کے پاس پڑی تھی۔ اس کے اردگرد کافی لوگ جمع تھے۔ اسے معاملے سمجھنے اور پھر اٹھ کر کھڑے ہونے میں چند لمحے لگے تھے۔

"میڈم، آپ ٹھیک ہیں؟"

"ہوا کیا تھا...؟"

"زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟"

مختلف آوازیں اس کے اردگرد گونج رہی تھیں۔

"شکریہ ——" وہ بمشکل بولی۔ ایک لمحے کو اس کی اپنی آواز اسے اجنبی لگی تھی۔ "میں ٹھیک ہوں اب۔ ایک تیز رفتار کار مجھے ٹکر مار گئی تھی۔"

"کار..." سحر نے اپنے موبائل کی تلاش میں زمین پر نظریں دوڑائیں۔ وہ سامنے ہی پڑا تھا۔ اس نے اسے اٹھا کر اسے چیک کیا، موبائل ٹھیک حالت میں تھا۔ گرنے کی وجہ سے خود بخود بند ہو گیا تھا۔ اس نے لوگوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے سکندر کا نمبر ملایا۔ اس کی گاڑی چلنے کے قابل نہیں تھی۔ مختصر سی گفتگو کے بعد اس نے کال کاٹی اور گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ اس گاڑی کا نمبر تو نہیں دیکھ پائی تھی مگر وہ سیاہ رنگ کی بڑی کار تھی شاید سوک تھی۔ وہ اسے بس ایک لمحے کے لیے اپنی جانب آتے ہی دیکھ پائی تھی۔ اسے اس کار کے حوالے سے مزید کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر پورے منظر کو بند آنکھوں کے سامنے گویا دہرایا — گاڑی تیزی سے مڑی تھی اور اس کے قریب آ گئی تھی۔ اس نے ذہن پر زور ڈالا پھر یکلخت آنکھیں کھول دیں۔

اسے یقین تھا کہ اس کار کو ایک لڑکی چلا رہی تھی۔ اسے اس کا چہرہ کچھ یاد تھا۔

☆☆☆

"خولہ یہ معاملہ روز بروز سنگین ہوتا جا رہا ہے۔ اگر وہ سچ کہہ رہی ہے تو پولیس کو جلد یا بدیر اس بارے میں سب کچھ معلوم ہو ہی جائے گا۔ ایسی صورت میں بینش پر بھی کوئی الزام آ سکتا ہے۔" اعجاز نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں سمجھ رہی ہوں اعجاز، اور ایک قانون داں کی حیثیت سے میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اتنا کچھ جانتے ہوئے بھی پولیس کو مطلع نہ کر کے ہم خود بھی کہیں نہ کہیں خود کو اس سارے معاملے میں فریق بنا رہے ہیں۔" خولہ مدھم سی آواز میں بولی۔ "مگر میں بینش کو اس چکر سے الگ رکھنا چاہتی ہوں۔"

"تو اس کے لیے اسے سمجھاؤ کہ اگر وہ پولیس کے پاس نہیں جانا چاہتی تو پھر اس سارے معاملے سے خود کو الگ کرے۔ اسے ڈاکٹر وقاص کے گھر نہیں جانا چاہیے تھا۔ وہ جتنا خود کو الجھاتی جا رہی ہے، اس طرح حالات کسی دن بگڑ

سے وہ لڑکی ٹھیک نظر نہیں آتی اور معاف کرنا خولہ مگر —
مجھے تو یہ بھی لگتا ہے کہ جو کچھ اس نے تمہیں بتایا ہے، وہ اس
سے زیادہ اس معاملے میں ملوث ہے۔۔۔ بہر حال جو بھی
ہے، فی الحال اس کے لیے بہترین حل اس سب سے دور رہنا
ہے۔''

''تم درست کہہ رہے ہو۔ وہ اٹھے گی تو میں اسے
کہوں گی کہ وہ دفتر سے چند دن کی رخصت لے لے اور گھر
پر ہی رہے۔'' خولہ نے اتفاق کیا۔ اس کی رائے میں بھی
بینش کے لیے یہی مناسب تھا۔ اعجاز کچھ دیر بعد ریسٹورنٹ
کے لیے نکل گیا تھا۔ خولہ کو کچھ کام نمٹانا تھا لہٰذا وہ اپنی اسٹڈی
میں گھس گئی۔ لنچ کے وقت اسے بینش کا خیال آیا۔ ''اب
اسے اٹھا لینا چاہیے۔'' اس نے سوچا اور بینش کے کمرے کی
طرف بڑھی۔ دروازہ کھول کر اس نے لائٹ کا سوئچ دبایا۔
کمرا لمحہ بھر میں روشنی سے بھر گیا تھا۔ بستر پر نظر پڑتے ہی
خولہ کا دماغ بھک کر کے اڑ گیا۔ بستر خالی پڑا تھا۔

خولہ نے تیزی سے باتھ روم کا دروازہ کھولا۔ وہاں
بھی کوئی نہیں تھا۔ وہ دوڑتی ہوئی باہر نکلی۔ پورچ میں اس کی
کار بھی نہیں تھی۔ خولہ نے گہری سانس لی۔ 'یعنی وہ ایک بار
پھر غائب ہو گئی تھی۔' اس نے اتمام حجت کے خیال سے
چوکیدار سے اس کے متعلق پوچھا۔ اس کے مطابق وہ پندرہ
منٹ پہلے نکلی تھی اور وہ بہت تیز کار چلا رہی تھی۔

خولہ نے اندر کمرے تک پہنچنے کے دوران اس کے
فون پر پے در پے کئی کالز کی تھیں مگر نتیجہ وہی نکلا تھا۔ بینش
نے اس کا فون ریسیو کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ خولہ کا پارا
آسمان کو چھو رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ فوراً پولیس کو
فون کرے اور تمام تر معلومات کا بوجھ ان کے سر پر ڈال کر
خود سائبیریا چلی جائے۔

''آخر یہ لڑکی اس سے چاہتی کیا ہے؟'' وہ شام تک
خود سے دس مرتبہ یہ سوال کر چکی تھی۔ اس نے کئی مرتبہ بینش
کو کال کرنے کی کوشش بھی کی تھی مگر ہر بار اسے مایوسی ہوئی
تھی۔

اعجاز شام ڈھلتے ہی آ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں
خلاف معمول شام کا اخبار تھا اور چہرے پر ہلکا سا تردد نظر
آرہا تھا۔ خولہ اسے فون پر پہلے ہی بینش کے غائب ہو جانے
کی اطلاع دے چکی تھی۔

''خولہ تم نے آج کا اخبار نہیں دیکھا ہوگا۔'' وہ اخبار
اس کی جانب بڑھاتا ہوا بولا۔ ''یہ شام کا مشہور انگریزی
اخبار تھا۔

''اس میں کیا ہے؟'' خولہ نے ... پوچھا۔

''یہ خبر دیکھو۔۔۔'' اس نے ...
نے صفحہ نمبر تین نکالا۔ اوپری حصے میں ...
تھی جس کی سرخی میں موجود ڈاکٹر وقاص ...
توجہ فوری طور پر اپنی جانب مبذول کرا لی ...
مطابق ڈاکٹر وقاص احمد کو غائب ہوئے تقریباً ...
والا تھا۔ ان کے کچھ دوستوں نے دو دن قبل ان کی ...
کی اطلاع پولیس کو دی تھی اور پولیس انہیں تلاش ...
دو دن قبل ایک پڑوسی نے ڈاکٹر وقاص کے مکان ...
ایک خاتون کو دیکھا تھا۔ وہ خاتون گھر میں داخل ...
اور کچھ دیر وہاں رہی تھی۔ اطلاع ملتے ہی پولیس ...
مگر تب تک وہ جا چکی تھی۔ مکان کی تلاشی کے دوران ...
سے خون آلود ٹائلز اور جسمانی کشمکش کے آثار ملے تھے۔ ...
میں کسی نے بری طرح کچھ تلاش کیا تھا۔ پولیس اس ...
معاملے کو ڈاکٹر کی گمشدگی کے بجائے اس کے قتل ...
واردات کے طور پر دیکھ رہی ہے۔ پولیس کو اس خاتون ...
کار کی تلاش ہے۔

خولہ کا چہرہ خبر پڑھ کر سفید سا پڑ گیا۔ معاملات ...
جا رہے تھے۔ بینش کو بچانا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

سحر کا تھکن کے مارے برا حال تھا۔

اس حادثے کے بعد سے اسے آرام کا بالکل ...
نہیں ملا تھا۔ سکندر اس کے فون پر دو جوانوں کو لے کر ...
پہنچ گیا تھا۔ گاڑی کو انہوں نے گیراج پہنچانے کی ذمے
داری لی تھی۔

''چلو گاڑی اپنے اسپتال گئی اب تم کو بھی تمہارے
مکینک کو دکھا لیتے ہیں۔'' وہ پولیس اسپتال کے سامنے ...
روکتے ہوئے بولا۔

''سکندر میں بالکل ٹھیک ہوں۔ صرف ایک ...
ہی لگا تھا۔ مجھے ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ...
آفس چلو۔'' وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔

''بھائی گاڑی تو تمہارے مقابلے میں کافی ...
جب اس کا برا حال ہے تو پرانی مشین تو زیادہ ...
پھر تم بے ہوش ہو گئی تھیں یعنی معاملے کا تعلق دماغ ...
اور تمہارے حوالے سے اس معاملے میں یوں بھی ...

مطلوب ہوں جلد از جلد رابطہ کرنے کا شکریہ..." وہ النا سید صاحب ہوا۔ بہر حال وہ اسے اسپتال لے ہی گیا تھا جہاں چند ٹیسٹ کے بعد ڈاکٹرز نے اسے تھوڑا آرام تجویز کیا تھا۔

"دیکھا تم نے...... میں نے پہلے ہی کہا تھا نا؟" وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بڑبڑائی۔ "کتنا وقت ضائع کر دیا۔"

"نہیں سحر، ہم یہی غلط کرتے ہیں۔ صحت سے بڑھ کر انسان کے لیے کچھ نہیں ہے۔ یہ صحت ایک بار خراب ہو جائے تو پھر کام کاج، سیر و تفریح، غذا سب سے جاتا ہے انسان، سب سے زیادہ توجہ صحت کو دی جانی چاہیے۔" سکندر سنجیدگی سے بولا۔

"تم درست کہہ رہے ہو۔" سحر نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ کم ہی اتنا سنجیدہ نظر آتا تھا۔

دفتر پہنچتے ہی شمشیر حیدر نے انہیں ڈاکٹر وقاص احمد کی رہائش گاہ کا جائزہ لینے کا حکم دیا تھا اور وہ کچھ دوسرے آفیسرز اور فارنسک اسٹاف کے ساتھ وہاں پہنچے تھے۔ گھر کی حالت واقعی بہت ابتر تھی۔ فارنسک کے لوگوں نے وہاں سے نمونے لینے شروع کر دیے۔ سحر اور سکندر بھی تلاشی کے عمل میں شامل تھے۔ وہ واپس پہنچے تو شمشیر حیدر ان کے منتظر تھے۔

"سر میری ایک درخواست ہے۔" سحر جو کافی دیر سے بالکل چپ تھی، بولی۔

"ہاں، ہاں بولو سحر۔" انہوں نے کہا۔

"میں ڈاکٹر وقاص کا ڈینٹل ریکارڈ حاصل کرنا چاہتی ہوں۔"

"ڈینٹل ریکارڈز......؟" شمشیر حیدر نے دہرایا۔

"جی سر، نہ جانے مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے جیسے اس گمشدگی اور سمندر سے ملنے والی لاش میں کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہے۔" وہ بولی۔

"ٹھیک ہے تم یہ کر سکتی ہو مگر اس بارے میں کسی کو اطلاع نہیں ہونی چاہیے۔" وہ بولے۔

"نہیں ہوگی سر......" سحر نے سنجیدگی سے کہا۔

☆☆☆

خولہ مسلسل سوچ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہیے اور یہ بھی کہ درست کیا ہے؟ مگر وہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچ پا رہی تھی۔

اعجاز کا مشورہ بھی یہی تھا کہ انہیں خود پولیس کے کسی سینئر افسر کو اعتماد میں لے کر ساری باتیں بتا دینا چاہئیں۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی، پھر اس نے اپنا موبائل اٹھایا۔ یہ کہیں اتفاق کہ رقم سیل کے پاس تھا اور سیل سے سربراہ کو وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ اس نے شمشیر حیدر کا نمبر ملایا۔

"شمشیر! کیا آج ملاقات ہو سکتی ہے؟" ابتدائی گفتگو کے بعد اس نے پوچھا۔

"کیوں نہیں...... یا تو آپ یہاں آ جائیں، ہم اکٹھے کافی پی سکتے ہیں یا میں آپ کی طرف آ جاتا ہوں جج صاحب۔" وہ خوش دلی سے بولا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اگر کافی کو اس میں شامل کرنا ہے تو ہمارے گھر کی کافی مہمانوں کو کافی پسند آتی ہے۔" خولہ مسکرا کر بولی۔ "میں آپ کے لیے ایک زبردست کافی تیار کرواتی ہوں۔"

"ڈن...... میں تھوڑی دیر میں پہنچتا ہوں۔" شمشیر حیدر وعدے کے مطابق 45 منٹ میں اُن کے ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ کافی کے کپ پر کچھ رسمی باتوں کے بعد وہ موضوع پر آ گیا۔

"ہم اتنے عرصے سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں مگر آپ نے پہلی بار مجھے بلوایا ہے یقیناً اس کے پیچھے کوئی اہم بات ہے؟"

خولہ چند لمحے اسے خاموشی سے دیکھتی رہی پھر اس نے بینش کی بتائی ہوئی باتیں اختصار سے دہرا دیں۔

"جج صاحب آپ اس خاتون کو کتنا جانتی ہیں......؟" سب کچھ سن کر شمشیر حیدر نے پوچھا۔

"اپنی ساری عمر سے......" خولہ نے جواب دیا۔

"ہمیں اس معاملے کو پروفیشنل طریقے سے دیکھنا ہوگا۔" وہ بولا۔ "اس خاتون کو ایک قتل کے بارے میں اس قدر معلومات حاصل ہیں، کیا یہ سب انہیں مشکوک افراد میں شامل نہیں کر دیتا؟"

"شمشیر صاحب، اس بات کا ایک فیصد امکان بھی نہیں ہے کہ بینش نے اس شخص کو قتل کیا ہو، میں چاہتی ہوں کہ آپ اس خیال کو ذہن سے نکال دیں۔ اگر آپ نے اسے مشکوک افراد میں شامل کیا تو میں خود آپ کے خلاف آرڈر پاس کروں گی۔" خولہ نے سرد لہجے میں کہا۔

"اگر آپ نے یہ کیا جج صاحب تو یہ اختیارات کا ناجائز استعمال ہوگا۔" شمشیر نے جواب دیا۔ "اختیارات کا ناجائز

اصول تو ملک کا وزیر اعظم بھی کرے تو اسے سزا ہو سکتی ہے۔ میرے خیال میں آپ کو اس معاملے میں نہیں پڑنا چاہیے۔''

''ہو سکتا ہے۔۔۔۔ مگر میں اپنی آخری حد تک جاؤں گی۔''

شمشیر چند لمحے خولہ کے سرخ چہرے کو دیکھتا رہا پھر گویا ہتھیار ڈالتے ہوئے بولا۔

''فی الحال ہم اس بات کو چھوڑ دیتے ہیں مگر میری بات یاد رکھیے گا اگر اس وقت وہ متعلق نہیں تھی تو بہت جلد ہو جائیں گی۔''

''اس بات کا کیا مطلب ہے؟''

''آپ نے بتایا کہ وہ ڈاکٹر وقاص کے غائب ہونے سے پہلے اُن سے مسلسل رابطے میں تھی اور یہ بھی کہ جب وہ اس کے گھر گئی تو وہاں سب کچھ الٹا پڑا تھا۔ جو لوگ اس سب میں ملوث ہیں ظاہر ہے کہ وہ وہاں کچھ اہم چیز ڈھونڈ رہے تھے۔ اگر انہیں وہ نہ ملی ہو تو وہ اس کے قریبی افراد کو تلاش کریں گے اور اگر مل گئی ہو تو دعا کریں کہ وہ خاتون اس سے متعلق نہ ہو۔ ہم نے اس وقت تک ڈاکٹر وقاص کے بارے میں جو ریسرچ کی ہے، اس کے مطابق موصوف نے کافی رنگین زندگی گزاری ہے، ایک خاص ایج گروپ کی کافی خواتین اسے قتل کرنے کی متمنی ہوں گی، ان کے شوہر ان کے علاوہ ہیں اور بزنس کے معاملے میں دشمنیاں الگ موجود تھیں۔''

''پھر تو آپ کو اس کی تلاش پر تیزی سے کام کرنا چاہیے۔ اگر وہ مر چکا ہے تو ہو سکتا ہے کہ سمندر سے ملنے والی لاش اسی کی ہو۔'' خولہ بولی۔

''جج صاحبہ میں اپنا کام کرنا جانتا ہوں۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ مہربانی فرما کر میرے کام میں دخل نہ دیں اور اگر کوئی ضروری بات ہو تو صرف مجھ سے بات کریں، آپ کے پاس میرا ذاتی نمبر موجود ہے۔ پرانے تعلقات کے حوالے سے میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ اپنی بہن کے لیے کوئی کرمنل وکیل ڈھونڈیں۔ اسے اس کی ضرورت پڑنے والی ہے۔ اگر وہ گرفتار ہونے سے قبل قتل نہ کر دی گئی تو۔۔۔۔'' وہ یہ کہہ کر کھڑا ہوا اور تعظیم میں سر کو ہلکا سا خم کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

خولہ اپنی جگہ بت بنی بیٹھی رہ گئی تھی۔ اسے شمشیر کی باتیں اور لہجہ دونوں ناگوار گزرے تھے مگر ایک بات میں وہ اس سے متفق تھی اور وہ یہ کہ بینش نے اس سے بہت کچھ چھپایا ہے۔ وہ اور ڈاکٹر وقاص کیا [illegible] پروجیکٹ کیا تھا اور وہ کیوں اس [illegible] جانتی تھی مگر۔ جو کچھ بھی تھا، اس کی وجہ سے ڈاکٹر [illegible] کیا تھا اور یقیناً قتل کیا جا سکتا تھا۔

اس خیال نے اس کے جسم میں بجلی سی بھر دی [illegible] جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ اس کے پاس بینش کے اپارٹمنٹ کی ایک چابی موجود تھی جو اس سامنے کھڑے راک سے کافی پہلے خود اس نے رکھوائی تھی کہ اگر اس کی چابیاں کھو جائیں تو وہ تالے تڑوانے کے بجائے دوسرا سیٹ یہاں سے لے سکے۔ خولہ نے وہ چابیاں اٹھائیں اور اس کے گھر جانے کے لیے باہر نکل گئی۔

اگر ایسی کوئی چیز تھی جس کی وجہ سے ڈاکٹر کی جان گئی تو اس کی بینش کے گھر موجودگی کتنی خطرناک ہو سکتی ہے، یہ وہ بخوبی سمجھ رہی تھی۔ اسے خطرہ یہ تھا کہ شمشیر حیدر نے بھی اپنے افسران کو الرٹ کر دیا ہوگا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ بغیر وارنٹ بینش کے گھر پر کسی کو نہیں بھیجیں گے مگر اس کے باوجود اس کے پاس وقت کم تھا۔ زندگی میں پہلی بار خولہ نے اس قدر تیز گاڑی چلائی تھی۔ بینش کے اپارٹمنٹ میں داخل ہو کر اس نے دروازہ احتیاط سے بند کیا۔ بینش کو اس وقت گھر میں ہونا چاہیے تھا۔ اس نے راستے سے اس کے دفتر فون کیا تھا، وہ دفتر سے نکل چکی تھی اور اس کا موبائل ریسیو نہیں ہو رہا تھا۔ خولہ نے اندر داخل ہوتے ہی اسے آواز دی مگر اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔ وہ گھر میں نہیں تھی مگر کوئی اور گھر میں ضرور آیا تھا۔ بینش کا ڈرائنگ روم اور جہاں تک خولہ کی نظر جا رہی تھی، سب کچھ الٹ پلٹ پڑا ہوا تھا حتیٰ کہ صوفے کے کشن تک پھاڑ دیے گئے تھے۔ کرسیاں، کتابیں سب کچھ بکھرا ہوا تھا بالکل اسی طرح جیسے بینش نے ڈاکٹر کے گھر کے حوالے سے بتایا تھا۔ خولہ کا دل گویا اس کے حلق میں دھڑک رہا تھا۔ وہ تیزی سے اس کے بیڈ روم کی طرف بڑھی۔

''بینش۔۔۔۔۔ بینش کیا تم یہاں ہو؟'' اس نے اندر قدم رکھتے ہی زور سے پکارا۔

جواب میں ایک گھومتی ہوئی گیند نما چیز زوردار انداز میں اس کے سر پر لگی تھی۔ خولہ کو یوں لگا تھا جیسے اس کے سر میں آگ لگ گئی ہو۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامنے کی کوشش کی پھر لہراتی ہوئی زمین پر جا گری۔

جب اسے ہوش آیا تو کھڑکی سے باہر اندھیرا پھیل چکا

تھا۔ اس نے زمین سے اٹھنے کی کوشش کی مگر اس کا سر بُری طرح چکرا رہا تھا، وہ ایک بار پھر ڈھے گئی۔ اگلی بار جب اس کی آنکھ کھلی تو کھڑکی کی دوسری طرف دن کی روشنی پھیل رہی تھی۔ نہ جانے وہ کب سے یہاں پڑی تھی۔ اس نے سوچا۔ اعجاز یقیناً بہت پریشان ہوگا۔ اسے حیرت تھی کہ پولیس بھی اب تک یہاں نہیں پہنچی تھی۔ خولہ اس بار بمشکل اٹھ کر بیٹھنے میں کامیاب ہوگئی مگر اس کا سر چکرا رہا تھا اور اسے ڈر تھا کہ وہ دوبارہ بے ہوش نہ ہو جائے۔ اس نے اٹھنے کا ارادہ ترک کر کے ہاتھ سے گر جانے والے موبائل کو ٹٹولا، بالآخر فون اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ فاسٹ ڈائل میں صرف ایک بٹن دبا کر وہ اعجاز سے بات کر سکتی تھی اور اس نے یہی کیا۔

''خولہ..... خولہ کیا یہ تم ہو.....؟'' دوسری جانب سے اعجاز کی آواز اسے یہ بتانے کے لیے کافی تھی کہ وہ بے انتہا پریشان ہے۔

''اعجاز.....'' وہ بمشکل بولی مگر اس کے حلق سے نکلنے والی آواز اس قدر دھیمی تھی کہ وہ اسے خود بھی سن نہیں پائی۔

''تم بول کیوں نہیں رہیں، سب ٹھیک ہے نا؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''اعجاز..... میں..... میں بینش کے گھر پر ہوں۔ مجھے یہاں آکر لے جاؤ۔'' اسے بولنے کے لیے بہت طاقت صرف کرنا پڑ رہی تھی۔ ''اور ہاں کرائم سیل کے شمشیر حیدر کو بھی فون کر دینا۔''

''میں آرہا ہوں..... میں فون کر دوں گا۔ تم خود کو سنبھالو..... میں پہنچ رہا ہوں۔'' فون بند ہوتے ہی وہ پھر زمین پر لیٹ گئی۔

اگلی بار جب اس کی آنکھ کھلی تو اعجاز کا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ کمرے میں شمشیر حیدر کے ساتھ ایک خوب صورت سی لڑکی اور ایک لڑکا بھی موجود تھے۔ شمشیر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

''آخر آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا یہاں آنے سے قبل؟ آپ نے مجھے بینش کا پتا بھی نہیں بتایا تھا۔ ہم کل دوپہر سے ان کا پتا ہی تلاش کر رہے تھے۔''

''بہت مشکل سوال ہیں۔'' خولہ لہراتی ہوئی آواز میں بولی۔

اتنی دیر میں ایمبولینس آ گئی تھی۔ اسپتال میں دیگر ٹیسٹ کے ساتھ اس کا سی ٹی اسکین کیا گیا تھا۔ تمام ٹیسٹ کلیئر آئے تھے جس کے بعد انہیں اسپتال سے رخصت مل گئی۔

''اب تم میری کسٹڈی میں ہو، خبردار جو میری مرضی کے بغیر تم اٹھیں بھی تو..... جیمز بونڈ بننے کا اتنا شوق تھا تو مجھے بھی ساتھ لے جاتیں۔'' وہ بولا۔

''بس مجھے لگا تھا کہ میں اسے ساتھ لے آؤں گی۔'' وہ مسکرائی اور تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔

☆☆☆

بالآخر ایک معما حل ہو گیا تھا۔

سمندر سے ملنے والی لاش کی شناخت ہو گئی تھی۔ ڈینٹل اور میڈیکل ریکارڈز نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ لاش ڈاکٹر وقاص احمد ہی کی تھی۔

اگلی دوپہر شمشیر احمد ایک بار پھر خولہ اور اعجاز شاہ کے سامنے موجود تھا۔ اس بار اس کے ساتھ ایک خوب صورت لڑکی بھی تھی۔

''یہ ہماری ہونہار آفیسر ہے اور ڈاکٹر وقاص کے کیس کو یہی دیکھ رہی ہے۔'' شمشیر نے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ''اگر آپ بہتر محسوس کر رہی ہوں تو یہ آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتی ہے۔'' اس نے سحر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں، مجھے صرف ایک سوال پوچھنا ہے میڈم جیسا کہ آپ جانتی ہیں، ڈاکٹر وقاص اور بینش دونوں کے گھروں کی ایک ہی طرز پر تلاشی لی گئی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ قاتل جو ڈھونڈ رہے ہیں، وہ انہیں اب تک نہیں ملا ہے۔ ڈاکٹر وقاص مارے جا چکے ہیں مس بینش فی الحال زندہ ہیں اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کی جان کو خطرہ نہیں ہے..... آپ ہماری تھوڑی سی مدد کریں اور یہ بتائیں کہ وہ کہاں ہیں تاکہ ہم قاتل سے پہلے ان تک پہنچ سکیں۔'' سحر نے سادگی سے کہا۔

خولہ اب پہلے سے بہت بہتر محسوس کر رہی تھی۔ اسے سحر کی باتوں میں خاصا وزن محسوس ہو رہا تھا۔

''مجھے آپ کی مدد کر کے بہت خوشی ہوگی مگر مسئلہ یہ ہے کہ مجھے بھی اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ آخری بار مجھے اس کا ایک برقی پیغام ملا تھا جس میں اس نے کہا ہے کہ وہ دو تین دنوں کے لیے شہر سے باہر جا رہی ہے۔'' وہ بولی۔

''کیا آپ کو اندازہ ہے کہ وہ کہاں گئی ہوں گی؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔

''نہیں اگر اندازہ ہوتا تو میں خود اس کو پکڑنے جاتی ہوتی۔'' خولہ بولی۔

"میں آپ سے ایک سوال اور کرنا چاہتی ہوں کیا آپ کو کچھ اندازہ ہوا ہے کہ ڈاکٹر وقار اور بینش کس چیز پر کام کر رہے تھے؟"

شمشیر اسے چند لمحے گھورتا رہا پھر اپنے بالوں سے عاری سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ "ہمارے اندازے کے مطابق وہ دونوں کاسمیٹکس سرجری کی وجہ سے ہونے والی تازہ ترین گڑبڑ کو بہتر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ دوسرے لفظوں میں وہ سیکڑوں کلائنٹس کی جانب سے دائر ہو جانے کے مقدمے کے دفاع کے لیے کوئی اسٹریٹجی بنا رہے تھے۔"

"انہیں اس وجہ سے کون مارنا چاہے گا؟" خولہ نے گویا خود کلامی کی۔

"خولہ جی، پولیس کے کام کا اصول نمبر ایک' اس کا جواب ہے پیسے کا پیچھا کرو۔" وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا اور واپسی کے لیے کھڑا ہو گیا۔

"میڈم پلیز، آپ کو جو بھی بینش کا علم ہو، آپ ہمیں مطلع کر دیجیے گا۔" سحر نے کہا۔ "اور ہاں کیا مجھے ان کی تازہ تصویر مل سکتی ہے؟"

"ہاں، کیوں نہیں....." خولہ نے اپنے موبائل میں موجود تصویر اسے بھیجتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ آپ اسے پبلک نہیں کریں گے۔"

"نہیں بالکل نہیں۔" سحر نے کہا۔

کار میں بیٹھنے کے بعد اس نے اپنا سیل آن کیا۔ جج خولہ کی بھیجی ہوئی تصویر اس کے واٹس ایپ پر موجود تھی۔ اس نے تصویر کو کلک کیا۔ اسکرین پر اگلے لمحے ایک خوب صورت چہرہ نظر آ رہا تھا۔ تصویر پر نظر پڑتے ہی سحر کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔ اس نے وہ چہرہ پہلے بھی دیکھ رکھا تھا۔ ذہن پر ہلکا سا زور دیتے ہی اس کے ہونٹوں سے ہلکی سی سیٹی نکل گئی۔ ڈینٹل کلینک کے سامنے اس کی کار کو ٹکر مارنے والی لڑکی یہی تھی۔

☆☆☆

مقصود احمد شاہ اس کے چیمبر میں موجود تھا۔ ہمیشہ کی طرح وہ اس وقت بھی ارمانی کے بہترین سوٹ میں ملبوس تھا۔ اس کے پیروں میں قیمتی جوتے تھے۔ چمکدار کف لنکس اور بہترین خوشبو اس کی پہچان تھے۔ خولہ ایک لمحے تک اس کا جائزہ لیتی رہی۔ شمشیر کی کہی ہوئی بات اس کے ذہن سے چپک سی گئی تھی۔ ڈاکٹر وقار اور بینش یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے کاسمیٹکس سرجری ... انجکشن میں ڈاکٹر یا مصنوعات کا کوئی عمل دخل ... وہ اس میں کامیاب ہو جاتے تو بینش کی کمپنی کا ... میں بدل جاتا۔ اس سے ہرجانے کے ان ... داروں کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ یوں ان کے ... کروڑوں کی فیس سے محروم ہو سکتے تھے۔ یہ مقدمہ ... کورٹ میں موجود تھا اس لیے وہ اس بات کو ... طور پر سمجھ سکتی تھی۔

"مقصود، ہم برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں، میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ڈاکٹر وقاص اور اس کمپنی کے خلاف ہرجانوں کے سب سے زیادہ کیس تمہارے پاس ہی ہیں۔ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ بینش حسام کہاں ہے؟"

یہ سوال کرتے ہوئے خولہ کو معلوم تھا کہ وہ سچ نہیں بولے گا مگر اسے اس کے ردعمل سے یہ اندازہ ہو سکتا تھا کہ وہ کس قدر جانتا ہے۔ اس کا سوال سن کر مقصود احمد کا منہ گویا کھلے کا کھلا رہ گیا پھر وہ بولا۔ "میڈم مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ مس بینش ہے کون؟"

"اوہ......" خولہ نے اسے گھورا۔ "تم شاید یہ نہیں جانتے کہ وہ میری بہن ہے اور میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ تمہاری کمپنی میں انٹرن شپ بھی کر چکی ہے۔ یہ کئی سال پرانی بات ہے۔ تم اس کے بعد بھی اس سے ملتے رہے ہو۔ جو میں جاننا چاہتی ہوں۔ وہ یہ ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ اب جبکہ تم میرے سامنے ایک جھوٹ بول چکے ہو تو میرے لیے تمہاری کسی اور بات کا بھروسا کرنا مشکل ہے پھر بھی تم ایک بار اور سوچ لو۔"

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ مجھ سے یہ سوال کس طرح کر سکتی ہیں، مس بینش اور میرے ان سے کسی بھی قسم کے تعلقات میرا ذاتی معاملہ ہیں۔" وہ سرد لہجے میں بولا۔

"یعنی تم یہ کہہ رہے ہو کہ تم دونوں کے درمیان تعلقات ہیں؟" خولہ نے پوچھا۔

"میں یہ کہہ رہا ہوں جج صاحبہ کہ اس بات کا کسی مقدمے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں کسی سے کوئی بات کرنا یا نہ کرنا میری مرضی پر منحصر ہے۔" وہ اتنا کہہ کر ایک لمحے کو رکا پھر کھڑا ہو گیا۔ "مجھے اپنے ایک کیس پر کام کرنا ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنا کام کر لوں۔" وہ یہ کہہ کر چیمبر سے باہر نکل گیا۔

بینش اور مقصود احمد شاہ کے مابین تعلق خولہ کے لیے

بہترین تحریریں، لاجواب روداد اور
اصل داستانیں پڑھنے والوں کے لیے
سرگزشت کا مطالعہ ضروری ہے

ماہنامہ سرگزشت

شمارہ فروری 2019ء
کی جھلکیاں

آخری حصار
اس جواں مرد حکمران کا زندگی نے ساتھ نہ دیا... پیٹھ میں چھری ماری نتیجتاً یورپ کی تاریخ بدل گئی۔

مصور جنوں
وہ مسلمان تھا، دنیا اس کے فن کی قدرداں تھی، اسے جادوئی انگلیوں والا کہتی لیکن اس کے ہم وطن اسے قتل کرنا چاہتے تھے۔
ناکام ہوئے تو اسے ملک سے ہی بھگا دیا۔

قیامت صغریٰ
یورپ کی تاریخ میں اس طرح کی تباہی پہلے کبھی نہ آئی تھی۔ وہ دن قیامت سے کم نہ تھا

زندگی کوہ گراں
وہ کالی تھی اسی لیے اس کی قسمت پر کالک لگ گئی تھی۔ آنکھوں میں آنسو بھر دینے والی سچ بیانی

بہت سے تاریخی واقعات، سچی بیانیاں اور بہت کچھ

بس ایک بار سرگزشت پڑھ کر دیکھیں آپ اس کے گرویدہ ہو جائیں گے۔

ایک ہی خبر تھی۔ مقصود احمد شاہ اس کی کمپنی پر ہرجانہ کرنے والوں کا وکیل تھا۔ اگر اس بات کا علم اس کے مالکان کو ہو جاتا تو دھوکا دہی کے الزام کے ساتھ ساتھ اس کی نوکری اسی وقت ختم ہو جاتی، نہ جانے بینش نے خود کو... کس مشکل میں پھنسایا ہوا تھا۔ خولہ نے گہری سانس لی۔

''میں نے جواد کو کاسمیٹکس سرجری کیس کے ہرجانے کیس کے حوالے سے تمام تفصیلات جمع کرنے کا کام دیا تھا۔ کیا اس نے تمہیں کچھ دیا ہے؟'' خولہ نے اپنی سیکریٹری سے پوچھا۔ اس کے ذہن میں شمشیر کی بات گونج رہی تھی اور یہ بات تفتیش کا بنیادی اصول تھی۔

''جی جج صاحبہ! وہ تھوڑی دیر پہلے ایک فائل دے کر گیا ہے۔''

''مجھے فوراً وہ فائل چاہیے۔'' خولہ نے اتنا کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ اگلے لمحے فائل اس کی میز پر تھی۔ خولہ فائل کی ابتدائی ورق گردانی کے بعد حیران رہ گئی تھی۔ واقعی یہ لمبا کھیل تھا۔ ہزار کے لگ بھگ ان متاثرین کے معاوضے کروڑوں سے زیادہ تھے۔

بینش کے مطابق ڈاکٹر وقاص نے ان ری ایکشن کا توڑ تلاش کرلیا تھا جس کے نتیجے میں کمپنیز کا نقصان ختم ہو سکتا تھا۔ مارکیٹ فعال ہو سکتی تھی مگر اس سے ان سب دعوے داروں اور وکیلوں کو کروڑوں کا نقصان ہو سکتا تھا۔

ڈاکٹر وقاص کی ریسرچ کا جن دو جگہوں یعنی اس کے یا بینش کے گھر پر ہونے کا امکان ہو سکتا تھا وہاں کی تلاشی پہلے ہی لی جا چکی تھی۔

اب سوچنے کی بات یہ تھی بینش کے علاوہ اس بات کو اور کون کون جانتا تھا۔ اگر وہ مقصود کے قریب تھی تو یقیناً اس کو اس کا علم ہو سکتا تھا۔ مجرم جو کوئی بھی تھا، اگر اسے اس ریسرچ کے بارے میں مزید جاننا تھا تو اس کے لیے بینش کا زندہ رہنا ضروری تھا۔

دوسری حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس مقدمے میں ڈاکٹر وقاص کا نام مقصود احمد کے گواہوں میں موجود تھا۔ یہ بات البتہ ریکارڈ میں نہیں تھی کہ اس کی گواہی لی بھی گئی تھی کہ نہیں۔ کاغذات کے مطابق اسے آخری نوٹس دو دن پہلے بھیجا گیا تھا۔

خولہ نے اس حوالے سے خود مزید تحقیق کا فیصلہ کیا اور گوگل پر متعلقہ خبروں اور مضامین کے لیے سرچ کیا وہاں کئی سو مضامین موجود تھے۔ اس نے سرچ کو مقدمات شروع

[illegible] ریکارڈ کی تعداد 433 ہو گئی [illegible] کے مضامین کی [illegible] ایک [illegible] معلومات کی تفصیل [illegible] ایک ایک کر کے سب پڑھتی چلی گئی۔ [illegible] 88 [illegible] آ گئی [illegible] کی پیشی [illegible] ایک بڑی حیرت ناک بات یہ [illegible] سامنے آیا تھا۔ اس تحقیق کے [illegible] اس کا نام بہت [illegible] ڈاکٹر وقاص کے بارے میں مزید بہت کچھ جاننے کا موقع ملا تھا۔ وہ 25 سال سے شہر کا سب سے بڑا کاسمیٹک اور پلاسٹک سرجن تھا۔ شہر کی تقریباً ہر امیر عورت اس کی کلائنٹ رہ چکی تھی اور ان میں سے اکثریت کسی نہ کسی موقع پر اس کے عشق میں بھی مبتلا رہ چکی تھی۔ ڈاکٹر [illegible] دلچسپ۔ وہ دل ہی دل میں مسکرائی۔

دو گھنٹے کی اس عرق ریزی نے اسے تھکا دیا تھا۔ اس نے لیپ ٹاپ بند کیا۔ اسی لمحے جواد ثاقب کمرے میں داخل ہوئے ان کے پیچھے ان کی سیکریٹری آصفہ بھی تھی۔ جواد ثاقب کورٹس کے معاملات کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ انتظامی امور کے نگراں بھی تھے۔ خولہ اور ان کے درمیان شروع سے ہی تعلقات کچھ بہت زیادہ اچھے نہیں تھے۔

''میں آپ کے چند منٹ لینا چاہتا ہوں جج صاحبہ۔'' وہ بھاری آواز میں بولے۔

''جی ضرور جواد صاحب۔'' خولہ نے کہا اور پھر اپنی سیکریٹری سے مخاطب ہوئی۔ ''آصفہ میری کالز پر میسج لے لینا میں ضروری میٹنگ میں ہوں۔'' یہ ان دونوں کے درمیان طے شدہ کوڈ تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ دس منٹ میں اس میٹنگ کو ختم کروانا تھا۔

''آپ کیسی ہیں خولہ، مجھے آپ کی فکر ہو رہی تھی۔ پچھلے دنوں آپ کے ساتھ کوئی حادثہ ہو گیا تھا اور اب بھی آپ بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہیں۔ آپ کو اپنے ورکنگ آورز کا خیال رکھنا چاہیے، صحت سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

''آپ کا شکریہ جواد صاحب......'' وہ دھیرے سے بولی۔

''مجھے آپ سے کچھ اور بھی کہنا تھا۔'' وہ کھنکھارتے ہوئے بولے۔ ''آپ کے کام کا طریقۂ کار کچھ زیادہ پسند نہیں کیا جا رہا ہے...... میرا مطلب ہے اسے تھوڑا روایات اور قواعد کے مطابق ہونا چاہیے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کی ریٹائرمنٹ بہت دور ہے مگر مس کنڈکٹ آپ کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔''

خولہ کا پارہ چڑھ گیا تھا مگر اس نے [illegible] دیکھتے رہنے پر اکتفا کیا تھا۔

''میرا آپ کے لیے ایک مشورہ ہے۔ آپ [illegible] جرم کی تفتیش کو پولیس ڈپارٹمنٹ کے لیے چھوڑ دیں [illegible] کسی بدنام شخص کے معاملے میں تو نہ پڑنا ہی بہتر ہوتا ہے۔'' وہ دوبارہ کھانسا جیسے اس کے گلے میں کچھ پھنس گیا ہو۔ ''آپ کو محتاط رہنا چاہیے خواہ مخواہ کی دشمنیاں پیدا کرنے کا آخر فائدہ ہی بھی کیا......؟''

خولہ کی مٹھیاں بھنچ سی گئی تھیں، آنکھوں میں شعلے سے بھڑکنے لگے تھے۔

اسے شروع سے خولہ کے ساتھ مسئلہ تھا۔ یہ وہ جانتی تھی مگر وہ اس طرح آخر ایک جج سے اس انداز میں گفتگو کرے گا، اس پر اسے ابھی تک یقین نہیں آیا تھا۔

''کیا آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں جواد صاحب؟'' اس نے سرد مگر ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''اور اگر اس سوال کا جواب ہاں میں ہے تو یہ آپ کی اپنی طرف سے ہے یا یہ پیغام کسی اور نے آپ کو مجھ تک پہنچانے کو کہا ہے؟''

وہ واپسی کے لیے کھڑا ہو چکا تھا۔ خولہ کی بات سن کر وہ ایک لمحے کو ٹھٹکا پھر بولا۔ ''مجھ سے اس لہجے میں بات نہ کریں، میں نے آپ کو مشورہ دے دیا ہے، ماننا یا نہ ماننا آپ کا اختیار ہے۔ نتائج کی بھی آپ خود ہی ذمے دار ہوں گی۔'' وہ اتنا کہہ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

حماقت واقعی کسی خاص انسان یا وقت کے لیے مخصوص نہیں ہوتی۔ یہ تو ایک کیفیت ہے جو کبھی بھی کسی پر بھی طاری ہو سکتی ہے۔ خولہ اس وقت خود کو احمق سمجھ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ جو وہ کرنے جا رہی ہے وہ اس کو نقصان پہنچا سکتا ہے، وہ اس وقت ڈاکٹر وقاص کے گھر کے باہر کھڑی تھی۔ اس نے اپنی گاڑی حتی الامکان سائڈ میں کھڑی کی تھی۔

اس نے سائڈ میں بنے چھوٹے دروازے کی ناب کو گھمایا، وہ اس وقت حیرت زدہ رہ گئی جب دروازہ تھوڑی سی کوشش سے کھل گیا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ دروازہ ہنگامی حالت میں استعمال کے لیے بنایا گیا تھا۔ اس کے لاک میں کوئی ایسی خرابی تھی کہ وہ مکمل طور پر بند ہو

[illegible] رہا تھا۔ مخصوص انداز میں ایک جھٹکا اسے گھور لے کے
[illegible] ثابت ہو سکتا تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ کسی
وقت یہ اچھی طرح آراستہ ہوگا مگر اس وقت سب بکھرا پڑا تھا۔ لاؤنج اور کچن کی درمیانی جگہ پر پولیس کے
[illegible] انسپکٹر وغیرہ موجود تھے۔ خون کے دھبے بھی نظر
آرہے تھے۔ وہ ڈرائنگ روم کے بعد بیڈ روم میں داخل
ہوئی۔ سارے ہی کمروں کا سامان بکھرا تھا۔ اسے گھر میں
گھسے ہوئے چھ سات منٹ ہو چکے تھے۔ خولہ نے ہر کمرے
کی مختلف زاویوں سے تصاویر بنائیں اور دروازے کو اسی
طرح بند کر کے کار میں آبیٹھی۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ وہاں
رہی تھی۔ شمشیر حیدر کو اپنی کارکردگی پر غور کرنا چاہیے....
اس نے طنزیہ انداز میں سوچا اور ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ
بڑھا دیا۔

☆☆☆

وہ گھر کے قریب پہنچی تھی کہ اس کا فون بج اٹھا۔
اسکرین پر اعجاز کا نام جگمگا رہا تھا۔
''اعجاز میں گھر پہنچ رہی ہوں، تم کہاں ہو؟''
''میں گھر پر ہی ہوں اور میرے پاس تمہارے لیے
ایک زبردست خبر ہے۔'' وہ بولا۔
''کیا جینش گھر آگئی ہے؟'' اس نے بے اختیار
پوچھا۔
''نہیں، مگر بات اس سے ہی متعلق ہے۔''
وہ گھر پہنچی تو اعجاز لاؤنج میں اس کا منتظر تھا۔
''میں آج وہ سارے آرٹیکلز دیکھ رہا تھا جو تم نے
ڈاکٹر وقاص اور پلاسٹک سرجری، رِی ایکشن اور مقدمات
کے حوالے سے جمع کیے تھے۔ میں نے انہیں چیک کیا تو
اندازہ ہوا کہ ان میں سب سے متاثر کن مضامین کی ٹریل
ایک ہی رائٹر کی تھی۔ جانتی ہو کون؟''
خولہ نے نفی میں سر ہلایا۔
''فرحت شاہین......'' اس نے جواب دیا۔
''وہ جو اکثر تمہارے پروگرامز میں آتی ہے اور اس
مشہور چینل کی اینکر بھی ہے؟'' خولہ نے پوچھا۔
''ہاں وہی...... میں نے اسے اس حوالے سے فون
کیا۔ اس نے اس موضوع پر کافی کام کیا ہے اور اس نے
مجھے یہ بتایا کہ اس نے ڈاکٹر وقاص کا آخری انٹرویو کیا تھا جو
اس نے اپنی موت یا قتل سے 6 دن پہلے دیا تھا جس میں اس
نے اپنی تازہ ترین ریسرچ پر بات کی تھی۔''

''او [illegible]
اسے وہ انٹرویو چاہیے تھا۔''
''پہلے تو اسے [illegible]
ہے کہ اس نے انٹرویو دیتے [illegible]
اسے اس کی اجازت سے [illegible]
اس کے قتل کی واردات ہو چکی ہے [illegible]
وجہ سے اس انٹرویو میں [illegible]
''یعنی......؟''
''یعنی چینل مالکان نے ابھی [illegible]''
''ہم...... خولہ کچھ سوچ رہی تھی۔
''فرحت نے ایک اور بات بتائی [illegible]
چکی ہے۔''
''وہ کیا......؟''
''یہ کہ کوئی اسے بلیک میل کر رہا تھا [illegible] نے
فرحت کو بھی یہ کہا تھا کہ اسے خدشہ ہے کہ اسے قتل نہ کر دیا
جائے۔''
''اوکے...... کیا تمہاری یہ دوست اپنے اس انٹرویو کی
کاپی ہمیں دے سکتی ہے؟'' خولہ نے پوچھا۔
''میں نے اس سے پوچھا تھا وہ ہمیں کاپی بھیج رہی
ہے۔''
''زندہ باد۔'' خولہ مسکرائی۔ بہت دیر بعد یہ اچھی خبر
ملی تھی۔ اس سے انہیں کم از کم یہ اندازہ ہو سکتا تھا کہ آخر اس
نے اپنی ریسرچ میں لکھا کیا تھا۔
ایک گھنٹے میں ہمیں انٹرویو کی کاپی مل گئی تھی۔ انٹرویو
چالیس منٹ طویل تھا۔ ہم دونوں نے کاپی ریسیو ہوتے ہی
اسے دیکھ لیا تھا۔
''یعنی شمشیر حیدر کی بات ہی درست ہے۔'' خولہ
بڑبڑائی۔ ''ڈاکٹر نے انٹرویو میں صاف بتایا تھا کہ اس
ریسرچ کے نتیجے میں جس رِی ایکشن نے ملک میں اس
انڈسٹری کا دیا جلا دیا تھا اور ہزاروں عورتوں کو مختلف
بیماریوں کا شکار بنا دیا تھا اسے دوبارہ اسٹیبلش کیا جا سکتا تھا۔
اسے وہ ٹو نڈل کیا تھا جس کے ذریعے اس رِی ایکشن کا بہتر
علاج ممکن تھا۔ اس کا مسئلہ اس کی اپنی بڑی شہرت تھی۔ ملک
میں جو چند بڑی کمپنیاں اس سیکٹر میں کام کر رہی تھیں، وہ
ڈاکٹر وقاص پر اعتماد کرنے پر تیار نہیں تھیں۔ دوسری جانب
روپے کا جادو بھی سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ ہر جانے کے
معاملے میں بہت زیادہ پیسا الٹ رہا تھا۔ اگر یہ مسئلہ حل ہو جاتا

تو بہت سارے لوگ روڈ پر آنے والے تھے۔''

☆☆☆

سحر اور سکندر ڈاکٹر وقاص کے گھر پر موجود تھے۔ پارکنگ والے گزشتہ روز اپنا سارا کام مکمل کر چکے تھے۔ سحر ایک بار پھر سکون سے جائے واردات کا جائزہ لینا چاہتی تھی اور یہی وجہ انہیں یہاں کھینچ کر لائی تھی۔ سکندر کی جزئیات پر گہری نظر ہوتی تھی اس لیے اس نے اسے ساتھ آنے کے لیے مجبور کیا تھا۔

''ہمیں یہ لاک تبدیل کرانا ہوگا۔'' وہ پچھلے دروازے کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

''میں کل یہ کام کروا دوں گا۔'' سکندر نے اتفاق کیا۔ ''ویسے تو یہ قدرے محفوظ علاقہ ہے پھر ایک جائے واردات بھی مگر اس کے باوجود یہ ضروری ہے۔ تمہیں اب یہاں سے کیا ملنے کی امید ہے؟''

''پتا نہیں، لیکن قتل اسی مکان میں ہوا ہے۔ مقتول ڈاکٹر کچن سے ملحق اسی لاؤنج میں اس کرسی پر بیٹھا تھا۔ جب اسے گولی ماری گئی۔'' سحر لاؤنج کے درمیان کھڑی اب خودکلامی کر رہی تھی۔ ''یہاں خون کے دھبے موجود ہیں پھر اسی دروازے سے غالباً اس کی لاش کو نکالا گیا اور کسی کار یا بڑی گاڑی میں پہنچایا گیا۔ یہ بھی کوئی بہت آسان کام نہیں تھا۔ قاتل نے لاش کے ساتھ وزن باندھ کر لاش کو سمندر کے سپرد کیا تھا۔'' وہ پچھلے دروازے سے باہر آئی اس کی نظر دروازے کے ساتھ بنے چھوٹے سے کچے لان کی کیاری پر پڑی۔ کیاری کے گرد چھوٹی چھوٹی سرخ اینٹوں کی باڑھ سی بنی ہوئی تھی۔ اس باڑھ میں سے ایک طرف کی کافی اینٹیں غائب تھیں۔ سحر نے گہری سانس لی۔ سکندر اس کے ساتھ باہر آیا تھا۔

''قاتل کو لاش سمندر کی تہ تک پہنچانے کا سامان یہاں سے ملا تھا۔'' وہ بولا۔ ''یہ اینٹیں اتنی ہلکی پھلکی ہیں نہ انہیں آسانی سے اٹھایا جا سکتا ہے اور اتنی تعداد میں غائب ہیں جن سے ایک لاش کو سمندر میں ڈبویا جا سکے۔'' وہ بولا۔

''قاتل یہ چاہتا تھا کہ ڈاکٹر کی لاش سامنے نہ آئے اور اس کا قتل گمشدگی کی خبر بن کر بالآخر پس پردہ چلا جائے مگر حق، سچ کے بعد لاش بھی کبھی چھپ نہیں سکتی۔'' سکندر نے کہا۔

''ایسا ہی ہوا ہے۔'' سحر نے دھیرے سے کہا۔ ''ہمیں یہاں بھی شواہد تلاش کرنے چاہئیں۔''

ہاں فارنسک سے کی وجہ [illegible]
جھک کر اینٹوں کو دیکھا۔ سحر اس [illegible]
رہی تھی۔

☆☆☆

تین دن گزر گئے تھے بینش کا کیس [illegible]
کبھی کبھی تو شولہ کا دل بھی لرزنے لگتا تھا [illegible]
رویہ اسے بھی شکوک میں مبتلا کر دیتا تھا حالانکہ [illegible]
تھی کہ وہ کسی بھی صورت میں کسی کو قتل نہیں کر سکتی۔

شمشیر اور پورا ڈپارٹمنٹ اسے تلاش کر رہا [illegible] نہ جانے کہاں جا چھپی تھی۔ شمشیر سے گزشتہ رات [illegible] اچھی خاصی لمبی گفتگو ہوئی تھی جس کے اختتام [illegible] درمیان گزشتہ کئی دنوں میں ہونے والی بدمزگی کافی [illegible] ختم ہو گئی تھی۔ وہ شمشیر حیدر کو برسوں سے جانتی تھی [illegible] ایماندار آفیسر تھا اور وہ اس کی عزت کرتی تھی۔ اس گفتگو کے اختتام پر ایک غیر تحریری معاہدہ طے ہوا تھا کہ [illegible] کوئی بھی اطلاع ملتے ہی اسے مطلع کروں گی اور وہ کیس میں آنے والی ہر تبدیلی سے اسے باخبر رکھے گا۔ یہ سب تو تھا [illegible] ''اطلاع'' اور ''تبدیلی'' ہی سامنے نہیں آ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سب ایک دائرے میں گھوم رہے ہوں [illegible] اچھی خاصی جج سے جیمز بونڈ بننے کے مراحل سے گزر رہی تھی۔ لطف کی بات یہ تھی کہ جس کی وجہ سے وہ یہ سب کر رہی تھی، وہ اس سے بے نیاز تھی۔ اس نے گہری سانس لی۔ اعجاز گھر آنے والا ہی ہوگا۔ اس نے سوچا۔ نہ جانے اس کا آج کیا پروگرام ہوگا۔ جہاں تک اس کی بات تھی، وہ آج کی شام سکون سے اپنے کمرے میں گزارنا چاہتی تھی۔ اسے اس سارے معاملے پر سوچ و بچار کرنا تھا مگر سوچنا اور چاہنا اور بات ہے اور ہونا ایک بالکل الگ چیز۔ اس کے ساتھ یہ مسلسل کئی دن سے ہو رہا تھا۔ اعجاز کے کمرے میں داخل ہونے کے ساتھ ہی اس کے فون کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔

دوسری جانب شمشیر حیدر تھا۔ ''تمہارے لیے ایک خبر ہے......'' وہ گویا اپنے معاہدے کی پاسداری کر رہا تھا۔ ''بیرسٹر مقصود احمد شاہ کو ہم نے تفتیش کے لیے طلب کیا ہے۔''

''اوہ گریٹ...... تمہیں اس پر کیا شک ہے؟''

''ڈاکٹر وقاص کے قتل کے سلسلے میں اس سے [illegible] سوال جواب کرنے ہیں۔''

''مجھے یہ بھی لگتا ہے کہ شاید اسے بینش کے [illegible]

میں معلومات ہوں، میں نے کل ہی سے گفتگو کی کوشش کی
بھی کر دیا قاعدہ پھر کیا تھا۔'' خولہ نے کہا۔
''خولہ..... تم پولیس میں بھرتی کیوں نہیں ہو جاتیں؟'' شمشیر نے سادگی سے پوچھا۔
''پھر تمہارا کیا بنے گا؟'' وہ خوش دلی سے بولی۔
''ایک مسئلہ اور بھی ہے۔ ہمارے ڈپارٹمنٹ نے ڈاکٹر کے اکاؤنٹس کا جائزہ لیا ہے۔ اس کی بینک اسٹیٹ منٹس کے مطابق وہ گزشتہ چار سال سے کسی کو بھاری مالیت میں مسلسل ادائیگی کر رہا تھا۔''
''شمشیر یہی وہ بلیک میلر ہو سکتا ہے۔'' خولہ نے تیزی سے کہا۔
''ہمیں بھی یہی شک ہے۔'' اس نے جواب دیا۔
''وہ..... وہ کون ہے؟''
''سردار بشیر..... بیرسٹر مقصود احمد شاہ کا پارٹنر.....''
اس نے سرسراتے ہوئے لہجے میں بتایا۔

☆☆☆

''اس طرح تو پولیس کو سردار بشیر کو گرفتار کرنا چاہیے تھا۔'' اعجاز بولا۔
''کسی سے پیسے لینا تو جرم نہیں ہے نا..... اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ بلیک میلنگ کی وجہ سے مل رہے ہیں تب ہی اسے گرفتار کیا جا سکتا ہے۔'' خولہ نے جواب دیا۔ ''میرے ذہن میں ایک الگ ہی سوال ناچ رہا ہے۔''
''وہ کیا؟''
''ڈاکٹر وقاص کے مالی حالات کمزور تھے پھر وہ اتنی رقم اسے کیسے دے پا رہا تھا۔ آخر اس کے پاس یہ پیسے کہاں سے آ رہے تھے؟''
''شاید اسی راستے سے جہاں سے وہ اس کے پاس سے جا رہے تھے۔'' اعجاز کچھ سوچتے ہوئے بولا۔
''کیا مطلب؟'' اب سوال پوچھنے کی باری خولہ کی تھی۔
''بلیک میلنگ..... مجھے لگتا ہے کہ ڈاکٹر وقاص بھی کسی اور کو بلیک میل کر رہا تھا۔ اس کے پاس اس کے مواقع تھے اور وہ جس قسم کا شخص تھا، اس کے پاس شہر کی بے حد دولت مند خواتین کے راز تھے۔ اس کی محبتوں کی داستانیں بھی ہم ان دنوں میں سن چکے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی کوئی ایسی باتیں ہوں اور وہ اسے خاموش رکھنے کے لیے ادائیگیاں کر رہی ہوں۔''
یہ وہ رخ تھا جس کے بارے میں [illegible] سوچا تھا۔ ''ہو سکتا ہے کہ قاتل کی [illegible] تلاش کے بجائے اس بلیک میلنگ [illegible] ہو..... اور یہ بالکل ممکن تھا۔ ہمیں یہ معلوم [illegible] کس وجہ سے بلیک میل کیا جا رہا تھا اور وہ کس [illegible] کر رہا تھا۔ ہمیں اس سلسلے میں شمشیر سے [illegible] چاہیے۔'' خولہ نے کہا۔
''ہاں۔'' اعجاز بولا۔
خولہ کچھ کہتی، اس سے قبل لاؤنج میں [illegible] لگا خوب صورت لکڑی کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور [illegible] اندر داخل ہوئی۔

☆☆☆

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں [illegible] کے گلے لگتے ہی اس نے رونا شروع کر دیا تھا۔
''تمہیں میری مدد کرنا ہوگی..... تمہیں میری مدد کرنا ہوگی۔'' وہ مسلسل کہے جا رہی تھی۔
''پہلے تم خود پر قابو پاؤ.....'' اعجاز نے سامنے رکھے جگ سے اس کے لیے پانی نکالا اور گلاس اس کی جانب بڑھایا۔
''ہاں، بینش سکون سے بیٹھو اور مجھے بتاؤ کہ کیا ہوا ہے؟ ہم ظاہر ہے کہ تمہاری مدد کریں گے۔ تم کہاں غائب تھیں؟ اور تمہیں کیا چیز پریشان کر رہی ہے؟''
''انہوں نے مقصود کو پکڑ لیا ہے، ان کا خیال ہے کہ وہ ڈاکٹر وقاص کا قاتل ہے۔'' وہ روندھے ہوئے لہجے میں بولی۔
''بینش وہ گرفتار نہیں ہوا ہے اسے صرف پوچھ گچھ کے لیے بلایا گیا ہے۔'' خولہ نے اسے تسلی دی۔ ''اگر وہ مجرم ثابت ہوا تب اسے گرفتار کیا جا سکے گا۔''
''مگر اس نے ڈاکٹر وقاص کو قتل کیا ہی نہیں ہے۔''
''تم یہ بات اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو؟'' خولہ نے اسے گھورا۔
''کیونکہ میں اسے جانتی ہوں، وہ یہ نہیں کر سکتا اور چونکہ..... میں جانتی ہوں کہ یہ کس نے کیا ہے اور اسی [illegible] سے میں چھپی ہوئی بھی تھی۔'' وہ بولی۔
''کس نے قتل کیا ہے؟'' خولہ نے [illegible]
جواب میں بینش چند لمحے خاموش رہی [illegible] نام لیا، اسے سن کر خولہ کی آنکھیں [illegible]

"یہ ناممکن ہے۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

"میں بھی اس بات پر یقین نہیں کر سکتا۔" اعجاز نے اس کی تصدیق کی۔

"مگر حقیقت یہی ہے۔" بینش نے جیسے ہچکی سی لے کر کہا۔ "میں نے اس رات انہیں ہی ڈاکٹر وقاص کے گھر کے باہر دیکھا تھا۔ میں ڈاکٹر سے ملنے گئی تھی۔ میں نے ادارے کے ڈائریکٹرز کو ڈاکٹر وقاص سے ملنے اور اس کی بات سننے پر آمادہ کر لیا تھا اور میں اسے یہ بتانے اور اگلے روز کا پروگرام سیٹ کرنے گئی تھی۔ میں نے اس بلاک کے کئی چکر لگائے کیونکہ وہاں ایک کار موجود تھی۔ جس کا مطلب یہی تھا کہ ڈاکٹر وقاص کے گھر کوئی مہمان آیا ہوا ہے۔ ایک تو میں وہاں دیکھی نہیں جانا چاہتی تھی اور دوسرا مجھے...... یہ لگا تھا کہ شاید ان کی کوئی دوست آئی ہے اور اس وقت وہ میری آمد کو پسند نہ کریں۔" اس نے کہا۔ "تیسرے چکر پر میں نے انہیں اس کے گھر سے نکلتے دیکھا۔ وہ پسٹل کو جیب میں رکھ رہے تھے۔ میں ایک لمحے کو سڑک پر رکی پھر وہاں سے نکل گئی۔ مجھے خوف تھا کہ انہوں نے مجھے وہاں دیکھ لیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے ہی میرے اپارٹمنٹ میں بھی توڑ پھوڑ کی تھی۔"

خولہ گنگ سی اس کی باتیں سن رہی تھی پھر اس نے پوچھا۔

"مگر تم نے مجھے یہ سب پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

بینش چند لمحے چپ رہی پھر دھیمے سے بولی۔ "میں نے منصور کو بتایا تھا۔"

"گڈ یعنی تمہیں اس پر مجھ سے زیادہ اعتماد تھا۔" خولہ نے سرد لہجے میں کہا۔

"ہم ایک سال سے ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے خولہ...... اس نے کہا تھا کہ کوئی تمہاری بات پر یقین نہیں کرے گا۔ پلیز مجھے غلط مت سمجھنا۔" وہ دوبارہ رونے لگی تھی۔

اس سے پہلے کہ خولہ کچھ اور کہتی، اعجاز نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے ہاتھ ہولا رکھنے کی استدعا کی۔

"او کے......" خولہ بولی۔

"مگر میں نے اسے ڈاکٹر کی ریسرچ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ لاش برآمد ہونے کے بعد پولیس خود قاتل کو ڈھونڈ لے گی مگر پہلے تو لاش ہی گم ہو گئی اور جب لاش برآمد ہوئی تو وہ نا قابل شناخت ہو چکی تھی۔"

"تمہارے خیال میں وہ تمہارے گھر میں کیا ڈھونڈ رہے تھے؟" اعجاز نے پوچھا۔

"شاید یہ......" وہ چونکتے انداز میں مسکرائی اور پرس سے ایک سی ڈی نکال کر انہیں دکھائی۔

"یہ کیا ہے؟"

"اس میں ڈاکٹر وقاص کا مکمل پلان ہے۔"

"یہ اس نے تمہیں رکھنے کو دیا تھا؟" خولہ نے سوال کیا۔

"نہیں، وہ اسے ان کو پریزنٹ کرنا چاہتے تھے تاکہ کوئی اس کے اندر موجود مواد تک ان کی مرضی کے بغیر نہ پہنچ سکے۔"

"ٹھیک ہے۔" اعجاز نے کہا۔

"اب ہم کیا کریں گے؟" بینش نے پوچھا۔

"ہم کل صبح پولیس سے رابطہ کریں گے۔" اعجاز نے جواب دیا۔

"مگر منصور......؟"

"وہ اُسے کچھ دیر میں چھوڑ دیں گے۔" اعجاز نے اسے یقین دلایا۔ "کل کا دن ہمارے لیے تھوڑا مشکل ہوگا اس لیے اب ہم سب کو ڈٹ کر کے سو جانا چاہیے۔"

بینش کے سونے کے بعد اعجاز نے چوکیدار اور ملازمین کو ہدایت دی تھی کہ بینش کا خیال رکھیں اور بنا اجازت یا بغیر اطلاع کے اسے ہرگز گھر سے باہر نکلنے نہ دیں۔

خولہ خود بھی بُری طرح تھکی ہوئی تھی مگر نیند اس کی آنکھوں سے غائب تھی، جو اس نے سنا تھا اگر وہ سچ تھا تو سب سے زیادہ دکھ اسے ہی ہونے والا تھا۔

"خولہ فرحت کا فون آیا ہے۔" اعجاز کی آواز نے اسے چونکایا۔ "وہ تمہیں کچھ خاص بات بتانا چاہتی ہے۔"

"او کے۔" رسمی گفتگو کے بعد اعجاز نے اسپیکر کھول دیا۔ فرحت شاہین کی ٹھہری ہوئی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔

"میں نے یہ بات پہلے تمہیں نہیں بتائی تھی کہ میں نے بہت سوچا۔ اصل میں ڈاکٹر نے مجھے یہ سب ایک دوست کے بنایا تھا اور اس کے راز ... ہے مگر اب جبکہ وہ زندہ نہیں ہے ... پکڑنے کی کوشش کر رہے ہو تو ... حقائق موجود ہونا چاہئیں۔"

[illegible] پکارا۔

[illegible] پتا نہیں چاہیے کہ کوئی اسے بلیک میل کر رہا تھا۔ بدقسمتی سے میں یہ جانتی ہوں کہ وہ کیوں بلیک میل ہو رہا تھا۔"

[illegible] پوری توجہ سے اس کی بات سن رہے تھے۔

"چار سال قبل اس نے اپنی ایک کلائنٹ کو غلط انجکشن لگا دیا تھا جس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو گئی تھی۔ یہ حادثہ نہیں تھا کیونکہ اس کے لیے اس عورت کے شوہر نے ڈاکٹر کو پیسے دیے تھے۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"میں جانتی ہوں کہ یہ غلط تھا مگر ڈاکٹر اتنا بڑا آدمی نہیں تھا وہ اپنی اس غلطی کو کبھی بھول نہیں پایا۔ اس کے اس جرم کے بارے میں بلیک میلر کو علم تھا اور شاید کوئی ثبوت بھی تبھی وہ چار سال سے اس سے رقم اینٹھ رہا تھا۔"

"فرحت کسی جرم کی معلومات ہوتے ہوئے نہ بتانا بھی اعانتِ جرم میں شامل ہوتا ہے۔" خولہ نے کہا۔

"میں جانتی ہوں۔" اس کی آواز اور دھیمی پڑ گئی۔

"مجھے اس کا علم گزشتہ سال کے آخر میں ہوا تھا۔"

"میں سمجھ سکتی ہوں۔" خولہ بولی۔ "تمہارا بہت شکریہ لیکن اگر اس کیس میں تمہاری گواہی کی ضرورت پڑی تو کیا میں یہ امید کروں کہ تم تعاون کرو گی؟"

"بالکل—" اس نے جواب دیا اور کال کاٹ دی۔

یعنی قدرت اپنا حساب کسی نہ کسی طرح برابر کر ہی لیتی ہے۔ جلد یا بدیر— اس طرح یا اُس طرح.....' خولہ نے کندھے اچکائے۔

☆☆☆

شمشیر حیدر اور سحر بخش کا بیان خاموشی سے سن رہے تھے۔ اس نے ڈاکٹر وقاص کی ریسرچ کی سی ڈی بھی شمشیر کے حوالے کر دی تھی۔

"یہ سب آسان نہیں ہوگا۔ ہمارے پاس مزید ثبوت ہونے چاہئیں۔" شمشیر بولا۔

"میں جانتی ہوں۔" خولہ نے جواب دیا۔ "مگر میرے پاس ایک پلان ہے اگر آپ سب اس پر متفق ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ آپ کے پاس اعترافی بیان موجود ہو سکتا ہے۔"

"کیا تمہیں یقین ہے؟" شمشیر نے اس کی طرف دیکھا۔

[illegible] کوشش کرنے میں کوئی [illegible] بولی۔

اس وقت اسے اندازہ [illegible] کامیابی اس کے دل پر [illegible] رکھ دے گی۔

☆☆☆

مسٹر جہانزیب شیرازی [illegible] سے ایک منٹ قبل اس کے چیمبر میں [illegible] سے زیادہ سالوں سے پریکٹس کر رہے تھے [illegible] جاننے والے انہیں دیکھ کر اپنی گھڑیاں [illegible] تھے۔ ان کے والد بھی ایک نامور وکیل [illegible] جہانزیب شیرازی کی عمر لگ بھگ 68 کے قریب [illegible] قامت اور دبلی پتلی جسامت کے مالک تھے۔ [illegible] کے بال بالکل سفید تھے۔ اور چہرے پر سب سے متاثر کن چیز ان کی نیلی آنکھیں تھیں۔ اس وقت [illegible] میں ہلکی سی اُلجھن تیر رہی تھی۔

"مجھے آپ سے ایک مشورہ لینا ہے۔" [illegible] بعد خولہ نے بات کا آغاز کیا۔

"میں حاضر ہوں۔" وہ مسکرائے۔ یہ ان کے معمول کا حصہ تھا۔ عموماً وکلا اور کبھی کبھی جج حضرات بھی [illegible] سے مشورے طلب کیا کرتے تھے۔ "مجھے کچھ معلومات ملی ہیں اور میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں ان پر کیا قدم اٹھاؤں؟"

"مجھے آپ کی مدد کر کے بہت خوشی ہوگی۔ [illegible] ہچکچاہٹ کے بغیر بولیے۔" انہوں نے جواب دیا۔

"میں جانتی ہوں کہ ڈاکٹر وقاص احمد کو کس نے قتل کیا ہے۔" خولہ نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ ان کے تاثرات دیکھنا چاہتی تھی مگر وہاں صرف ایک ٹھہرا ہوا چہرہ تھا۔

"کیا آپ کو یقین ہے؟"

"جی ہاں، میرے پاس اس واقعے کا چشم دید گواہ موجود ہے۔" خولہ نے اعتماد سے کہا۔ وہ اب شیرازی کے ہاتھوں میں آنے والی ہلکی سی لرزش کو دیکھ سکتی تھی۔

اسی لمحے اس کا انٹرکام بجا۔ خولہ نے ریسیور اٹھانے کے بجائے اسپیکر کا بٹن دبا دیا۔

"میڈم! اسپیشل کرائم سیل کے انچارج شمشیر تشریف لائے ہیں۔" اس کی سیکریٹری کی آواز گونجی۔

"آہستہ انہیں انکار کرنے کو کہو۔" خولہ نے کہا، پھر شیرازی کی طرف پلٹی اور پوچھا۔ "مجھے اس سے کیا کہنا چاہیے؟"

"مجھے یقین ہے کہ وہ تنلی شاہ جھوٹ بول رہا ہے۔ آپ چاہیں تو میں اس کا وکیل بننے کو تیار ہوں۔" وہ بولے۔

"شیرازی صاحب آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کو کس قدر پسند کرتی ہوں۔ آپ ایک بااصول انسان رہے ہیں۔ میں آپ سے رہنمائی لیتی رہی ہوں اور آپ نے بھی ہمیشہ مجھے سپورٹ کیا ہے۔ آپ ایک مثالی وکیل ہیں۔ میں نے آپ کو ہمیشہ جیتتے ہوئے دیکھا ہے۔ سچ پوچھیے تو میں نے ہمیشہ آپ میں اپنا آئیڈیل دیکھا ہے۔ آپ ایک آئیڈیل بہترین انسان، اچھے میزبان، ایک چاہنے والے باپ، شوہر نظر آتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی مشکل سے مان سکتا ہے کہ آپ کوئی غلط کام کر سکتے ہیں۔" خولہ کے لہجے میں [illegible] تھا۔

شیرازی چند لمحے اس کی طرف دیکھتے رہے پھر انہوں نے نگاہیں جھکا لیں، ان کے چہرے پر غبار سا آ گیا تھا پھر وہ آخر بولے۔

"شمشیر حیدر کو اندر بلا لیجیے جج خولہ، میں خود کو ان کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

خولہ نے خاموشی سے سر ہلایا پھر بولی۔ "مگر اس سے پہلے میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتی ہوں اور وہ یہ کہ آپ نے بینش کے اپارٹمنٹ کی تلاشی کیوں لی تھی؟ آپ کو کس چیز کی تلاش تھی؟ اور آپ نے وہاں میرے سر پر کس چیز سے حملہ کیا تھا؟"

"کیا۔۔۔؟" وہ حیران رہ گئے۔ "میں نے یہ سب نہیں کیا اور نہ ہی مجھے اس بارے میں کوئی علم ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ میں نے کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا، میں کبھی اس قدر نہیں گر سکتا۔"

"مگر آپ نے ڈاکٹر وقاص کو قتل کر دیا؟"

"وہ الگ بات ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں بولے۔

اس دوران میں شمشیر حیدر، پولیس کے دو اور افسر بھی کمرے میں داخل ہو گئے تھے۔ شمشیر کے چہرے پر بھی اداسی تھی۔

"میں آپ کو گرفتار کرتا ہوں۔" وہ بولا۔

"نہیں، میں خود کو تمہارے حوالے کروں گا مگر تم مجھے گرفتار نہیں کر سکو گے۔" وہ پُروقار پُراسرار بت سے لگے۔ "تم سب جانتے ہو کہ جہانزیب شیرازی نے کبھی

[illegible] گئے۔

☆☆☆

خولہ کی حالت بہت بُری تھی۔ یہ حقیقت اس کے بدترین اندیشوں میں بھی نہیں تھی [illegible] شخصیت یوں اس کے سامنے اپنی [illegible] کی اسے امید نہیں تھی۔

"اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔" شمشیر نے کہا۔ "اس کا بھی تمہیں [illegible] ہے۔ تم خود کو سنبھالو [illegible] کے گھر جانا ہے۔"

"نہیں میں [illegible] کا سامنا نہیں کر سکتی۔ میں ان کو یہ بدترین خبر نہیں سنا سکتی۔۔۔ وہ یہ برداشت نہیں کر پائیں گی۔" خولہ بولی۔

"جو بھی ہو، تمہیں یہ کام کرنا پڑے گا۔ میں اس لیے چاہتا ہوں کہ تم انہیں بتاؤ کیونکہ تم ہی انہیں سنبھال سکتی ہو۔"

کچھ دیر بعد وہ شیرازی مینشن کی طرف جا رہے تھے۔ خولہ نے اعجاز کو فون کر کے ساری تفصیلات سے آگاہ کر دیا تھا۔ وہ بھی شیرازی مینشن پہنچ رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر خولہ اور شمشیر کو چند لمحے اعجاز کا انتظار کرنا پڑا۔ اس مینشن میں وہ برسوں سے کتنی ہی بار آتے رہے تھے۔ وہ ملاقاتیں، مسکراہٹیں، ساتھ گزرا وقت [illegible] خولہ بہت [illegible] جا رہی تھی۔ اس کا دل دکھ میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ آخر شیرازی جیسے انسان نے یہ سب کیوں کیا؟ یہ سوال رہ رہ کر اس کے ذہن میں ابھر رہا تھا۔ مگر فی الحال اس کے جواب کی [illegible] سے پہلے انہیں مسز شیرازی کو اس کے [illegible] بچھڑنے کی خبر سنانی تھی۔ [illegible] گزر کر وہ لکڑی کے منقش دروازے کے سامنے

کرے تھے۔ اعجاز نے...... گھنٹی بجائی۔ دروازہ ان کی ملازمہ نے کھولا تھا۔

"پلیز تشریف لائیے۔" وہ ان کو دیکھ کر مسکرائی۔

"شکریہ زینت۔" خولہ نے کہا۔

"کیا ملکہ جی سے آپ کی بات ہوگئی ہے؟ انہیں آپ کی تشریف آوری کا علم ہے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں مگر ہمارا ان سے فوراً ملنا ضروری ہے۔" شمشیر بولا۔

"بہتر، آپ بیٹھیے۔" وہ انہیں لاؤنج میں بٹھا کر خود اندرونی کمروں کی طرف چل دی۔

چند لمحوں بعد ہی اس کی زوردار چیخ نے ان سب کو دہلا دیا۔ ہم تینوں تیزی سے اندر کی جانب لپکے۔ ماسٹر بیڈ روم میں موجود آرام دہ کاؤچ پر ملکہ شیرازی نیم دراز تھیں۔ ان کی گردن ایک جانب کو ڈھلکی ہوئی تھی۔ ہونٹوں سے خون کی لکیر بہہ رہی تھی۔ زینت اُن کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھی مسلسل رو رہی تھی۔

شمشیر نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے ہٹایا۔ ملکہ شیرازی کی گردن پر ہاتھ رکھ کر کچھ محسوس کرنے کی کوشش کی پھر مایوسی سے گردن ہلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

خولہ بُت بنی اس خوب صورت عورت کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا اسے اپنے شوہر کی خودکشی کا علم ہوگیا تھا۔ اس نے یہ سب کیوں کیا تھا...... اعجاز نے اس کے کندھے تھپتھپائے تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ چند لمحوں بعد شمشیر کمرے سے باہر نکل گیا۔ اسے کارروائی کے لیے اپنے ڈپارٹمنٹ سے لوگوں کو بلوانا تھا۔ خولہ کے حواس بحال ہوئے تو اسے بیڈ سائڈ پر تین لفافے نظر آئے۔ ان میں ایک قدرے بڑا پیکٹ تھا۔ اس پیکٹ پر خولہ کا نام لکھا تھا۔ خولہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ دوسرے لفافے پر بینش کا نام تھا جبکہ تیسرا خط پولیس کے لیے لکھا گیا تھا۔ خولہ نے اپنے اور بینش کے نام والے لفافے خاموشی سے اٹھا کر اپنے پرس میں ڈال لیے۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس میں کیا تھا مگر اب وہ خود اپنے اور بینش کے نام کو اس معاملے میں مزید الجھانا نہیں چاہتی تھی۔

☆☆☆

پولیس کے نام خط میں ملکہ شیرازی نے ڈاکٹر وقاص کے قتل کا اعتراف کیا تھا۔ اس کے مطابق وہ قتل اس نے کیا تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے [illegible]

کوئی حرف آئے۔

خولہ کو رات گئے [illegible] موقع ملا تھا۔ اعجاز اور بینش اس کے ساتھ [illegible] سے پہلے اس نے اپنے نام والا [illegible] پتلی سی ڈائری تھی جس میں وہ [illegible] پہلے بک مارک والے صفحے پر بینش سے [illegible] ہونے والے حملے کی تفصیل تھی۔ [illegible] موجود تھی۔ خولہ نے دیکھ [illegible] سے اس پر حملہ کیا تھا۔ دوسرا بک مارک [illegible] تھا جب ڈاکٹر وقاص کو قتل کیا گیا۔ [illegible] تھا۔ وہ اسے برسوں سے پیسے دے رہی تھی [illegible] رہا تھا کہ جہانزیب شیرازی اس کی مدد [illegible] ریسرچ پر کام شروع کر سکے۔ دوسری صورت [illegible] ان دونوں کو تباہ کردینے کی دھمکی دی تھی۔

آخری صفحے پر ملکہ شیرازی نے اپنے [illegible] تحریر کیا تھا۔

"وقاص کو قتل کرنے کے بعد میں نے [illegible] کر دیا تھا۔ اسے میری حقیقت جاننے کا حق تھا۔ [illegible] قتل کی ایک غلطی کی وجہ سے میں وقاص کو اپنی [illegible] اور دولت کا بڑا حصہ دے چکی تھی مگر میں اپنے [illegible] بربادی برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ اس لیے میں [illegible] مار ڈالا۔ شیرازی نے مجھے اپنی گاڑی میں گھر [illegible] اس کی لاش کو ٹھکانے لگوا دیا۔ اس رات کے بعد [illegible] نے مجھ سے وقاص کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں [illegible] مجھے کوئی وضاحت دینے دی مگر میں جانتی ہوں کہ [illegible] دل پر بوجھ ہے اور وقاص کی لاش بھی دریافت ہو چکی [illegible] اس سے قبل کہ یہ سب شیرازی کے لیے [illegible] ہوگا......"

بینش کے نام خط میں بھی اس نے اس سے [illegible] کی تھی۔ وہ اپنی تصویریں اور ویڈیو تلاش کر [illegible] وقاص کے گھر سے یہ سب نہیں ملا تھا۔ وہ [illegible] اس کے ساتھ کام کر رہی ہے اس لیے اسے [illegible] شاید وہ سب اس کے گھر رکھوایا گیا ہو...... قصہ [illegible] مگر ان سب کے لیے جہانزیب اور ملکہ [illegible] داستانوں میں موجود کرداروں کی طرح [illegible] ہوگئے تھے۔

گمنام مجرم

محمد فاروق انجم

آگ کتنی ہی شدید ہو... اسے بجھایا جاسکتا ہے... مگر جو آگ دل میں لگی ہو... اس کے شعلے آسانی سے نہیں بجھتے... نرم و نازک دلوں کی داستان... جو مسلسل ایسی آگ سے نبرد آزما تھی... جو بدلہ لیے بغیر سرد نہیں ہو سکتی تھی... ان کے دل... جذبات اور احساسات کرچی کرچی ہوئے تھے... تبھی وہ جڑتے...... جب دشمن کا دل ٹوٹ کر بکھرتا... انتہائی خاموشی سے سازشی بساط بچھائی گئی... مہرے اپنی اپنی جگہ پر براجمان ہوئے... اور پھر ایسا کھیل شروع ہوا... جس کی دہشت... بلاخیزی اور تیز رفتاری نے جسم و جان... دل و دماغ کے تار ہلا ڈالے...

ڈر و خوف کی فضاؤں میں مختلف روپ اختیار کرتی سرورق کی کہانی......

پارسل چمک دار کاغذ میں لپٹا ہوا تھا۔ سعید احمد نے پارسل کو چاروں طرف سے دیکھا اور پھر ایک طرف سے کھولنا شروع کر دیا۔ چمک دار کاغذ الگ کرنے کے بعد اس نے ڈبے کا ڈھکن اُٹھایا تو وہ بُری طرح سے ڈر کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا اور وہ خوف میں نہا گیا۔ ڈبے کے اندر [illegible] کاٹ کر رکھی ہوئی تھی اور عین درمیان ایک بڑے اور چوڑے پھل کا خنجر رکھا ہوا تھا جس پر واضح حروف میں لکھا تھا۔

"تم کیسے مرد ہو... سعید؟"

☆☆☆

پارٹی سے پہلے سعید کی زندگی میں سکون ہی سکون تھا اور اس کا چہرہ فطری تکبر اور تمکنت میں ڈوبا بھی رہتا تھا۔ اس دن بھی سعید اپنی اکڑی ہوئی گردن کے ساتھ آفس سے باہر نکلا تو دیکھا کہ اس کا ملازم، سعید کی قیمتی اور چھوٹی کار کو کپڑے سے صاف کرتے ہوئے حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا اور گہری سوچ میں مستغرق ہے۔

ملازم سوچ رہا تھا اس کے والدین نے جیسے تیسے اپنی اولاد کو پڑھایا تھا لیکن ان کی قسمت میں نہ کسی اچھی جگہ ملازم ہونا لکھا تھا اور نہ وہ کاروباری بن کر دولت کما سکے۔ وہ سب ایک کے بعد ایک ملازم ہوتے گئے۔ ملازم اپنی محرومی کا رونا اپنے آپ سے رو رہا تھا اور وہ اپنے خیالوں میں گم ہو کے بھول گیا کہ وہ ہاتھ میں پکڑا کپڑا کار کی ایک ہی جگہ پر رگڑے جا رہا ہے۔ اسے یہ احساس بھی نہیں ہوا کہ اس کے عقب میں اس کا مالک سعید کھڑا خاموشی اور نفرت سے اسے گھور رہا ہے۔ سعید کو یہ سخت ناپسند تھا کہ اس کا معمولی ملازم اس کی قیمتی کار سے اس طرح چمٹا ہو۔

سعید شہر کا کامیاب اور امیر ترین کاروباری شخص تھا۔ اس کی عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ تھی۔ وہ اچھی صحت اور چاق و چوبند جسم کا مالک تھا۔ اس کے چہرے پر چھوٹی چھوٹی مونچھیں تھیں اور داڑھی کو وہ روزانہ اچھی طرح تراش کے آفس آتا تھا۔ اس کی آنکھوں پر قیمتی فریم لیس عینک نظر آتی تھی۔ سعید کو اپنی دولت کا بہت زعم تھا۔ اس کا تکبر اس کی زبان پر تیز دھار تلوار کی طرح چمکتا رہتا تھا۔ جو بھی اس کی زد میں آتا، وہ گھائل ہو جاتا۔ وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا بالخصوص غریبوں سے تو جیسے شدید نفرت کرتا تھا۔ وہ اکثر کہتا کہ وہ کسی سے نہیں ڈرتا، اسے کوئی نہیں ڈرا سکتا۔

جس خاتون سے اس کی پہلی شادی ہوئی تھی، اس سے اس کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ وہ تینوں اپنی اپنی پڑھائی ختم کر چکے تھے اور اپنی اپنی راہیں کھوج رہے تھے۔ پیسے اور وسائل کی کمی نہیں تھی اس لیے تینوں بہن بھائی اپنے شوق کو پیشہ بنانے کی کوشش میں تھے۔

جب سعید کو اپنی بیٹی کی شادی کرنی چاہیے تھی تو اس نے اپنی بیٹی سے وہ تین سال بڑی لڑکی سے خود شادی رچالی۔ اس کی دوسری بیوی کا نام سارہ جمال تھا جو اس سے شادی کے بعد سارہ سعید بن گئی۔ وہ خوبصورت اور چالاک لڑکی تھی۔ شادی سے قبل وہ ایک دوسری کمپنی میں ملازمت کرتی تھی اور سعید کے آفس [illegible] چیک کرنے کے لیے آئی تھی [illegible] خوبصورتی کا اسیر ہو گیا۔ [illegible] کمرے میں بلا کر چوڑے پائے [illegible] اٹھنے سے قبل سعید نے اس کی طرف [illegible] سے کہا۔

"ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں [illegible] بتایا کہ آپ بہت خوبصورت ہیں۔"

سارہ نے عجیب نظروں سے سعید کو [illegible] ڈوبے الفاظ میں کہا۔ "کسی نے اس طرح [illegible] بعد سوال کے انداز میں مجھے نہیں کہا [illegible] ہوں۔"

سارہ کی بات سن کر سعید نے ایک قہقہہ [illegible] خوب...! مجھے آپ کی بات سن کر لطف آیا۔"

"مجھے اجازت ہو تو میں جاؤں [illegible] ہوئے اجازت چاہی۔

"تم ایک امیر انسان کی بیوی بننا چاہو [illegible] رہنے کو ایک بڑا سا گھر گفٹ کرے گا۔ آنے جانے [illegible] قیمتی گاڑی اور زندگی سے بھرپور انداز میں لطف [illegible] ہونے کے لیے بینک بیلنس بھی دے گا۔" سعید [illegible] اپنی بات کہنے کے بعد متانت سے اس کی طرف [illegible] سارہ کو توقع نہیں تھی کہ سعید چاہت اور جھٹ [illegible] کے خوابوں کی تعبیر بھی سامنے رکھ دے گا۔

سارہ جس کے ایسے بڑے بڑے [illegible] تھے، اتنی بڑی پیشکش کے آگے سعید کی عمر [illegible] اس کے باوجود اس نے مسکرا کر کہا۔ "آپ کی [illegible] جیسے اچانک بارش شروع ہو جائے اور بھیگنے [illegible] لیے یہ فیصلہ کرنا پڑے کہ بھاگ کر کہاں [illegible]

سعید اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک طرف [illegible] کر اسے کھولا اور اس کے قریب جا کر سارہ [illegible] پیچھے لے لیا۔ یہ دیکھ کر سارہ کی ہنسی چھوٹ گئی [illegible] باہر چلی گئی۔ سعید کچھ دیر اسی طرح کھڑا [illegible] اپنی کرسی کی طرف چلا گیا تھا۔

اس موقع کو سارہ اپنے ہاتھ سے [illegible]

اس نے دو دن جان بوجھ کر سعید [illegible] پھر ایک دن اس نے فون کر کے [illegible] ہامی بھر لی تھی۔ سعید نے اپنے [illegible] سارہ سے نکاح کر کے اسے [illegible]

لے گیا جہاں صرف ایک چوکیدار ہوتا تھا۔ وہ چوکیدار بچپن تک بھی تھا اور وہی سارے کام کیا کرتا۔ جب بھی سعید اپنے دوستوں کے ساتھ اس گھر میں آتا تھا تو وہی ملازم سارے کام سنبھالتا تھا۔

سعید کی پہلی بیوی کو تین دن بعد پتا چلا کہ سعید نے دوسری شادی کرلی ہے۔ اس کی پہلی بیوی شگفتہ کو سن کر اتنا صدمہ ہوا کہ اس نے کچھ دن تو سعید سے بات نہیں کی۔ اس کے تینوں بچے بھی باپ سے کھنچے کھنچے رہے۔ پھر شگفتہ نے حالات سے اس لیے سمجھوتا کرلیا کہ اس کے اس رویے سے کہیں وہ اپنی نئی نویلی بیوی کی طرف ہی مائل نہ ہوجائے کہ اس کو خمیازہ اسے بہت سی جائداد اور پیسہ کھونے کی صورت میں بھگتنا پڑے۔ اس کے بعد اس کے بچے بھی باپ کی دوسری شادی کو نظر انداز کرکے پھر معمول کی طرف بڑھتے گئے۔

سعید کی پہلی بیوی شگفتہ اور اس کے تینوں بچوں نے اس شادی کو نظر انداز ضرور کردیا تھا لیکن ان کے دل میں اس شادی نے جڑ پکڑلی ہوئی تھی۔ جبکہ سارہ کو جو ملا تھا وہ اس سے بھی زیادہ حاصل کرنے کی تگ و دو میں تھی۔

سعید نے اپنے ملازم کو ٹھوکا دینے کے بعد اس کی پنڈلی پر اپنے جوتے کی ٹھوکر ماری تو ملازم ایک دم ہڑبڑا سا گیا اور اس نے عقب میں دیکھا۔ جونہی اس کی نظر سعید پر پڑی تو وہ ایک دم سیدھا ہو کر کھڑا ہوگیا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ عیاں ہوگئی۔ اس کا جسم کانپنے لگا۔ وہ جانتا تھا ایک بار سعید نے ایک غلطی پر ایک ملازم کا ہاتھ پکڑ کر ایسا جھٹکا دیا تھا کہ اس کے ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ جونہی سعید نے اپنا قدم آگے بڑھایا، ملازم نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ سعید ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ملازم نے دروازہ بند کردیا۔ گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے سعید نے اپنی طرف کا شیشہ نیچے کیا اور کرخت لہجے میں بولا۔ ”سنو اشرف۔۔۔“

”جی صاحب۔“ ملازم جس کا نام اس نے اشرف لیا تھا، گھبرایا اور خوفزدہ اس کی طرف بڑھا۔

”دھیان سے اپنا کام کیا کرو ورنہ چھٹی بھی کرادوں گا اور سزا کے طور پر کسی چوک میں الٹا بھی لٹکا دوں گا۔۔۔ سمجھے۔“ سعید نے ناگوار اور نفرت آمیز لہجے میں کہا، کار اسٹارٹ کی اور آگے بڑھا دی۔ اشرف سہما اور ڈرا ہوا واپس بنگلے کی طرف چل پڑا۔

☆☆☆

سعید کو جب اپنی دوسری بیوی سارہ کی طرف جانا ہوتا تھا تو وہ خود گاڑی ڈرائیو کرتا تھا۔ گاڑی کھڑی کرنے کے بعد جب سعید اندر گیا تو بیڈ روم کے پاس جاتے ہی اسے تھوڑے سے کھلے دروازے سے ایسی خوشبو آئی کہ وہ مسکرا دیا۔ وہ جانتا تھا کہ سارہ نے دروازہ کیوں کھلا چھوڑا ہے تاکہ جونہی وہ کمرے کے پاس آئے خوشبو اسے اپنے حصار میں لے لے۔

سعید نے مسکراتے ہوئے اندر قدم رکھا اور آئینے کے سامنے کھڑی ایک حسین ترین پری کی طرف دیکھتے ہوئے پیار بھرے انداز میں کہا۔ ”آپ کے حسن کی معطر کردینے والی خوشبو محسوس کرنے کے لیے کافی نہیں ہوتی کہ آپ اوپر سے بناوٹی خوشبو بھی بکھیر دیتی ہیں۔“

سارہ نے گھوم کر سعید کی طرف دیکھا اور اس کا دل چاہا کہ وہ دل کی بات زبان پر لا کر کہے۔ ”بڈھے کھوسٹ دل تو چاہتا ہے کہ تمہیں ایسا کچھ سونگھا دوں کہ تم دوسری سانس نہ لے پاؤ۔۔۔ مگر ابھی ایسا نہیں کرسکتی کیونکہ ابھی صرف یہ بنگلا ہی میرے نام ہوا ہے۔“

”کیا سوچ رہی ہو جانِ من۔“ سعید اس کے قریب ہوتے ہوئے بولا۔

”سوچ رہی ہوں آپ کتنے رومینٹک ہیں اور بات سے بات نکال کر میری تعریف کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔“ سارہ نے اپنے اندر کے سچ کو جھوٹ کی چاشنی میں ڈبو کر سعید کے سامنے رکھ دیا۔

”تم سے شادی کرکے مجھے لگ رہا ہے جیسے میرے اندر پھر سے جوانی آگئی ہے۔“ سعید نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

”یہاں آپ کچھ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔“ سارہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

”کیسی غلطی؟“ سعید نے پوچھا۔

”ابھی جو آپ نے کہا ہے کہ مجھ سے شادی کرکے آپ پھر سے جوان ہوگئے ہیں، جبکہ آپ تو جوان ہی ہیں۔ بڑھاپا تو آپ سے ابھی کوسوں دور ہے۔“ سارہ نے بھی ایک ادا سے کہا تو سعید کے چہرے پر اپنی تعریف سن کر مسکراہٹ آگئی۔ وہ مسکراہٹ جلد۔۔۔ ہی معدوم ہوگئی جب فون کی گھنٹی بجی اور موبائل فون کی اسکرین پر اپنی پہلی بیوی شگفتہ کا نام دیکھا۔

”ہاں بولو شگفتہ۔“ فون کو کان سے لگانے کے بعد سعید نے متانت سے پوچھا۔ سارہ نے شگفتہ کا نام سنا تو عجیب سا منہ بنا کر اپنا رخ آئینے کی طرف کرلیا۔

”آپ ابھی آفس میں ہیں؟“ شگفتہ نے پوچھا۔

... جواب دینے کے بجائے سعید نے ... کر دیا۔

"آپ کو یاد ہے ناں آج آپ کی بیٹی کی سالگرہ ہے" شگفتہ نے یاد دلایا۔ سعید نے ساتھ تو ہونٹ بھینچ لیے ... دور بیٹھ ہو۔

"مجھے دیر ہو جائے گی تم ایسا کرو ان تینوں کو باہر کھانے پر لے جانا، میں آن لائن پے منٹ کر دوں گا اور آتے ہوئے کیک بھی لے آؤں گا۔"

"آپ بچوں پر کم اور دوسری بیوی پر توجہ زیادہ دے رہے ہیں۔ اس کم توجہ کا نتیجہ جانتے ہیں کیا نکل رہا ہے؟ تینوں بچوں کے دل میں آپ کے لیے ناراضی بڑھتی جا رہی ہے۔" شگفتہ سمجھ گئی کہ سعید آفس کے بجائے سارہ کے ساتھ ہے۔

"بچے مجھ سے دور نہیں ہو رہے ہیں بلکہ تم انہیں دور کر رہی ہو وہ بھی خواہ مخواہ الٹی باتیں کر کے۔" سعید کو غصہ آ گیا۔

"شاید آپ بھول گئے ہیں ہمارے تینوں بچے بڑے ہو گئے ہیں اور وہ سب کچھ جانتے ہیں۔"

"اتنا وہ نہیں جانتے جتنا تم ان کو میرے بارے میں الٹا سیدھا بتانے کی کوشش میں رہتی ہو۔" سعید کا غصہ مزید بڑھ گیا۔

"مجھے ضرورت نہیں ہے کہ میں ان کو کچھ بتاؤں۔ جو وقت آپ کو اپنے بچوں کے ساتھ گزارنا چاہیے وہ آپ اپنی دوسری بیوی کے ساتھ گزار رہے ہیں۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ بچوں کی طرف سے حالات کس طرف جا رہے ہیں۔" شگفتہ نے کہا۔

"حالات سب ٹھیک ہیں — بہتر ہے کہ تم اپنا دماغ اور اپنی سوچ کو ٹھیک کر لو۔" سعید نے غصے میں کہہ کر فون بند کر دیا۔ اس کا مزاج خراب ہو چکا تھا اور وہ بُرا سا منہ بنا کر بیڈ کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ سارہ نے اس کی طرف ایک نظر دیکھا اور قریب آ کر اپنا ہاتھ سعید کے کندھے پر رکھ کر اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجائی اور بولی۔

"ایسی باتوں کو ناک پر بیٹھی مکھی کی طرح اڑا دیا کرتے ہیں۔ ہمیں اپنا موڈ خراب نہیں کرنا چاہیے۔"

سارہ کی بات سن کر سعید کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے شگفتہ کی باتوں کو اپنی سوچوں سے نکال کر کہا۔ "تم سے شادی کر کے مجھے لگتا ہے میں نے اپنی زندگی کا سب سے بہترین فیصلہ کیا ہے۔ شگفتہ کو میں نے زندگی کی

... برا سا منہ ... دی اور وہ ... کی ... میں ... اولاد کو بھی میرے خلاف کر دیا ہے ... پاس بیٹھنے بھی نہیں دیتی۔"

"میں ہوں نا آپ کے ... کرنے کے لیے اور آپ کی زندگی ..." سارہ اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ ... سعید کو اپنے قابو میں کیا ہوا تھا۔ سارہ ... کو اس طرح سے اپنے حصار میں ... بچوں کا خیال دل سے نکال کر صرف ... سوچے اور اسی کا بینک بیلنس بھر ...

"تم تو ہو — میں یہ کیسے بھول ..." ... نے کہا۔

"اچھا موڈ ٹھیک کریں اور ڈنر کے لیے چلیں ..." ... نے سعید کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا۔

☆☆☆

شہر کے معروف ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں ... سارہ کھانا کھانے کے بعد باتوں میں مشغول ... نے اپنی رومانس بھری باتوں سے سعید کو اپنے ... ہوا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ آج اپنی بیٹی کی سالگرہ ... کر اس کے پاس ہی رہے۔ وہ اسے پہلی بیوی ... دور کرنا چاہتی تھی اور وہ اس میں کامیاب بھی ... سعید اس کے ہاتھ کا کھلونا بنتا جا رہا تھا۔ سعید ... تھا اور وہ آج کی رات سارہ کے پاس رہنے کا ... تھا۔

جس وقت سعید ویٹر کو بلا کر بل ادا کر ... باہر کھڑی اس کی قیمتی گاڑی کے پاس ایک ... اپنے دو چھوٹے بچوں کے ساتھ کھڑی اپنے ... موبائل فون سے اپنی تصویر بنوا رہی تھی۔

اس کے بھائی نے آج ہی یہ فون ... بہن، بہنوئی اور ان کے بچوں کو لے کر اس طرف ... وہ غریب عورت بچوں کے ساتھ گاڑی کے ساتھ ... ہوئی تو اس کے بھائی نے ایک تصویر ... اوپر بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ عورت ... تھی کہ اسی وقت سعید اور سارہ ہال کا ...

"تمہاری یہ جرأت کہ تم ... بیٹھو..." سعید دیکھتے ہی آگ بگولہ ہو ... بڑھ کے سفاکی سے اس کو پوری قوت ... عورت سڑک پر جا گری۔ سڑک پر ...

ناہی پہنچیں آگئیں۔ اس کے بچے ماں کی طرف لپکے اور بھائی بھی تصویر بنانا بھول کر بہن کو اٹھانے کے لیے لپکا۔

سعید ان کی طرف بڑھا اور غصے سے چیخ کر بولا۔ ''تم ڈرنوں کی ایسی اوقات ہے کہ میری کار کو ہاتھ لگا سکو..... دفع ہو جاؤ ورنہ اسی جگہ دفن کر کے تم سب کی زندگی اجیرن کر دوں گا..... ایسا سبق سکھاؤں گا کہ پھر کبھی تم لوگوں کی زندگی میں سکون نام کی چیز نہیں رہے گی.....''

سعید کا غصہ ان پر قہر بن کے ٹوٹا تھا۔ وہ ڈرے سہمے غریب اپنی جگہ سے اٹھے اور ایک لفظ منہ سے نکالے بغیر چل دیے۔ سارہ نے سعید کا ہاتھ پکڑا اور آہستہ سے بولی۔ ''کیا ہو گیا ہے آپ کو..... اتنا غصہ..... چلیں گاڑی میں بیٹھیں.....''

سعید ان سب کو نفرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا اور سارہ اسے گاڑی تک لے گئی۔ دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے اور سعید نے گاڑی وہاں سے نکال لی۔ راستے میں سارہ نے کہا۔ ''کیا ہو گیا ہے آپ کو..... کسی اور کا غصہ ان پر کیوں نکال رہے تھے؟''

''میں ان کا غصہ انہی لوگوں پر نہیں نکال رہا۔ تم نے دیکھا نہیں وہ دو کوڑی کی عورت کس طرح سے میری کار پر بیٹھی تھی..... مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوا۔ میری قیمتی گاڑی پر وہ عورت کیسے بیٹھی تھی۔'' سعید کے چہرے پر ابھی تک غصہ تھا۔ ان کے بارے میں نفرت اس کی آنکھوں سے چھلک رہی تھی۔

''اچھا چھوڑیں ان باتوں کو..... اور پُرسکون ہو جائیں۔'' سارہ نے کہا۔ سعید نے گاڑی سرخ بتی پر روک دی۔ اچانک ان کی گاڑی کے برابر ایک اور کار آ کے رکی۔ اس کار کے اندر شگفتہ اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے سعید کے بیٹے نے سعید اور اس کی نئی نویلی بیوی کو دیکھا تو اس نے سب کو بتایا اور ان سب کی نگاہیں سعید اور سارہ پر چلی گئیں۔ اچانک سعید کی نظر بھی ان پر چلی گئی۔ سعید کو اپنے بچوں کے چہروں پر بدلتے تیور صاف دکھائی دے رہے تھے۔ سارہ کچھ گھبرا گئی۔

سرخ بتی بند ہوئی تو گاڑی ایک دم سے آگے بڑھی۔ سعید کا بیٹا غصے سے اپنی کار اس طرح سے نکال کر آگے لے کر گیا کہ سعید بھی کار کی رفتار دیکھ کر خوفزدہ سا ہو گیا۔

☆☆☆

دوسرے دن آفس جانے سے قبل سعید سیدھا شگفتہ کے پاس چلا آیا۔ اس وقت شگفتہ ٹی وی کے سامنے بیٹھی تھی۔ سعید بھی پاس ہی بیٹھ گیا۔ دونوں کے درمیان خاموشی حائل رہی۔ شگفتہ کی نگاہیں ٹی وی پر مرکوز تھیں اور اس دوران سعید نے چند بار اس کی طرف دیکھا۔

''بچے کہاں ہیں؟'' سعید نے خاموشی توڑی۔

''وہ جا چکے ہیں۔'' شگفتہ نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

''تم بچوں کو جان بوجھ کر وہاں لے کر آئی تھیں۔'' سعید نے کہا۔

''میں کوئی غیب نہیں جانتی کہ آپ اس وقت کہاں تھے۔ ہم جا رہے تھے۔ سرخ بتی پر کار رکی اور ہم نے آپ کو دیکھ لیا۔'' شگفتہ بولی۔

''دیکھو شگفتہ..... میں سارہ سے شادی کر چکا ہوں اور وہ میری بیوی ہے۔ میں کسی غیر عورت کے ساتھ نہیں تھا کہ تم لوگ اس طرح کا رویہ اختیار کرتے۔'' سعید نے کہا۔

''ہم نے کیا رویہ اختیار کیا تھا؟''

''میں بچوں کا باپ ہوں۔ وہ گاڑی سے نکل کر مجھ سے مل نہیں سکتے تھے؟ وہ مجھے ایسے گھور رہے تھے جیسے میں کوئی غیر ہوں۔''

''بچے آپ کو گھور رہے تھے؟'' شگفتہ نے حیرانی کا اظہار کیا۔ ''مجھے اس بات کا علم نہیں ہے کیونکہ میں ان کی نظروں کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ ویسے ایک بات بتائیں سرخ اشارے پر جب ٹریفک رکا ہوا تھا تو بچے آپ کو باہر نکل کر گلے ملنا شروع کر دیتے؟'' شگفتہ کے لہجے میں ہلکا سا تمسخر تھا۔

''تم بہت ہوشیار بننے کی کوشش کر رہی ہو..... سارہ کیا سوچتی ہوگی کہ میری کیسی اولاد ہے۔'' سعید نے کہا۔

''آپ کو سارہ کی فکر ہے اور بچوں کی کوئی فکر نہیں؟ اس عمر میں آپ نے شادی رچالی جب آپ کو اپنی بیٹی کی شادی کرنی چاہیے تھی۔'' شگفتہ بولی۔ اسی وقت ان کا بڑا بیٹا راحیل سیڑھیوں سے اترا اور جونہی اس کی نظر سعید پر پڑی تو وہ اسی وقت جانے کے لیے پلٹا۔ سعید نے بھی اس کو دیکھ لیا تھا۔ اس لیے اس نے فوراً اسے روک لیا۔

''کیا بات ہے راحیل..... مجھ سے ناراض ہو؟''

''نہیں..... میں آتا ہوں۔'' راحیل کہہ کر اوپر چلا گیا۔ سعید نے شگفتہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

''تم تو کہہ رہی تھیں کہ بچے جا چکے ہیں۔''

''میں نے کچھ کہا تھا کہ بچے اب جا چکے ہیں۔ لیکن آپ میری بات کا مطلب نہیں سمجھے تھے۔ دیکھا نہیں اس

نے آپ سے بات بھی نہیں کی۔ میرا مشورہ ہے آپ چند دن
گھر رہیں۔ ان سے بات کریں اور ان کو اپنے اعتماد میں
لیں ورنہ وہ آپ سے دور چلے جائیں گے..... اتنا کہ بھی
زیادہ دور.....“ شگفتہ نے سمجھانے کی کوشش کی۔
”میرے سامنے فلسفہ مت بگھارو۔“ سعید نے کہہ کر
سوچا شگفتہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ جوان اولاد کے ساتھ ایسی
بے اعتنائی اس کے لیے کوئی مسئلہ بھی کھڑا کر سکتی ہے۔ سعید
نے اپنے لہجے میں نرمی لاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔
”تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مجھے ایسا ہی کرنا چاہیے، مجھے اپنے
بچوں کے ساتھ وقت گزارنا چاہیے۔“ سعید اُٹھ کر اپنے
کمرے میں چلا گیا اور شگفتہ اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی اور
معنی خیز انداز میں مسکراتی بھی رہی۔

سعید نے کمرے میں جا کر پہلے کپڑے بدلے اور
پھر سارہ کو فون کر کے سمجھایا کہ وہ چند دن اس کے پاس نہیں
آئے گا بلکہ شگفتہ اور اپنے بچوں کے پاس رہے گا۔ سارہ
نے فون پر یہ سن کر اپنے اداس ہونے کی باتیں کیں۔ اور
جب فون بند ہو گیا تو اس نے مسکرا کر فون بیڈ پر رکھا اور یہ
کہنے کے بعد ہنسی۔

”بوڑھے میں نے تم سے شادی اس لیے نہیں کی کہ
مجھے تمہاری ضرورت ہے..... بلکہ مجھے تمہاری دولت کی
ضرورت ہے، پُر آسائش زندگی کی چاہت ہے..... تم مجھ
سے مہینوں بھی دور رہو تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، بس میرا
بینک بیلنس بھرتے رہو..... اس سے پہلے کہ میں کچھ
نکلوانے کے لیے اپنی انگلی ٹیڑھی کروں۔“

اس دن سعید آفس نہیں گیا اور اس نے کوشش کی کہ وہ
اپنے بچوں کے ساتھ وقت گزارے۔ اس نے اپنی بیٹی کو
تحفہ دینے کے لیے چیک کاٹ کر بھی دیا۔ اس کے
باوجود سعید نے محسوس کیا کہ اس کے بچے اس کے ساتھ ٹھیک
سے گھل مل نہیں رہے۔ فواد کا مزاج کچھ زیادہ ہی خراب تھا۔

☆☆☆

ایئرپورٹ سے نکلنے والے مسافروں میں سے ایک
[illegible] کا نام سکندر خان تھا۔ وہ درمیانے قد کا ساٹھ سال کا
شخص تھا۔ اس نے بہترین سوٹ زیب تن کیا تھا اور
آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگایا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بریف
کیس تھا۔

وہ جونہی باہر نکلا ایک شخص تیزی سے اس کی طرف
بڑھا اور اس کو سلام کرنے کے بعد اس کے ہاتھ سے بریف
کیس پکڑ لیا۔ وہ ظہیر تھا۔ دونوں گاڑی کے پاس پہنچے تو

ڈرائیور نے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا [illegible]
بیٹھنے کے بجائے ڈرائیور سے مخاطب ہوا [illegible]
میں آگے بیٹھوں گا۔“

ڈرائیور تیزی سے ایک طرف [illegible]
ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور سکندر [illegible]
جونہی گاڑی آگے بڑھی سکندر بولا۔ ” [illegible]
آیا ہوں۔ تین سال پہلے سعید کا لگایا ہوا [illegible]
ہے بلکہ اس کے دیے ہوئے زخم کو میں نے [illegible]
ہے۔ سینے میں اس سے انتقام لینے کی آگ کو [illegible]
خوب بھڑکایا ہے..... میں سعید کو نہیں چھوڑوں گا۔“

”میں نے آپ کے حکم پر تین سال سے اس پر [illegible]
رکھی ہوئی ہے۔ اس کا کاروبار پہلے سے بھی زیادہ [illegible]
ہے..... تکبر سے اس کی گردن اور بھی زیادہ اکڑ گئی ہے۔“
ظہیر نے کہا۔

”تم نے مجھے جو منصوبہ بتایا تھا وہ بہت اچھا [illegible]
ہے۔ میں اسی منصوبے پر عمل کرنا چاہتا ہوں۔ اسے چاروں
طرف سے گھیر کر ایسی سزا دینا چاہتا ہوں کہ وہ میرے
سامنے گڑگڑانے پر مجبور ہو جائے۔“ سکندر نے [illegible]
سے دانت پیسے۔

”آپ کب سے اس منصوبے پر عمل کرنا چاہتے
ہیں؟“ ظہیر نے پوچھا۔

”تین سال پہلے جب میں زخم کھا کر یہاں سے [illegible]
تو میں نے اس عرصے میں پیسہ کمایا اور اس زخم کو ہرا [illegible]
اب میں پانی کی طرح پیسہ بہا کر سعید کی زندگی [illegible]
دوں گا۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔“ سکندر کا غصہ [illegible]
طرح بڑھ رہا تھا۔ اس کے جسم میں بے چینی دوڑ [illegible]
اور وہ کبھی دائیں اور کبھی بائیں دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

صبح کے چھ بجے تھے جب سعید کے انتہائی [illegible]
دوست الیاس بیگ کے موبائل فون پر میسج ٹون بجی [illegible]
ان دنوں اکیلا ہی گھر میں رہ رہا تھا۔ اس کی بیوی [illegible]
دونوں بچوں سے ملنے اور کچھ وقت ان کے ساتھ گزارنے
کے لیے امریکا گئی ہوئی تھی۔

الیاس صبح کی جاگنگ کے لیے تیار ہو رہا تھا [illegible]
اس نے میسج ٹون سنی تو وہ اپنے موبائل فون کی طرف [illegible]
موبائل فون اٹھا کر میسج پڑھنے لگا۔ [illegible]
نے گھیر لیا۔ اس نے بار بار وہ میسج پڑھا [illegible]
دوست سعید کی طرف سے آیا تھا۔ لکھا تھا

"مجھے لگتا ہے میرے ساتھ کچھ ہونے والا ہے۔"

الیاس اس پیغام کا مطلب نہیں سمجھا تھا اور پھر سعید نے کچھ واضح لکھنے کے بجائے محض اتنا ہی لکھنے میں اکتفا کیا تھا۔ اس نے سوچا وہ ابھی اسے کال بیک کر کے اس جملے کا مطلب پوچھے...... اس نے ایسا کیوں لکھا ہے؟ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟

الیاس صبح اور شام کے وقت پابندی سے جاگنگ کے لیے جاتا تھا۔ اس کی جاگنگ سے اس دن ہی چھٹی ہوتی تھی جب بارش ہو رہی ہوتی تھی۔ ورنہ دونوں وقت جاگنگ چھوڑنا اس کے لیے سوہانِ روح تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ عمر کے اس حصے میں بھی صحت مند اور چاق و چوبند تھا۔ الیاس نے سعید کو فی الحال جاگنگ سے واپسی پر کال کرنے کا ارادہ کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

ابھی وہ اپنے گیٹ تک پہنچا تھا کہ اس کے قدم رک گئے۔ سعید اس کا عزیز اور بے تکلف دوست تھا۔ دل میں ایک وہم نے گھیر لیا۔ اس نے اسی وقت اس کے موبائل فون پر کال کی۔ تھوڑی دیر کے بعد سعید کی خمار آلود آواز سنائی دی۔

"بولو الیاس...... کیا بات ہے صبح صبح فون کر دیا ہے۔ خیریت تو ہے؟"

"خیریت تو مجھے تمہاری پوچھنی ہے۔ تم نے یہ کیسا میسج لکھا ہے؟" الیاس نے کہا۔

"میں نے کس کو میسج لکھا ہے اور کیا لکھ دیا ہے جو تم تشویش میں مبتلا ہو۔" سعید مسکرایا۔

"مجھے میسج لکھ کر مجھ سے پوچھ رہے ہو کہ میں نے کیا میسج لکھ دیا ہے۔ تم نے لکھا ہے 'مجھے لگتا ہے میرے ساتھ کچھ ہونے والا ہے۔'" الیاس نے بتایا۔

"یہ کس نے لکھا ہے؟" سعید چونکا۔

"تم نے یہ میسج مجھے بھیجا ہے۔" الیاس نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔

"میں نے تم کو ایسا کوئی میسج لکھ کر نہیں بھیجا...... تم کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" سعید بولا۔

"اچھا میں جاگنگ پر جا رہا ہوں۔ تم سے آفس میں ملاقات ہوگی۔" الیاس نے فون پر بحث کرنے کے بجائے فون بند کر دیا اور اپنی تسلی کے لیے ایک بار پھر وہ میسج پڑھا۔ الیاس کے موبائل فون میں سعید کا موبائل فون نمبر اس کے نام سے محفوظ تھا۔ کوئی غلطی نہیں تھی۔ میسج اسی کے محفوظ نمبر سے آیا تھا۔ الیاس حیران تھا کہ میسج بھیجنے کے بعد سعید نے انکار کیوں کیا ہے؟

دوسری طرف سعید اپنا موبائل فون دیکھ رہا تھا۔ اس کے موبائل فون سے الیاس کو ایسا کوئی میسج ہوا ہی نہیں تھا۔

☆☆☆

الیاس اس کے آفس میں موجود تھا اور اس کا موبائل فون سعید کے ہاتھ میں تھا۔ سعید کی نظریں اس میسج پر مرکوز تھیں جو اس کے نام سے محفوظ نمبر پر الیاس کو موصول ہوا تھا۔ سعید کے چہرے پر حیرت تھی۔

"میرا یقین مانو میں نے تم کو یہ میسج نہیں لکھا۔" سعید نے اسے یقین دلانے والے لہجے میں بتایا۔

"یہ میسج تمہارے نمبر سے آیا ہے۔ ثبوت سامنے ہے اور تم کہہ رہے ہو تم نے نہیں بھیجا؟"

"میں نے یہ نہیں لکھا۔"

"پھر کس نے لکھا ہے اور تمہارا موبائل فون استعمال کیا ہے؟" الیاس کی سوالیہ نگاہیں سعید کے چہرے پر جم گئیں۔

"بیڈ روم میں، میں اور شگفتہ تھے...... جس وقت یہ میسج بھیجا گیا ہے اس وقت شگفتہ کمرے سے باہر گئی اور میں......" سعید سوچتے ہوئے بتانے لگا۔ وہ کچھ اٹک گیا اور مزید سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "میں اس وقت کروٹ لیے لیٹا ہوا تھا۔ شاید کچھ نیند میں تھا اور کچھ جاگ رہا تھا...... کچھ ایسی حالت تھی۔"

"بھابی تو ایسی شرارت کرنے سے رہیں۔"

"ہاں...... اس کا معمول ہے وہ نماز کے لیے کمرے سے باہر چلی جاتی ہے۔ دوسرے کمرے میں......"

"تم اطمینان سے اس پر سوچنا...... اگر کچھ اور یاد آ جائے تو مجھے بتا دینا...... مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے اس لیے مجھے اجازت دو۔" الیاس اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور سعید کو حیرت کی تصویر بنا چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

الیاس کو اپنی صحت کا ہمیشہ سے خیال رہتا تھا۔ وہ جب بھی سعید کے آفس میں آتا تھا، وہ آنے جانے کے لیے لفٹ کے بجائے سیڑھیوں کا استعمال کرتا تھا۔ اس وقت بھی جب وہ سیڑھیاں اتر کر گراؤنڈ فلور پر پہنچا تو ایک بار پھر اس کے موبائل فون کی میسج ٹون بجی۔ اس نے چلتے ہوئے موبائل فون نکال کر دیکھا تو سعید کے نمبر سے ایک اور میسج موصول ہوا تھا۔

"الیاس...... جلدی اوپر آؤ...... جلدی...... مجھے کوئی

...ہے۔"

...کے ...جاتے ہوئے قدم یکدم رک گئے اور وہ ...کر سیڑھیوں کی طرف بھاگا۔ وہ بھاگتا ہوا سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ ...سال کی عمر میں بھی کسی جوان کی طرح ...سیڑھیاں پھلانگ رہا تھا۔

...پہنچتے ہی وہ برق رفتاری سے سعید کے آفس میں گیا اور تقریباً بھاگتا ہوا وہ اس کے کمرے کی طرف بڑھا تو ...اسٹاف اس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔ الیاس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا تو سامنے سعید کھڑا کوٹ پہن رہا تھا۔ ایک دم الیاس کو دیکھ کر وہ اس کی طرف متحیر نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"کیا ہوا...؟"

"تم بتاؤ کیا ہوا۔۔۔ تم نے مجھے میسج کیا کہ میں جلدی سے تمہارے پاس آؤں، تمہیں کوئی جان سے مار دے گا۔" الیاس اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"میں نے کب ایسا میسج کیا ہے؟" سعید کوٹ پہننا بھول گیا۔ اس نے کوٹ کا ایک بازو پہنا تھا اور باقی کوٹ پیچھے لٹک رہا تھا۔ الیاس نے اس کے نمبر سے آیا میسج اسے پڑھایا تو سعید کی حیرت دوچند ہو گئی۔

"یہ میسج میں نے نہیں کیا۔" سعید نے گھبراہٹ آمیز لہجے میں نفی میں سر ہلایا۔

"یہ سم اس فون میں ہے۔ مجھے اس نمبر سے کال کرو۔" الیاس نے اس کا موبائل فون اٹھا کر پہلے میسج باکس دیکھا۔ وہاں میسج نہیں تھا۔ پھر اس نے موبائل فون سعید کی طرف بڑھا دیا۔ سعید نے اس کو کال کی تو الیاس کے موبائل فون پر وہی نمبر آ گیا۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ سم اس موبائل فون میں موجود ہے۔

"تم اس وقت کہاں تھے؟"

"میں بس ٹوائلٹ تک گیا تھا۔" سعید نے بتایا۔

"کوئی اندر آیا تھا؟"

"میں نے اپنے اسٹاف سے بولا ہوا ہے کہ کوئی میرے بلائے بغیر اندر نہیں آئے گا۔ اور اگر کسی کو کوئی کام ہو تو وہ دروازہ ناک کرے گا۔ اندر آنے کی اجازت مل جائے تو وہ اندر آ جائے ورنہ واپس چلا جائے۔"

"اپنے ملازم کو بلا کر پوچھو کوئی اندر آیا تھا؟" الیاس نے کہا۔ سعید نے بیل بجائی تو اس کا ملازم اشرف اندر آ گیا۔

"تم اپنی جگہ چھوڑ کر کہیں گئے تھے؟" سعید نے ذرا سخت لہجے میں دریافت کیا۔

"نہیں صاحب جی۔ میں..."

سوال سن کر اشرف کی جان میں جان آئی...

"پھر اندر کون آیا تھا؟"

"کوئی بھی نہیں آیا تھا۔"...

وہ سعید کے غصے سے اچھی طرح...

"جب میں ٹوائلٹ میں تھا تو...

ایسا لگا تھا۔" سعید کے کوٹ میں اس... کا دوسرا حصہ زمین کے ساتھ لٹک... سے پوچھ رہا تھا لیکن اس صورت حال میں... ہوا تھا۔

"صاحب جی، میں اپنی اسٹول پر... نہیں گیا۔۔۔ اندر کوئی جاتا ہی نہیں ہے جب... بلائیں تو..." اشرف کی آواز خوف سے...

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" الیاس نے... اجازت دے دی اور وہ تیزی سے اس طرح... اندر اس کا دم گھٹ جائے گا۔ اس کے... نے سعید کی طرف دیکھا اور کہا۔ "تم کوٹ تو...

الیاس کے کہنے پر ایک دم سے سعید... اس نے کوٹ پہن لیا۔ اس دوران الیاس کی نگاہیں سعید پر جمی رہی تھیں۔ وہ اس کا جائزہ لیتا... جب کوٹ پہن لیا تو الیاس نے پوچھا۔ "تمہاری طبیعت... ہے ناں؟"

"میری طبیعت کو کیا ہوا ہے؟" سعید نے... کر دیا۔

"کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ تم میرے ساتھ... مذاق کر رہے ہو کہ تم مجھے تنگ کرو۔"

"یہ بات تم اچھی طرح سے جانتے ہو... مذاق نہیں کیا کرتا۔ ہم دونوں کی دوستی کو ایک عرصہ... چکا ہے۔" سعید نے متانت سے جواب دیا۔

"پھر کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ تم... اپنی بات یاد نہیں رہتی؟ تم مجھے میسج... دیتے ہو اور پھر بھول جاتے ہو؟" الیاس...

"تمہارا خیال ہے کہ میں کوئی ذہنی... ہوں؟" سعید نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"میں نے صرف ایک سوال کیا ہے۔... اپنے موبائل فون پر کوڈ لگا دو۔ ایسا کوئی... معلوم ہو۔" الیاس نے کہا۔ سعید نے اپنا...

کی طرف بڑھ جاؤ یا اور بولا۔

''کوڈتم تو دو نگا دو اور وہ کوڈ اس کاغذ پر لکھ دو۔''

الیاس نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر ایک کوڈ لکھ کر میز پر رکھے کاغذ پر لکھ دیا۔ سعید نے کاغذ اٹھا کر دیکھا۔ الیاس نے ایسا کوڈ لگایا تھا جو اسے آسانی سے یاد ہو سکتا تھا۔ وہ اس کوڈ کو بھول ہی نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے وہ کاغذ ہاتھ کی انگلیوں میں لے کر مروڑا اور کوڑے کی ٹوکری میں پھینک دیا۔

''اب دیکھتے ہیں، کیا ہوتا ہے۔'' الیاس کہہ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے دروازہ کھولا اور ایک بار پھر باہر نکل کر سیڑھیوں کی طرف چل دیا۔

☆☆☆

رات کے ڈھائی بج رہے تھے جب الیاس کے موبائل فون پر میسج ٹون بجی۔ الیاس نے موبائل فون اپنے سرہانے رکھا ہوا تھا۔ ویسے بھی الیاس کی نیند ایسی تھی کہ وہ جلدی ٹوٹ جاتی تھی۔ وہ بہت زیادہ خاموشی میں سونے کا عادی تھا اس لیے اس کی آنکھ ٹون بجتے ہی کھل گئی۔

اس نے موبائل فون دیکھا، سعید کی طرف سے ایک میسج تھا۔ ''کوئی ہے جو سارہ کے گھر کے قریب ہے اور اسے نقصان پہنچانا چاہتا ہے...... تم جلدی سے اس طرف جاؤ......''

میسج پڑھنے کے بعد الیاس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ کچھ سوچا اور پھر سعید کا نمبر نکال کر اس پر انگلی کا دباؤ ڈالنے سے قبل یہ سوچتا رہا کہ وہ اسے کال کرے...... یا نہیں......؟ پھر اس نے اسے کال کر ہی دی۔ تھوڑی دیر کے بعد سعید کی خمار آلود آواز سنائی دی۔

''ہیلو...... کون......؟''

''تم سو رہے ہو؟''

''ہاں سو رہا تھا۔ کیا بات ہے خیریت تو ہے؟ پھر کوئی میسج آیا ہے؟'' سعید کا خمار معدوم ہو گیا۔

جو میسج الیاس کو آیا تھا، وہ اس نے لفظ بہ لفظ سنایا تو سعید گھبرا گیا اور جلدی سے بولا۔ ''یہ میسج میرے موبائل سے آیا ہے......؟ لیکن اس پر تو کوڈ لگا ہوا ہے۔''

''اسی بات پر تو مجھے حیرت ہے۔'' الیاس بولا۔

''تم جلدی سے وہاں پہنچو...... کہیں کوئی اسے نقصان نہ پہنچا دے۔'' سعید کی گھبراہٹ میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

''تم فکر نہیں کرو، میں جاتا ہوں۔'' الیاس نے اسے تسلی دی۔

''بلکہ میں بھی آ رہا ہوں۔''

''تم گھر میں ہی رہو۔ سارہ بھابی کا گھر میرے گھر کے قریب ہے اس لیے میں جا رہا ہوں۔'' الیاس نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ الیاس سوچ رہا تھا کہ اس نے خود سعید کے فون پر کوڈ لگایا تھا۔ جس کا علم ان دونوں کے سوا کسی کو بھی نہیں تھا اور وہ کوڈ اس نے کاغذ پر لکھا تھا اس لیے کسی اور کو کوڈ کو جاننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

الیاس نے سارہ کی طرف جانے کے بجائے چپ رہنے کا ہی فیصلہ کیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس سے قبل بھی جو اسے میسج موصول ہوئے تھے، وہ محض میسج ہی تھے ان کے نتیجے میں کچھ نہیں ہوا تھا۔

ادھر سعید پریشان بیٹھا اپنے موبائل فون کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے موبائل فون پر کوڈ لگا ہوا تھا جبکہ الیاس نے انکشاف کیا تھا کہ اس کے موبائل فون سے اسے ابھی میسج موصول ہوا ہے۔ سعید کو حیرت کے ساتھ ساتھ پریشانی بھی لاحق ہو گئی تھی۔

شگفتہ بیڈ پر لیٹی خمار آلود نگاہوں سے سعید کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ اس نے دو بار اس سے دریافت کیا تھا کہ کیا ہوا ہے؟ اور سعید نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا بلکہ اپنے موبائل فون کی اسکرین پر نظریں جمائے گم صم بیٹھا تھا۔

ایک بار پھر شگفتہ نے پوچھا۔ ''کیا ہوا ہے......؟''

اس بار سعید چونکا۔ ''کچھ نہیں...... تم سو جاؤ مجھے ڈسٹرب مت کرو۔''

شگفتہ نے بیڈ کے ساتھ لگی گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی دروازے پر ہلکی دستک ہوئی اور اس کی ملازمہ صفیہ اجازت ملتے ہی اندر آ گئی۔

''میری دوا اٹھاؤ اور میرے ساتھ آ جاؤ۔ میں دوسرے کمرے میں جا کر سو جاتی ہوں۔'' شگفتہ نے کہا۔ صفیہ نے بیڈ کے ساتھ رکھی اس کی دوائیں اٹھائیں اور اس کے پیچھے باہر چلی گئی۔

اچانک موبائل فون کی بیل ہونے لگی۔ اسکرین پر سارہ کا نام آ رہا تھا۔ سعید نے جلدی سے فون ریسیو کیا۔ دوسری طرف سے سارہ کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

''ابھی کسی نے کوئی بھاری چیز مار کر میری کار کی ونڈ اسکرین توڑ دی ہے...... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔''

''چوکیدار کہاں ہے؟'' سعید نے جلدی سے کہا۔

''وہ...... وہ گیٹ پر ہے اور گن لیے الرٹ کھڑا

"آپ آجائیں..... مجھے بہت خوف آرہا ہے۔" سارہ کی گھبراہٹ اور خوف کی وجہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"تم گھبراؤ نہیں..... میرا دوست الیاس تمہاری طرف آرہا ہے..... میں بھی آرہا ہوں۔ تم کمرے میں رہنا۔" سعید نے کہہ کر فون بند کیا اور دوسرے لمحے اس نے الیاس کو کال کردی۔ اس نے پہلی بیل پر فون اُٹھالیا۔

"الیاس..... تم سارہ کے پاس پہنچ گئے ہو......؟ وہ بہت ڈری ہوئی ہے اور کسی نے اس کی کار کی ونڈ اسکرین توڑ دی ہے....."

الیاس کا خیال نہیں تھا کہ ایسا کچھ ہوگا۔ جب اس نے سنا تو وہ جلدی سے بستر چھوڑ کر کار کی چابی پکڑتے ہی کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بولا۔ "میں بس گھر کے قریب ہی ہوں..... ابھی پہنچ رہا ہوں۔"

"میں بھی آرہا ہوں۔"

"تم مت آنا..... ہوسکتا ہے تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے۔ تم گھر پر ہی رہو۔" الیاس کہتا ہوا گیٹ کے پاس پہنچا۔ اس نے گیٹ کھولا، کار باہر نکال کر کھڑی کی اور گیٹ بند کرکے کار میں بیٹھ کر تیزی سے اس جگہ سے نکل گیا۔

رات کے اس پہر سڑکیں سنسان تھیں اس لیے الیاس پوری رفتار سے کار سارہ کے گھر کے پاس لے گیا۔ ویسے بھی اس کی رہائش اس کے گھر سے زیادہ دور نہیں تھی۔ اس نے کار کا ہارن دیا۔ اندر سے چوکیدار نے چھوٹی کھڑکی سے باہر جھانکا اور اس نے گیٹ کھول دیا۔ الیاس کار اندر لے گیا۔ چوکیدار نے گیٹ بند کردیا۔

"کیا ہوا ہے؟" الیاس نے پوچھا۔

"میں یہاں بیٹھا تھا اچانک باہر سے..... کوئی چیز آئی اور سیدھی کار کی ونڈ اسکرین پر لگی۔ میں نے فوراً گن سیدھی کی اور باہر جھانکا، مجھے کوئی دکھائی نہیں دیا اور اس کے بعد سے اب تک خاموشی ہے۔" چوکیدار نے تفصیل بتائی۔

الیاس کار کے پاس چلا گیا۔ کار کا رخ گیٹ کی طرف تھا۔ سارہ کی عادت تھی کہ وہ جب بھی کار اندر لے کر آتی تو بیک کرکے اندر لگاتی تھی اور کار کا رخ گیٹ کی طرف ہو جاتا تھا۔ ونڈ اسکرین پر ایک چھوٹا سا سوراخ تھا اور اس سوراخ کے اردگرد دراڑیں پھیلی ہوئی تھیں۔ جب الیاس کی نظر زمین پر گئی تو وہ چونک گیا۔ جو چیز باہر سے آکر کار کی ونڈ اسکرین پر لگی تھی وہ ایک انسانی کھوپڑی تھی۔ الیاس نے وہ کھوپڑی اٹھائی اور کار کے بونٹ پر رکھ دی۔ وہ اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اسی اثنا میں کھڑکی سے سارہ نے الیاس کو دیکھ لیا اور وہ بھاگتی ہوئی اس کے پاس آگئی۔

"کچھ پتا چلا کون تھا......؟" سارہ نے [illegible]

"کوئی بھی نہیں تھا۔ میرا خیال ہے [illegible] جو ادھر اُدھر پتھر پھینک کر شرارتیں کرتے [illegible] گئے۔ آپ گھبرائیں نہیں سب ٹھیک ہے [illegible] چوکس ہے۔" الیاس جلدی سے گھوم گیا اور اس [illegible] کہ وہ انسانی کھوپڑی کو دیکھ نہ سکے۔ الیاس [illegible] نے اپنے پیچھے چھپالیا تھا۔

"سعید بھی آئے ہیں؟" سارہ نے پوچھا۔

"اسے میں نے ہی روک دیا تھا۔ آپ آرام [illegible] ڈرنے کی بات نہیں ہے۔ چوکیدار پوری ہوشیاری سے ڈیوٹی دے رہا ہے۔" الیاس نے کہا۔ سارہ اندر چلی گئی اور اس نے دروازہ مقفل کرلیا۔ اسی اثنا میں سعید کا فون آگیا۔

"کیا ہوا الیاس......؟" دوسری طرف سے سعید کی آواز آئی۔

"کچھ نہیں..... سب ٹھیک ہے۔ میں تمہاری طرف آرہا ہوں۔" الیاس نے فون بند کیا۔ چوکیدار کو ہدایت دی اور کھوپڑی اٹھا کر اپنی گاڑی لے کر چلا گیا۔ سارے راستے الیاس یہی سوچتا رہا کہ کوڈ لگے موبائل فون سے اسے میسج کیسے موصول ہوا......؟ یہ کون ہے۔ اور وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟

ان ہی سوچوں میں مستغرق الیاس، سعید کے گھر پہنچ گیا۔ دونوں بیڈ روم میں کھڑے تھے۔ زندگی میں پہلی بار سعید کے چہرے پر خوف اور گھبراہٹ عیاں تھی۔ الیاس اس کا موبائل فون دیکھ رہا تھا۔ وہی کوڈ لگا ہوا تھا جو اس نے لگایا تھا جس کا صرف ان دونوں کو ہی علم تھا۔ الیاس کی حیرت دوچند ہوگئی تھی۔

اس نے کمرے کے دائیں بائیں دیکھا اور پھر اس کی نگاہ بیڈ کی تپائی پر جا پڑی۔ وہاں ایک کوئی پن پڑی تھی۔ الیاس نے وہ پن اُٹھائی اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔

"اس پن کی مدد سے تمہارے فون کی سم [illegible] ہے..... پھر اسے دوسرے موبائل فون میں [illegible] مجھے میسج بھیجا گیا......" الیاس بولا۔ سعید اور [illegible] گیا۔

"اس کا مطلب ہے کوئی میرے کمرے [illegible] تھا۔"

"تمہارے گھر میں وہی پرانا ملازم ہے [illegible] کرتا ہے؟" الیاس نے پوچھا۔

"ہاں وہی چوکیدار ہے اور وہ کئی سالوں سے ملازم ہے۔ اس کے ... وہ اس کی بیوی ہی پچھلے سات، آٹھ ماہ سے بیمار رہتی ہے۔ جب سے شگفتہ کو دل کا عارضہ ہوا ہے اور اس کا بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے تو ہم اسے جانے نہیں دیتے۔"

"گیٹ کے پاس جو چوکیدار کا کیبن ہے، وہ وہاں ہوتی ہے رات کو؟" الیاس نے پوچھا۔

"سارا دن کام کاج میں مصروف ہوتی ہے اور رات کو ہمارے ساتھ والے چھوٹے کمرے میں ہوتی ہے۔ شگفتہ کے سرہانے بیل کا بٹن موجود ہوتا ہے اور جب بھی اسے ضرورت ہوتی ہے وہ بٹن دبا دیتی ہے اور ملازمہ بھاگی ہوئی آجاتی ہے۔"

"وہ تو میں نے دیکھی ہے۔ اَن پڑھ سی عورت ہے۔ اس طرح سے سم نکالنا اور رومن انگلش میں میسج لکھنا کسی اَن پڑھ کا کام نہیں ہے۔" الیاس کا لہجہ کچھ معنی خیز ہو گیا۔ پھر وہ بولا۔ "کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ تمہارے بچوں میں سے کوئی ایسا کر رہا ہو۔ کیونکہ وہ سب تم سے اس لیے ناراض ہیں کہ تم نے دوسری شادی کر لی ہے؟"

"میں نے بھی سوچا تھا لیکن جب مجھے یہ خیال آیا کہ گھر سے میرے بچوں میں سے کوئی، ایسا میسج کر سکتا ہے مگر جب تمہیں میرے آفس سے میسج کیا تو اس وقت تو میرے بچوں اور بیوی میں سے کوئی بھی آفس کے اندر تو کیا، آس پاس بھی موجود نہیں تھا۔" سعید نے کہا۔ الیاس اس دلیل کے آگے چپ ہو گیا۔

"اب کیا سوچ رہے ہو؟" سعید نے اسے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر سوال کیا۔

"میں سوچ رہا ہوں اب تم احتیاط سے کہیں آنا جانا۔ سارہ کی کار کو لگنے والا پتھر نہیں بلکہ ایک انسانی کھوپڑی تھی... وہ میری کار میں پڑی ہے۔"

سعید یہ سن کر مزید پریشان ہو گیا۔ "سوال یہ ہے کہ وہ گمنام خطرہ جو میرے اردگرد منڈلا رہا ہے، وہ ہے کون...؟"

"یہی بات تو مجھے سمجھ نہیں آرہی ہے کہ تمہارے موبائل سے میسج کر کون رہا ہے۔" الیاس کی تشویش گہری ہوتی جا رہی تھی۔ دیوار پر لگی گھڑی بتا رہی تھی کہ رات کا آغاز ہو گیا ہے اور وہ دونوں اس الجھن کو سلجھانے میں ناکام رہے تھے۔

☆☆☆

سعید کی تشویش اور بڑھ گئی۔ [illegible] جو بھی اس نے موبائل فون کی [illegible] وہ خوفزدہ ہو جاتا۔ اس کے [illegible] وہ ٹھیک سے کام بھی نہیں کر پا رہا [illegible] گیا تھا۔ صبح ناشتے کی میز پر جب [illegible] رہا تھا تو شگفتہ نے اُبلی روٹی پر جام لگاتے [illegible]

"رات ہوا کیا تھا...؟ [illegible] تھے؟"

"تم کو کیا... تم تو دوسرے کمرے [illegible] تھیں۔ اب کیوں پوچھ رہی ہو؟" سعید [illegible] بات کی۔

"میں نے رات کو بھی پوچھا تھا اور آپ نے [illegible] جواب دیا تھا، وہ آپ کو یاد ہوگا۔ میں نے [illegible] بار بار پوچھنے پر آپ غصے میں کوئی ایسی بات [illegible] کہ بات بگڑ جائے، میں کمرے سے ہی چلی جاؤں۔" [illegible] نے اطمینان سے کہا۔

"تم نے اچھا کیا تھا... اب بھی یہی بہتر ہے [illegible] سکون سے ناشتا کرو۔" سعید کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ [illegible] جانے کی شگفتہ کو کوئی پریشانی نہیں ہوئی تھی [illegible] بے پروائی سے کندھے اچکائے اور ناشتا کرنے میں مصروف ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کے تینوں بچے بھی آگئے [illegible] وہ سب ہنسی خوشی ناشتا کرنے لگے۔

سعید اپنے آفس میں بیٹھا سوچ رہا تھا [illegible] وہ اس وقت چونک گیا جب اس کے موبائل فون کی [illegible] ہوئی۔ وہ ایسے ڈر گیا تھا جیسے اس کے کمرے میں [illegible] پھٹ گیا ہو۔ اس نے موبائل فون کی اسکرین کی طرف [illegible] اور سارہ کا نام پڑھ کر فون کان سے لگا لیا۔

دوسری طرف سے سارہ کی آواز آئی۔ "[illegible] میرے ساتھ شادی اس لیے کی تھی کہ میں [illegible] میں اکیلی پڑی رہوں۔"

"میں آج تمہاری طرف آنے کا سوچ رہا [illegible]" سعید نے کہا۔

"آپ سوچ رہے تھے؟ میری طرف آنے [illegible] اب آپ کو سوچنا پڑے گا؟"

"ایسی بات نہیں ہے۔ آج رات تو تمہاری طرف آجاؤں گا۔" سعید نے کہا۔

"ٹھیک ہے، میں انکار کروں گی۔ [illegible] پیسے چاہئیں۔ مجھے شاپنگ کے لیے جانا ہے۔" سارہ [illegible]

"تمہارے اکاؤنٹ میں پیسے ڈلوا، تم وہاں سے لے کر شاپنگ کرلو۔" سعید نے کہا۔

"نہیں مجھے آپ پیسے دیں۔ مجھے آج آپ سے پیسے لینے ہیں۔" سارہ کسی چھوٹی بچی کی طرح نخرے کرتی ہوئی بضد ہوئی۔

"اچھا تم ایسا کرو میرے آفس آجاؤ اور میں اپنا کارڈ دے دیتا ہوں۔ تم شاپنگ کرلو۔"

"یہ ہوئی نا بات۔ میں ابھی آپ کے آفس کارڈ لینے آرہی ہوں۔" دوسری طرف سے سارہ کی پُرمسرت آواز آئی اور اس نے فون بند کردیا۔ سعید کام میں مصروف ہو گیا۔

سارہ پہلے ہی تیار تھی اس لیے وہ جلدی ہی آفس پہنچ گئی۔ سعید نے اس کے آتے ہی اپنی میٹنگ کینسل کردی اور میٹنگ ہال سے اُٹھ کر اپنے آفس میں آگیا۔ سارہ نے سعید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے آپ مجھ سے دور ہوتے جارہے ہیں؟"

"میں تم سے کیسے دور ہوسکتا ہوں۔ شگفتہ اور بچے مجھ سے ناراض ہیں اس لیے ان کو خوش کرنے اور اپنے درمیان حائل دوری کو مٹانے کی کوشش کررہا ہوں۔ پھر جیسے ہی سب کچھ ٹھیک ہوگا ہم یورپ کی سیر کو نکل جائیں گے۔" سعید نے کہا۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں کہ ہم یورپ کی سیر کو جائیں گے؟" سارہ کو اس کی بات سن کر یقین نہیں آرہا تھا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ بس تم کچھ دن برداشت کرلو۔ پھر ہم دونوں ہوں گے۔" سعید نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

سارہ کی نگاہیں سعید کے چہرے پر مرکوز تھیں اور اس کے ہونٹوں پر خفیف تبسم رقصاں تھا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا۔ "میری طرف سے تم ساری زندگی اپنی پہلی بیوی اور بچوں کے ساتھ رہو...... بس میرا اینک بیلنس بھرتے رہو کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے کچھ اور بھی کرنا پڑے......"

"کیا سوچ رہی ہو؟" سعید نے پوچھا۔

"سوچ رہی ہوں، یہ چند دن کیسے گزریں گے...... آپ کے بغیر۔" سارہ نے بات پلٹی۔

"بس چند دن کی بات ہے۔" سعید مسکرایا اور اپنا کریڈٹ کارڈ نکال کر اسے دے دیا۔ سارہ نے کارڈ پکڑا اور اپنے پرس میں رکھ کر الوداعی مسکراہٹ سجاتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

سعید اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اور ایک فائل اٹھالی۔ اچانک وہ چونکا اور متلاشی نگاہوں سے اپنی بڑی سی میز پر دائیں بائیں دیکھنے لگا۔

☆☆☆

الیاس کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہا تھا اور صوفے پر آرام سے ٹانگیں پھیلائے بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا جب اسے ایک میسج موصول ہوا۔ اس نے اپنا موبائل فون اُٹھایا اور سعید کی طرف سے آیا میسج دیکھتے ہی کافی پینا بھول گیا۔ اس نے کافی کا مگ ایک طرف رکھا اور میسج پڑھنے لگا۔

"مجھے ایسا لگ رہا ہے...... سارہ شاپنگ کے لیے باہر گئی ہے اور کوئی اس کی کار کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔"

الیاس نے میسج پڑھنے کے بعد اسی وقت سعید کو فون کیا۔ جونہی سعید کی آواز آئی الیاس نے پوچھا۔ "تم اس وقت کہاں ہو؟"

"میں اس وقت اپنے آفس میں ہوں۔" سعید نے جواب دیا۔ "کیا بات ہے، خیریت ہے؟"

"مجھے ابھی تمہارے موبائل فون سے میسج آیا ہے کہ سارہ شاپنگ کے لیے باہر گئی ہے اور مجھے لگ رہا ہے جیسے کوئی اس کی کار کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔" الیاس نے بتایا۔

یہ سنتے ہی سعید اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہو تم......؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

"تم جلدی سے سارہ کے پیچھے جاؤ۔ میں بھی جاتا ہوں۔"

"تم باہر نکلنے کی کوشش مت کرو۔ کہیں ایسا نا ہو کہ میسج کچھ ہو اور نقصان تمہیں پہنچ جائے۔ میں جاتا ہوں۔ یہ بتاؤ وہ کہاں شاپنگ کے لیے گئی ہے؟" الیاس جلدی سے بولا۔

سعید نے جلدی سے اسے سارہ کے پسندیدہ شاپنگ سینٹر کے بارے میں بتایا اور بولا۔ "میں سارہ کو فون کرکے خبردار کردیتا ہوں۔"

"تم اسے کہو کہ وہ شاپنگ سینٹر کے پارکنگ ایریا میں کار کھڑی کرکے اس میں بیٹھی رہے اور الیاس تمہارے پاس آرہا ہے، اسے بھی کچھ خریداری کرنی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ گھبرا جائے اور اس گھبراہٹ میں اس سے ڈرائیونگ کے دوران کچھ غلط ہوجائے۔" الیاس نے کہہ کر

فون بند کر دیا اور وہ تیزی سے باہر نکل کر اپنی کار کی طرف بڑھا۔

سعید نے سارہ کو کال کی لیکن اس کا موبائل فون پرس کے اندر تھا اور اس نے اس کی بیل بند کی ہوئی تھی اس لیے اسے گاڑی چلانے کے دوران پتا ہی نہیں چلا کہ اس کا موبائل فون بج رہا ہے۔ وہ میوزک سنتی ہوئی کار کو مزے سے ڈرائیو کرتی ہوئی اس شاپنگ سینٹر کی طرف جا رہی تھی جو شہر کا سب سے بڑا شاپنگ سینٹر تھا۔

جب سارہ کا فون نہیں ملا تو اس نے ملازم اشرف کو بلا لیا۔ اشرف معصوم سی صورت بنا کر اندر آیا تو سعید نے پوچھا۔

''جب ہم سب میٹنگ ہال سے نکل آئے تھے تو تم نے کسی کو میٹنگ ہال میں جاتے ہوئے دیکھا تھا؟''

''صاحب جی... فواد صاحب آئے تھے۔ وہ پہلے اس آفس میں گئے تھے جو آپ نے ان کے لیے تیار کروایا ہے۔ اس کے بعد وہ میٹنگ ہال میں گئے اور تھوڑی دیر کے بعد باہر نکلے اور چلے گئے تھے۔''

اشرف کے اس انکشاف پر سعید دم بخود رہ گیا۔ جب سعید نے سارہ کے آنے پر میٹنگ ختم کی اور سب کو جانے کا کہا تو وہ آفس آتے ہوئے اپنا موبائل فون میٹنگ ہال میں ہی بھول آیا۔ اسی دوران الیاس کو اس کے موبائل فون سے میسج ہوا تھا۔

''تم سچ کہہ رہے ہو کہ فواد آیا تھا؟'' سعید نے دوبارہ تصدیق کی۔

''میں جھوٹ کیسے بول سکتا ہوں صاحب جی۔'' اشرف کا سعید کے سامنے جاتے ہی سانس خشک ہو جاتا تھا۔ اس کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ جلدی سے اس کے سامنے سے ہٹ جائے۔ وہ سعید کے غصے سے بہت ڈرتا تھا اور سہما رہتا تھا۔

سعید نے اسے جانے کا اشارہ کیا اور اپنے موبائل فون سے فواد کو کال کی۔ جونہی اس سے رابطہ ہوا، اس نے پوچھا۔ ''تم آفس آئے تھے؟''

''جی آیا تھا۔'' فواد نے جواب دیا۔

''کوئی کام تھا..... میٹنگ ہال سے ہو کر ہی چلے گئے..... میرے پاس بھی نہیں آئے۔'' سعید نے کہا۔

''مجھے ذرا جلدی تھی۔'' فواد کا لہجہ خشک تھا۔

''ایسی بھی کیا جلدی تھی۔ میٹنگ ہال میں کیا رہ گیا تھا؟'' سعید نے کریدا۔

''کیا ہم بعد میں بات کر سکتے ہیں؟ میں ایک اہم [illegible] کر رہا ہوں۔'' فواد نے بات ختم کرنی چاہی۔

''کہاں مصروف ہو؟ کیا اہم کام ادھورا ہے؟'' سعید کو یقین ہونے لگا کہ اس میسج کے پیچھے فواد کا ہاتھ ہے اور اب پکڑا گیا ہے۔

''میں جس پروجیکٹ پر کام کر رہا ہوں، اس میں مصروف ہوں۔ میں بعد میں بات کرتا ہوں۔'' فواد نے کہہ کر فون بند کر دیا اور سعید مضطرب سا کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس نے پھر سارہ کا نمبر ملایا لیکن اس نے فون نہیں اٹھایا۔ اس کے بعد اس نے الیاس کا نمبر ملایا۔

☆☆☆

الیاس اپنی کار میں اس جانب رواں دواں تھا جس شاپنگ سینٹر میں سارہ کو خریداری کے لیے جانا تھا۔ وہ شہر کا پوش علاقہ تھا۔ اس پوش علاقے میں وہ شاپنگ مال نہایت وسیع تھا۔ اس کے سامنے اور دائیں بائیں کشادہ سڑکیں تھیں۔

الیاس ابھی کچھ فاصلے پر تھا جب سارہ نے اس شاپنگ سینٹر کی پارکنگ میں اپنی کار کھڑی کی۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکل رہی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر اس کے عقب میں کوئی کھڑا تھا جس نے جیکٹ پہنی ہوئی تھی اور گردن کے اردگرد مفلر اس طرح سے لپیٹا ہوا تھا کہ اس کا چہرہ واضح نہیں تھا۔ اس کے سر پر اونی... ٹوپی تھی۔ اور نگاہیں سارہ پر مرکوز تھیں۔

سارہ ابھی دروازہ بند کر رہی تھی کہ الیاس بھی اس جگہ پہنچ گیا۔ اس کی متلاشی نگاہیں پارکنگ کی طرف تھیں۔ اچانک اس نے دیکھا کہ سارہ کار کا دروازہ بند کر کے دوسری طرف جانے والی ہے کہ اس کے عقب میں کھڑا اجنبی اس کی طرف بڑھا اور اس نے اپنا ہاتھ بلند کیا تو اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔

الیاس اپنی کار سے باہر نکلتے ہوئے چیخا۔

''سارہ......''

اپنا نام سن کر سارہ اسی وقت پلٹی۔ اس اجنبی کا ہاتھ اسی جگہ رک گیا اور اس نے بھی آواز کی سمت دیکھا۔ الیاس تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ اجنبی نے اسی وقت جو اس کے ہاتھ میں تھا کار پر رکھا اور گھوم کر جاتے ہوئے اس نے اس چیز کو کار پر رگڑا اور ایک بڑی واضح لائن اس پر پڑ گئی اور قیمتی گاڑی خراب ہو گئی۔ وہ اجنبی ایسا کر کے ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ الیاس بوڑھا شخص تھا لیکن روز کی ورزش

نے اس کو ایسا رکھا ہوا تھا کہ اس کے لیے بھاگنا کوئی مشکل نہیں تھا۔ وہ بھی اس کے پیچھے بھاگا۔ سارہ سب کچھ متحیر نگاہوں سے دیکھتی رہی۔

اجنبی تیزی سے بھاگ رہا تھا لیکن اس کی ایک ٹانگ شاید ٹھیک نہیں تھی، اس لیے اس سے اس رفتار سے بھاگا نہیں جا رہا تھا جس رفتار سے اسے بھاگنا چاہیے تھا۔ الیاس بھاگتے ہوئے اس کے قریب پہنچ گیا۔ اجنبی کی کوشش تھی کہ وہ تیزی سے دور نکل جائے۔ لیکن دونوں کے درمیان فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔

اجنبی اس کے ہاتھ نہیں لگنا چاہتا تھا۔ اس نے کوشش کی وہ اور تیز بھاگ سکے۔

دونوں کے درمیان فاصلہ اور بھی کم ہو گیا تھا۔ الیاس نے اپنا ایک ہاتھ آگے بڑھایا۔ اس نے چاہا کہ وہ بھاگتے ہوئے اجنبی کو پکڑ لے، بھاگتے ہوئے اجنبی نے ایک نظر گردن گھما کر عقب میں دیکھا اور کم فاصلہ دیکھ کر وہ کچھ گھبرا گیا۔ اس کی سانس پھول چکی تھی۔ اس نے اور زور سے بھاگنا چاہا۔ اچانک اس اجنبی نے بھاگتے ہوئے رخ پیچھے کی طرف کیا اور ایک طرف ہٹ گیا۔ الیاس کیونکہ پوری قوت سے بھاگ رہا تھا اس لیے اجنبی کے ایک طرف ہٹ جانے سے وہ آگے تک بھاگتا چلا گیا، سامنے ایک موٹر سائیکل والا آ گیا اور الیاس اس سے ٹکرا گیا۔

موٹر سائیکل والا لڑکھڑایا اور گرتے گرتے سنبھل گیا اور اس نے موٹر سائیکل سنبھالی اور اپنے راستے پر نکل گیا جبکہ الیاس نیچے گر گیا۔ اس کے جسم پر کئی جگہ چوٹیں آ گئیں۔ اس تکلیف کے باوجود وہ اُٹھا اور اس نے اس جانب دیکھا جس طرف وہ اجنبی تھا لیکن وہاں وہ اجنبی دکھائی نہیں دیا۔ وہ اس جگہ سے نکل چکا تھا۔ الیاس نے دائیں بائیں، آگے پیچھے گھوم کر دیکھا لیکن وہ کہیں دکھائی نہیں دیا۔ اور پھر وہ اس جگہ سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی وہی اجنبی پھر آیا اور الیاس کا ایک طرف پڑا موبائل فون جو اس کی جیب سے گر گیا تھا، وہ اُٹھایا اور اپنی جیب میں ڈال لیا۔

☆☆☆

سارہ کرسی پر بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے الیاس اور سعید کھڑے تھے۔ الیاس کے جسم پر جو چوٹیں آئی تھیں، وہ اتنی گہری نہیں تھیں۔ مناسب علاج کے بعد وہ سارہ کے گھر میں موجود تھا۔ الیاس نے جو دیکھا تھا، وہ اس نے سب کچھ سعید اور سارہ کو بتا دیا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ سارہ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔" سعید سوچتے ہوئے بولا۔ سعید کی بات سن کر سارہ کا خوف اور بھی بڑھ گیا اور اس نے خوف زدہ نگاہوں سے دیکھا۔

"بظاہر تو ایسا ہی تھا۔ جب میں نے آواز دی اور اس نے دیکھا کہ وہ اپنا کام نہیں کر سکتا تو اس نے کار اسٹارٹ کی اور بھاگ کھڑا ہوا۔ میں اسے پکڑ لیتا اگر وہ مجھے بھگانے میں کامیاب نہ ہو جاتا۔" الیاس نے کہا۔ سعید نے ایک نظر گھبرائی ہوئی سارہ کی طرف دیکھا اور الیاس کا بازو پکڑ کر دوسرے کمرے میں لے گیا اور اسے بتایا کہ اس کا بیٹا فواد آیا تھا۔ وہ میٹنگ ہال میں بھی گیا تھا اور اس کا موبائل فون اس جگہ رہ گیا تھا۔ اس سے بے شک واضح ہوتا ہے کہ فواد نے اس کے موبائل فون سے میسج کیا اور چلا گیا۔

الیاس نے ساری بات سننے کے بعد پوچھا۔ "وہ کیا کرنے آیا تھا آفس میں---؟ اور وہ میٹنگ ہال میں کیا کرنے گیا تھا؟ اگر وہ میٹنگ ہال میں گیا تھا تو اسے کسی نے بتایا تھا کہ تمہارا فون اس جگہ پڑا ہے؟ کیا کوئی ایسا ہے جو اس آفس میں موجود ہے اور وہ فواد کو اطلاع دے رہا ہے؟ یا پھر فواد کے کہنے پر اس نے تمہارے آفس سے تمہارے موبائل فون سے اس وقت میسج کیا تھا جب تم ٹوائلٹ میں گئے تھے؟"

الیاس کے سوالات نے سعید کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پھر وہ بولا۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ فواد یہ سب کر رہا ہے؟ مجھے تو ایسا ہی لگ رہا ہے کہ وہی سب کچھ کر رہا ہے۔ کیونکہ میرے بچوں اور بیوی کو میری دوسری شادی قبول نہیں ہے۔"

الیاس نے سوچا۔ "ابھی کچھ کہہ نہیں سکتے..... نظر رکھنی پڑے گی۔"

"میں فواد سے پوچھوں.....؟"

"ابھی تم ایسی کوئی بات نہ کرنا۔ تم آج رات سارہ کے پاس رہو۔ پھر دیکھتے ہیں تمہارے موبائل فون سے کوئی میسج آتا ہے۔ اگر اس گھر سے کوئی میسج نہ آیا تو پھر صاف واضح ہے کہ اس گھر میں فواد ہی ایسا کر رہا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے میں یہیں رک جاتا ہوں۔" سعید نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں چلتا ہوں۔" الیاس نے کہا اور سعید اسے دروازے تک چھوڑنے گیا تو دروازے کے ساتھ لگی سارہ جو اُن کی ساری باتیں سن رہی تھی، پیچھے ہٹ گئی۔

سارہ کچھ دیر سوچتی رہی اور پھر اس نے الماری کھولی، لٹکے ہوئے کپڑوں کے پیچھے ایک پرس تھا۔

گیا اور اندر سے ریوالور نکال کر دیکھا۔ اس کے اندر موجود گولیوں کو چیک کیا اور ریوالور اسی جگہ رکھ کر الماری بند کر دی۔

☆☆☆

الیاس دروازے کا قفل کھول کر اپنے گھر میں داخل ہوا تو وہ لنگڑا رہا تھا۔ وہ ڈاکٹر سے مرہم پٹی تو کرا آیا تھا مگر جسم پر چوٹیں تھیں وہ اسے تکلیف دے رہی تھیں۔ اس نے الماری سے کپڑے لیے اور باتھ روم کی طرف چل دیا۔ اچانک چلتے چلتے قدم رک گئے۔ اس نے کچن کی طرف دیکھا۔ اسے محسوس ہوا جیسے ابھی کوئی کچن کی طرف گیا ہے۔

الیاس اسی جگہ کھڑا کچن کے دروازے کی طرف دیکھتا رہا پھر وہ کچن کی طرف بڑھا۔ اس نے دروازے کے ساتھ ہی لگا بٹن دبایا تو کچن روشن ہو گیا۔ الیاس نے چاروں طرف کچن میں دیکھا۔ کوئی ایسی جگہ نہیں تھی کہ کوئی کچن میں کسی محفوظ جگہ پر چھپ سکتا اس لیے اسے اپنا وہم قرار دے کر ایک بار پھر باتھ روم کی طرف چل پڑا۔

باتھ روم جا کر اس نے منہ ہاتھ دھویا، کپڑے بدلے اور جونہی اس نے باہر نکلنے کے لیے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور اسے گھما کر دروازہ کھولنا چاہا تو چونک گیا۔ دروازہ کھل نہیں رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے باہر سے دروازہ مقفل کر دیا ہو۔ اس نے کئی بار ہینڈل گھمایا، دروازے پر بھی زور آزمائی کی لیکن دروازہ بند تھا۔

الیاس پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے اور بھی کوشش کی، بار بار ہینڈل گھمایا، دروازے پر اپنے کندھے کو بھی مارا لیکن دروازہ ایسے ہی بند تھا جیسے اسے باہر سے مقفل کر دیا ہو۔ باتھ روم میں الیاس پریشان تھا اور اس دروازے کی دوسری طرف کوئی تھا جس نے باہر سے دروازہ مقفل کیا تھا۔

☆☆☆

سعید نے چوکیدار کو ہدایت کی کہ وہ ساری رات جاگ کر ڈیوٹی دے گا۔ چوکیدار اپنی بندوق لے کر چوکس گیٹ سے متصل اپنے کیبن میں بیٹھ گیا۔ سعید نے مین دروازے کو اندر سے مقفل کیا اور اپنے بیڈروم میں داخل ہوا تو اس نے کمرے کے دروازے کو مقفل کرنے کے بعد کھڑکیوں کو بھی اچھی طرح چیک کیا۔ کھڑکیوں کے باہر لوہے کی گرل لگی ہوئی تھی۔ پھر بھی سعید نے اچھی طرح [illegible] کی اور پردے کھڑکیوں کے آگے کر کے [illegible] بند کر دی۔

سعید کا بیڈروم مکمل اندھیرے میں [illegible] نے کھڑکی کے آگے سے ذرا سا پردہ ہٹا کر [illegible] دیکھا۔ چوکیدار اس سردی میں اپنے کیبن [illegible] اس کیبن کی روشنی دروازے کے نیچے [illegible] دکھائی دے رہی تھی۔

سارہ بیڈ پر بیٹھی تھی۔ اسے اس اندھیرے [illegible] بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ بولی۔ "کمرے [illegible] سی روشنی تو کر دیں..... اتنے اندھیرے میں مجھے [illegible] ہے۔"

سعید نے زیرو کا بلب روشن کرنے کے بعد [illegible] "تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں تمہارے ساتھ ہوں۔" حالانکہ سعید خود اندر سے اتنا خوفزدہ تھا کہ وہ اس کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔

"یہ کون ہے جو مجھے مارنا چاہتا تھا؟" سارہ نے پوچھا۔

"سب پتا چل جائے گا۔ تم آرام سے سو جاؤ۔" سعید بیڈ پر لیٹ گیا۔ سارہ نے منہ بنایا اور لیٹ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ سعید کو اپنی چکنی باتوں سے پھسلا کر [illegible] چیک پر کیسے دستخط کرائے؟

دیوار پر لگا کلاک رات کے ڈھائی بجا رہا تھا جب سعید کے موبائل فون پر میسج ٹون بجی۔ سعید کو بڑی مشکل سے نیند آئی تھی ورنہ وہ خوفزدہ سا اس طرح لیٹا تھا جیسے ابھی کوئی کمرے میں آ کر اس پر حملہ کر دے گا۔ جونہی اس کے موبائل فون پر میسج ٹون بجی، اس کی آنکھ ایک دم کھلی اور اس نے فوراً اپنا موبائل فون اٹھایا اور میسج پڑھنا شروع کیا جو الیاس کے نمبر سے تھا، لکھا تھا۔

"اپنے کمرے سے باہر مت نکلنا اور نہ ہی گھر سے باہر جانے کا سوچنا، تم قتل ہو سکتے ہو۔ میرے اگلے میسج تک کسی سے کوئی رابطہ نہ کرنا اور نہ ہی مجھ سے۔"

اس پیغام کو پڑھ کر سعید مزید خوف میں مبتلا ہو گیا۔ اس کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہو گئی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کا جسم اس سردی میں بھی پسینے میں بھیگ گیا ہو۔ اس نے متوحش نگاہوں سے کمرے میں دیکھا اور پھر کھڑکی کے پاس چلا گیا۔ اس نے پردہ تھوڑا سا کھسکا کر باہر دیکھا۔ چوکیدار کے کیبن میں ابھی بھی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ اب وہ جاگ رہا تھا یا سو گیا تھا، اس کا سعید کو علم نہیں تھا۔

گزشتہ ہونے والے دو بجے بعد دیگرے [illegible] نے سعید کو اس قدر خوفزدہ کر دیا تھا کہ وہ مضطرب سا [illegible]

میں ٹہلنے لگا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی اسے مار دے گا۔
اچانک سعید کے دماغ میں یہ سوال ابھرا کہ الیاس کو یہ بات کس نے بتائی ہے؟ اسے کیسے پتا چلا کہ کوئی مجھے قتل کرنا چاہتا ہے؟

سعید کا دل چاہا وہ ابھی الیاس کو فون کر کے معلوم کرے لیکن اس نے اس بات کا ارادہ فی الحال ترک کر دیا کیونکہ الیاس نے لکھا تھا ابھی وہ کسی سے اور اس سے رابطہ نہ کرے۔ سعید کو اس کی ایک ہی وجہ سمجھ آ رہی تھی کہ ممکن ہے الیاس کسی ایسی جگہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ہو جہاں اس کے خلاف سازش ہو رہی ہو۔

سعید کمرے میں ٹہل رہا تھا اور سارہ بے فکر اور گرد سے بے نیاز نیند کے مزے لے رہی تھی۔

رات کے اس پہر جب کمرے میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی، اس کے موبائل فون کی میسج ٹون دوبارہ ہوئی۔ وہ تیزی سے موبائل فون کی طرف بڑھا اور بے چینی سے میسج پڑھا۔ الیاس کے نمبر سے میسج آیا تھا۔

"ہوشیار رہنا تمہاری جان کو شدید خطرہ ہے۔ کسی سے کوئی رابطہ نہ کرنا اور کمرے میں بند رہنا۔ میں بہت بڑی سازش کو جاننے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔"

اس میسج نے سعید کی رہی سہی جان بھی نکال دی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ سانس بھی پھولنے لگی۔ وہ کبھی دائیں تو کبھی بائیں ٹہل رہا تھا۔

ٹہلتے ٹہلتے اس کا پیر بیڈ سے ٹکرایا تو سارہ ایک دم سے اُٹھ بیٹھی۔ اس نے خمار آلود نظروں سے دیکھا اور متحیر ہو کر پوچھا۔ "کیا ہوا..... خیر تو ہے؟"

"کچھ نہیں..... تم سو جاؤ۔" سعید نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک ایسا لگا جیسے اوپر چھت پر کوئی کودا ہو۔ آواز بہت واضح تھی۔ سعید کے ساتھ ساتھ سارہ بھی چونک گئی۔ دونوں نے بیک وقت چھت کی طرف دیکھا۔

"کیا کوئی کودا ہے؟" سارہ نے سرگوشی کی۔

سعید پہلے سے بھی زیادہ ڈر گیا۔ وہ جس جگہ کھڑا تھا اسی جگہ اس کے قدم جم گئے تھے۔ اس کا سر اُٹھا ہوا تھا اور نگاہیں چھت پر مرکوز تھیں۔ پھر انہیں چلنے کی آواز بھی سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی کوئی چیز گری اور پھر ایک دم سے خاموشی چھا گئی۔ ایسا لگتا تھا کہ اوپر چھت پر جو بھی تھا اس سے کوئی چیز چھوٹ کر گری ہو اور وہ اسی جگہ بیٹھ گیا۔

سارہ بیڈ سے اٹھ کر سعید کے پاس آ گئی اور سرگوشی [illegible] "پولیس کو فون کریں۔"

حضرت عمرؓ کا انصاف

حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نشے میں دھت پڑا ہے۔ غصہ آیا۔ ہاتھ میں درہ تھا بے اختیار نشانہ میں ہاتھ بلند ہو گیا۔ شرابی نے چوٹ کھا کر گالیاں دینی شروع کر دیں۔ حضرت عمرؓ کا ہاتھ یک بیک رک گیا۔

آپ وہاں سے چل دیے۔ ایک یہودی دیکھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔

"حضرت یہ آپ کیوں چل دیے، وہ تو شرابی ہے اور گالیاں بھی دے رہا ہے۔"

حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ "اب اگر میں اسے مارتا تو اشتعال میں مارتا اور اشتعال میں انصاف نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جا رہا ہوں۔"

گل نسرین، راولپنڈی

"پولیس کو فون نہیں کرنا۔ الیاس نے مجھے منع کیا ہے۔ وہ ان کے پیچھے ہے۔" سعید نے اوپر کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ کون ہے جو ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ آپ کی کس سے دشمنی ہے؟" سارہ نے فوراً سعید کی طرف دیکھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ تم اطمینان سے لیٹ جاؤ۔" سعید نے اسے ڈرتے ہوئے تسلی دی۔

"میں اطمینان سے کیسے لیٹ سکتی ہوں جبکہ ہمارے گھر کی چھت پر کوئی ہے۔" سارہ نے کہا۔ "آپ چوکیدار کو آواز دیں۔"

"ابھی تم انتظار کرو۔"

"ہم انتظار کرتے رہ جائیں گے اور وہ لوگ چوکیدار کو قابو کر کے ہماری جان لے لیں گے۔" سارہ کہہ کر تیزی سے کھڑکی کی طرف بڑھی اور کھڑکی کا ایک شیشہ سرکا کر بلند آواز سے بولی۔ "چوکیدار..... چوکیدار..... باہر نکلو ہماری چھت پر کوئی ہے۔"

اس کے ساتھ ہی چھت پر کسی کے بھاگنے کی آواز آئی اور پھر خاموشی چھا گئی۔ سعید اور سارہ کچھ دیر کے لیے

کمرے میں ساکت کھڑے رہے۔ جب کوئی آواز نہیں آئی تو سارہ نے ایک بار پھر چوکیدار کے کیبن کی طرف دیکھا۔ اس کا کیبن روشن تھا اور چوکیدار اس کی آواز سن کر بھی باہر نہیں آیا تھا۔

"چوکیدار...... چوکیدار......" سارہ پہلے سے بھی زیادہ اونچی آواز میں بولی۔ اس بار بھی چوکیدار باہر نہیں نکلا۔ سارہ کچھ دیر تک کھڑکی میں کھڑی کیبن کی طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔ "میں جا کر دیکھتی ہوں۔"

"تم باہر مت جانا، کوئی نقصان ہو سکتا ہے۔" سعید نے اسے روکا۔ اس کے چہرے پر خوف مترشح تھا۔

"مجھے کچھ نہیں ہوگا۔" سارہ نے بے پروائی سے کہہ کر الماری کھولی اور اندر سے ریوالور نکال لیا۔ سارہ کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر سعید حیرت زدہ رہ گیا۔ اسے امید... نہیں تھی سارہ کے پاس ریوالور ہوگا۔

"تمہارے پاس یہ کہاں سے آیا؟"

"میں نے بہت پہلے اپنی حفاظت کے لیے رکھا تھا۔ اسے چلانا بھی جانتی ہوں، آپ بے فکر رہیں۔" سارہ نے کہہ کر دروازہ کھولا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔ سعید نے جلدی سے اپنا گاؤن پہنا، اس کی جیب میں موبائل فون رکھا اور اس کے پیچھے ڈرا ایسے چل رہا تھا جیسے اس کے گلے میں بندھی لمبی رسی کا سرا سارہ کے ہاتھ میں ہو۔

سارہ سیڑھیاں اتر کر نیچے گئی۔ لاؤنج کی لائٹ جلائی اور جونہی وہ مین دروازے کا لاک کھولنے لگی سعید نے سرگوشی کی۔

"کہیں کوئی باہر نہ ہو؟"

"بے فکر ہو جائیں۔" سارہ نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور دروازے کی طرف گھومی تو اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ آگئی۔ وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔ "ڈرپوک بوڑھا......"

اس کے ساتھ ہی اس نے دروازے کا لاک کھولا اور باہر نکل گئی۔ اس نے ریوالور سیدھا کیا ہوا تھا اور اس کی نگاہیں دائیں بائیں گھوم رہی تھیں۔ سعید خوف میں مبتلا دروازے میں ہی رک گیا۔ سارہ بے خوف انداز میں کیبن کی طرف جا رہی تھی۔ کیبن کے پاس جاتے ہی اس نے جونہی دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا وہ ایک دم سے چونک کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ سارہ کے اس طرح سے پیچھے ہٹنے سے سعید دروازے میں کھڑا چونک پڑا اور اس پر مزید خوف مسلط ہو گیا۔

سارہ نے دیکھا کہ چوکیدار کو چارپائی کے ساتھ رسیوں سے باندھا ہوا تھا۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسا تھا اور وہ منہ سے آواز نہیں نکال سکتا تھا۔ چوکیدار نے سارہ کے اندر آتے ہی اس کی طرف دیکھا۔

"اِدھر آیئے......" سارہ نے سعید کو آواز دی۔

"کیا ہوا ہے؟" سعید نے اسی جگہ رک کر جاننا چاہا۔

"آ کر خود دیکھ لیں۔" سارہ بولی تو بادلِ ناخواستہ سعید کو کیبن کی طرف جانا پڑا۔ وہ ایسے چل رہا تھا جیسے اس سے چلنا دوبھر ہو اور خوف سے اس کا دل سینے سے باہر نکل آئے گا جب اس نے اپنی آنکھوں سے چوکیدار کو بندھا ہوا دیکھا تو اس کے جسم سے جان ہی نکل گئی۔ اس کا دل ایسے دھڑکنے لگا جیسے کوئی مشین تیزی سے چل رہی ہو۔

"اسے کک...... کس نے باندھا ہے؟" سعید سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ سارہ آگے بڑھ کر چوکیدار کو کھولنے لگی اور اس کے منہ سے کپڑا ابھی باہر نکال دیا۔

"کس نے باندھا ہے تجھے؟" سارہ نے پوچھا۔

"وہ تین تھے...... ایک دم اندر آئے اور مجھے قابو کر لیا اور باندھ دیا۔" چوکیدار نے لرزتے ہوئے بتایا۔

"تم نے اُن کے چہروں کو دیکھا تھا؟" سارہ نے سوال کیا جبکہ سعید متوحش نگاہوں سے باہر ایسے دیکھ رہا تھا جیسے ابھی کوئی آ کر اسے دبوچ لے گا۔

"ان کے چہروں پر نقاب تھے اور وہ میری بندوق بھی ساتھ لے گئے ہیں۔" چوکیدار نے کہا۔

"میرا خیال ہے وہ تینوں چھت پر ہیں۔ ہمیں اُن کے قدموں کی آواز آئی تھی۔" سعید نے ایک بار پھر اوپر کی طرف دیکھا۔

سارہ نے اپنا ریوالور چوکیدار کی طرف بڑھا کر کہا۔ "یہ لو اور پہلے لان اور پودوں کے پیچھے اچھی طرح سے دیکھو وہ باہر کہیں نہ چھپے ہوں۔ اس کے بعد چھت پر بھی جا کر دیکھنا۔"

چوکیدار نے ریوالور لیا اور دلیری سے اُن تینوں کو تلاش کرتا ہوا پہلے لان میں اور پودوں کے پیچھے دیکھا، اور باؤنڈری وال کے ساتھ گھوم کر پھر ان کے پاس آ گیا۔ اس دوران سارہ کیبن کے دروازے پر جبکہ سعید اس کے عقب میں کھڑا رہا تھا۔ اسے بار بار الیاس کا میسج یاد آ رہا تھا جس میں اس نے اسے خبردار کیا تھا، اسے قتل کیا جا سکتا ہے۔ وہ باہر مت نکلے مگر وہ باہر نکل آیا تھا۔ اس بات سے وہ اتنا خوفزدہ ہوا کہ اس کا جسم خوف سے کانپنے لگا۔ اس کی نگاہیں ایک جگہ

رک نہیں رہی تھیں۔ وہ بار بار دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ اور اس کے دل کی دھڑکن بدستور تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔

چوکیدار نے ان کے پاس آ کر بتایا۔ ”باہر کوئی نہیں ہے۔“

”اچھا اب تم اندر جاؤ اور چھت کو اچھی طرح سے دیکھ کر آؤ۔“ سارہ نے حکم دیا۔

چوکیدار بھاگتا ہوا اندر چلا گیا۔ وہ دونوں باہر کھڑے رہے۔ سعید بولا۔ ”الیاس نے مجھے منع کیا تھا میں کمرے سے باہر مت نکلوں ورنہ وہ مجھے جان سے مار سکتے ہیں اور میں کمرے سے باہر نکل کر اس جگہ کھڑا ہوں۔“

سارہ نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔ میرے لیے یہ بڑی حیران کن بات ہے کہ آپ بہت ڈرپوک ہیں۔“

”کوئی ہماری زندگی کو ختم کرنا چاہتا ہو اور ہم کو خوف نہ آئے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟“ سعید نے خفگی سے کہا۔

”بہتر ہے آپ پولیس کو اطلاع کر دیں۔“ سارہ نے مشورہ دیا۔

”میں الیاس کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اُٹھاؤں گا۔“ سعید نے دوٹوک کہہ دیا۔

”آپ اُن کے مشورے کے بغیر کمرے سے تو باہر آ چکے ہیں۔“ سارہ نے ایک نظر سعید کی طرف دیکھا...... پھر... گردن گھما کر زیرِ لب مسکرانے لگی۔ سعید کے پاس اس کی بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

”یہ چوکیدار کب سے ہے آپ کے پاس۔“ سارہ نے پوچھا۔

”میرے سارے ملازم میرے پاس بہت سالوں سے ہیں۔“ سعید نے ایسے جواب دیا جیسے وہ اب بات کرنے کے موڈ میں نہ ہو۔ سارہ کا دھیان دوسری طرف رہا لیکن اس کے چہرے سے لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہی ہے.... اس کی آنکھوں میں کوئی ایسی چمک تھی جو بہت معنی خیز تھی۔

پندرہ، بیس منٹ کے بعد چوکیدار باہر نکلا تو اس نے آتے ہی بتایا۔ ”میں نے اوپر سے لے کر نیچے تک اچھی طرح سے تسلی کر لی ہے، کوئی بھی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے وہ لوگ جا چکے ہیں۔“

”چھت کا دروازہ اچھی طرح سے بند کر دیا ہے؟“ سعید نے سوال کیا۔

”میں نے اچھی طرح سے بند کر دیا ہے۔ آپ بے فکر ہو کر چلے جائیں۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ چوکیدار نے ریوالور سارہ کی طرف بڑھا دیا۔ سارہ نے ریوالور پکڑا اور بولی۔

”جس طرح انہوں نے تمہیں قابو کیا اور باندھ دیا، اس سے صاف ظاہر ہے تم اس وقت یقیناً سو رہے تھے؟“

”جی، وہ بس غنودگی سی ہو گئی تھی۔“ چوکیدار نے ندامت آمیز لہجے میں سر جھکایا۔

”سعید صاحب...... بہتر ہے آپ ایک اور چوکیدار کا انتظام کر لیں۔ ایک رات کو جاگ کر ڈیوٹی دے اور دوسرا دن کو...... جو چوبیس گھنٹے جاگے گا وہ ہماری حفاظت نہیں کر سکے گا۔“ سارہ نے کہا۔

سعید نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”ایسا ہی کر لوں گا۔ تم اندر چلو۔“ سعید کہہ کر چل پڑا۔ اس کے ساتھ سارہ نے بھی قدم اُٹھا دیے۔ اندر جاتے ہی سعید نے مین دروازہ اندر سے اچھی طرح سے بند کر دیا۔ سارہ سیڑھیوں کی طرف بڑھی تو سعید نے روک دیا۔ ”ایسا کرو نیچے والے بیڈروم میں لیٹ جاتے ہیں۔“

”آپ چلیں، میں اوپر سے اپنا موبائل فون لے آؤں۔“

”میرا موبائل فون بھی اوپر ہی ہے، وہ بھی لے آنا۔“ سعید نے ٹی وی لاؤنج کی لائٹس جلا دیں۔ سارہ اوپر جانے لگی۔ اچانک سعید کا ہاتھ اپنے گاؤن کی جیب میں گیا تو وہ فوراً بولا۔ ”میرا موبائل فون میرے پاس ہی ہے۔“

سارہ کمرے سے چلی گئی اور سعید نے جلدی سے کمرے کی کنڈی لگائی اور دروازے کے ساتھ ہی لگ کے کھڑا ہو گیا۔ اس نے سوچا تھا جب سارہ واپس آئے گی تو وہ دروازہ کھول دے گا۔

پانچ منٹ تک سعید اسی طرح کھڑا رہا۔ سارہ واپس نہیں آئی۔ اسی طرح دس منٹ مزید گزر گئے لیکن سارہ واپس نہیں آئی۔ سعید کو تشویش ہونے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا سارہ کہاں رک گئی ہے۔ سعید نے دروازے کی کنڈی بغیر آواز پیدا کیے کھینچی۔۔۔ اور تھوڑا سا دروازے میں رخنہ ڈال کر باہر جھانکا، بالکل سکوت تھا۔ اچانک سعید ڈر کر چونک پڑا۔ کوئی دروازے پر ہاتھ مار رہا تھا۔ اس آواز نے سعید کو بُری طرح سے ڈرا دیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کون ہے جو دروازے پر ہاتھ مار رہا ہے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی کمرے میں بند ہو گیا ہو اور دروازہ کھلوانے کے لیے اندر سے دروازے پر ہاتھ مارا جا رہا

ہو۔

ڈرا، سہما سعید دروازے میں ساکت کھڑا رہا۔ آواز اوپر سے آرہی تھی۔ اچانک اس کے موبائل فون پر میسج ٹون بجی۔ اس نے پہلے دروازہ بند کیا، اور کنڈی لگائی۔ اس کے بعد اس نے موبائل فون دیکھا، الیاس کی طرف سے میسج تھا۔ اس نے لکھا تھا۔

"تمہارے گھر میں کوئی ہے۔ چوکیدار تلاشی کے دوران اسے دیکھ نہیں سکا تھا۔ سارہ کے کمرے کا دروازہ باہر سے لاک کردیا اسے کھلواؤ...... اور تم کمرے سے باہر مت نکلنا ورنہ مارے جاؤ گے۔"

میسج پڑھ کر سعید کے جسم میں رہی سہی جان بھی جیسے نکل گئی ہو۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ سانس تیز ہوگئی۔ وہ ایک دم...... کھڑکی کے پاس گیا اور شیشہ ایک طرف ہٹا کر چلایا۔

"چوکیدار...... چوکیدار......"

چوکیدار بھاگتا ہوا اس کی کھڑکی کے پاس آگیا۔ "جی صاحب جی۔"

"جلدی سے اوپر جاؤ، سارہ کے بیڈروم کا دروازہ باہر سے لاک کردیا گیا ہے۔ اس گھر کے اندر کوئی ہے۔"

"میں ابھی جاتا ہوں۔" چوکیدار کہہ کر مین دروازے کی طرف بھاگا لیکن وہ دروازہ اندر سے مقفل تھا۔ وہ بھاگتا ہوا پھر کھڑکی کے پاس آیا۔ "صاحب جی دروازہ اندر سے بند ہے...... اسے کھولیے۔"

یہ سن کر سعید شش و پنج میں مبتلا ہوگیا، وہ کیا کرے۔ مین دروازہ کھولنا نہیں چاہتا تھا مگر اوپر سارہ کی جان کو خطرہ ہوسکتا تھا اور اگر وہ باہر جاتا ہے تو شاید وہ مارا جائے۔

"صاحب جی دروازہ کھولیں۔" چوکیدار نے اپنا ہاتھ کھڑکی پر لگی مضبوط لوہے کی گرل پر رکھ کر کہا۔

سعید چونکا۔ وہ فیصلہ نہیں کر پارہا تھا۔ خوف اور ڈر نے اس کے پیر باندھ دیے تھے۔ اسی تذبذب میں بار بار چوکیدار کے مجبور کرنے پر سعید طوعاً و کرہاً دروازے کی طرف بڑھا اور اس نے کنڈی نیچے کی، اچھی طرح سے باہر جھانکا۔ اوپر کمرے سے مسلسل دروازے پر ہاتھ مارے جارہے تھے۔ سعید بھاگتا ہوا دروازے کی طرف گیا۔ اس نے مقفل دروازہ کھولا اور چلایا۔

"چوکیدار...... اندر آجاؤ......"

سعید اتنا کہہ کر پھر اپنے کمرے کی طرف بھاگا اور اندر جاتے ہی اس نے دروازہ بند کردیا۔ اس کی دانست میں تھا کہ چوکیدار اندر آگیا ہوگا۔ تھوڑی دیر گزری، پھر وہ کھڑکی کے پاس گیا اور اس نے باہر جھانکا [illegible] سے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی خیرہ نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ چوکیدار زمین پر اوندھے منہ پڑا تھا۔ جیسے کسی نے اس کے سر پر کوئی چیز مار کر بے ہوش کردیا ہو۔

سعید کا جسم خوف سے کانپ رہا تھا۔ اس نے اپنا موبائل فون نکالا اور الیاس کا نمبر ملانے کے بعد کال اٹینڈ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ جیسے جیسے گھنٹی بجتی جارہی تھی سعید کی بے چینی بڑھتی جارہی تھی۔

بیل جاتی بند ہوگئی تو اس نے پھر کال کی۔ ایک بار پھر بیل جانے لگی۔ سعید کے جسم میں کرنٹ دوڑ رہا تھا۔ اس کے قدم زمین پر ٹک نہیں رہے تھے۔ بیل جاتی پھر بند ہوگئی اور ایک دم اس کے کمرے کا دروازہ اس زور سے بجا کہ سعید نے نہ...... صرف پلٹ کر خوف زدہ نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھا بلکہ اس کا پورا جسم کانپ کر رہ گیا۔ زندگی میں ہر ایک کو حقیر جاننے والا سعید جو دولت کے زعم میں کسی کو بھی ٹھوکر مار دیتا تھا اور بے عزتی کرکے دوسرے کا جسم چھلنی کردیتا تھا...... وہ اس وقت خوف و دہشت کی تصویر بنا ہوا تھا۔

دروازہ پھر بجا اور ساتھ ہی سارہ کی آواز آئی۔ "سعید...... دروازہ کھولیں...... میں ہوں......"

سارہ کی آواز سنتے ہی وہ دروازے کی طرف بڑھا اور اس نے چٹخنی نیچے کی۔ دروازہ کھولا تو سامنے سارہ کھڑی تھی۔ وہ جلدی سے اندر آئی اور سعید نے پھر دروازہ مقفل کردیا۔

"دروازہ کس نے بند کیا تھا؟ میں اتنا دروازہ بجا رہی تھی اور کوئی کھولنے ہی نہیں آیا۔"

"پھر دروازہ کیسے کھلا...... چوکیدار نے کھولا؟"

"میں نے دروازے کا ہینڈل گھمایا تو دروازہ کھل گیا۔" سارہ نے بتایا۔

جواب سن کر سعید تیزی سے کھڑکی کے پاس گیا۔ اس نے باہر دیکھا تو چوکیدار ابھی تک اوندھا پڑا تھا۔ سعید نے سارہ کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ سارہ نے دیکھا کہ چوکیدار اوندھا پڑا ہے تو وہ حیرانی سے بولی۔ "اسے کیا ہوا ہے۔"

"اس گھر میں کوئی ہے۔ اسی نے کمرے کا [illegible]...... بند کیا تھا اور اسی نے کھولا ہوگا۔ میری جان کو خطرہ ہے۔ مجھے لگتا ہے...... مجھے مار دیا جائے گا۔" سعید نے [illegible]

بتایا۔

"مجھے ایک بات بتائیں۔ کون ہے جو آپ کو مارنا چاہتا ہے؟" سارہ نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے اور مجھے کیوں مارنا چاہتا ہے۔" سعید نے ناچاری سے کہا۔

"آپ کی کسی سے دشمنی تھی؟"

"میری کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میں ایک کاروباری آدمی ہوں۔ میں نے صرف کاروبار کیا ہے۔ کسی سے دشمنی نہیں کی۔" سعید خود بھی حیران تھا کہ کون ہے جو اس کی جان کا دشمن ہے۔ اس کا شک اپنے بچوں اور پچھلی بیوی کی طرف بھی جا رہا تھا کہ وہی ایسا کر رہے ہیں لیکن وہ ان کی بات فی الحال سارہ سے نہیں کر سکتا تھا۔

سارہ نے کچھ دیر سوچا اور بولی۔ "آپ پولیس کو فون کریں۔"

"میں الیاس کو پھر فون کرتا ہوں۔" سعید نے اپنا موبائل فون نکالا۔

"الیاس صاحب کیا کریں گے؟ آپ پولیس کو فون کریں۔" سارہ جلدی سے بولی۔

"الیاس میرا دوست ہے اور اس نے مجھے میسج کر کے بتایا تھا کہ وہ ان لوگوں تک پہنچ چکا ہے جو مجھے مارنا چاہتے ہیں۔ وہ اس سارے معاملے کو ہینڈل کر رہا ہے۔ وہ بہتر بتائے گا ہمیں کیا کرنا چاہیے۔" سعید نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ اس کے موبائل فون پر ایک نمبر دکھائی دینے لگا اور موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

رات کے اس پہر اپنے موبائل فون کی اسکرین پر ایک اجنبی نمبر دیکھ کر سعید پہلے تو اسے دیکھتا رہا اور پھر اس نے ڈرتے ہوئے فون آن کر کے کان کو لگا کر آہستہ سے کہا۔ "ہیلو......"

"میں الیاس بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے الیاس کی آواز آئی۔

"شکر ہے مجھے تمہاری آواز سنائی دی۔ میں کب سے تمہیں کال کر رہا تھا۔ ہم بہت مشکل میں ہیں۔" سعید نے کہا۔

"کیا ہوا ہے۔ سب ٹھیک تو ہے؟" الیاس نے فوراً دریافت کیا۔

"ہمارے گھر میں کوئی ہے۔ تم پولیس کو بلا کر یا کچھ بھی کرو۔ ہم ایک کمرے میں بند ہیں اور میرے چوکیدار کو بھی انہوں نے بے ہوش کر دیا ہے۔" سعید نے بتایا۔

"اوہ...... وہ اتنا آگے تک پہنچ گئے ہیں۔" الیاس کو حیرت ہوئی۔

"تم نے مجھے میسج کیا تھا کہ میں گھر کے اندر بند رہوں ورنہ وہ مجھے جان سے مار دے گا اور......"

الیاس نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں نے تم کو کوئی میسج نہیں کیا تھا۔ جب میں اس آدمی کو بھاگ کر پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا تو میرا موبائل فون کہیں گر گیا تھا۔ مجھے اس بات کا پتا نہیں چلا تھا۔ میں واپس گھر آیا اور فریش ہونے کے لیے باتھ روم میں گیا تو کسی نے باہر سے دروازہ بند کر دیا۔ میں کئی گھنٹوں سے باتھ روم میں بند تھا اور ابھی کچھ دیر پہلے اچانک دروازہ کھل گیا۔ اپنا دوسرا موبائل فون نکالا اور تمہیں کال کر رہا ہوں۔"

"تم باتھ روم میں بند تھے اور تمہارے موبائل فون سے مجھے میسج آ رہے تھے۔" سعید کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

"تم میرا انتظار کرو میں ابھی آ رہا ہوں۔" الیاس نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ الیاس کی باتوں نے سعید کو اور بھی خوفزدہ کر دیا تھا۔

☆☆☆

سعید کی پُرسکون زندگی میں بے سکونی کا طوفان برپا ہو گیا تھا۔ بے خوف لمحات ڈر کے کانٹوں سے لبریز ہو گئے تھے۔ وہ سارہ کے ساتھ اپنے بیڈروم میں قید ہلکی سی آہٹ سے بھی چونک جاتا تھا۔ اس نے کئی بار کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر جھانک کر دیکھا تھا۔ چوکیدار ابھی تک اسی حالت میں بے ہوش پڑا تھا۔ سعید کو لگ رہا تھا جیسے انہوں نے چوکیدار کو جان سے مار دیا ہو۔

سارہ ایک طرف بیٹھی سوچ رہی تھی کہ وہ سعید سے شادی کر کے کس مصیبت میں پھنس گئی ہے۔ جانے اس کے ساتھ ایسا کیا مسئلہ تھا کہ کوئی گمنام موت کا خطرہ اس کے سر پر منڈلا رہا تھا۔ ممکن تھا کہ وہ سعید کے ساتھ ساتھ اسے بھی جان سے مار دیں اور جس مقصد کے لیے اس نے بوڑھے سعید سے شادی کی تھی، وہ مقصد پورا ہی نہ ہو۔

دونوں کو الیاس کا انتظار تھا۔ انتظار کے لمحات طویل ہوتے جا رہے تھے۔ الیاس اسی وقت اس کے گھر کی طرف چل دیا تھا۔ جب وہ اس کے گیٹ کے پاس پہنچا اور گاڑی سے نکل کر اس نے ڈور بیل بجائی تو سعید کے ساتھ ساتھ سارہ بھی چونک گئی۔

"میرا خیال ہے الیاس آ گیا ہے۔" سعید نے

سرگوشی کی۔

”جا کر دروازہ کھولیں۔“ سارہ نے کہا۔

سارہ کی بات سن کر سعید نے اس کی طرف ایسے دیکھا جیسے وہ اسے کہہ رہی ہو کہ وہ کمرے سے باہر نہیں نکل سکتا ہے۔ سارہ شاید سمجھ گئی تھی اس نے کہا۔ ”سعید ہمت کریں۔ اگر آپ نہیں جا سکتے تو میں چلی جاتی ہوں۔ گیٹ تو کھولنا ہی ہے۔“

”تمہاری بات ٹھیک ہے۔ مگر باہر خطرہ ہے۔ اس گھر میں کوئی ہے۔“ سعید بولا۔

”پھر گیٹ کون کھولے گا۔ الیاس بھائی آپ کے لیے رات کے اس وقت آئے ہیں۔“ سارہ نے کہا۔ اس دوران پھر بیل ہوئی۔ سعید کمرے سے باہر نکلنے کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھا۔ وہ اُٹھ کر کھڑکی کے پاس گیا اور باہر دیکھا تو اس وقت چوکیدار زمین پر بیٹھا اپنا سر سہلا رہا تھا۔ اسے زندہ دیکھ کر سعید کی جان میں جان آگئی۔

”چوکیدار......“ سعید نے اسے آہستہ سے پکارا تو وہ فوراً اس کی طرف متوجہ ہو گیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

”تمہیں کس نے بے ہوش کیا تھا؟“

”معلوم نہیں صاحب، کسی نے پیچھے سے حملہ کیا تھا اور میں بے ہوش ہو گیا۔“ اس نے بتایا۔

”تم نے پورے گھر کی تلاشی ٹھیک سے لی تھی؟“ سعید نے پوچھا۔

”میں نے ٹھیک سے تلاشی لی تھی۔ مجھے کوئی بھی نظر نہیں آیا تھا۔ میں نے ایک ایک کونا دیکھا تھا۔“ چوکیدار نے بتایا تو اس بار تیز بیل ہوئی۔

”دیکھو...... الیاس ہو گا۔ اسے اندر لے کر آؤ۔“ سعید نے کہا تو چوکیدار بھاگتا ہوا گیٹ کے پاس چلا گیا۔ اس نے پہلے گیٹ سے آنکھ لگا کر باہر دیکھا اور پھر گیٹ کھول دیا۔ الیاس اندر آ گیا۔

وہ سیدھا مین دروازے سے اندر چلا گیا۔ اس کے قدم سیڑھیوں کی طرف بڑھے تو...... چوکیدار بولا۔ ”وہ اس کمرے میں ہیں۔“

الیاس اس کمرے کی طرف بڑھا اور دروازہ بجا کر بولا۔ ”دروازہ کھولو میں ہوں الیاس......“

سعید نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ باہر نکلتے ہی سعید نے الیاس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ”جلدی سے اس جگہ سے نکلو...... اس گھر میں کوئی ہے اور مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔“

”ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم گھر کی پھر سے تلاشی لیتے ہیں۔“ الیاس نے کہا۔

”تلاشی چوکیدار بھی لے چکا تھا۔ ایک بات سمجھ لو الیاس...... وہ ایک سے زیادہ ہیں۔ اس گھر میں بھی ہیں اور تمہارے گھر میں بھی...... تمہیں باتھ روم میں بند کیا اور شاید مجھے جان سے مارنے کی کوشش یہاں ہونے لگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سب جانتے ہیں۔ تم میری مدد کر رہے ہو اور ان کی ہم دونوں پر نگاہ ہے۔ وہ جو بھی ہیں شاطر اور باخبر ہیں اور میرے لیے یہ بڑی حیران کن بات ہے کہ وہ مجھے مارنا کیوں چاہتے ہیں اس لیے بہتر ہے ہم اس جگہ سے چلیں......“

”ہم کہاں جائیں گے؟ کیا تم سارہ کو اپنے اس گھر میں لے جاؤ گے۔“ الیاس نے پوچھا۔ سعید سوچنے لگا تو الیاس نے پھر کہا۔ ”بہتر ہے یہیں رہو...... میرا ایک دوست ہے پولیس انسپکٹر میں اسے فون کرتا ہوں۔“ الیاس نے کہہ کر فون نکال لیا۔

☆☆☆

صبح کی روشنی ابھی پوری طرح سے پھیلی نہیں تھی جب ایک گاڑی سعید کے گھر کے سامنے رکی۔ اندر سے کچھ پولیس والے باہر نکلے اور چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔ وہ سب پولیس والے سادہ کپڑوں میں تھے۔ الیاس نے اپنے دوست سے استدعا کی تھی کہ وہ پولیس کے آدمیوں کو اسی طرح بھیجے تاکہ اس علاقے میں رہنے والے لوگوں کو کسی چیز کا شک نہ پڑے۔

پولیس والے چار افراد تھے۔ انہوں نے گھر کا ایک ایک کونا اچھی طرح سے چھان لیا اور انہیں نہ تو کوئی آدمی ملا اور نہ کوئی ایسا ثبوت ملا کہ جس سے یہ ظاہر ہو اس گھر میں کوئی موجود تھا۔ کسی دروازے پر ایسی انگلیوں کے نشان بھی موجود نہیں تھے جو اس گھر والوں کے علاوہ کسی اور کے ہوں۔

ایک حیران کن بات یہ بھی تھی کہ چھت پر ایسا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں تھا جس سے کوئی اس چھت پر آ سکے اور آسانی سے اس راستے سے فرار بھی ہو سکے۔ جب پوری تسلی ہو گئی تو الیاس اور سعید نے ایک دوسرے کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ سارہ ایک طرف کھڑی ہر چیز کا جائزہ لیتی رہی۔

جب پولیس والے فارغ ہو گئے تو انہوں نے چوکیدار کو بلایا اور اس سے سوالات کرنے شروع کر دیے۔ اس سے جو سوالات کیے اور جو چوکیدار نے جواب دیے

اس سے بھی کچھ ایسا ثابت نہیں ہوا جس کی مدد سے پولیس آگے بڑھ سکتی۔

تھوڑی دیر کے بعد پولیس جس طرح سے آئی تھی اسی طرح سے چلی گئی۔ چوکیدار نے اچھی طرح سے گیٹ بند کیا اور گیٹ کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ وہ تینوں ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔

''معاملہ بہت عجیب ہے۔ کوئی ایسا ہے جو ہم سب کے قریب ہے اور وہ جانتا ہے ہم کیا کر رہے ہیں۔'' الیاس سوچتے ہوئے بولا۔ اس کے اندر کا خوف ابھی معدوم نہیں ہوا تھا۔

سعید نے ایک نظر سارہ کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''کون ہو سکتا ہے؟''

''میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔'' الیاس کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن وہ کھل کر بات نہیں کر پا رہا تھا۔ سعید نے سارہ سے کہا۔

''سارہ تم چائے بناؤ...... میرے سر میں درد ہے اور ساری رات نہ سونے کی وجہ سے جسم میں تھکاوٹ سی بھی ہے۔''

سارہ اثبات میں سر ہلا کر اُٹھ تو گئی مگر وہ بادلِ ناخواستہ اُٹھی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی دونوں کوئی ایسی بات کرنا چاہتے ہیں جو وہ اس کی موجودگی میں نہیں کر سکتے۔ اس کے جانے کے بعد الیاس نے آہستہ سے بات کی۔

''ایک ہی شخص ہے۔ جو ہم سب کے قریب ہے اور ہم سب کے بارے میں جانتا ہے۔''

''کون ہے؟'' سعید نے جلدی سے پوچھا۔

''مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ فواد ہے۔ تمہارا یہ بیٹا سب سے زیادہ ضدی اور ہٹ دھرم ہے۔ میرا خیال ہے تمہاری دوسری شادی کو سب سے زیادہ اسی نے نامنظور کیا ہے اور وہی یہ سب کر رہا ہے۔'' الیاس نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''میرا شک بھی اسی پر ہے۔ کیونکہ اس کے سوا اور کوئی ایسا نہیں کر سکتا۔ میرے گھر سے میرے موبائل فون سے اس کے علاوہ کوئی میسج نہیں کر سکتا۔'' سعید نے بھی اس کی بات سے اتفاق کیا۔ ''اب کیا کروں؟ فواد سے پوچھ گچھ کروں؟''

''اس سے کوئی بات کرو گے تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ میں اپنے دوست انسپکٹر سے کہہ کر ایک پولیس والا اس کی نگرانی پر لگا دوں۔ وہ اس پر نظر رکھے...... وہ کیا کر رہا ہے کہاں جا رہا ہے۔'' الیاس نے کہا۔

''یہ بات ٹھیک ہے۔ جب ثبوت ہوگا تو بات کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔''

''پھر بھی تم محتاط رہنا۔ اپنی باتوں سے اپنے گھر والوں پر یہ ظاہر نہ ہونے دینا کہ تم کو فواد پر شک ہے۔''

''میں محتاط رہوں گا۔'' سعید بولا۔

اسی وقت دروازہ کھلا اور ٹرے میں چائے اور کچھ کھانے کا سامان رکھ کر سارہ اندر آ گئی۔

''تم نے خوامخواہ بھابی کو تکلیف دی۔ تمہارا چوکیدار اچھی چائے بنا لیتا ہے۔ تم اس کو کہہ دیتے۔'' الیاس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سعید اس کی بات پر مسکرا دیا۔ پھر اس نے کہا۔ ''تمہارا موبائل فون گر گیا ہے۔ تم اپنی سم تو بند کرا دو۔''

''ابھی میں اپنی سم بند نہیں کراؤں گا۔ میں ابھی کچھ انتظار کروں گا۔'' الیاس نے معنی خیز لہجے میں سر ہلایا تو سارہ نے عجیب سی نظر کے ساتھ الیاس کو دیکھا اور چائے کے گھونٹ لینے لگی۔

☆☆☆

چوکیدار کو اچھی طرح سے ہدایت اور سارہ کو تاکید کرنے کے بعد کہ وہ گیٹ سے باہر قدم نہیں رکھے گی۔ سعید اور الیاس ایک ہی گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد سارہ نے غصے سے کمرے کا دروازہ بند کیا اور بڑبڑا کر ایک طرف بیٹھ گئی۔ ''میں کس مصیبت میں پھنس گئی ہوں...... میں نے ایسا نہیں سوچا تھا جیسا ہو رہا ہے۔''

سعید اور الیاس کار میں بیٹھ کر چلے گئے۔ سعید نے دفتر جانے سے پہلے تھوڑی دیر کے لیے اپنے پہلے گھر کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو الیاس نے اس شرط پر جانے کی اجازت دے دی کہ وہ ابھی فواد یا کسی اور سے کوئی ایسی بات نہیں کرے گا۔

ان کی کار گیٹ کے پاس رکی تو ہارن بجتے ہی چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔ کار اندر گئی اور دونوں ایک ساتھ باہر نکلے تو چوکیدار بھاگتا ہوا ان کے پاس آ گیا۔

''صاحب جی... بی بی جی کا آپ کے لیے پیغام ہے۔''

سعید نے چوکیدار کی طرف ایسے دیکھا جیسے اس کی طرف دیکھنا اس کی توہین ہو۔ ذہنی طور پر پریشان اور الجھن میں مبتلا رہنے کے باوجود اس کے اندر کا زعم اسی طرح تھا۔

''اس کے پاس جا رہا ہوں۔'' اس کے منہ سے نکلا۔

کا۔ تم اپنا کام کرو اور گیٹ کے پاس جا کر بیٹھ جاؤ۔''
چوکیدار نے گردن جھکالی اور ڈرتے ہوئے بولا۔
''صاحب جی گھر میں کوئی نہیں ہے۔''
''کوئی نہیں ہے؟ کہاں گئے ہیں؟'' سعید چونکا۔
''وہ رات ہی اسلام آباد کے لیے نکل گئے تھے۔ فواد صاحب کے دوست کی شادی ہے۔ بیگم صاحب نے مجھے کہا تھا کہ میں آپ کو بتا دوں وہ چھ، سات دنوں کے بعد آئیں گے۔'' چوکیدار کو ڈر بھی تھا کہ کہیں سعید ان کا غصہ اس پر نہ نکال دے۔

چوکیدار کی بات سن کر سعید اور الیاس نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اندر...... کی جانب بڑھ گئے۔

چوکیدار پھر بھاگتا ہوا ان کے پاس آیا اور ڈرتے ہوئے بولا۔ ''صاحب جی...... تھوڑی دیر پہلے ایک آدمی آیا تھا وہ ایک پارسل دے گیا تھا...... اس نے کہا تھا میں وہ پارسل آپ کو دے دوں۔ میں نے اندر رکھ دیا ہے۔''

ایک بار پھر سعید اور الیاس نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور الیاس نے چوکیدار سے پوچھا۔ ''وہ کوئی کوریئر والا تھا؟''

''نہیں جی کوئی موٹر سائیکل پر آیا تھا۔ شلوار قمیص پہنی تھی۔ اس نے کہا تھا آپ نے منگوایا ہے۔''
''تم نے پہلے بھی اسے دیکھا تھا؟''
''نہیں جی میں نے پہلی بار ہی اسے دیکھا تھا۔'' چوکیدار نے کہا۔
''اس نے کچھ اور بھی کہا تھا؟'' الیاس نے اگلا سوال کیا۔
''بس اتنا ہی کہا تھا۔'' چوکیدار کی کوشش تھی سوال و جواب کا سلسلہ ختم ہو اور وہ بھاگ کر گیٹ کے پاس چلا جائے۔ اس کے بعد الیاس نے کوئی سوال نہیں کیا اور دونوں اندر چلے گئے۔

ٹی وی لاؤنج میں وہ پارسل ایک طرف رکھا ہوا تھا۔ دونوں نے اس پارسل کی طرف غور سے دیکھا۔

پارسل چمک دار کاغذ سے لپٹا ہوا تھا۔ سعید نے پارسل کو چاروں طرف سے دیکھا اور پھر ایک طرف سے کھولنا شروع کیا۔ چمکدار کاغذ الگ کرنے کے بعد اس نے ڈبے کا ڈھکن اٹھایا تو وہ بری طرح سے ڈر کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور وہ خوف میں نہا گیا۔ ڈبے کے اندر دائیں بائیں روئی کاٹ کر رکھی ہوئی تھی۔ اور عین درمیان بڑے اور چوڑے پھل کا خنجر رکھا تھا جس پر واضح حروف میں لکھا تھا۔

''تم کیسے مرنا پسند کرو گے...... سعید''

سعید کی زندگی خوف اور ڈر میں معلق ہو کر رہ گئی۔ اس کی خوفزدہ نظریں اس خنجر پر لکھی تحریر پر مرکوز تھیں اور جسم خوف سے کانپ رہا تھا۔ الیاس بھی ایک لمحے کے لیے کانپ کر رہ گیا۔ سعید نے ڈر کے مارے غیر ارادی طور پر الیاس کا بازو پکڑ لیا۔

الیاس نے خنجر کو اچھی طرح سے دیکھنے کے بعد اسے ڈبے میں ڈھکن رکھ کر اسے بند کر دیا۔

''کک...... کون ہے جو مجھے مارنا چاہتا ہے... کون ہے......؟'' سعید سے بات کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

''تم حوصلہ رکھو...... کچھ نہیں ہوگا۔'' الیاس نے اسے حوصلہ دینے کی کوشش کی۔

''تم کہتے ہو کچھ نہیں ہوگا اور مجھے اتنی بڑی دھمکی مل گئی ہے۔ میرے ساتھ اتنا کچھ ہو رہا ہے۔ کوئی میرے قریب پڑا موبائل فون استعمال کرتا ہے اور مجھے پتا بھی نہیں چلتا۔ مجھے جان سے مارنے والا میرے اتنے قریب ہے اب تو مجھے ایسا محسوس ہونے لگا ہے جیسے میرے قاتل کی سانسیں میری گردن سے ٹکرا رہی ہوں......'' سعید خوفزدہ آواز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''مجھے کچھ ہو جائے گا۔ میرا دل...... بہت تیزی سے دھڑک رہا ہے۔'' سعید نے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا۔

''تم گھبراؤ نہیں اور یہاں بیٹھ جاؤ۔'' الیاس نے اسے سہارا دیا اور صوفے پر بٹھا دیا۔

''الیاس...... تم پولیس کو اطلاع کر دو۔ وہ... جو کوئی بھی ہے، مجھے جان سے مار کر ہی رہے گا۔'' سعید نے کہا۔

''مجھے سوچنے دو کہ کیا کرنا ہے۔ شگفتہ بھابی اور بچے شہر سے باہر چلے گئے ہیں...... یہ گھر بالکل خالی ہو گیا ہے۔ اس گھر میں صرف سارہ رہ رہی ہے۔ وہ بھی اکیلی ہے۔ ہم اس گھر میں چلے جائیں یا اسے بھی یہاں بلا لیں۔'' الیاس سوچتے ہوئے بولا۔

''اس کا اس گھر میں آنا ٹھیک نہیں ہے۔ ایسا کرتے ہیں سارہ کے پاس چلتے ہیں۔ لیکن اگر کسی نے راستے میں مجھے اپنی گولی کا نشانہ بنا دیا تو......؟'' سعید کا خوف اور بھی بڑھ گیا۔

''کچھ بھی نہیں ہوگا۔ تم ایسا مت سوچو۔ میں تم کو اس گھر تک لے جاتا ہوں۔ اس گھر میں جا کر سوچتے ہیں کیا کرنا ہے۔'' الیاس کو بھی یہی مناسب لگا کہ وہ اس گھر سے

چلے جائیں۔

"تم پولیس کو بلالو۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ کچھ بھی ہو جائے گا الیاس..... تم پولیس کو بلالو۔" سعید بری طرح سے ڈرا ہوا تھا۔

"دیکھو ہمارا شک فواد پر ہے۔ تمہارا موبائل فون استعمال ہوا ہے اور وہ وہی کرسکتا ہے جو تمہارے اردگرد اور قریب ہے..... میں نہیں چاہتا پولیس تفتیش کرتی ہوئی فواد تک جا پہنچے اور بدنامی ہو..... اس لیے میں چاہتا ہوں کہ میں حقیقت کو جان جاؤں۔ اگر ہمارا شک صحیح ہے تو ہم اس کا سدِباب خود کرلیں۔ اور گھر کا معاملہ گھر میں ہی حل ہو جائے۔"

"کیا یہ میری بدنصیبی نہیں ہے میری اولاد دوسری شادی کرنے کی وجہ سے باپ کو جان سے مارنے کی کوشش کر رہی ہے۔" سعید کرب سے بولا۔

"ایسا بھی ممکن ہے، دھمکی تم کو مل رہی ہے اور جان سارہ کی چلی جائے۔" الیاس کی بات نے سعید کے جسم میں سراسیمگی دوڑا دی۔

سعید جلدی سے بولا۔ "سارہ کے پاس چلو..... جلدی چلو۔"

"تم بہت زیادہ ڈر گئے ہو۔ میں نے زندگی میں کبھی تم کو اتنا خوف زدہ نہیں دیکھا۔ تمہیں دیکھ کر لگتا نہیں ہے تم وہی سعید ہو..... کتنا بدل گئے ہو تم۔" الیاس اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا اور اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ وہی سعید ہے جس کی گردن ہر وقت غرور سے اکڑی رہتی تھی اور وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اب وہ کسی بچے کی طرح اس کے ساتھ چمٹا ہوا تھا۔

"تم ہمت رکھو اتنے کمزور مت پڑو۔" الیاس نے اسے سیدھا کھڑا کیا اور چوکیدار کو آواز دے کر اندر بلا لیا۔ چوکیدار بھاگتا ہوا ان کے سامنے آکھڑا ہوا..... الیاس نے اسے حکم دیا۔ "ہم جا رہے ہیں اور شاید ایک دو دن یہاں نہ آئیں۔ تم گھر کا اچھی طرح سے خیال رکھنا۔ گیٹ بند رکھنا اور کوئی گھر سے باہر اور باہر سے اندر نہ آئے۔ اگر کوئی ایسا پارسل پھر سے آئے تو تم مجھے فوراً اطلاع کرنا۔ تمہارے پاس موبائل فون ہے؟"

"جی ہے۔" چوکیدار نے ایک چھوٹا سا سستا موبائل فون نکالا اور دکھا کر واپس جیب میں رکھ لیا۔

الیاس نے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکال کر اس پر اپنا نمبر لکھا اور اس کو دیتے ہوئے بولا۔ "کوئی بھی بات

کیا آپ
لبوب مقوی اعصاب
کے فوائد سے واقف ہیں؟

کھوئی ہوئی توانائی بحال کرنے۔ اعصابی کمزوری دور کرنے۔ ندامت سے نجات۔ مردانہ طاقت حاصل کرنے کیلئے۔ کستوری، عنبر، زعفران جیسے قیمتی اجزاء سے تیار ہونے والی بے پناہ اعصابی قوت دینے والی لبوب مقوی اعصاب۔ یعنی ایک انتہائی خاص مرکب خدارا۔۔۔ ایک بار آزما کر تو دیکھیں۔ اگر آپ کی ابھی شادی نہیں ہوئی تو فوری طور پر لبوب مقوی اعصاب استعمال کریں۔ اور اگر آپ شادی شدہ ہیں تو اپنی زندگی کا لطف دوبالا کرنے یعنی ازدواجی تعلقات میں کامیابی حاصل کرنے اور خاص لمحات کو خوشگوار بنانے کیلئے۔ اعصابی قوت دینے والی لبوب مقوی اعصاب۔ آج ہی صرف ٹیلیفون کرکے بذریعہ ڈاک VP وی پی منگوالیں۔

المسلم دارالحکمت (رجسٹرڈ)

(دیسی طبی یونانی دواخانہ)

ضلع وشہر حافظ آباد پاکستان

0300-6526061

0301-6690383

فون صبح 10 بجے سے رات 8 بجے تک کریں

ہو... فوراً مجھے کال کرنا۔"

"جی بہتر۔" چوکیدار نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

الیاس نے وہ پارسل اٹھایا اور سعید کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر لے گیا۔ ابھی وہ گیٹ کے پاس نہیں پہنچے تھے کہ سعید نے سرگوشی کی۔

"الیاس.... بہتر ہے تم پولیس بلا لو، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔"

"تم فکر نہیں کرو۔ تم کو کچھ نہیں ہوگا۔" الیاس نے ایک بار پھر اس کو تسلی دی۔ سعید کو گاڑی میں بٹھایا اور گاڑی بیک کر کے گھر سے باہر نکالی تو سعید ایسے دائیں بائیں اور سامنے دیکھنے لگا جیسے کوئی اس کی تاک میں بیٹھا ہو اور اسے ابھی دیکھتے ہی گولی مار دے گا۔

چوکیدار نے گیٹ بند کر کے اندر سے تالا لگا دیا۔

الیاس نے کار آگے بڑھا دی اور کالونی سے باہر نکلتے ہی اس نے کار کی رفتار بڑھا دی۔

سارہ کے گھر پہنچ کے الیاس نے ہارن بجایا۔ چوکیدار نے فوراً گیٹ کھول دیا۔ کار اندر آ گئی اور چوکیدار نے گیٹ بند کر دیا۔

"کوئی آیا تو نہیں۔" الیاس نے باہر نکلتے ہی پوچھا۔

"کوئی نہیں آیا جناب۔" چوکیدار نے جواب دیا۔

ان کی گاڑی کو دیکھ کر سارہ بھی مین دروازے میں کھڑی ہو گئی تھی۔ الیاس نے پارسل بھی گاڑی سے نکال لیا تھا۔ سعید گھر کے اندر آ کر بھی ڈر رہا تھا۔ اس سے چلنا دوبھر ہو رہا تھا۔ وہ کسی سہمے اور ڈرے ہوئے بچے کی طرح دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔

الیاس اور سعید جونہی اندر گئے، سعید نے سارہ سے کہا۔ "دروازہ لاک کر دو۔"

"کیا ہوا ہے؟" سارہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں ہوا...." الیاس نے اتنا ہی کہا تھا کہ سعید فوراً اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"مجھے قتل کرنے کی دھمکی ملی ہے۔ اس پارسل میں دیکھو کیا ہے، وہ لوگ مجھے مار دیں گے....."

"کیا ہے اس پارسل میں؟" سارہ نے پارسل کی طرف دیکھا۔ الیاس ابھی سارہ پر پارسل کی حقیقت منکشف نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جب سعید نے بات کر ہی دی تو اس نے وہ پارسل سارہ کی طرف بڑھا دیا۔ سارہ نے ڈبا لیا اور اسے میز پر رکھ کر جونہی اس کا ڈھکن اٹھایا اور خنجر پر لکھی تحریر پڑھی تو وہ بھی چونکے بغیر نہیں رہ سکی۔ الیاس نے اس ڈبے پر پھر ڈھکن رکھ دیا۔

"کون ہے جو آپ کو مارنا چاہتا ہے؟ کون ہے جو ایسی سفاک تحریر آپ کو بھیج رہا ہے؟" سارہ نے جلدی سے سعید سے پوچھا۔

"مجھے کچھ معلوم نہیں ہے وہ گمنام کون ہے۔ ایک گمنام خطرہ میرے سر پر منڈلا رہا ہے۔ میری زندگی اجیرن ہو گئی ہے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔" سعید نے کانپتے لہجے میں بات کی۔

"آپ نے پولیس کو اطلاع دی ہے؟" سارہ نے الیاس کی طرف دیکھا۔

"میں سعید کو اسی لیے یہاں لایا ہوں تاکہ خود جا کر اپنے دوست انسپکٹر سے بات کروں۔ آپ ان کا خیال رکھنا، میں آتا ہوں۔" اسی وقت چوکیدار آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پارسل تھا جو چمک دار کاغذ میں لپٹا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ چوکیدار کچھ بتاتا، الیاس اس پارسل کو دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ سعید کا دھیان کسی اور طرف تھا اس لیے وہ پارسل دیکھ نہیں سکا تھا جبکہ سارہ بھی پارسل کو دیکھتے ہوئے متحیر کھڑی تھی۔

"یہ ابھی ایک موٹر سائیکل سوار دے کر گیا ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ صاحب جی نے کچھ منگوایا تھا...."

چوکیدار کی آواز پر سعید نے بھی سر اٹھا کر دیکھ لیا۔ جونہی اس کی نگاہ پارسل پر پڑی، وہ چونکا اور خوف زدہ انداز میں بولا۔

"ایک اور پارسل..... ایک اور پارسل.... مجھے بچا لو الیاس..... مجھے وہ لوگ مار دیں گے۔"

الیاس نے پارسل لیا اور چوکیدار کو جانے کا اشارہ کر دیا، وہ جلدی سے چلا گیا۔ سارہ نے جلدی سے مین دروازہ بند کر کے لاک لگا دیا۔

تینوں کی سوالیہ نگاہیں پارسل پر مرکوز تھیں۔ اس جگہ ایک عجیب سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ الیاس نے چمکیلا کاغذ الگ کیا اور آہستہ سے اس ڈبے کا ڈھکن اٹھایا تو تینوں کی متجسس نگاہیں ڈھکن کے نیچے کیا ہے، دیکھنے کو بے تاب تھیں۔ الیاس نے ڈھکن اٹھایا تو تینوں ایک ساتھ چونک گئے۔ سعید کے دل کی دھڑکن پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی۔ اس ڈبے کے اردگرد روئی کاٹ کر رکھی گئی تھی اور درمیان میں ایک کاغذ کا ٹکڑا رکھا تھا جس پر لکھا تھا۔

"الٹی گنتی شروع..... چار گھنٹوں کے اندر اندر تم کو جان سے مار دوں گا۔ تم بچ نہیں سکو گے۔"

''کیا لکھا ہے..... کیا لکھا ہے مجھے بتاؤ۔'' سعید تحریر پڑھ نہیں سکا تھا، اس لئے بے چینی سے پوچھا۔

''لکھا ہے وہ لوگ آپ کو اگلے چار گھنٹوں کے اندر جان سے مار دیں گے۔'' سارہ نے ایک دم سے بتا دیا۔ جونہی اس نے بتایا الیاس نے ناگوار انداز میں سارہ کی طرف دیکھا۔ سارہ کے منہ سے یہ سن کر سعید کے جسم میں خوف ایسے سرایت کر گیا جیسے رگوں میں خون دوڑتا ہے۔ اس کی حالت ڈر اور خوف سے بُری ہوتی جا رہی تھی، اس سے بولنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ محض الیاس اور سارہ کی طرف بار بار دیکھے جا رہا تھا۔

الیاس نے گتے کا ٹکڑا اُٹھا لیا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد اس نے ڈبے کے اندر کی ردّی میز پر اُلٹ دی۔ پھر اس نے ردّی کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔ اس ردّی میں کچھ نہیں تھا۔ اس نے وہ ساری ردّی کے ٹکڑے واپس ڈبے میں رکھے اور وہ ڈبا اٹھا لیا جس میں خنجر تھا۔ اس نے خنجر نکال کر میز پر رکھا اور اس کی بھی ردی میز پر الٹ دی۔ وہ اس ردّی کے ٹکڑوں میں متلاشی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے انگلیاں پھیرنے لگا۔ اس میں بھی اسے کچھ نہیں ملا۔ وہ اپنی تسلی کرنا چاہتا تھا کہ شاید انہوں نے ردّی میں بھی کوئی پیغام بھیجا ہو..... سب کچھ اسی ڈبے میں رکھنے کے بعد وہ سعید کے پاس گیا اور بولا۔

''یاد کرو سعید...... تین سال پہلے تم نے ایک بزنس شروع کیا تھا اور ایک سال کے اندر اندر نقصان دکھا کر سکندر خان کا سارا سرمایہ سمیٹ لیا تھا۔ اس نے دھمکی دی تھی کہ جب اسے موقع ملے گا وہ تم کو تڑپا کر اور خوف میں مبتلا کر کے ایسی موت کے حوالے کرے گا کہ تمہاری زندگی اجیرن ہو جائے گی۔'' الیاس نے اسے تین سال پرانی بات یاد دلا دی۔

الیاس کے یاد دلانے سے سعید تین سال پیچھے چلا گیا۔ اس نے جان بوجھ کر اکاؤنٹ میں ایسی ہیر پھیر کی تھی کہ سکندر کا لگا سرمایہ اس نے نقصان دکھا کر ہڑپ کر لیا تھا۔ سکندر بہت چیخا اور چلّایا تھا لیکن سعید نے اس انداز میں اپنا کام کیا تھا کہ وہ اس کے خلاف چارہ جوئی کرنے میں بھی ناکام رہا تھا اور سعید کو دھمکیاں دے کر واپس آسٹریلیا چلا گیا تھا۔

''ہاں اس نے بہت سی دھمکیاں دی تھیں، یہ بھی کہا تھا وہ میری زندگی کو اجیرن کر دے گا..... اس نے یہ بھی کہا تھا وہ میری زندگی میں ڈر اور خوف بھر دے گا۔ مجھے اس کی ایک بات یاد آنے لگی ہے۔'' سعید سوچتے ہوئے بولا۔

''اس سارے معاملے کے پیچھے اسی کا ہاتھ تو نہیں ہے؟'' الیاس نے سوالیہ نگاہیں اس کے چہرے پر جما دی تھیں۔

''ممکن ہے اس کے پیچھے اسی کا ہاتھ ہو.... لیکن میرے گھر میں میرے آفس میں، میرا موبائل فون میسج کے لیے وہ کیسے استعمال کر سکتا ہے؟''

''جب بندے کے پاس بے تحاشا پیسہ ہو پھر اس کے لیے کوئی چیز خریدنا مشکل نہیں ہوتا۔''

''مان لیا پیسے سے وہ کچھ بھی خرید سکتا ہے۔ میرے آفس کے کسی آدمی کو اس نے خرید لیا ہو گا اور اسی نے میرے موبائل سے تم کو میسج کر دیا ہو گا۔ لیکن میرے گھر میں میرا موبائل فون کیسے استعمال کر سکتا ہے؟ کیا اس نے میرے بچوں میں سے بھی کسی کو خرید لیا ہو گا.....؟''

''اب ذرا یہ سوچو، رات کو اس گھر میں کوئی موجود تھا۔ چوکیدار نے ساری تلاشی لی لیکن وہ نہیں ملا لیکن کوئی تھا جو اس گھر میں موجود تھا۔ جس نے تمہارے چوکیدار کے سر پر کوئی چیز مار کر اسے بے ہوش کیا، جس نے سارہ کے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کیا، کوئی ایسا بھی تھا جو میرے گھر میں موجود تھا اور اس نے میرے باتھ روم کا دروازہ باہر سے لاک کر دیا اور پھر کھول بھی دیا۔ کوئی شگفتہ بھابی کے گھر میں بھی موجود تھا جو تمہارے موبائل فون سے میسج کر رہا تھا..... تمہارے سابقہ بزنس پارٹنر سکندر نے چند ماہر لوگوں کی ٹیم خریدی ہے جو یہ سب بڑی ہوشیاری سے کر رہی ہے..... وہ عام لوگ نہیں ہیں۔'' الیاس بولا۔

سعید سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس کی نظریں دائیں بائیں گھومنے لگی تھیں۔ جیسے وہ دیکھ رہا ہو کہ اس کے دائیں بائیں تو کوئی نہیں ہے۔

''اس کا مطلب ہے فواد پر ہمارا شک غلط تھا اور اصل میں اس سارے معاملے کے پیچھے سکندر کا ہاتھ ہے؟ وہی اصل ماسٹر مائنڈ ہے۔''

''میری سمجھ میں تو یہی آ رہا ہے۔ فواد تمہارا اپنا ہے وہ تم سے ناراض ہو سکتا ہے لیکن تم کو جان سے مارنے کے لیے ایسا نہیں کر سکتا۔ اس دن میٹنگ ہال میں وہ اپنے کسی کام سے گیا ہو گا۔'' الیاس نے اپنا نقطۂ نظر بیان کیا۔

''پولیس کو اطلاع دینے سے پہلے میں یہ پتا کرتا ہوں کہ سکندر آسٹریلیا سے واپس آ گیا ہے۔ سکندر کے بارے میں حسن کو سب پتا ہوتا ہے۔ وہ پچھلے تین سال سے یہاں

موجود اس کی پراپرٹیز کی دیکھ بھال کرتا ہے اور حسن میرا دوست ہے۔ جبکہ اس کا دایاں بازو ظہیر اس کے ہر منصوبے میں شامل ہوتا ہے۔'' الیاس بولا۔

''تم پتا کرو کہ وہ واپس آگیا ہے۔ اگر وہ واپس آگیا ہے تو حسن سے بات کرو کہ میں اس کا سارا پیسہ واپس کرنے کو تیار ہوں۔ وہ مجھے معاف کردے۔ میں اسے دوگنا واپس کردوں گا۔'' سعید کسی بچے کی طرح ڈرتا ہوا بولا۔

''تم فکر نہیں کرو میں معلوم کرتا ہوں۔'' الیاس بولا تو سارہ اس کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

''آپ کہیں نہیں جائیں گے۔ اگر کوئی اس گھر میں تھا، اور اس گھر میں بھی اس کی موجودگی ثابت ہوتی ہے تو پھر اب بھی کوئی اس گھر میں ہوگا جس نے چار گھنٹوں میں سعید کو مارنے کا وقت دیا ہے۔ آپ پولیس کو اطلاع دیے بغیر نہیں جاسکتے۔''

''میں ابھی پولیس کو اطلاع کردیتا ہوں۔ پولیس اس گھر میں سعید کی حفاظت کے لیے تعینات ہوجائے گی۔ جب تک ہم اصل مجرم کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہوں گے، تب تک اگر پولیس میں سے ہی کسی نے سعید کو نقصان پہنچا دیا اور ہمیں پتا بھی نہ چل سکا تو پھر ہم کیا کریں گے......؟ کیونکہ اگر اس سارے معاملے کے پیچھے سکندر کا ہی ہاتھ ہے تو وہ یہاں موجود پولیس اہلکار میں سے بھی کسی کو خرید لے گا۔''

الیاس کی بات سن کر سارہ پریشان ہوکر سوچنے لگی جبکہ سعید کے خوف میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔

الیاس پھر بولا۔ ''اس گھر میں اب ہم تینوں کے علاوہ ایک چوکیدار ہے۔ پانچ، چھ پولیس والے اس گھر میں آجائیں گے تو جو سعید کو قتل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے کام آسان ہوجائے گا۔ شاید وہ اس انتظار میں ہو کہ ہم پولیس کو اطلاع دیں اور پولیس اس گھر میں تعینات ہو۔''

الیاس نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر بولا۔ ''آپ دونوں اس کمرے میں چلے جائیں اور اندر سے دروازہ بند کرلیں۔ میں اور چوکیدار اس گھر کا ایک، ایک کونا دیکھ لیتے ہیں۔''

''اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ بہتر ہے ہم اسی وقت شہر کے بڑے ہوٹل میں ایک کمرا لے لیتے ہیں۔ وہاں سیکیورٹی ہوگی اور وہاں ہم بالکل محفوظ ہوں گے۔ ہوٹل میں آنے جانے کے راستوں پر کیمرے لگے ہوتے ہیں۔ کوئی بغیر اجازت کے کمرے تک نہیں جاسکتا۔'' سارہ نے تجویز پیش کی۔

''یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ تب تک میں حسن سے مل لیتا ہوں، اس کے بعد میں اپنے دوست انسپکٹر کے پاس جاؤں گا اسے ساری صورت حال سے آگاہ کروں گا وہ جو کہتا ہے پھر اس کے مشورے پر عمل کریں گے۔'' الیاس نے فوراً اس کی تجویز سے اتفاق کیا۔

''میں اپنا سامان پیک کرلوں۔ شاید ہمیں ہوٹل میں ایک دو دن رہنا پڑ جائے۔'' سارہ بولی اور بیڈروم کی طرف چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد الیاس نے سعید کے پاس جاکر کہا۔

''سعید مجھے پورا یقین ہے کہ یہ سارا کام سکندر کا ہے۔ تمہارے آفس میں کوئی آدمی ہے جو اس نے خریدا ہے اور وہ اس جگہ سے میسج کررہا تھا جب تم موبائل اکیلا چھوڑتے تھے۔ تمہارے گھر میں بھی اس کا کوئی آدمی چھپا بیٹھا ہے۔ اتنے بڑے گھر میں وہ کہیں بھی آسانی سے چھپ سکتا ہے۔'' الیاس ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا اور اس کمرے کی طرف دیکھا جس کمرے میں سارہ گئی تھی اور پھر وہ آہستہ سے بولا۔ ''میرا یقین اس لیے بھی پکا ہے کہ تم نے سکندر کی بہن کے ساتھ خفیہ نکاح کرکے تین دن کے بعد طلاق دے دی تھی۔ انہوں نے تم سے انتقام لینے کا وعدہ کیا تھا۔''

''تم نے اچھا کیا تھا کہ سکندر کی بہن سے میرے نکاح کی بات سارہ کے سامنے نہیں کی تھی۔ وہ بات ماضی کی مٹی میں دفن ہوچکی ہے۔'' سعید کے جسم میں بے چینی تھی اور وہ بار بار پہلو بھی بدل رہا تھا۔ خوف اور ڈر اس کے اندر سے ختم نہیں ہوا تھا۔

''میں اس لیے پولیس کو ابھی ملوث نہیں کرنا چاہتا۔ میں چاہتا ہوں اگر سکندر اس ملک میں ہے تو میں حسن کے ساتھ مل کر اسے منانے کی کوشش کروں اور معاملہ جیسے تیسے رفع دفع کرادوں۔ اگر پولیس تک بات پہنچتی ہے اور وہ اسے پکڑ لیتی ہے تو پھر بہت کچھ کھل کر سامنے آجائے گا۔ تمہاری وہ خفیہ شادی بھی سامنے آجائے گی اور پھر شاید تم کو شگفتہ بھابی بھی معاف نہ کرے۔ تمہارے بچے تم سے منہ موڑ لیں، تمہارے لیے بہت مشکل ہوجائے گی۔ تمہاری زندگی میں طوفان برپا ہوجائے اور اعتبار کی فضا ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے۔''

''تم جو بھی کررہے ہو بالکل ٹھیک کررہے ہو۔ تم سکندر سے مل کر جیسے بھی سکندر مانتا ہے اسے مناؤ۔ [illegible] چاہیے میں اسے دینے کو تیار ہوں۔ [illegible]

...ی نے بوسیدہ کاغذوں میں دفن رہنے دینا چاہتا ہوں۔ ورنہ اس طوفان میں میں ڈوب جاؤں گا۔" سعید نے کہا۔ دونوں کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ سارہ کمرے کے دروازے کے 'کی ہول' سے آنکھ لگائے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کی سماعت تک ان کی آواز نہیں پہنچ رہی تھی۔ دونوں کی سرگوشیاں اس کے اندر تجسس پیدا کر رہی تھیں۔

الیاس نے اپنا موبائل فون نکال کر سعید سے کہا۔ "میں ذرا حسن سے بات کرلوں۔" الیاس نے حسن کا نمبر ملایا اور ایک طرف چلا گیا۔ وہ تھوڑی دیر آہستہ آواز میں بات کرتا رہا اور پھر فون کان سے الگ کر کے اس نے سعید کی طرف دیکھا اور اس کے پاس جا کر سرگوشی کی۔

"سکندر ایک ماہ سے اسی شہر میں ہے۔"

"کک...... کیا......؟" سعید کی جیسے جان نکل گئی ہو۔ وہ الیاس کی طرف سوالیہ اور متوحش نگاہوں سے دیکھتا رہا۔

الیاس نے اگلی بات کی۔ "حسن نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ پندرہ دنوں سے روڈ ایکسیڈنٹ میں شدید زخمی ہو کر اسپتال میں داخل ہے۔"

"اس کا واقعی ایکسیڈنٹ ہوا ہے یا وہ جان بوجھ کر وہاں داخل ہوا ہے تاکہ اس پر کسی طرح کا کوئی الزام نہ آسکے۔"

"اس بارے میں اب کیا کہا جاسکتا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ یہ جان سکوں، وہ واقعی زخمی ہو کر اسپتال میں داخل ہے یا یہ بھی اس کی کوئی چال ہے۔" الیاس نے سوچتے ہوئے کہا۔

سارہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ وہ دروازے سے ایک طرف ہٹ کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ معاملہ گمبھیر ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مفت میں ماری جائے۔ اس نے اس بوڑھے سے اس لیے شادی نہیں کی تھی۔ وہ اس کی بہت سی جائیداد اور بینک بیلنس اپنے نام منتقل کروانا چاہتی تھی۔ سعید کو ہوٹل لے جاتے ہوئے اگر راستے میں ان پر حملہ ہو جاتا ہے اور اس بوڑھے کے ساتھ وہ بھی ماری جاتی ہے تو اس کا مقصد اور دل کی خواہشیں اس کے ساتھ ہی دم توڑ کر دفن ہو جائیں گی۔ سعید کو چار گھنٹوں کا وقت ملا ہے۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے اس لیے اس گھر سے باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔

سارہ ایک دم کمرے سے باہر نکلی تو الیاس اور سعید باتیں کرتے ہوئے چپ ہو گئے۔

"میں نے سوچا ہے ہم ہوٹل نہیں جائیں گے بلکہ اس گھر سے باہر نہیں نکلیں گے۔ انہوں نے سعید کو چار گھنٹوں کا وقت دیا ہے۔ کچھ وقت گزر بھی گیا ہے۔ راستے میں ان پر حملہ ہو سکتا ہے اس لیے یہ گھر ہی محفوظ جگہ ہے۔" سارہ باہر نکل کر بولی۔

"محفوظ تو یہ گھر بھی نہیں ہے۔" سعید مریل سی آواز میں بولا اور اس کی سانس ایک دم سے تیز ہو گئی۔

"پھر اس کا ایک ہی حل ہے وہ یہ کہ پولیس کو اطلاع کر دیں۔ پولیس کو اطلاع کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس گمنام مجرم کو پولیس ہی تلاش کر سکتی ہے۔" سارہ نے کہا۔

"سارہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ میرے لیے اب کوئی جگہ محفوظ نہیں ہے۔ وہ مجھے مار دیں گے۔ جس طرح سے وہ میرے دونوں گھروں میں داخل ہو سکتے ہیں، اپنی کارروائی کر سکتے ہیں، وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔" سعید نے الیاس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ الیاس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ کیا کرے۔ سعید بھی اس قدر پریشان اور غیر مستحکم سوچ کا مالک بن گیا تھا کہ ہر لمحہ اپنی رائے بدل رہا تھا۔

"آپ دیر مت کریں جو بھی کرنا ہے جلدی کریں۔ میں اوپر کمرے میں جا رہی ہوں۔ میرا کچھ سامان ہے وہ لے آؤں۔" سارہ نے جان بوجھ کر ایسا کہا اور سیڑھیوں کی طرف چلی گئی۔ جس جگہ سعید صوفے پر براجمان تھا، وہاں سیڑھیاں قریب تھیں اور اوپر جا کر سارہ ان کے درمیان ہونے والی بات چیت سن سکتی تھی۔ وہ ان دونوں کو موقع دینا چاہتی تھی کہ وہ پھر سے آپس میں وہ سلسلۂ کلام جوڑ لیں جو اس کے کمرے سے باہر نکلنے پر انہوں نے توڑ دیا تھا۔ سارہ جاننا چاہتی تھی کہ وہ دونوں کیا باتیں کر رہے ہیں۔

سارہ سیڑھیوں کے اوپر جا کر رک گئی۔ اور ایک ایسی جگہ بیٹھ گئی جہاں وہ ان کو نظر نہیں آسکے۔ اور دونوں کی باتیں بھی سن سکے۔ نیچے سعید پریشان اور خوفزدہ بیٹھا تھا جبکہ الیاس اس کے سامنے کھڑا تھا۔

سارہ ان کی بات سننے کے لیے بے قرار تھی اور اس بات سے بے خبر تھی کہ اس کے پیچھے کوئی دبے پاؤں آکے کھڑا ہوا ہے۔ اس کے جوتے پرانے اور جسم کی جیکٹ ہوئی تھی۔ اس نے ہاتھوں پر سفید دستانے پہنے تھے۔ اس کے ایک ہاتھ میں رومال تھا۔ سارہ اپنے دھیان میں بیٹھی تھی۔ اچانک اس کے عقب میں کھڑے شخص نے اپنا رومال اس

ہاتھ سارہ کے منہ پر رکھ دیا۔ اور ایک ہاتھ سے اس کا ایک بازو پکڑ لیا۔ اس اچانک افتاد پر سارہ چونکی اور اس نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس نے دبایا ہوا تھا اور جلد ہی وہ اس کے بازوؤں میں جھول گئی۔

اس شخص کا چہرہ اس اون کی ٹوپی میں چھپا ہوا تھا جو سر سے لے کر گردن تک تھی اور آنکھوں اور ناک کی جگہ سوراخ تھے۔ رومال میں لگی دوا اتنی زیادہ نہیں تھی اس لیے سارہ جلدی ہوش میں آسکتی تھی۔

وہ نقاب پوش، سارہ کو فرش پر گھسیٹ کر کمرے میں لے گیا اور اسے ایک کرسی پر بٹھا کر بڑی تیزی سے اس کے ہاتھ اور پیر کس کے باندھنے لگا۔ پھر اس نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسا اور اس پر ٹیپ لگا دیا۔

نقاب پوش نے اچھی طرح سے تسلی کی اور کمرے سے باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ نقاب پوش نے کمرے سے باہر نکل کر اپنی پینٹ کی جیب سے ربر کی گیند نکالی اور اسے فرش پر مار کر اچھالنے اور کیچ کرنے لگا۔

تھپ...... تھپ...... تھپ...... کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ آوازیں نیچے کھڑے الیاس کے کانوں تک بھی پہنچ گئیں۔ اس نے اپنی پوری توجہ اوپر کی طرف مرکوز کر دی۔ الیاس کا دھیان اوپر کی طرف دیکھ کر سعید بھی چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے بھی آواز آرہی تھی۔

سعید کی آنکھوں میں بے چینی اور ڈر دوڑنے لگا۔ وہ کبھی چھت کی طرف اور کبھی الیاس کو دیکھنے لگتا۔ اس کے دل کی دھڑکن پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ جسم کانپنے لگا تھا۔

الیاس نے اپنے ہونٹوں پر شہادت کی انگلی رکھ کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا اور سیڑھیوں کی طرف بغیر آواز پیدا کیے بڑھا۔ وہ بڑی احتیاط سے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ اچانک آواز آنا بند ہو گئی۔ جب وہ دبے پاؤں اوپر پہنچا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

الیاس نے متلاشی نگاہوں سے چاروں طرف اور ہر کمرے کے بند دروازے کی طرف دیکھا۔ تھوڑی دیر وہ اسی جگہ کھڑا رہا۔ پھر وہ سعید کے بیڈ روم کی طرف بڑھا۔ دروازے کے پاس جا کر اس نے آہستہ سے دستک دی۔ کچھ انتظار کے بعد اس نے پھر دستک دی...... کوئی جواب نہ آیا تو اس نے آہستہ سے پکارا۔ ”سارہ...... کیا تم اندر ہو......؟“

الیاس نے جواب کا انتظار کیا مگر کوئی جواب نہیں ملا۔

اس نے آہستہ سے دروازہ کھول دیا۔ رفتہ رفتہ دروازہ دھکیل کر اس نے اندر جھانکا تو اس کی نگاہ کرسی پر بندھی ہوئی سارہ پر پڑی۔ وہ ایک دم سے چونک گیا۔

وہ اندر چلا گیا۔ اس نے پہلے پورے کمرے کو دیکھا اور پھر بے ہوش سارہ کی ناک کے پاس اپنی انگلی لے جا کر تسلی کی اور تیزی سے باہر نکل کر اس نے بند کمروں کے دروازے کھول کر اندر دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ ڈر کر اوپر آیا تھا اور کسی دروازے کو اس نے بند نہیں کیا تھا۔ کسی کمرے میں اسے کوئی نہیں ملا۔ وہ تیزی سے سارہ کے پاس گیا اور پاس جا کر بولا۔

”سارہ...... سارہ......“ الیاس کو سعید کا خیال آیا، وہ نیچے اکیلا بیٹھا تھا وہ اسی وقت بھاگتا ہوا سیڑھیاں نیچے اترا۔ سعید ڈرا سہما صوفے پر بیٹھا تھا۔

”کیا ہوا...... اوپر کوئی ہے؟“ سعید نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

الیاس اس کی بات کا جواب دیے بغیر مین دروازے کی طرف بڑھا اور لاک کھول کر باہر نکل گیا۔ باہر نکلتے ہی اس نے آواز دی۔ ”چوکیدار...... چوکیدار......“

الیاس کے قدم اسی جگہ رک گئے کیونکہ چوکیدار گیٹ کے پاس نہیں تھا اور گیٹ کے اندر سے تالے لگے ہوئے تھے۔ الیاس کی متحیر نگاہیں دائیں بائیں گھوم رہی تھیں۔ الیاس نے گاڑی کی طرف دیکھا اسے لگا جیسے گاڑی کا پچھلا دروازہ اچھی طرح سے بند نہیں ہوا۔ الیاس دھیرے دھیرے کار کی طرف بڑھا اور جونہی وہ قریب گیا اور اس کی نظر گاڑی کے اندر پچھلی سیٹ پر پڑی تو وہ ٹھٹک گیا۔

پچھلی سیٹ پر چوکیدار بے ہوش پڑا تھا اور اس کے ہاتھ پیر مضبوطی سے باندھے ہوئے تھے۔ اس کے منہ پر ٹیپ بھی لگی تھی۔

الیاس نے ایک بار پھر متلاشی نظروں سے دائیں بائیں اور پیچھے دیکھا۔ پھر وہ اندر کی طرف بھاگا۔ سعید اسی صوفے پر دبکا بیٹھا تھا۔ الیاس کو دیکھتے ہی اس نے گردن اوپر کی اور پوچھا۔ ”کیا ہوا ہے...... مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے...... سارہ بھی نیچے نہیں آئی......“

”اوپر سارہ کو باندھا ہوا ہے اور وہ بے ہوش ہے چوکیدار کو بھی بے ہوش کر کے گاڑی میں ڈالا ہوا ہے۔“ الیاس نے جلدی سے بتایا۔

سعید کے جسم سے جان ہی نکل گئی۔ وہ بری طرح چیخا۔ ”مجھے بچاؤ...... وہ مجھے مار دیں گے...... مجھے......“

جگہ سے لے جاؤ۔''

''گیٹ پر اندر سے تالا پڑا ہوا ہے۔''

''میں کہاں جاؤں...... اس نے کہا تھا وہ مجھے چار گھنٹوں میں مار دے گا...... سکندر تم میری بات سن لو۔ مجھ سے جو لینا چاہتے ہو لے لو...... مجھے معاف کر دو۔ میں تمہارا سارا پیسہ واپس کرنے کو تیار ہوں...... جتنا اور چاہیے وہ بھی لے لو...... مجھے کچھ مت کہو...... مجھے جانے دو......'' سعید کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔ اس کے جسم میں ایسی بے چینی دوڑنے لگی تھی کہ ایک پل کے لیے چین نہیں مل رہا تھا۔

''حوصلہ کرو سعید میں پولیس کو فون کرتا ہوں۔''

الیاس نے اپنا موبائل فون نکالا اور نمبر تلاش کرنے لگا۔ اچانک ربڑ کی گیند رفتار سے اس کی طرف آئی اور سیدھی الیاس کے ہاتھ میں پکڑے موبائل فون کو لگی۔ موبائل فون دور جا گرا اور اس کی بیٹری نکل کر ایک طرف چلی گئی۔

الیاس نے چونک کر اس جانب دیکھا جس طرف سے گیند آئی تھی۔ سامنے وہی نقاب پوش کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کار کا ٹائر تھا۔ سعید کی متوحش نگاہیں اس نقاب پوش پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ گھبراہٹ اور وحشت سے سعید کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ وہ ابھی گر جائے گا۔

''کون ہو تم......؟'' الیاس نے پوچھا۔ جواب دینے کے بجائے نقاب پوش نے ٹائر دونوں ہاتھوں میں لے کر سر سے اوپر کیا اور پوری قوت سے الیاس کی طرف پھینک دیا۔ الیاس روزانہ ورزش کرتا تھا۔ وہ اچھی خوراک کھاتا تھا لیکن ساٹھ سال کا بوڑھا شخص تھا۔ وہ اپنے آپ کو بچا نہیں سکا اور ٹائر اس کے سینے پر لگا اور وہ منہ سے تکلیف دہ آواز نکال کر فرش پر جا گرا۔

نقاب پوش بڑی پھرتی سے اس کی طرف بڑھا اور اس کا سر پکڑ کر فرش پر دے مارا۔ الیاس کے منہ سے پھر کراہنے کی آواز نکلی۔ نقاب پوش نے اس کی ٹانگ کو پکڑ کر کھینچا اور اس جگہ لے گیا جہاں وہ کھڑا تھا۔

اس نے ایک طرف رسی رکھی ہوئی تھی۔ نقاب پوش نے رسی اٹھائی اور الیاس کی ٹانگیں باندھنے لگا۔ سر زمین سے ٹکرانے سے اس کی آنکھوں کے گرد اندھیرا سا چھایا ہوا تھا۔ پھر بھی اس نے ہمت کی اور اپنی ٹانگ کو نقاب پوش کے سینے پر دے مارا۔ حملہ غیر متوقع تھا۔ نقاب پوش ایک طرف جا گرا۔ سعید ڈرا سہما...... ان دونوں کو...... خوف و وحشت زدہ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

اس سے قبل کہ الیاس اٹھ کر اس پر مزید حملہ کرتا نقاب پوش نے برق رفتاری سے اپنی جگہ چھوڑی اور ایک مکا اس کے منہ پر دے مارا۔ الیاس کے منہ سے خون رسنے لگا۔ نقاب پوش نے الیاس کے دونوں ہاتھ کمر کی طرف موڑے اور تیزی سے رسی لپیٹ کر اس کے دونوں ہاتھ باندھ دیے اور پھر اس کے پیر بھی رسی سے کس دیے۔ اس کے بعد نقاب پوش اسے کھینچتا ہوا دوسرے کمرے میں لے گیا اور کمرا بند کر دیا۔

اب سعید اور نقاب پوش آمنے سامنے کھڑے تھے۔ نقاب پوش کی آنکھیں اسی... پر مرکوز تھیں اور سعید بے جان جسم کی طرح اس کے سامنے کھڑا کانپ رہا تھا۔

''مجھ سے جو چاہیے وہ لے لو...... لیکن مجھے کچھ مت کہو......'' سعید سے بولنا دوبھر تھا... اس نے گڑگڑانے کے انداز میں اپنا جملہ مکمل کیا تھا۔

نقاب پوش نے قدم اس کی طرف بڑھائے تو سعید پھر چیخا۔ ''مجھے کچھ مت کہنا......''

نقاب پوش بالکل اس کے قریب چلا آیا۔ سعید نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ خوف سے اس کا برا حال تھا۔ نقاب پوش اسے دیکھتا رہا۔ پھر وہ اس کے کان میں بولا۔ ''مجھے جو تم سے لینا تھا وہ میں نے لے لیا ہے۔''

''لے لیا ہے تو مجھے چھوڑ دو اور میری جان بخش دو۔'' سعید نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''لو چھوڑ دیتا ہوں......'' وہ معنی خیز لہجے میں بولا اور ایک دم اس ڈبے کی طرف گیا جس میں خنجر تھا۔ اس نے خنجر نکالا اور برق رفتاری سے سعید کی گردن پر رکھ دیا۔

سعید دم بخود رہ گیا۔ اس کا دل سینے کے پنجرے میں پرندے کی طرح پھڑپھڑا رہا تھا۔ سانس رکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ جسم کانپ رہا تھا۔ اور پھر اس کی ٹانگیں بے جان سی ہو گئیں۔

''مم...... مجھے...... چھوڑ دو۔'' بمشکل سعید نے کہا۔

''تم کو کسی چوہے کی طرح خوف زدہ دیکھ کر مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔ ہم یہی چاہتے تھے۔ اسی خوف کو تمہارے چہرے پر دیکھنا چاہتے تھے۔'' نقاب پوش نے کہہ کر خنجر کی دھار اس کی گردن پر آہستہ سے پھیرنی شروع کر دی۔ اس سے سعید کی جلد کو کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا تھا لیکن خوف سے اس کی جان نکل رہی تھی۔ اس کا جسم اور بری طرح کانپ رہا تھا۔ دل پہلے سے بھی زیادہ تیز دھڑکنے لگا تھا۔ وہ اس نقاب پوش کے سامنے بن پانی کی مچھلی کی طرح تھا۔

میں الیاس سے کھڑا ہونا مشکل ہو گیا تھا۔ اس کی ٹانگیں بے جان ہو گئیں اور وہ ..... بے ہوش ہو کر فرش پر گر گیا۔

نقاب پوش اسے دیکھتا رہا اور پھر اس نے اس کمرے کا رخ کیا جہاں اس نے الیاس کو باندھ کر بند کیا تھا۔ الیاس اس کے اندر آتے ہی اس کی طرف دیکھنے لگا۔ نقاب پوش کے ہاتھ میں ... خنجر دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا تھا۔ اسے خوف لاحق ہوا کہ شاید اس نے سعید کو مار دیا ہے۔ نقاب پوش اس کی طرف بڑھا اور اس نے الیاس کی کلائیوں پر بندھی رسی کو کاٹ دیا اور کمرے سے باہر جانے لگا.. تو الیاس نے اپنی ٹانگیں اس کے قدموں میں الجھا دیں اور نقاب پوش گر گیا۔ الیاس اٹھا اور اس نے نقاب پوش کو قابو کر لیا۔

نقاب پوش اپنے آپ کو چھڑانے کی مزاحمت کرنے لگا۔ الیاس کی ٹانگیں بندھی ہوئی تھیں لیکن اس کے باوجود اس نے نقاب پوش کو اچھی طرح سے قابو کیا ہوا تھا۔ الیاس کی کوشش تھی کہ وہ اس کے چہرے سے نقاب اتار دے اور اس کوشش میں اس کا ایک ہاتھ اس کے نقاب تک پہنچ گیا۔ وہ کھینچ کر اس کے چہرے سے اتار دینا چاہتا تھا۔ اپنے آپ کو بچانے کے لیے نقاب پوش نے اپنا نقاب پکڑا ہوا تھا۔ دونوں اسی کشمکش میں تھے کہ اچانک نیچے پڑے نقاب پوش نے پوری قوت سے پلٹا کھایا اور الیاس اس کے نیچے آ گیا۔ نقاب پوش نے یکے بعد دیگرے اس کے چہرے پر گھونسے مارے اور جونہی الیاس کی گرفت ڈھیلی ہوئی اس نے اپنے آپ کو اس سے چھڑایا اور باہر جانے لگا تو الیاس نے پھر اس کی ٹانگ کو پکڑ لیا۔ نقاب پوش نے ایک جھٹکے سے ٹانگ چھڑائی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

الیاس نے برق رفتاری سے اپنے پیروں پر بندھی رسی کھولی اور زخمی حالت میں باہر کی طرف بھاگا۔ اس نے دیکھا کہ سعید فرش پر پڑا تھا۔ الیاس نے رک کر سعید کی نبض دیکھی اور پھر اٹھ کر باہر بھاگا۔ الیاس نے دیکھا کہ گیٹ کا چھوٹا دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا۔ شاید وہ اب فرار ہو گیا تھا۔ الیاس پھر واپس سعید کی طرف بھاگا۔

☆☆☆

اسپتال کے ایمرجنسی روم میں سعید کو آکسیجن لگی ہوئی تھی اور وہ بے ہوش تھا۔ ڈاکٹر نے بتایا تھا شدید خوف اور ڈر نے اس کا یہ حال کیا ہے۔ سعید کو جب سے اسپتال لایا گیا تھا اسے ہوش نہیں آیا تھا۔ ایمرجنسی روم کے باہر سارہ اور الیاس کھڑے تھے۔ سعید کی پہلی بیوی اور بچوں کو اطلاع کر دی گئی تھی اور وہ واپس آ رہے تھے۔

اسپتال میں سعید بے ہوش پڑا تھا اور ... سارہ رہائش پذیر تھی۔ اس گھر کی چھت پر چار ... عورت کھڑی تھی۔

ان میں سے ایک بولا۔ ”ہم نے فرزانہ کی ... بدلہ لے لیا ہے۔ سعید نے نفرت بھرے لہجے میں ... کو دھکا دے کر کہا تھا..... دفع ہو جاؤ ورنہ ... تم لوگوں کی زندگی اجیرن کر دوں گا..... ایسا سبق سکھاؤں گا پھر کبھی تم لوگوں کی زندگی میں سکون نام کی چیز نہیں ... گی..... اسی وقت عہد ہوا تھا کہ سعید کو ایسا سبق سکھایا جائے گا کہ اس کی زندگی سے سکون ختم ہو جائے گا۔ پھر ... نے مل کر منصوبہ بندی کی۔ ہم سب کے پاس ... جدید ٹیکنالوجی سے بھی واقفیت ہے۔“ وہ نوجوان ... کے لیے رکا اور پھر اپنے سامنے کھڑے دو افراد کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”سعید کے دونوں گھروں میں ... آپ دونوں ہیں۔ صفیہ بھابی گھر کے اندر سعید کی ... کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ سارے گھر میں وہ گھومتی تھی۔ سعید کے موبائل فون سے خفیہ میسج کرنا ہمارے لیے مشکل نہیں تھا..... میں دونوں گھروں میں آسانی سے داخل ہو جاتا تھا اور آسانی سے چھپ کر اپنی کارروائی بھی کرتا تھا اور آسانی سے چلا بھی جاتا تھا۔ آفس کی کارروائی بھائی نے سنبھالی ہوئی تھی..... ایک کھیل کھیلا جانے لگا کہ جس سے رفتہ رفتہ سعید کی زندگی خوف اور ڈر کے حصار میں لپٹتی گئی.. اور وہ دہشت میں مبتلا ہو کر اسپتال کے ایمرجنسی وارڈ تک پہنچ گیا۔ یہی ہمارا مقصد تھا۔ جس میں ہم گمنام طریقے سے کامیاب رہے اور سعید کا غرور مٹی میں بھی ملا دیا۔“

وہ نوجوان اس عورت کا بھائی تھا جو سعید کی ... ساتھ لگ کر بھائی کے نئے موبائل فون سے تصویر ... تھی اور سعید نے اسے زور کا دھکا دیا تھا.. اس نوجوان نے اپنی بات مکمل کی تو سب ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے پھر ایک طرف کھڑا وہ آدمی بولا۔ ”ہمارا انتقام مکمل ہوا اب خاموشی سے اپنی اپنی نوکری پر چلے جاؤ...“

پہلے نوجوان نے مسکراتے ہوئے اپنے بھائی کی طرف دیکھ کر اپنا سر خم کرتے ہوئے کہا۔ ”اوکے ... ماسٹر مائنڈ....“

اس کی بات سن کر سب مسکرا دیے اور ... طرف چل دیے۔ جس کو ماسٹر مائنڈ کہا گیا ... تھا وہ سعید کے دفتر کا ملازم اشرف تھا۔